فتاویٰ مفتی محمود

جلد سوم

فقیہہ ملت مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان۔

نام کتاب	فتاویٰ مفتی محمود (جلد سوم)
اشاعت اوّل	نومبر ۲۰۰۲ء
اشاعت دوم	مئی ۲۰۰۳ء
اشاعت سوم	مارچ ۲۰۰۴ء
ناشر	محمد ریاض درانی
سرورق	جمیل حسین
کمپوزنگ	جمعیۃ کمپوزنگ سنٹر' وحدت روڈ لاہور
مطبع	اشتیاق اے مشتاق پرنٹنگ پریس' لاہور
قیمت	-/200 روپے

ISBN No: 969-8793-21-6

فہرست

کتاب الزکوٰۃ ۱۸۷

زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرطوں کا بیان

صدقہ فطر کا بیان

زکوٰۃ کے متفرق مسائل

باب رؤیۃ الہلال

اعتکاف کے مسائل

حج کی فرضیت وادائیگی کے احکام

حج بدل کے مسائل

دوران حج سرزد ہونے والی غلطیوں کا بیان

حج کے متفرق مسائل

تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد،

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکر اولو الالباب

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کا تفقہ اور تصلب فی الدین اور مسائل میں احتیاط ایسے امور ہیں جس سے کوئی ذی شعور شخص صرف نظر نہیں کرسکتا اور آپ کی زندگی میں دین کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں تھا جس کے لیے آپ سے رجوع کیے بغیر چارہ ہو سکتا تھا- آپ کی فضاحت سے نہ علماء کرام مستغنی تھے اور نہ ہی امت مسلمہ کا کوئی فرد و بشر زندگی کے اکثر لمحات آپ کی تدریس اور اجرائے فتاویٰ میں گزرے، میری معلومات کے مطابق آپ کے جاری کردہ وہ فتاویٰ جو قاسم العلوم کے رجسٹری میں محفوظ ہیں بیس ہزار سے متجاوز ہیں، قاسم العلوم سے قبل آپ نے کتنے فتاویٰ جاری کیے ہوں گے اور قوم کی رہنمائی کے لیے اہم مسائل پر آپ نے کتنی گفتگو فرمائی ہوگی اس کا اندازہ ان منضبط فتاویٰ سے کیا جا سکتا ہے- کاش وہ بھی محفوظ ہو جاتے، بہر حال قدرت میں کسی کو دخل نہیں- فتاویٰ کی پہلی جلد کے لیے عزیزم ریاض درانی نے لکھنے کی فرمائش کی- حضرت مفتی محمود صاحبؒ کی علو شان کی وجہ سے اپنے کو لکھنے کے قابل تو نہیں سمجھتا تھا مگر ان کے اصرار اور ان فتاویٰ میں اپنا حصہ رکھنے کی نیت سے چند کلمات تحریر کر دیے تھے- الحمد للہ توقع کے عین مطابق فتاویٰ کی پہلی جلد کو علماء کرام نے بہت ہی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور دیگر جلدوں کی اشاعت پر اصرار بڑھتا گیا تاکہ امت حضرت مفتی محمود صاحب کی علمی میراث سے استفادہ کرے اور یہ نایاب علمی خزانہ کہیں حوادث زمانہ کا شکار ہو کر امت کی نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے- الحمد للہ! جلد ہی دوسری اور اب تیسری جلد کی اشاعت کا مرحلہ ہے اپنے ضعف اور بیماری کی بنا پر تفصیلی مضمون لکھنے کا متحمل نہیں- چند حروف مفتی محمد جمیل خان کی وساطت سے تحریر کر دیے ہیں- اس کے لیے اتنا ہی لکھنا کافی ہے کہ حضرت مفتی محمود کا اسم گرامی ہی اس کتاب کے مستند ہونے کے لیے کافی ہے- حضرت مفتی محمود اگرچہ عمر میں مجھ سے چھوٹے تھے

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو علوم حدیث وقرآن اور فقہ کا بہت وافر حصہ عطا فرمایا تھا اور انکی ذہانت اور قوت بیان اس پر مستزاد تھی۔ تحقیق اور جستجو اور دقیق مطالعہ اور بہترین حافظہ ان کا قیمتی سرمایہ تھا۔ تصنیف فی الدین اور اپنے مدلل دلائل، پر عزم استقامت ان کی امتیازی شان تھی۔ زندگی بھر کبھی بھی دین کے معاملہ میں انہوں نے معمولی سی کوتاہی بھی گوارا نہیں کی۔ اعلائے کلمۃ الحق کی عملی تصویر تھے۔ پاکستان میں ماڈرن اسلام اور سیکولرزم اور لادین لوگوں کے سامنے ہمیشہ سد سکندری کی حیثیت سے کردار ادا کرتے رہے۔ مفتی محمود کا اسم گرامی ہی علماء کی عظمت و وقار کا عنوان تھا۔ رب کائنات سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی محمود صاحب کی دیگر خدمات جلیلہ کی طرح فتاویٰ کے اس مجموعہ کو بھی قیامت تک کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ عزیزم مولانا فضل الرحمٰن اور عزیزم ریاض درانی اور اس فتاویٰ کے لیے کام کرنے والے علماء کرام مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو ان کے لیے نافع بنائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ اجمعین

ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر
شیخ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

عرض ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں فضل، کرم واحسان ہے کہ اس نے مجھ جیسے بے بضاعت اور ناکارہ شخص کو مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کی محبت وعقیدت سے نوازا اور میں برملا اس کا اعتراف کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس میں میرا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ میرے والد محترم حضرت مولانا مہابت خان نور اللہ مرقدہ کی تربیت اور علماء کرام سے محبت کا کمال ہے۔ وہ چونکہ خود حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کے علم وتقویٰ فقاہت وتدبر کے بہت زیادہ قائل و مداح تھے اور ان کی ذات کو امت کے لیے ایک بڑا احسان تصور کرتے تھے، اس لیے بچپن سے اپنی تمام اولاد کے ذہن وشعور میں علماء کرام کی عمومی طور پر اور مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی طور پر محبت وعقیدت راسخ کر دی تھی اور چونکہ میں ان کی سب سے بڑی اولاد تھا اس لیے فطری طور پر اس کا سب سے زیادہ اور وافر حصہ مجھے ملا اور بچپن ہی سے میرے ذہن میں مفتی محمود صاحب کی شخصیت لاشعوری طور پر ایک عظیم ہیکل اور بہت بڑے قد وقامت کے ساتھ نقش ہوگئی اور اگرچہ شعوری طور پر اپنی کم علمی کی وجہ سے ابھی تک مفتی محمود صاحب کے علوم ومعارف کا صحیح طور پر ادراک نہیں ہوا لیکن عملی میدان میں جب بھی مفتی محمود کو دیکھا آپ کی محبت وعقیدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ خصوصی طور پر جب علماء کرام کی مجالس میں بڑے بڑے اکابر کو مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف میں رطب اللسان اور چھوٹا ہونے کے باوجود مفتی محمود کا احترام کو ملحوظ رکھتے دیکھتا تو آپ کی علمی قد وقامت کو مزید بلند سے بلند تر محسوس ہوتا دیکھتا۔ اس بنا پر ابتدا ہی سے حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کے علوم ومعارف کی ترویج و اشاعت کی لگن دل میں پیدا ہوتی رہی۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے کتابوں کی طباعت کا ذوق دیا تو حضرت مفتی محمودؒ کے علوم کی اشاعت کا جذبہ مزید بیدار ہوا اور اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ قائد مکرم مولانا فضل الرحمٰن کے ایماء اور برادرم مفتی محمد جمیل خان کی معاونت سے ''فتاویٰ مفتی محمود'' کی اشاعت کی گراں قدر ذمہ داری ناتواں کندھوں پر آن پڑی۔ برادران محترم مولانا عبدالرحمٰن خطیب عالی مسجد لاہور، مولانا محمد عرفان استاد جامعہ مدنیہ لاہور اور مولانا نعیم اللہ کی معاونت سے ان فتاویٰ کی پہلی، دوسری جلد کی اشاعت کے بعد اب تیسری جلد کی اشاعت کی سعادت میرے لیے دنیا وآخرت کے لیے عظیم ذخیرہ ہے۔

اس جلد میں باب الجنائز، باب الزکوٰۃ، باب الصوم، باب الحج سے متعلق فتاویٰ کو جمع کر دیا گیا ہے۔ باب

الصوم کے ذیل میں رویت ہلال کے حوالے سے حضرت مفتی صاحب کے ایک نایاب عربی رسالہ زبدۃ المقال فی رویۃ الہلال کو شامل کر دیا گیا ہے- یہ رسالہ چونکہ عربی زبان میں تھا اس کی افادیت کے پیش نظر اس رسالے کا اردو ترجمہ بھی کروا کر شامل اشاعت کر دیا گیا ہے تا کہ افادۂ عام ہو سکے- اس سلسلہ میں ہم برادر مکرم مولانا محمد شریف ہزاروی خطیب مسجد دارلسلام اسلام آباد کے ممنون ہیں جنہوں نے اپنی گوں ناگوں مصروفیات کے باوجود ترجمہ کی خدمت سرانجام دی- رویت ہلال ہی کے باب میں جمعیۃ علماء اسلام پنجاب کے امیر حضرت مولانا محمد عبداللہ زیدہ مجدکم کا ارسال کردہ ۱۹۶۱ء میں کیا ہوا جمعیۃ علماء اسلام کی مرکزی شوریٰ کا ایک فیصلہ بھی شامل اشاعت کیا جا رہا ہے تا کہ جمعیۃ علماء اسلام کی سیاسی خدمات کے ساتھ ساتھ دیگر دینی خدمات سے بھی آگاہی ہو سکے-

میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ جنہوں نے ان فتاویٰ کی اشاعت میں تعاون فرمایا- اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے- میں خصوصی طور پر شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے پیرانہ سالی کے باوجود پہلی اور تیسری جلد پر اپنا گراں قدر تبصرہ مرحمت فرمایا جو ترجمان علماء دیوبند کا حضرت مفتی محمود کے لیے عظیم خراج عقیدت اور آپ کے علمی مقام کا شاہد ہے- اللہ تعالیٰ حضرت کا سایہ تادیر سلامت رکھے' یہاں پر خاص طور پر برادر مکرم مولانا محمد شریف ہزاروی کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے پہلی دونوں جلدوں کو حرفاً حرفاً پڑھا اور پروف ریڈنگ میں رہ جانے والی غلطیوں کی نشاندہی فرمائی- ہمیں امید ہے کہ تیسری جلد میں بھی رہ جانے والی غلطیوں کی نشاندہی کر کے ہماری رہنمائی کی جائے گی- اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے اس سعادت کی توفیق سے سرفراز فرماتا رہے اور ہم سب کے لیے اس کو صدقہ جاریہ بنائے- وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و الہ وصحبہ اجمعین-

محمد ریاض درانی
خاکپائے مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ
رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین
وعلی آلہ واصحابہ اجمعین' اما بعد

والد محترم قبلہ حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کی پہلی اور دوسری جلد کی مقبولیت نے اگلی جلدوں کی اشاعت کے لیے علماء کرام کے اصرار میں اضافہ کر دیا- برادرم ریاض درانی اور فتاوی پر کام کرنے والے علماء کرام سے درخواست کی گئی کہ اگلی جلدوں پر کام کو تیز کر دیں- اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ان حضرات کو جنھوں نے اپنی ہمت اور طاقت سے زیادہ کوشش اور محنت کر کے اگلی جلدوں کے کام کو تیز کیا اور الحمد للہ اب تیسری جلد کی اشاعت کی خوشخبری سنائی جو ایک طرف حضرت مفتی محمودؒ کے متوسلین کے لیے تو بہت بڑی خوشخبری ہے ہی امت مسلمہ کے لیے بھی اس اعتبار سے بہت ہی بشارت ہے کہ ایک عظیم علمی ذخیرہ اور خزانہ جو ہماری کوتاہی اور غفلت کی وجہ سے پردہ اخفاء میں تھا منظر عام پر آیا اور امت کے علماء کرام اور صلحا اور اہل دین اس سے استفادہ کر سکیں گے- پہلی جلد میں مختصر طور پر حضرت اقدس کی فقاہت کے سلسلے میں شیخ الحدیث والتفسیر استاد العلماء مخدوم المشائخ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر زید مجدہم اور عزیزم مولانا محمد جمیل خان نے تفصیلی طور پر کافی کچھ اور راقم الحروف نے بھی چند کلمات تحریر کیے تھے مگر اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس کے باوجود حضرت مفتی محمود کی فقاہت میں علو شان کا حق ادا نہیں ہو سکا- شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہم سے درخواست کی گئی کہ وہ دوسری اور تیسری جلد کے لیے حضرت مفتی محمود صاحب کی شان کے مطابق کچھ تحریر فرما دیں مگر مصروفیت کی وجہ سے ان حضرات کے مقالات بروقت پہنچ نہیں سکے- توقع ہے کہ اگلی جلدوں میں یہ حضرات ضرور کچھ تحریر فرمائیں گے-

میں تو حضرت اقدس امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور محدث العصر حضرت علامہ سید محمد

یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے تاثرات اور حضرت مفتی صاحب کے دور کے جید علماء کرام کی جانب سے حضرت مفتی محمود صاحب پر کیے گئے اعتماد اور محبت و عقیدت کو حضرت مفتی محمود کی علوشان کے لیے کافی سمجھتا ہوں۔ درحقیقت مفتی محمودؒ اس دور کی شخصیت نہیں تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلاف کے علوم و معارف عطا کرنے کے ساتھ ساتھ اوراکابر کی عزیمت سے بھی نوازا۔ وہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا محمد میاں، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری کے جانشین اور علماء حق کے ترجمان تھے۔ رب کائنات سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت والد صاحب قدس سرا کے اس فتاویٰ کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور ہم سب کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور امت کے لیے نافع۔ میں اس جلد کی اشاعت کے لیے برادرم حافظ ریاض درانی اور ان کے ساتھی علماء کرام کا شکرگزار ہوں اور دعا گوں ہوں کہ اللہ تعالیٰ مزید ہمت و توفیق فرمائے تاکہ تمام جلدیں جلد شائع ہو جائیں۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد واله وصحبه اجمعين

(مولانا) فضل الرحمٰن

امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

کتاب الجنائز

بوقت غسل میت کو کس رخ لٹایا جائے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں غسل میت کے وقت قبلہ رخ کرنے کے لیے میت کے پاؤں قبلے کی طرف کیے جاسکتے ہیں یا نہیں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم: میت کو غسل دیتے وقت بقبلہ ہونے کے لیے مشرق مغرب لٹانا یا شمال جنوب کو لٹانا دونوں طرح درست ہے۔اور دونوں طریق موافق شریعت کے ہیں۔

فی الدر المختار (ویوضع) کمامات (کما تیسر) فی الاصح (علی سریر مجمر وترا) ... الخ قال فی الشامی وقیل یوضع الی القبلة طولا وقیل عرضا کما فی القبر افاده فی البحر الخ (جلد اول ص ۶۳۱ کتاب الجنائز.) اس عبارت سے واضح ہوا کہ بعض نے فرمایا ہے کہ غسل کے وقت میت کو قبلہ کی طرف پیر کر کے لٹا دیں اور بعض نے فرمایا منہ قبلہ کی طرف کر کے لٹا دیں جیسا کہ قبر میں لیکن صحیح طرز یہ ہے کہ جو طریق آسان ہو اور سہل ہو ویسا کریں۔معمول یہ ہے منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں۔

بوقت غسل میت کو کس سمت لٹایا جائے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میت کو غسل جنوباً وشمالاً لیٹا کر کرایا جاوے یا طول القبلة لیٹا کر دیا جاوے اور حضور علیہ السلام کا عمل مبارک کیسے تھا۔اور حضور علیہ السلام کو غسل حضرت علیؓ نے دیا۔ان دو باتوں میں کون سے طریقہ سے فرمایا تھا اور امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کے مطابق کس طریقہ پر عمل کرنا چاہیے اور اگر ایک عالم یہ کہے کہ میت کو جنوباً وشمالاً لیٹا کر غسل دیا جاوے کیا یہ درست ہے یا غلط باوجود عدم ضرورت کے۔اور اگر درست ہو تو افضلیت کس طریقہ میں ہے۔بینوا وتوجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔اس مسئلے کے متعلق دونوں قسم کی روایتوں سے کتب فقہ بھرپور ہیں۔ظاہر روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں مشائخ میں سے بعض نے ایک طریقے کو پسند فرمایا ہے اور بعض نے دوسرے طریقے کو اس بندہ

کو اپنے نظریہ کے مطابق طولاً الی القبلة والی صورت اولیٰ معلوم ہوتی ہے۔ ویسے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ قال فی الکبیر شرح منیة المصلی ص ۵۳۴

قال فی المبسوط والبدائع والمرغینانی یوضع علی تخت طولاً الی القبلة کما فی صلوة المریض بالایماء وقال الاسبیجابی لا روایة فیه عن اصحاب ان یوضع علی قفاه

اس روایت سے طولاً الی القبلة والی صورت اولیٰ معلوم ہوتی ہے جب کہ مکان متسع ہو ورنہ کیف ما تیسر حضور ﷺ کے عمل مبارک کے متعلق کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم باقی امام اعظم کے متعلق تو علماء نے اپنی کتابوں میں لکھ دیا ہے لا روایة فیه عن اصحابنا و باقی عالم مذکور کا یہ قول اور اس کا یہ عمل بھی درست ہے اس پر تشنیع کرنا یا اسے غلط کہنا نہیں چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

میت نہلانے کے بعد ہدیہ لینا اور اسکو زکوٰۃ میں دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ایک محلے کے لیے مقرر کیا گیا کہ جو آدمی فوت ہو جائے اس کو نہلائے اور جنازہ پڑھائے پھر لوگ اس کو کپڑے یا جوتا وغیرہ دیتے ہیں یا کوئی اور چیز دیتے ہیں اور وہ اجرت کے طور پر بھی نہیں ہوتا ہے جیسے اللہ واسطے دیتے ہیں اور وہ آدمی مانگتا بھی نہیں، کیا ان کپڑوں کو یہ لینے والا زکوٰۃ میں دے سکتا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

صورت مسئلہ میں جو کپڑے اس شخص نے لیے ہیں وہ اس کی ملک ہیں۔ ان کپڑوں کو زکوٰۃ میں دے سکتا ہے لیکن جب کہ یہ شخص غنی ہے اور وہ نہلانے کی اجرت نہیں لیتا تو وہ اموات کے کپڑے نہ لے کیونکہ اموات کے کپڑوں میں ورثاء چھوٹے بڑے اپنے حصہ شرعی کے بقدر حقدار ہوتے ہیں تو سب کی اجازت سے کپڑے دیے جائیں اور بعض وارث نابالغ ہوں تو بالغ ورثاء اپنے حصے میں سے دیں۔ تب یہ کپڑا صحیح طور سے اس کی ملک میں آ سکتا ہے۔ ورنہ اس کے ملک آ جانے میں شبہہ ہے اور سب کی اجازت سے ہو یا بالغ اپنے حصے سے دیں پھر بھی اس شخص کے غنی ہونے کی صورت میں فقرا اور مساکین حاجتمندان کپڑوں کے زیادہ مستحق ہیں، اور اگر یہ شخص بغیر کچھ لیے بھی نہیں رہ سکتا تو نہلانے کی اجرت مقرر کر کے اسے لے، چاہے قلیل مقدار ہی لے۔

بہتر تو یہ ہے کہ یہ کپڑے مالکان کو واپس کر دے اور اگر پتہ نہ چلے تو فقراء میں ان کی طرف سے صدقہ کرے اور زکوٰۃ میں نہ دے بصورت مجبوری اگر دیدے تو برائت ذمہ شاید ہو جائے۔ فقط والجواب صحیح عبداللہ غفر اللہ عنہ

میت کو نہلانے والے پر غسل کرنا ضروری نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہم اہل ضلع قطب پور بستی گاڑیاں بالمقابل بلڈنگ شجاع آباد روڈ ملتان چھاؤنی اس بارے میں فتویٰ چاہتے ہیں کہ اگر کوئی امام مسجد میت کو غسل کروا دے تو وہ خود بغیر غسل کیے صرف وضو کر کے نماز پڑھا دے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ اس بارے میں علماء کا کیا فیصلہ ہے۔

﴿ج﴾

اگر میت کو غسل دینے سے غسل دینے والے کے بدن اور کپڑوں کو ناپاک پانی نہیں لگا تو پھر وہ شخص وضو کر کے نماز پڑھا سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ میت کو غسل دینے سے اس پر اپنا غسل واجب نہیں ہوتا۔ کذا فی کتب الفقہ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(نوٹ) اور اگر غسل دینے والے کے بدن کو ناپاک پانی لگ گیا تو پھر بھی اسی جگہ کا پاک کرنا ضروری ہے۔ جس حصہ کو پانی لگا ہے۔ سارے بدن کا غسل واجب نہیں۔

میت کو نہلاتے وقت سہولت کو پیش نظر رکھے، امام بھی غسل دے سکتا ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں

(۱) جب کسی میت کو غسل دیا جاتا ہے۔ بتائیے کہ مردہ کو کس طرح تختہ پر لٹانا چاہیے۔ دوران غسل مثلاً جنوباً یا شرقاً غرباً۔ اس کا منہ اور پاؤں کس سمت ہونے چاہئیں۔ (۲) میت کو غسل کون دے سکتا ہے۔ بتشریح بتائیے کہ جو امام پانچ وقت کا نمازی ہے اور جمعة المبارک کا خطبہ بھی دیتا ہے۔ کیا وہ غسل دے سکتا ہے۔ یا نہیں۔

﴿ج﴾

فی الدر المختار (ویوضع) کما مات (کما تیسر) فی الاصح (علی سریر مجمر الخ) قال فی الشامی یوضع الی القبلة طولا وقیل عرضا کما فی القبر افاده فی البحر ص ۱۶۳۱\ ج ۱ . کتاب الجنائز

اس عبارت سے واضح ہوا کہ بعض نے فرمایا کہ غسل کے وقت میت کو قبلہ کی طرف پاؤں کر کے لٹا دیں۔ اور بعض نے کہا کہ سر بجانب شمال اور پاؤں بجانب جنوب ہوں۔ جیسا کہ قبر میں لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ جو طریق آسان ہو اور سہل ہو۔ ویسا کریں دونوں طرح یعنی شمالاً وجنوباً یا شرقاً وغرباً درست ہے۔ اور دونوں طریق موافق شریعت کے ہیں۔ معمول یہ ہے کہ منہ قبلہ کی طرف سر بجانب شمال اور پاؤں بجانب جنوب ہوں۔

(۲) غسل دینے والا صالح اور دیندار ہونا چاہیے اچھا یہ ہے کہ اپنے رشتہ داروں میں سے کوئی میت کو غسل دے۔ لیکن اگر رشتہ داروں میں کوئی غسل کا اچھا طریقہ نہ جانتا ہو تو دوسرا صالح اور نیک آدمی غسل دے۔ پانچ وقت کا امام اور خطیب بھی غسل دے سکتا ہے۔ اور غسل دینے کی وجہ سے اس کی امامت میں کوئی کراہت نہیں آتی۔ البتہ غسل کو بطور پیشہ اختیار کرنا اور اس پر اجرت لینا اچھا نہیں۔ والاولی فی الغاسل ان یکون اقرب الناس الی المیت فان لم یحسن الغسل فاھل الامانۃ والورع غنیۃ المستملی ص ۵۷۳ فقط واللہ اعلم

میت کو غسل دینے والے کے پیچھے نماز بلا کراہت درست ہے، مردوں کو نہلانا گناہ نہیں ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی میت کو غسل دیتا ہے اور جنازہ یا کوئی اور نماز فرض پڑھاتا ہے۔ تو کیا میت کو غسل دینے والے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

مردوں کا نہلانا گناہ نہیں ہے۔ اس کے پیچھے نماز صحیح ہے۔ البتہ غسل کی اجرت لینے کے جواز میں اختلاف ہے۔ درمختار میں ہے۔ (والافضل ان یغسل) المیت مجانا فان ابتغی الغاسل الاجر جاز ان کان ثمۃ غیرہ الخ. وفیہ تفصیل ذکرہ الشامی وعبارۃ الفتح ولا یجوز الاستیجار علی غسل المیت ویجوز علی الحمل والدفن واجاز بعضھم فی الغسل ایضاً شامی. ص ۶۳۴ ج ۱
اس لیے اس کو بطور پیشہ اختیار کرنا اور اجرت لینا اچھا نہیں۔ البتہ امامت اس کی صحیح ہے۔ فقط واللہ اعلم

میت کو قبلہ کی جانب پاؤں کر کے نہلانا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مولوی صاحب نے ایک میت کے پاؤں کعبے کی طرف کر کے

غسل دیا ہے۔ حالانکہ عام طور پر پاؤں دوسری جانب یعنی جانب جنوب کیے جاتے ہیں۔ اور پاؤں نیچے کر دیے تھے۔ جس سے ستر کعبے کی طرف ہو گیا تھا۔ کیا یہ صورت جائز ہے یا نہ۔ اگر جائز ہے تو حوالہ عنایت فرما دیں چونکہ لوگ مولوی صاحب مذکور کے خلاف ہو چکے ہیں۔

﴿ج﴾

فی الدر المختار (ویوضع) کما مات (کما تیسر) فی الاصح (علی سریر مجمر الخ) قال فی الشامی وقیل یوضع الی القبلۃ طولا وقیل عرضاً کما فی القبر (شامی ص ۶۳۱ ج ۱) اس عبارت سے واضح ہوا ہے کہ بعض نے فرمایا ہے کہ غسل کے وقت میت کو قبلہ کی طرف پاؤں کر کے لٹا دیں۔ اور بعض نے فرمایا کہ منہ قبلہ کی طرف کر کے لٹا دیں۔ جیسا کہ قبر میں الغرض دونوں طریقے صحیح اور درست ہیں۔ جو طریقہ آسان اور سہل ہو۔ ویسا کریں۔ لیکن منہ قبلہ کی طرف ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بوقت غسل میت کو کس طرح لٹایا جائے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کو غسل دیا جاتا ہے۔ اور غسل دیتے وقت میت کا سر قطب کی جانب اور ٹانگیں جنوب کی جانب کر کے غسل دیا جاتا ہے اس طرح منہ کعبہ شریف کی طرف ہو جاتا ہے۔ لیکن اب بعض علماء اس طرح میت کو غسل دینے سے منع کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میت کو غسل دیتے وقت اس کا سر مشرق کی طرف اور ٹانگیں کعبہ شریف کیطرف کر کے غسل دینا چاہیے۔ اب حضور کی خدمت میں گزارش ہے کہ کس طرح میت کو لٹا کر غسل دینا چاہیے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

فی الدر المختار ص ۶۳۱ ج ۱ ویوضع کما مات کما تیسر فی الاصح علی سریر مجمر الخ. قال فی الشامی وقیل یوضع الی القبلۃ طولا وقیل عرضا کما فی القبر افادہ فی بحر.

اس عبارت سے واضح ہوا کہ بعض نے فرمایا ہے کہ غسل کے وقت میت کو قبلہ کی طرف پاؤں کر کے لٹا دیں اور بعض نے فرمایا ہے کہ منہ قبلہ کی طرف کر کے لٹا دیں۔ جیسے کہ قبر میں لیکن صحیح تر یہ ہے کہ جو طریق آسان ہو اور سہل ہو ویسا کریں معمول یہ ہے کہ منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں۔ کسی ایک طریقہ پر اصرار کرنا اور دوسرے سے منع کرنا جہالت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مردے نہلانے کی ذمہ داری لینے والے کی امامت کا حکم

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی نے مردے نہلانے کا کام اپنے ذمے کر رکھا ہے۔ اور دو موضع کے مردوں کو غسل دینا اور نہلانا اپنی ڈیوٹی اور اپنے لیے ملکیت کر رکھی ہے۔ کیا اس آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا یا جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں یہ بات بھی ہے اگر کوئی آدمی اس مولوی سے مردہ نہ نہلوائے یعنی غسل کا کام نہ کرائے تو مولوی صاحب ان سے بائیکاٹ کر دیتا ہے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

(ج)

مردہ کو غسل دینا جائز کام ہے۔ خواہ اجرت لے کر خواہ بلا اجرت۔ در مختار ص ۶۳۴ ج ۱ میں ہے۔

والافضل ان یغسل المیت مجانا وان ابتغی الغاسل الاجر جاز ان کان ثمة غیره والالا. لتعینه علیه وان یکون حکم الحمال والحفار کذالک. لہٰذا اس کی امامت درست ہے۔ لیکن اگر وہ کسی اور کو غسل دینے کی اجازت نہیں دیتا اور کسی اور کے غسل دینے کی صورت میں اس کے ساتھ بائیکاٹ کر دے یا جو ان سے مردہ نہ نہلائے ان سے بائیکاٹ کر کے بول چال بند کر لیتا ہے۔ تو مومن کے ساتھ قطع تعلق فسق ہے۔ اور فاسق کی امامت مکروہ ہے۔ لہٰذا اس کی امامت مکروہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

میت کو غسل دینے والے کی امامت کا حکم

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مثلاً زید امام مسجد ہے۔ اور مردہ شو ہے۔ اور اس پر دوسرے مولوی مثلاً عمر نے کہا کہ اس زمانہ میں لوگ غسل دینے والے کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس وجہ سے مردہ شو غاسل کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور زید نے جواب دیا کہ غسل کرانا کوئی ایسا فعل نہیں جس کی وجہ سے شریعت مطہرہ میں مجرم اور گنہگار ٹھہرے۔ لہٰذا غسال مردہ کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے۔ چونکہ غسل دینا ایک اسلامی کام ہے۔ اور حقوق العباد میں سے ہے۔ جس پر عمل کرنا چاہیے۔ بغیر اجرت کے ثواب کا کام ہے۔ بڑے بڑے بزرگوں نے غسل دیا ہے۔ صحابہ نے غسل دیا اس کی اجرت بھی جائز ہے۔ اگر چہ اولیٰ نہیں۔ مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۵۲ / ج ۱ سوال نمبر ۷۰ میں لکھا ہے۔ مردہ شو کے پیچھے نماز

درست ہے یا نہیں اور جس کا پیشہ مردہ نہلانے کا ہے۔ اور امام بھی ہے۔ الجواب مردہ شو کے پیچھے نماز درست ہے اور غسال کو اجرت غسل لینا بھی درست ہے۔ اگر چہ اولیٰ نہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ غسال کے پیچھے نماز مکروہ ہے یا نہیں۔

(ج)

امام مسجد اگر مردوں کو غسل دے۔ اگر غسل دینے میں چھینٹیں وغیرہ پڑ گئی ہوں تو غسل دینے کے بعد نہا دھو کر صاف ستھرا لباس پہن کر نماز پڑھاتا ہے تو اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں ہے۔ امام کی امامت بغیر کراہت کے جائز ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ لوگوں کو غسل کرنے کی تعلیم دے تا کہ مردوں کو خود غسل دینے لگیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

لاوارث لاش پر جنازہ پڑھا جائے یا نہ

(س)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لاش جو کہ چار دن سے پڑی ہوئی ہے اور لاش کی بدبو سے خلق خدا کو تکلیف ہو رہی ہے۔ کیا اس لاش کو صلوٰۃ جنازہ دے سکتے ہیں۔ اگر لاش مدفون اور غیر مدفون میں فرق ہو۔ تو تفصیل سے آگاہ کریں۔ کیونکہ علماء بلوچستان میں اختلاف شدید پایا جاتا ہے۔ لہٰذا حوالہ جات و دلائل کی ضرورت ہے۔ نیز اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ ایک شخص جو کہ مالک زمین و باغ ہے۔ وہ باغ کے پھل قبل پھل کے اگنے سے ایک سال یا کئی سالوں کے لیے فروخت کرتا ہے۔ امید ہے کہ اول فرصت میں ہمارے شبہات کو دور فرمائیں گے۔ نوٹ باغ کی زمین مشتری کے لیے کھیتی باڑی کا کام نہیں دے سکتی البتہ ایک یا دو پیڑ کدو کے اگر رکھے تو ممکن ہے۔

(ج)

تمام فقہاء کا اتفاق ہے اس بات پر کہ جس میت کو بغیر صلوٰۃ جنازہ کے دفن کیا جائے۔ اس پر نماز جنازہ پڑھنا فرض ہے۔ بشرطیکہ میت کے اجزاء متفرق نہ ہوئے ہوں۔ اگر میت کو بغیر صلوٰۃ جنازہ دفنایا گیا۔ تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے۔ لیکن تفسخ سے قبل نیز مدفون کے متعلق یہ تفصیل بھی آئی ہے کہ اگر میت کو قبر میں رکھا ہو لیکن مٹی نہیں ڈالی گئی ہو۔ (چاہے لحد پر اینٹیں لگائی گئی ہوں یا نہ) پھر دو صورتوں میں مدفون کو قبر سے نکال کر اس پر جنازہ پڑھیں۔ ایسی صورت میں یعنی جس میں مٹی نہیں ڈالی گئی۔ اگر قبر پر نماز جنازہ پڑھی گئی تو یہ نماز ادا نہ ہوگی۔ بدبو کی وجہ سے جب کہ میت میں تفسخ نہیں ہے۔ نماز جنازہ ساقط نہیں ہو سکتی۔ ملاحظہ ہو۔ البحر الرائق ص ۱۸۲ ج ۲ مطبوعہ ایچ ایم

سعید کراچی۔ وان دفن بلا صلوٰۃ صلی علی قبره مالم یتفسخ واطال الی قوله و قید بعدم التفسخ لانه لایصلی علیه بعد التفسخ لان الصلوة شرعت علی بدن المیت فاذا تفسخ لم یبق بدنه قائما انتھی۔ اور تفسخ کا اندازہ خود لوگ لگائیں اس کے لیے کوئی میعاد مقرر نہیں ہے۔ وھو الاصح کما قیل فی البحر ولم یقید المصنف بمدة لان الصحیح ان ذلک جائز الی ان یغلب علی الظن تفسخه والمعتبر فیه اکبر الرأی علی الصحیح البحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۲ مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی فتح القدیر مطبوعہ مصر ص ۴۵۹ ج ۱ کی عبارت ملاحظہ ہو۔ (وان دفن المیت ولم یصل علیه صلی علی قبره) ا هذا اذا اھیل التراب سواء کان غسل او لا الی قوله بخلاف مااذالم یھل فانه یخرج ویصلی علیه۔ ردالمختار۔ ص ۶۵۲ ج ۱ پر مرقوم ہے۔ (وان دفن) واھیل علیه التراب الی قوله (صلی علی قبره) اس پر۔ علامہ شامی نے لکھا ہے۔ قوله واھیل علیه التراب فان لم یھل اخرج وصلی علیه۔ نیز تفسخ کے متعلق درالمختار میں اسی مقام پر مرقوم ہے۔ (ما لم یغلب علی الظن تفسخه) من غیر تقدیر ھو الاصح وظاھره انه لو شک فی تفسخه صلی علیه لکن فی النھر عن محمد لا کانه تقدیماً.... اور اس میت مدفونہ کا حکم جس کو قبر میں ڈالا گیا ہو اور مٹی اوپر سے نہیں ڈالی گئی ہو بالفعل برابر ہے یعنی دونوں پر خارج قبر جنازہ پڑھے۔

(۲) پھل جب تک نکل نہ آوے اس کی بیع مطلقاً ناجائز ہے۔ اور مسئلہ سلم کا اس لیے نہیں ہوسکتا کہ اس میں مسلم فیہ کا وقت عقد کے اس جگہ پایا جانا شرط ہے۔ پھل نکل آنے کے بعد بیع جائز ہے۔ اگر قابل انتفاع ہو۔ تو اتفاقاً ورنہ اختلافاً اگر کچھ ظاہر ہوئی اور کچھ ظاہر نہیں ہوئی تو امام فضل نے جائز کہا ہے۔ بعد صحت بیع کے بائع نے مشتری کو پھل درخت پر رہنے کی اجازت دیدی صراحۃً یا دلالۃً تو پھل حلال رہے گا۔ اگر بائع اس اذن پر راضی نہ ہو تو بعض کے نزدیک مشتری بیع کو فسخ کرسکتا ہے جب پھل تھوڑا تھوڑا آتا ہو جیسے امرود تو بعض کے ظاہر ہونے کے بعد بیع جائز ہے۔ اگرچہ مذکورہ احکام میں سے بعض میں اختلاف بھی ہے مگر ابتلاء عام میں گنجائش ہے۔ کذا فی المختار صفحہ ۴۲ ج ۴ تا صفحہ ۴۵ واللہ اعلم عبدالرحمٰن نائب مفتی مدرسہ ھذا

یہ جاننا ضروری ہے کہ اگر بدن نصف سر کے ساتھ ہے۔ یا بغیر سر کے نصف سے زیادہ ہے تب اس کا غسل بھی فرض ہے۔ اور نماز جنازہ بھی اور اگر بغیر سر کے نصف ہے یا اس سے کم۔ یا سر کے ساتھ نصف سے کم ہے۔ تو نہ غسل ہے۔ نہ جنازہ غسل اور جنازہ کا تعلق قوام بدن کے ساتھ ہے۔ صرف پھول جانے سے چونکہ قوام بدن باقی ہے۔ اس لیے غسل بھی فرض ہے اور جنازہ بھی۔ (وجد رأس ادمی) . او احد شقیه (لا یغسل ولا یصلی علیه) بل یدفن الاان یوجد اکثر من نصفه ولو بلا رأس (قوله بلا راس) و کذا یغسل لو وجد النصف مع الرأس الدر المختار و شامی جلد اول۔ ص ۶۳۴ مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ ۲ پھل ظاہر ہونے سے قبل اس کی بیع جائز نہیں ہے۔

میت کے کفن پر کلمہ شہادت لکھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کے کفن یا کفنی پر کلمہ شہادت یا قرآن کا لکھنا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: میت کے کفن پر یا اس کی پیشانی وغیرہ پر کلمہ شہادت یا آیات قرآنیہ لکھنے ناجائز ہیں۔ کیونکہ اس طرح اس پر مٹی، پیپ وغیرہ پڑنے سے اس کی اہانت ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسا کرنا ناجائز ہے۔ ہاں اگر شہادت کی انگلی سے بغیر سیاہی کے میت کی پیشانی یا کفن پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا کلمہ توحید لکھ لیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔ قال فی الشامیه ص ۶۶۸ ج ۱ . وقد افتی ابن الصلاح بانه لایجوز ان یکتب علی الکفن یٰس والکھف ونحوھما خوفا من صدید المیت والقیاس المذکور ممنوع لان القصد ثم التمییز وھنا التبرک فالاسماء المعظمة باقیة علی حالها فلایجوز تعریضها للنجاسة والقول بانه یطلب فعله مردود لان مثل ذلک لایحتج به الااذا صح عن النبی صلی اللہ علیه وسلم طلب ذلک ولیس کذالک ا ھ. وقد منا قبیل باب المیاہ عن الفتح انه تکره کتابة القران واسماء اللہ تعالی علی الدراھم والمحاریب والجدران ومایفرش وما ذاک الالاحترامه وخشیة وطئه ونحوه ممافیه اهانة فالمنع ھنا بالاولی مالم یثبت عن المجتھد اوینقل فیه حدیث ثابت فتامل، نعم نقل بعض المحشین عن فوائد الشرجی ان مما یکتب علی جبهة المیت بغیر مداد بالاصبع المسبحة. بسم اللہ الرحمن الرحیم وعلی الصدر لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ وذلک بعد الغسل قبل التکفین ا ھ.

بالغ، نابالغ کا کفن اور میت کا منہ دیکھنا

﴿س﴾

ا۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارہ میں (۱) بالغ اور نابالغ کے کفن میں کوئی فرق ہے یا کہ یکساں ہے ہمارے یہاں معصوم بچے کو صرف ایک کپڑا دیتے ہیں کیا یہ جائز ہے۔

۲۔ کفنانے اور نماز جنازہ کے بعد میت کا منہ دیکھنا کیسا ہے اگر کوئی منہ دیکھنے سے رہ جائے تو قبر میں منہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں۔

۳۔ قبر میں ہر آدمی مٹی ڈالنے کی کوشش کرتا ہے کیا یہ فعل سنت ہے۔

۴۔ امام بالغ باقی سب مقتدی نابالغ تو کیا نماز جماعت میں کوئی فرق آتا ہے۔

۵۔ اور نابالغ، بالغ کے پاس جماعت میں کھڑا ہو جائے تو کہتے ہیں کہ بالغ کی نماز نہیں ہوتی کیا یہ صحیح ہے۔

﴿ج﴾

۱۔ نابالغ کا کفن بالغ کے موافق ہو تو بہتر ہے اور جائز یہ بھی ہے کہ ایک یا دو کپڑے ہوں۔ والمراهق كالبالغ ومن لم يراهق ان كفن في واحد جاز (الدرالمختار ص۱۲۳۸ ج۱)

اقول فی قوله (فحسن) اشارة الى انه لو كفن بكفن البالغ يكون احسن (ردالمحتار ص۱۲۳۸ ج۱)

اس میت کا چہرہ دیکھنا درست ہے قبر میں منہ نہ دیکھنا چاہیے۔

تین تین مٹھی مٹی قبر میں ڈالنا تمام حاضرین کو مستحب ہے ویستحب لمن شهد دفن الميت ان يحثو فی قبره ثلث حثيات من التراب بيديه جميعاً ويكون من قبل راس الميت ويقول فی الحثية الاولى منها خلقنا كم وفی الثانية وفيها نعيدكم وفی الثالثة ومنها نخرجكم تارة اخرى كذا فی الجوهرة النيرة' عالمگیری' باب الجنائز فصل سادس ص ۱۶۶ ج ۱ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ۔

اگر مقتدی بالغ کوئی نہ ہو تو بچوں کو مقتدی بنانے سے جماعت کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔

وتحصل فضيلة الجماعة بصلوته مع واحد (ای من الصبيان) الا فی الجمعة فلا تصح بثلاثة منهم الاشباه والنظائر احكام الصبيان ص ۴۸۰)

۵۔ بالغ کی نماز صحیح ہے بچوں کو پیچھے کھڑا کرنا چاہیے اگر ایک بچہ ہو تو بڑوں کی جماعت میں کھڑا کر لیا جائے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

آیاتِ قرآنیہ لکھی چادر میت پر ڈالنے کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسلمان مرد کا جنازہ جب قبرستان کی طرف لے جاتے ہیں۔ تو

اس کی میت پر احتراماً ایک ایسا کپڑا ڈالتے ہیں جس پر کلمہ طیبہ اور قرآنی آیات لکھی ہوتی ہیں۔ یا بعض دفعہ ویسے ہی ایک سادہ کپڑا ڈال دیتے ہیں۔ کیا ایسا کپڑا ڈالنا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) ایک رواج یہ ہے کہ جب کسی کے عزیز کی موت کی خبر آتی ہے تو اس کی برادری کے لوگ اور آشنا اور دوست اس کے پاس تعزیت کے لیے آتے ہیں اس کو تسلی بھی دیتے ہیں۔ اور میت کی مغفرت کے لیے دعائے خیر بھی کرتے ہیں۔ کیا شرعی طور پر یہ درست ہے۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: بے ادبی کے اندیشہ سے اور میت سے نجاست خارجہ سے ملوث ہونے کے اندیشہ کے سبب ایسے کپڑے کو جس پر کلمہ طیبہ یا قرآنی آیات تحریر ہوں میت پہ ڈالنا مکروہ ہے۔ ویسے سادہ کپڑے کا ڈالنا درست ہے۔

کما قال فی ردالمحتار علی الدرالمختار ص۱۳۱ ج۱۔ بساط اوغيره كتب عليه الملك لله يكره بسطه واستعماله لاتعليقه للزينة وينبغی ان لايكره كلام الناس مطلقا وقيل يكره مجرد الحروف والاول اوسع وتمامه فی البحر وكراهية القنية قلت و ظاهره انتفاء الكراهة بمجرد تعظيمه و حفظه علق اولا زين به اولاو هل مايكتب على المراوح وجدر الجوامع كذايحرر.

(۲) اس کو تعزیت کہتے ہیں اور یہ مستحب ہے۔ لیکن ہر آنے والے کا سب کو دعاء کے لیے کہہ کر ہاتھ اٹھوانا اور اس کو تعزیت کا حصہ سمجھنا یا تعزیت کے لیے ہر آنے والے کا ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کو مسنون سمجھنا غلط ہے۔ تعزیت کے استحباب پر یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ کما قال فی المراقی وتستحب التعزية للرجال والنساء اللاتی لايفتن لقوله صلى الله عليه وسلم من عزى اخاه بمصيبة كساه الله من حلل الكرامة يوم القيامة وقوله صلى الله عليه وسلم من عزى مصاباً فله اجره وقوله صلى الله عليه وسلم من عزى ثكلى كسی بردين فی الجنة ولاينبغی لمن عزى مرة ان يعزى اخرى . فقط والله تعالى اعلم

جنازہ کے آگے پیچھے مولود پڑھنا، کفن پر کلمہ لکھنا مکروہ ہے

﴿س﴾

بعد نماز جنازہ دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں۔ ۲۔ جنازہ کے بعد آگے یا پیچھے مولود شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ ۳۔ کفن کے اوپر کلمہ شریف لکھنا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

نماز جنازہ کے بعد قبل از دفن دعا مانگنا بدعت ہے۔ بعد از دفن جائز ہے۔ نماز جنازہ چونکہ خود ایک دعا ہے۔ شامی میں ہے۔ **فقد صرحوا عن آخرهم بان صلوة الجنازة هي الدعاء للميت اذهو المقصود منها** ۔ص۶۴۲ ج ا تو ایک دعا کے بعد دوسری دعا کا کیا معنی اس ہیئت اجتماعی کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا رواج نہ تو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھا اور نہ دیگر سلف صالحین سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ہر وہ چیز جس کا التزام واجب کی طرح کرے اگر وہ چیز مباح بھی ہو تب بھی اس کا چھوڑنا ضروری ہے۔ جملہ کتب فقہ میں مصرح ہے کہ مسبوق امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی تکبیروں میں دعا نہ پڑھے اور اس کی وجہ تمام فقہاء نے یہی لکھی ہے کہ اگر وہ دعا پڑھنے لگا تو میت اٹھالی جائے گی۔ درمختار ص۶۴۷ ج ۱ میں ہے **ثم يكبران ما فاتهما بعد الفراغ نسقاً بلا دعاء ان خشيا رفع الميت على الاعناق** اور جس حدیث میں آیا ہے کہ **اذا صليتم على الميت او الجنازة فاخلصوا بالدعاء له** اس سے دعائی صلوة الجنازة مراد ہے۔ جیسا کہ ابن ماجہ نے اس پر باب باندھا ہے۔

۲۔ جنازہ کے آگے پیچھے مولود پڑھنا مکروہ ہے۔ درمختار ص۶۵۸ ج ا میں ہے۔ **كما كره فيها رفع صوت بذكر او قراءة** اس پر شامی نے لکھا ہے۔ **قيل تحريماً وقيل تنزيها كما في البحر عن الغاية وفيه عنها وينبغي لمن تبع الجنازة ان يطيل الصمت وفيه عن الظهيرية فان اراد ان يذكر الله تعالى يذكره في نفسه۔**

۳۔ کفن کے اوپر کلمہ لکھنا مکروہ ہے۔ شامی ص۶۶۸ ج ۲ میں ہے۔ **و قد افتى ابن الصلاح بان لا يجوز ان يكتب على الكفن يس والكهف ونحوهما خوفاً من صديد الميت** اس مسئلہ کو شامی نے مفصلاً بیان کیا ہے۔ آخر میں لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ بعض سلف سے ثابت ہے۔ کہ انگلی سے بغیر سیاہی کے کچھ لکھنا جائز ہے۔ لیکن روشنائی سے نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

میت کے سینہ پر روشنائی سے کلمہ لکھنا اور تعزیت کے لیے مسجد کی تخصیص مکروہ ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہمارے ہاں چند مختلف مسائل ہیں جن کے حل کرنے میں اشکال ہے لہٰذا التماس ہے کہ جناب ان مسائل کو خوب تفصیل کے ساتھ بیان کریں تاکہ جو اختلافات ہیں رفع دفع ہو جائیں۔

۱۔ یہاں پر رواج ہے کہ میت کے ساتھ قرآن شریف کو رکھ کر قبرستان لے جاتے ہیں بغرض ثواب وشفاعت کیا یہ صحیح ہے یا نہیں۔

۲۔ قبرستان میں میت کے دفن کرنے کے بعد کچھ کھجوریں یا شرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں بغرض ثواب کیسا ہے۔

۳۔ میت کے دفناتے وقت اس کے سینہ پر اشارہ سے کلمہ طیبہ لکھتے ہیں یا کسی مٹی کے روڑے کے ساتھ لکھتے ہیں۔ اور قبر میں رکھ کر میت کو دفناتے ہیں کیا یہ ثابت ہے یا نہیں۔

۴۔ قبرستان میں میت کے دفن کرنے کے بعد کچھ روپیہ وغیرہ تقسیم کرتے ہیں بغرض ثواب کیسا ہے۔

۵۔ میت کو جب دفن کریں تو اسی رات اور دوسری وتیسری رات پے در پے اس کے گھر میں اس کے لیے خیرات کرتے ہیں۔ یعنی گوشت چاول حلوہ وغیرہ یہ درست ہے یا نہیں اس طعام کا کھانا درست ہے یا نہیں۔

۶۔ جب کوئی مر جائے تو چند دنوں کے بعد طلبہ کو دعوت دے کر ان سے قرآن شریف ختم کرواتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں اگر اسی حالت میں کوئی قرآن شریف کو پوری طرح ختم نہ کرے تو کھانا درست ہے یا نہیں۔

۷۔ بعض آدمی مصیبت و بلاء کے وقت قرآن شریف کو کسی چادر میں رکھ کر دو آدمی چادر کے چاروں کونوں کو پکڑ کر اس چادر کے نیچے کہ جس میں قرآن شریف رکھا ہے اس سے گزر جاتے ہیں بغرض رفع بلا اور مصیبت وغیرہ یہ ثابت ہے یا نہیں۔

۸۔ مسجد میں میت کے لیے تین دن تک ماتم خوانی کی غرض سے بیٹھ جاتے ہیں برائے مہربانی ان مسائل کو مفصل بمعہ حوالہ کے تحریر کریں جناب کا عین احسان ہوگا۔

﴿ج﴾

۱۔صحیح نہیں ہے۔اس کی وجہ جواب نمبر۳ میں ملاحظہ کریں۔۲۔یہ بھی ناجائز ہے اس کی دلیل ۵ پر دیکھ لیں۔
۳۔میت کے سینے وغیرہ پر روشنائی سے کلمہ لکھنا ٹھیک نہیں۔البتہ اگر اشارہ سے بغیر سیاہی یا مٹی کے کلمہ لکھا جاوے تو گنجائش ہے۔شامی جلد اول ص ۶۲۸ میں ہے۔وقد افتی ابن الصلاح بانه لایجوز ان یکتب علی الکفن یٰسین والکهف. ونحوهما خوفا من صدید المیت الی قوله نعم نقل بعض المحشین عن فوائد الشرجی ان مما یکتب علی جبهة المیت بغیر مداد بالاصبع المسبحة ا ھ خوفا من صدید المیت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ میت کے ساتھ قرآن رکھ کر لے جانا مکروہ ہے۔۴۔اور ۶ کی تحقیق نمبر ۵ پر ملاحظہ ہو نمبر ۵۔۶ میت والوں کے گھر میں اس رات یا دوسری رات گوشت چاول وغیرہ کھانا مکروہ اور سخت بدعت ہے۔شامی جلد اول ص ۶۶۴ میں ہے ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم الی قوله واتخاذ قراءة القران لاجل الاکل یکره اور جس حدیث سے بعض بدعتی مولوی اس طعام کو جائز قرار دیتے ہیں اس حدیث کو شامی نے نقل کر کے فیہ نظر کے ساتھ اس کے متعدد جوابات دیے ہوئے ہیں نمبر ۷ جائز ہے ضروری نہیں نمبر ۸۔مسجد میں تعزیہ کے ارادہ سے بیٹھنا مکروہ ہے جیسا کہ صاحب درمختار نے اس کو نقل کیا ہے۔حیث قال وبالجلوس لها فی غیر مسجد ثلاثة ایام اور اس پر شامی نے لکھا ہے قوله فی غیر مسجد ا ھ امافیه فیکره کما فی البحر عن المجتبی الی قوله وما فی البحر من انه علیه الصلوة والسلام جلس لما قتل جعفر و زید بن حارثه والناس یاتون ویعزونه ا ھ یجاب عنه بان جلوسه لم یکن مقصودا للتعزیة شامی جلد اول ص ۶۶۴ واللہ اعلم۔

کفن پر کلمہ لکھنے کا حکم؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ یہ جو ہم لوگوں میں رائج ہے کہ مردہ کے کفن پر کلمہ وغیرہ لکھتے ہیں۔کیا یہ جائز ہے یا نہ اگر جائز نہیں تو کیا لکھنے والا گنہگار ہوگا یا نہ۔بینوا وتوجروا۔

﴿ج﴾

کفن پر لکھنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس میں اہانت ہے۔لکھنے والا گنہگار ہوگا شامی صفحہ ۶۶۹ ج ۱ میں ہے

وقدمنا قبیل باب المیاه عن الفتح انه تکره کتابة القران و اسماء الله تعالیٰ علی الدراهم والمحاریب والجدران وما یفرش وماذاک الا لا حترامه وخشیة وطئه ونحوه مما فیه اهانه فالمنع هنا اولی مالم یثبت عن المجتهد اوینقل فیه حدیث ثابت. اگر میت کی پیشانی پر بغیر سیاہی کے ہاتھ کے ساتھ لکھا جاوے تو جائز ہے۔کذا فی الشامی صفحہ۔۶۶۹ ج ۱

کلمہ لکھا ہوا کپڑا تبرکاً میت پر ڈالنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک کپڑا عرب شریف سے لایا گیا ہے۔جس میں متعدد بار کلمہ شریف لکھا ہوا ہے۔اور اس کو میت کے اوپر ڈال کر جنازہ گاہ کی طرف روانہ کیا جاتا ہے اور یہ کوئی ضروری نہیں سمجھتے صرف تبرکاً کرتے ہیں۔تو یہ کپڑا میت کے اوپر رکھنا کیسا ہے۔یعنی کہ رکھے یا نہ رکھے جائز ہے یا ناجائز اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا استعمال کفر ہے۔بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اس کا استعمال کفر تو یقیناً نہیں ہے۔ویسے محض تبرک کے لیے اس کے استعمال کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ہاں اس کا ترک اولیٰ ہے۔کیونکہ اس سے عوام کے عقیدہ کے فاسد ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مرد وعورت کا کفن؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل کے بارہ میں

(۱) مرد وعورت کا شرعی کفن کیا کیا ہے۔کیا عورت کو سراویل دی جائے گی۔(۲) میت کو کفنانے کے بعد کسی ملک میں اگر رواج ہو کفن کے کپڑے دینے کا یہ کیسا ہے۔یعنی میت مکفونہ کے ورثاء کو لوگ کپڑا برائے کفن دیتے ہیں یا اس کی رقم دیتے ہیں۔کہ یہ رقم برائے کفن میت ہم نے دی ہے۔کیا شرعاً یہ رواج جائز ہے۔یا نہ۔(۳) جس کے ہاں کوئی مر جاوے اب ان لوگوں میں ایک رواج ہے وہ یہ کہ میت کا اقرب بطریق رشتہ دعوت کرتا ہے لوگ جمع ہو کر اس کے ہاں کھانا کھاتے ہیں۔قبل از فراغ طعام صاحب بیت کو ایک روپیہ یا دو دو روپیہ یا کم وبیش

جتنا جس کی وسعت میں ہو دیتے ہیں۔ گویا من و جہ قیمت طعام دیتے ہیں اور اس دعوت کو دعوت اللہ کہتے ہیں اور رقم کو دیتے وقت امدادی نیت تصور کرتے ہیں۔ کیا ایسی دعوت کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔ نیز یہ دعوت بعداز فوتگی میت کم از کم ہفتہ کی جاتی ہے۔ کیا اس کو دعوت اللہ قرار دیا جائے گا۔ یا رواجی' رسمی (۴) بیاہ شادی کرتے وقت رسمی طور پر لوگ دولہا کو قبل از نکاح بعداز فراغ طعام اپنی ہمت کے مطابق رقم دیتے ہیں۔ کیا یہ رواج شرعاً جائز ہے یا ناجائز ہے۔ بینوا تو جروا۔

﴿ج﴾

مرد کے کفن میں تین کپڑے مسنون ہیں۔ قمیض ازار۔ لفافہ۔ عورت کے لیے پانچ کپڑے مسنون ہیں ان تین کے علاوہ ایک کپڑا سر کے بالوں کے لیے جو قمیض کے اوپر ہوتا ہے۔ اور ایک کپڑا ایسا جو پستان سے لے کر گھٹنوں تک ہوتا ہے۔ یہ لفافہ کے نیچے اور ازار کے اوپر ہو۔ اور ازار سے نیچے بھی جائز ہے۔ عورت کے لیے سراویل نہیں۔

(۲) اگر اس طرح کسی کو کفن کا کپڑا دیا جاوے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس کو رواج بنا دینا کہ اس میں اخلاص وللّٰہیت ختم ہو جاوے۔ فقط اس خیال سے دینا کہ اگر نہ دوں تو برادری میں شرمندگی ہوگی۔ اور چونکہ میرے ہاں میت کا کفن اس نے دیا ہے۔ تو مجھے ضرور قرضہ دینا ہوگا۔ اس رواج کے تحت جائز نہیں۔ ایسے رواج کو ختم کرنا ضروری ہے۔ (۳) میت کے اقرباء کو ایک دن رات کھانا کھلانا مسنون ہے۔ نہ ان کے گھر کھانا۔ اصنعوا لال جعفر طعاماً یشبعهم یومهم ولیلتهم فقد جاء هم مایشغلهم (الحدیث)

تین دن تک میت کے گھر کھانا کھانا مکروہ تحریمی ہے۔ شامی میں ہے۔ ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لافی الشرور وهی بدعة مستقبحة (باب الجنائز ص۲۶۴ ج۱) یہ رسم بدعت ہے۔ یہ رسم بھی صحیح نہیں۔

کیا کفن پر کلمہ لکھنا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میت کے فوت ہو جانے کے بعد لوگ کفن میت پر کلمہ شریف لکھتے ہیں۔ شریعت مطہرہ میں جائز ہے یا نہ اگر ناجائز ہے تو کیوں۔ لوگ کوئی سورت پڑھ کر پھر قل ھواللہ سہ بار اور معوذتین پھر فاتحہ شریف اور ہم المفلحون سے آگے ان رحمت اللہ الایۃ۔ ماکان محمد الایۃ وغیرہ

پڑھتے ہیں۔ یہ سب جائز ہے یا نہ اگر نہیں تو کیوں اور اس کا نام ختم رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ہم المفلحون تک پڑھا جائے تو جائز ہے لیکن یہ بھی ہے کہ عرف عام میں اگر مذکورہ بالا ختم نہ پڑھا جائے تو مکمل قرآن مجید کا ختم پڑھنے کو ختم ہی نہیں سمجھتے۔ جب تک یہ نہ پڑھا جائے واضح فرمائیں میت کو دفن کر دینے کے بعد قبر پر اذان جائز ہے یا نہ اور دفن کرنے کے بعد ثواب کے لیے شیرینی قبرستان میں تقسیم کرتے ہیں یہ بھی جائز ہے؟ بینوا وتو جروا۔

﴿ج﴾

(۱) میت کے کفن پر کلمہ شہادت روشنائی وغیرہ سے لکھنا جائز نہیں اس لیے کہ میت کے پھٹنے کی وجہ سے بے حرمتی ہوگی۔ قال فی الشامیه وقد افتی ابن الصلاح بانه لایجوز ان یکتب علی الکفن یسین والکهف ونحوهما خوفا من صدید المیت الخ. البتہ اگر بغیر روشنائی وغیرہ کے صرف انگلی سے کفن میت پر یا سینہ میت پر بعد الغسل قبل التکفین لکھا جائے اس طرح کہ لکھنے کے نشان ظاہر نہ ہوں تو یہ فی نفسہ جائز ہے۔ کما فی الشامیہ ص ۲۲۸ ج۱ تصح نقل بعض المحشین عن فوائد الشرجی ان مما یکتب علی جبهة المیت بغیر مداد بالاصبع المسبحة. بسم الله الرحمن الرحیم وعلی الصدور لا اله الا الله محمد رسول الله وذلک بعدالغسل قبل التکفین. (۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ قبور کے سرہانے سورۃ بقرہ کی اول آیتیں اور پیروں کے طرف سورۃ بقرہ کی آخیر کی آیتیں پڑھنا مستحب ہے۔ شافی ہے۔ وکان ابن عمرؓ یستحب ان یقرأ علی القبر بعدالدفن اول سورة البقرة وخاتمها اور مشکوٰۃ شریف میں اس روایت کو مرفوع کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی طرف پھر نقل کیا ہے بیہقی سے کہ صحیح یہ ہے کہ روایت موقوف ہے ابن عمرؓ پر بہرحال اس روایت سے اس فعل کا استحباب ثابت ہوا' اور جب کہ یہ معلوم ہوا کہ یہ فعل مستحب ہے۔ تو اگر کوئی نہ کرے تو موجب طعن وعتاب نہیں ہے اور تارک گنہگار نہیں ہے۔

(۳) قبر پر اذان کہنا خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے جیسا کہ تصریحات فقہاء سے ثابت ہے. تنبیه فی الاقتصار علی ماذکر من الوارد اشارة الی انه لایسن الاذان عندا دخال المیت فی قبره کما هو المعتاد الأن وقد صرح ابن حجر فی فتاوه بانه بدعة وقال من ظن انه سنة قیاسا علی ندبها للمولود الحاقاً لخاتمة الامر بابتدائه فلم یصب (ردالمحتار' باب صلوۃ الجنائز مطلب دفن المیت ص ۶۵۹ ج۱) اور درالبحار میں لکھا ہے. من البدع التی شاعت فی بلاد الهند الاذان علی القبر بعد الدفن انتهی اور توشیح شرح تنقیح محمود البلخی میں مذکور ہے۔ مافی الاثور من الاذان علی القبر ولیس بشیئی

انتھی ۔مردہ کے ساتھ شیرینی لے جانا ہرگز کہیں قرون ثلاثہ میں ثابت نہیں۔اس کا کرنا بدعت اور گناہ ہے۔عینی میں لکھا ہے۔ ویکرہ نقل الطعام الی المقبرة فی الاعیاد واسراج السراج. اور ردالمختار ص ۶۶۲ ج ا میں لکھا ہے۔واطال فی المعراج وقال فالا فعال کلھا للسمعة والریاء محترز عنھا لا نھم لایریدون بھا وجه الله تعالی انتھی الغرض اس فعل کو مردود وگناہ جان کر ترک کرنا واجب ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کفن پر کلمہ لکھنے اور مروجہ ختم کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میت کے فوت ہو جانے کے بعد لوگ کفن میت پر کلمہ شریف لکھتے ہیں شریعت مطہرہ میں جائز ہے یا نہ اگر نا جائز ہے تو کیوں جو لوگ کوئی سورت پڑھ کر پھر قل ھو اللہ سو بار اور معوذتین پھر فاتحہ شریف اور ھم المفلحون سے آگے ان رحمت اللہ الایۃ ما کان محمد الایۃ وغیرہ پڑھتے ہیں جائز ہے یا نا جائز اگر نہیں تو کیوں۔اور اس کا نام ختم رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ھم المفلحون تک پڑھا جائے تو جائز ہے لیکن یہ بھی ہے کہ عرف عام میں اگر مذکورہ بالا ختم نہ پڑھا جائے تو مکمل قرآن مجید کا' ختم پڑھنے کو ختم ہی نہیں سمجھتے جب تک یہ نہ پڑھا جائے واضح فرمائیں کہ میت کو دفن کر دینے کے بعد قبر پر اذان جائز ہے یا نہ اور دفن کرنے کے بعد ثواب کے لیے شیرینی قبرستان میں تقسیم کرتے ہیں یہ بھی جائز ہے یا نہ۔ بینوا وتوجروا۔

﴿ج﴾

(۱) میت کے کفن پر کلمہ شہادت روشنائی وغیرہ سے لکھنا جائز نہیں اس لیے کہ میت کے پھٹنے کی وجہ سے بے حرمتی ہوگی۔قال فی الشامیة ۶۶۸ ج ۱ وقد افتی ابن الصلاح بانه لایجوز ان یکتب علی الکفن یٰسین والکھف و نحوھما خوفا من صدید المیت. الخ. البتہ اگر بغیر روشنائی وغیرہ کے صرف انگلی سے کفن میت پر یا سینہ میت پر بعد الغسل قبل التکفین لکھا جائے' اس طرح کہ لکھنے کے نشان ظاہر نہ ہوں تو یہ فی نفسہ جائز ہے۔ کما فی الشامیه ص ۶۶۸ ج ۱ نعم نقل بعض المحشین عن فوائد الشرجی ان مما یکتب علی جبھة المیت بغیر مداد بالا صبع المسبحة.

بسم الله الرحمن الرحیم وعلی الصدر لا اله الا الله محمد رسول الله وذلک بعد الغسل قبل التکفین . (۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبور کے سرہانے سورۃ بقرہ کی

اول آیتیں اور پیروں کے طرف سورۃ بقرہ کی آخیر کی آیتیں پڑھنا مستحب ہے۔شامی میں ہے۔وکان ابن عمرؓ یستحب ان یقرأ علی القبر بعدالدفن اول سورة البقرة وخاتمھا اور مشکوۃ شریف میں اس روایت کو مرفوع کیا ہے۔آنحضرت ﷺ کی طرف پھر نقل کیا ہے بیہقی سے کہ صحیح یہ ہے کہ روایت موقوف ہے ابن عمرؓ پر بہرحال اس روایت سے اس فعل کا استحباب ثابت ہوا اور جب کہ معلوم ہوا کہ یہ فعل مستحب ہے تو اگر کوئی نہ کرے تو موجب طعن وعتاب نہیں ہے اور تارک گنہگار نہیں ہے۔

(۳) قبر پر اذان کہنا خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے جیسا کہ تصریحات فقہاء سے ثابت ہے. تنبیه فی الاقتصار علی ماذکر من الواردا شارة الی انه لایسن الاذان عنداد خال المیت فی قبره کما ھو المعتاد الأن وقد صرح ابن حجر فی فتاوه بانه بدعة وقال من ظن انه سنة قیاسا علی ندبھا للمولود الحاقا لخاتمة الامر بابتدائه فلم یصب ردالمحتار باب صلوة الجنائز مطلب دفن المیت ص ۶۶۰ ج ا) اور درالمختار میں لکھا ہے . من البدع التی شاعت فی بلاد الھند الاذان علی القبر بعد الدفن انتھی اور توشیح شرح تنقیح محمود البلخی میں مذکور ہے. ما فی الاثور من الاذان علی القبر ولیس بشیئ انتھی. مردہ کے ساتھ شیرنی لے جانا ہرگز کہیں قرون ثلاثہ میں ثابت نہیں اس کا کرنا بدعت اور گناہ ہے۔عینی میں لکھا ہے۔ویکرہ نقل الطعام الی المقبرة فی الاعیاد واسراج السراج اور ردالمختار میں لکھا ہے۔ واطال فی المعراج وقال ھذه الافعال کلھا للسمعة والریاء محترز عنھا لا نھم لا یریدون بھاوجه الله تعالی انتھی. الغرض اس فعل کو مردود وگناہ جان کر ترک کرنا واجب ہے۔فقط واللہ اعلم۔

میت کے کفن یا پیشانی پر عہد نامہ لکھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عموماً یہ دستور ہے کہ کفن پر اور پیشانی پر کچھ لکھتے ہیں نیز قبر پر اذان بھی دی جاتی ہے۔شرعاً ان افعال کی کیا حیثیت ہے۔حوالہ جات سے جواب تحریر فرمائیں۔

﴿ج﴾

میت کی پیشانی اور سینہ پر کفن یا سیاہی وغیرہ سے کچھ نہ لکھا جائے اس لیے کہ میت کی نجاست اور رطوبت سے ان پاک کلمات کے تلوث کا خطرہ ہے۔ایسی بے حرمتی کی اجازت شرعاً نہیں ہو سکتی۔البتہ انگلی کے اشارے سے میت کی پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور کلمہ طیبہ لکھنے کا جواز شامی اور درمختار میں نقل کیا ہے نشان حروف

ظاہر نہ ہوں۔ ان مما یکتب علی جبهة المیت بغیر مداد بالاصبع المسبحة . بسم الله الرحمن الرحیم وعلی الصدر لا اله الا الله محمد رسول الله وذلک بعد الغسل قبل التکفین ص ۱۶۶ \ ج ۱ . اذان کہنا قبر پر دفن کے وقت بدعت ہے۔ جس کا ترک کرنا ضروری ہے۔ ائمہ سلف سے کہیں منقول نہیں۔ شامی ردالمحتار میں لکھا ہے۔ (فیه) اشارة الی انه لا یُسن الاذان عند ادخال المیت فی قبره الخ وقد صرح ابن حجر فی فتاویه انه بدعة الخ ص ۱۶۶۰ \ ج ۱ ۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مرزائی کا جنازہ پڑھانے والے کی امامت مکروہ ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص (جو کہ امام بھی ہے) نے ایک مرزائی کی نماز جنازہ پڑھائی کیا اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

باوجود اس بات کے جاننے کے کہ یہ مرزائی ہے اس کی نماز جنازہ پڑھنے والا شخص عاصی وفاسق ہے۔ اس کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ یہاں تک کہ وہ توبہ تائب ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

منکرِ قرآن شیعہ کی نماز جنازہ پڑھنا درست نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اہل تشیع کا جنازہ امام اہل سنت والجماعت پڑھا سکتا ہے یا مقتدی اہل سنت والجماعت پڑھ سکتے ہیں۔ خاص کر وہ شیعہ جو منکر قرآن اور اصحاب ثلثہ کا سبّی ہے۔ مدلل اور مکمل جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

﴿ج﴾

شیعہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کے عقائد حد کفر تک پہنچ گئے ہوں جیسے قرآن میں تحریف کے قائل ہوں یا حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر قذف (تہمت) باندھتے ہوں وغیرہ ایسے شیعہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اور ایسے شخص کی جنازہ کی نماز اصلاً درست نہیں۔ کیونکہ نماز جنازہ کی شرائط میں میت کا مسلمان ہونا بھی ہے۔

دوسرے وہ جن کے عقائد حد بدعت تک پہنچے ہوں جیسے کہ وہ جو سب شیخین کرتے ہوں وغیرہ اس کا یہ حکم

ہے کہ اگر اس کے جنازہ کی نماز کسی نے نہ پڑھی ہو تب تو پڑھ لینی چاہیے کیونکہ جنازہ مسلم کی نماز فرض علی الکفایہ ہے۔ اور اگر کسی نے پڑھ لی ہو مثلاً اس کے ہم مذہب لوگ موجود ہیں اور وہ پڑھ لینگے۔ تو اس صورت میں اہل سنت ہرگز نہ پڑھیں' قال فی الدرالمختار ج ۳ ص ۳۲۰ الکافر بسب الشیخین او بسب احدهما' فی البحر عن الجوهره معزیا للشهید من سب الشیخین او طعن فیهما کفر ولا تقبل توبته. " وبه اخذ الدبوسی وابو اللیث وهو المختار للفتوی انتهی. وجزم به فی الاشباه واقره المصنف . الخ قال المحقق الشامی بعد نقل الخلاف وان الراجح عندالمحققین عدم تکفیر نعم لاشک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی الله عنها. ص ۳۲۱ ج ۳ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مرزائی کا جنازہ پڑھنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفنانا جائز نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ ایک مرزائی فوت ہوا ہے۔ اس کی قبر مسلمانوں نے کھودی ہے۔ اور اس کا جنازہ مسلمانوں اور مرزائیوں نے الگ الگ اپنے مسلک کے مطابق پڑھا۔ جنازہ قبر تک مرزائی اٹھا کر لے گئے۔ اور لحد میں اتارنے والے مسلمان تھے۔ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ مسلمان مرزائیوں کے ساتھ ماتم وغیرہ میں بھی شریک رہے۔ گھر سے کھانا پکوا کر مرزائیوں کو دیا ہے۔

اب شرعاً اس مدفون کو قبرستان سے نکال کر باہر کرنا چاہیے یا نہیں اور جن مسلمانوں نے جنازہ میں شرکت کی ہے ان سے شرعی بائیکاٹ جائز ہے یا نہیں' اور ان کی سزا کیا ہے۔

﴿ج﴾

مرزائی باتفاق اہل سنت والجماعۃ کافر دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ مسلمانوں کو اس کی نماز جنازہ میں شرکت جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہی مرزائی میت کو اہل اسلام کے قبرستان میں دفنانا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

مرزائی کا جنازہ پڑھنے والے مسلمان کو توبہ کرنا ضروری ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مرزائی فوت ہو گیا۔ جو کہ مرزائیت کا بڑا پرچار بھی کرتا رہا۔ اور

مسلمانوں میں تفریق بھی ڈالتا رہا۔ تو اس کی نماز جنازہ جب کہ ان کی پارٹی کے امام نے پڑھائی تو کئی مسلمانوں نے اس میں شرکت کی۔ تو اب جن مسلمانوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی ان کے بارے میں جو شرعی حکم ہے بتلایا جائے؟

﴿ج﴾

مرزائی شرعاً و قانوناً دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ان کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں جو مسلمان ان کے جنازہ میں شریک ہوئے ہیں۔ گنہ گار ہیں۔ ان پر توبہ تائب ہونا لازم ہے۔ اور ونخلع و نترک من یفجرک کے عہد پر قائم رہنا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم۔

عیسائی پر نماز جنازہ پڑھنا درست نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں (۱) چوہڑے جو آج کل عیسائی کہلاتے ہیں ان کا بچہ تقریباً سال کا فوت ہوگیا۔ مسلمان عالم نے جنازہ پڑھایا اور مقتدی بھی مسلمان ہی تھے۔ وارث الگ بیٹھے تھے ایسا جائز ہے یا ناجائز (۲) اگر جنازہ ناجائز پڑھایا گیا تو جس عالم نے نماز پڑھائی اس عالم کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو کیا سزا ہونی چاہیے (۳) اگر جنازہ ناجائز پڑھایا گیا تو عالم کے پیچھے نماز جائز ہے یا ناجائز اگر جائز ہے تو کس صورت میں اور کیسے۔ (۴) جن لوگوں نے اس عالم کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں۔ دوبارہ پڑھیں یا نہ (۵) رسم کے مطابق تیسرے دن عالم نے خوردنی اشیاء پر ختم پڑھا اور مسلمانوں نے کھایا ایسا جائز ہے یا ناجائز دلیل یہ بیان کی گئی کہ اہل کتاب ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

چوہڑے عیسائی اگرچہ اہل کتاب بھی ہوں تب بھی ان کی میت پر نماز جنازہ پڑھنی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ کافر ہیں اور نماز جنازہ صرف مسلمانوں پر ہی پڑھنی جائز ہے۔

(۲۔۳۔۴) عالم مذکور نے اگر جان کر نماز جنازہ پڑھائی تو ایسا کرنے سے وہ گناہ گار ہوگیا ہے۔ توبہ کرے اور پھر اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے۔ جو لوگ اس کے پیچھے نمازیں پڑھ چکے ہیں۔ ان کی نمازیں درست ہیں۔ دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (۵) ناجائز کیا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اور اگر چوہڑہ مذکور مسلمان کہلاتا ہو۔ تو اس کی نماز جنازہ درست ہے۔ اور عالم مذکور پر کوئی اعتراض نہیں ہے

والجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

کفریہ عقائد رکھنے والے شیعہ کی نماز جنازہ اہل سنت کو پڑھنا جائز نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ متوفی شیعہ ہے۔ کیا اس کا جنازہ اہل سنت پڑھ سکتے ہیں۔ یا کوئی اہل سنت امام اس کا جنازہ پڑھا سکتا ہے۔ اور اگر امام مذکور کو یہ کہا جائے کہ متوفی اہل سنت ہے۔ حالانکہ وہ اہل تشیع ہو یا امام مذکور کو معلوم ہو لیکن وہ دنیاداری کو دیکھ کر پڑھا دے۔ تو کیا اس صورت میں امام مذکور پر از روئے شریعت گناہ ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

شیعہ کا وہ فرقہ جو سب شیخین نہ کرے اور اصحاب کو برا نہ کہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے افک کا قائل نہ ہو اور کوئی عقیدہ کفریہ نہ رکھتا ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جاوے۔ اور اگر اہل سنت والجماعۃ بھی ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں یا پڑھا دیں۔ تو کچھ حرج نہیں ہے۔ لیکن جو شیعہ سب شیخین کرے۔ یا اصحاب کو برا کہے اور دیگر کوئی عقیدہ کفریہ رکھتا ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھنا اہل سنت والجماعۃ کے لیے جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

قادیانیوں پر نماز جنازہ پڑھنے اور ان سے مناکحت جائز قرار دینے والے شخص کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ قادیانی واحمدیہ لاہوری شریعت غرہ کی نگاہ میں کیسے ہیں (۱) آیا وہ کافر ہیں یا نہیں (۲) ان پر جنازہ پڑھا جا سکتا ہے یا نہیں (۳) ان پر نماز جنازہ کی امامت کیسی ہے اور اس امام کا جس کو وہ جائز قرار دیتا ہے۔ کیا حکم ہے (۴) ان کے ساتھ نکاح کیسا ہے۔ اور نکاح کے جائز قرار دینے والے کا کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

حضور نبی کریم ﷺ کے بعد جدید نبوت کا مدعی یقیناً کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اسے نبی ماننے والے قادیانی ہوں یا مجدد اور مسلمان ماننے والے لاہوری ہوں۔ دونوں طرح کے لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ان کی نماز جنازہ پڑھانی یا پڑھنی جائز نہیں ہے۔ ان سے کسی مسلمان عورت کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ اگر نکاح کے بعد خاوند مرزائی مذہب اختیار کرلے۔ تب بھی بوجہ مرتد ہونے کے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ ان کے ساتھ

نکاح جائز قرار دینے والا شخص یا ان کی نماز جنازہ کے جواز کا قائل اگر مرزا صاحب کے دعوٰی نبوت کو جان کر یہ فتوٰی اس بنا پر دیتا ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ اس کے نزدیک اسلام کا بنیادی عقیدہ نہیں ہے۔ تو وہ بھی کافر ہے۔ اور اگر ختم نبوت کا اجماعی عقیدہ جو کتاب وسنت سے صراحۃً ثابت ہے۔ اس پر کامل عقیدہ رکھ کر مرزا صاحب کے دعوٰی نبوت یا اس کے عقائد باطلہ اور اس کے ضلال سے مطلع نہیں ہے۔۔۔ تو وہ کافر نہیں ہے۔ البتہ اس کا فرض ہے کہ بغیر تحقیق مذہب قادیانی اس طرح کا فتوٰی نہ دے۔ اور اس فتوٰی سے رجوع کر کے توبہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عیسائی میت کو کندھا دینے والے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کے ایک امام مسجد نے ایک عیسائی لڑکی کے جنازہ کو کندھا دیا۔ اور ساتھ جا کر اس کی قبر پر دعائے مغفرت مانگی اور ستر قدم پر پھر دعائے مغفرت مانگی۔ اس بارے میں مفتی صاحب کیا فتوٰی صادر فرماتے ہیں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: عیسائی شخص کے جنازے کو کندھا دینا اور اس کے لیے دعائے مغفرت مانگنی شرعاً ناجائز ہے۔ عیسائیوں کے ساتھ اس قسم کی رواداری کرنا شرعاً نادرست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے لیے دعائے مغفرت سے نہی فرمائی ہے۔ لقولہ تعالیٰ ماکان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی الأیہ. اس لیے امام موصوف کو توبہ کرلینی ضروری ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کی امامت مکروہ ہے۔ اور مستحق عزل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مرزائیوں اور شیعوں کی نمازِ جنازہ پڑھانے والوں اور پڑھنے کا حکم؟

﴿س﴾

مسلمانوں کے بعض چکوں میں ایک ایک یا دو دو گھر مرزائیوں اور بد دین شیعوں کے ہیں جب ان میں سے کوئی مرتا ہے تو امام مسجد ان کے چھوٹوں اور بڑوں کی نماز جنازہ پڑھاتا ہے اور چک والے مسلمان امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ امام کا نظریہ اپنا فصلانہ ہوا کرتا ہے۔ اگر جنازہ نہ پڑھاویں تو مرزائیوں اور شیعوں کا فصلانہ بند سوال یہ ہے کہ امام اور مسلمانوں کو یہ فعل درست ہے یا کہ اس فعل سے اجتناب اور توبہ کریں۔

﴿ج﴾

مرزائی جو ختم نبوت کے قطعی مسئلہ سے جو ضروریات دین میں سے ہے انکار کرتے ہیں نیز وہ شیعہ جو نصوص قرآنیہ کے منکر ہیں۔ مثلاً قول بالافک فی حق سیدتنا عائشة رضی الله عنها وہ اسلام سے خارج ہیں اور ان کا جنازہ پڑھنا اور پڑھانا ناجائز ہے۔ بالخصوص جب طمع دنیوی اور حرص کی وجہ سے اس فعل شنیع کا ارتکاب کر رہے ہوں ایسے پیش امام اور مقتدیوں کو جو جنازہ میں شریک ہوتے ہیں سب کو توبہ کرنا لازم ہے۔ اگر پیش امام توبہ نہ کرے تو اسے امامت سے معزول کرنا واجب ہے۔ واللہ اعلم۔

کسی مسلمان کے جنازہ میں سبی شیعہ کے ہونے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کیا سبی شیعہ نماز جنازہ میں مقتدی ہونے کی حیثیت سے شامل ہو سکتا ہے جب کہ اس کے سبی ہونے پر یقین ہو۔ کیا غیرت ایمانی کا یہ تقاضا ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی نماز جنازہ میں شامل ہو شریعت کی طرف سے اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ بینوا و توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ شیعہ اگر کسی سنی مسلمان کے جنازہ میں شریک ہوتا ہے تو اس کو شرکت سے وجوباً نہ روکا جائے۔ کیونکہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور شیعوں کے کفر میں تفصیل ہے اور کچھ اختلاف بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مرزائی کا جنازہ پڑھانے والے کی امامت کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں (۱) ایک شخص جو غلام احمد قادیانی کو نبی مانتا ہے یا اس کے تابع ہے وہ فوت ہو گیا اس کا جنازہ اہل سنت والجماعت کے امام صاحب نے پڑھایا اس بنا پر کہ میت کے وارثوں میں سے کچھ لوگ مسلمان تھے۔ جو غلام احمد کو نبی نہیں مانتے تھے نہ اس کے پیروکار تھے ان کے کہنے پر پڑھایا گیا۔ (۲) امام صاحب نے اس بات سے توبہ کر لی ہے کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے اور میں اس بات کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں کیا اتنی بات کرنے سے یہ امام امامت کے قابل ہے یا نہیں کیا حکم ہے (۳) وہ لوگ جو اس میت کے وارثوں کے برادر مسلمان تھے۔ انھوں نے اس امام کے پیچھے نماز جنازہ پڑھا امام اہل سنت

والجماعت تھا اور میت مرزائی تھی ان کے بارے میں کیا حکم ہے (۴) میت مرزائی کے وارثوں نے مسلمان امام کے پیچھے نماز جنازہ نہیں پڑھا بلکہ اپنا امام مرزائی مقرر کر کے نماز جنازہ دوبارہ پڑھا نہ مسلمان اس میں شامل ہوئے اور نہ مرزائی مسلمانوں کے ساتھ جنازہ میں شامل ہوئے۔ لہٰذا مہربانی فرما کر جو بھی حکم ہو اہل سنت والجماعت کے نزدیک وہ تحریر فرمایا جاوے۔ امام کے بارے میں اور لوگوں کے بارے میں جنھوں نے نماز جنازہ پڑھا۔

﴿ج﴾

غلام احمد قادیانی کو نبی ماننے والے باجماع امت کافر مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور اگر مر[ے] اس کی جنازہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں۔ **بقوله تعالى ولا تصل على احد منهم مات ابدا ولا تقم على قبره انهم كفروا بالله ورسوله وما تواوهم فاسقون** (پ ۱۰ توبه ۱۱ ع)

وفى الدر المختار اما المرتد فيلقى فى حفرة كالكلب (درمختار ص ۶۵۷ ج ۱) ای **لايغسل ولا يكفن** (درالمختار باب صلوة الجنازة) بنابریں صورۃ مسئولہ میں دوسرے مسلمانوں کے کہنے کے باوجود بھی ان پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہ تھا جن مسلمانوں نے اس پر نماز جنازہ پڑھ لیا ہے۔ وہ سب گنہگار ہوگئے ہیں سب کو توبہ کرنا لازم ہے امام صاحب جب کہ اپنی غلطی کا اعتراف واقرار کرتے ہوئے توبہ تائب ہوگیا ہے تو اس کی امامت بلاکراہت درست ہے۔ **لقوله عليه السلام التائب من الذنب كمن لا ذنب له الحديث**

(۳، ۴) ان کا جواب اوپر کے جوابات میں آ چکا ہے۔ فقط واللہ اعلم

شیعہ کا جنازہ پڑھانے والے امام کی امامت کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک امام نے (جو اہل قریہ کا دینی مقتدا بھی شمار ہوتا ہے) ایک شیعہ کا جنازہ پڑھایا ہے۔ وہ شیعہ حضرت سیدنا امیر معاویہؓ کو خصوصاً اور صحابہ کو عموماً برا کہتا تھا۔ ہر وقت ایسا نہیں کرتا تھا۔ کبھی کسی مجلس میں بحث ہوتی تو اس کی زبان سے تبرا سنا گیا۔ اور شیخین رضی اللہ عنہما کو بھی ظالم تک کے الفاظ کہہ دیتا تھا۔ اگر اس امام نے اسے مسلمان سمجھا اور اس کے جنازے کو جائز سمجھ کر پڑھایا تو کیا حکم ہے۔ اور اگر محض کسی دباؤ یا دنیاوی غرض سے پڑھایا ہے تو کیا حکم ہے۔ کیا یہ امام فاسق ہے یا نہیں اگر فاسق ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے۔ یا ناجائز۔ مزید برآں توبہ کی کیا صورت ہے۔ اعلانیہ توبہ ضروری ہے یا مخفی توبہ کافی ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ جو شیعہ کسی مسئلہ ضروریہ کا انکاری ہو مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا قائل ہو یا تحریف قرآن کا قائل ہو۔ یا جبریل علیہ السلام کو وحی پہنچانے میں غلطی کرنے کا قائل ہو۔ یا صحبت صدیق رضی اللہ عنہ کا انکاری ہو۔ یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت (قذف) لگاتا ہو۔ یا سب صحابہ کو جائز اور کار خیر سمجھتا ہو تو یہ کافر ہے۔ اور اس کا نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔

قال ابن عابدين فى ردالمحتار ص ۳۱۴ ج ۲ وبهذا ظهر ان الرافضى ان كان ممن يعتقد الالوهية فى على او ان جبريل غلط فى الوحى او كان ينكر صحبة الصديق او يقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفة القواطع المعلومة من الدين بالضرورة . اه اور اگر اسلام کے کسی مسئلہ ضروریہ کا انکاری نہ ہو تو وہ مسلمان ہے۔ اور اس کا نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ **قال فى ردالمحتار بخلاف ما اذا كان يفضل عليا او يسب الصحابة فانه متبدع لا كافر. الخ** ص ۳۱۴ ج ۲

مسئولہ صورت میں اگر یہ شیعہ نوع اول سے تھا۔ تو اس کی نماز جنازہ پڑھنا ناجائز تھا۔ اور دوسری قسم کا تھا تو جائز۔ باقی یہ ایک خاص واقعہ ہے مولوی صاحب نے جس شیعہ کا جنازہ پڑھا ہے وہ کس قسم کا تھا اور مولوی صاحب نے کس بنا پر جنازہ پڑھا۔ تحقیق سے پتہ چل سکتا ہے۔ لہٰذا سوال میں مختلف قسم کے شیعوں کے بارے میں علیحدہ حکم کا تعین تحقیق کے بعد ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

منکر حدیث پرویزی کا جنازہ پڑھانے والے کی امامت کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء شریعت محمدی ﷺ اس مسئلے میں کہ مشہور منکر الحدیث غلام احمد پرویز جس کو جمہور علماء امت نے کافر قرار دیا ہے۔ اس کا ایک پیروکار ہم عقیدہ ہم مسلک اور مسلک پرویز کا مبلغ مرگیا ہے۔ جب کہ جمہور علماء امت نے پرویز کے متبعین کو بھی خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ اس پرویزی پر اہلسنت والجماعت کے ایک پیش امام نے جنازہ پڑھا ہے۔ لہٰذا (ا) شریعت اسلامی میں مذکور امام کا کیا حکم ہے (ب) نماز جنازہ کی اس امامت کے بعد اس امام کے پیچھے اقتدا جائز ہے۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امت مسلمہ کے تمام علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ غلام احمد پرویز بوجہ انکار حدیث کافر ہے۔ لہٰذا اسی فرقہ سے تعلق رکھنے والا پرویز کا متبع و پیروکار بھی کافر ہوگا۔ اور کافر کی نماز جنازہ پڑھنا ناجائز ہے۔

لہٰذا جس سنی پیش امام نے اس پرویزی کا جنازہ پڑھا ہے اگر اس کو اس کے پرویزی ہونے کا علم ہو یا اس کا پرویزی ہونا بالکل ظاہر اور معروف ہو تو اس نے بڑا ناجائز کام کیا ہے۔ اور اس کی امامت مکروہ ہوگئی۔ مسلمانوں کو اسے امامت سے معزول کرنا چاہیے۔ البتہ اگر یہ صدق دل سے علانیہ توبہ کرلے اور عوام مسلمانوں کو اس پر اعتماد ہو جائے۔ تو اس کی امامت درست ہوگی اور اس کو امام رکھنا بھی جائز ہوگا۔ لما فی الحدیث التائب من الذنب کمن لا ذنب له. وفی الکنز وکره امامة العبد والاعرابی والفاسق والمبتدع فقط واللہ اعلم

بغیر تحقیق کیے کسی کے کہنے پر شیعہ کا جنازہ پڑھنے والے کی امامت کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک سنی امام جو کہ کم تعلیم رکھتا ہے۔ اس کو اہل سنت والجماعت کے چند آدمیوں نے کہا کہ شیعہ کا جنازہ سنی امام پڑھا سکتا ہے اس امام کو اس مسئلے میں تحقیق نہیں تھی تو سنی امام نے سنی مقتدیوں کے ساتھ شیعہ کا جنازہ پڑھایا اور اس جنازہ میں کوئی شیعہ شریک نہیں تھا۔ تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ جنازہ پڑھنے والے اور پڑھانے والے سب کے نکاح ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور اس امام کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے نہ یہ امام کسی کا نکاح پڑھا سکتا ہے۔ جب تک کہ اپنا نکاح دوبارہ نہ کرائے اس امام نے شیعہ کا جنازہ پڑھانے کے بعد امامت بھی کرائی ہے۔ اور نکاح بھی پڑھائے ہیں۔ شرع میں کیا حکم ہے۔ بحوالہ ارشاد فرماویں۔

﴿ج﴾

شیعہ اگر امور دین میں سے کسی مسئلہ ضروریہ کا منکر ہو تو وہ کافر ہے۔ اور ایسے شیعہ کا نماز جنازہ پڑھانا جائز نہیں گناہ ہے۔ لیکن جنازہ پڑھانے سے یا جنازہ میں شریک ہونے سے کسی کا نکاح نہیں ٹوٹتا۔ سب کے نکاح بدستور باقی ہیں۔ امام نے لاعلمی میں ایسا کیا ہے اس کو توبہ تائب ہو جانا چاہیے۔ اس کی امامت جائز ہے۔ بہر حال نکاح سب کے باقی ہیں۔ کوئی شبہ نہ کیا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سنی شیعہ کے جنازہ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اہل تشیع کا جنازہ امام اہل سنت والجماعت پڑھا سکتا ہے یا مقتدی - یا اہل سنت والجماعت پڑھ سکتے ہیں۔ خاص کر وہ شیعہ جو منکر قرآن اور اصحاب ثلاثہ کو سب کرتا ہو۔ مدلل اور مکمل جواب دے کر مشکور فرماویں۔

﴿ج﴾

شیعہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جن کے عقائد حد کفر تک پہنچ گئے ہوں جیسے قرآن میں تحریف کے قائل ہوں یا حضرت صدیقہ عائشہؓ رضی اللہ عنہا پر قذف (تہمت) باندھتے ہوں وغیرہ ایسے شیعہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اور ایسے شخص کے جنازہ کی نماز اصلاً درست نہیں۔ کیونکہ شرائط صلوۃ جنازہ میں سے میت کا مسلمان ہونا ہے۔

دوسرے وہ جن کے عقائد حد بدعت تک پہنچے ہوں جیسے کہ وہ جو سب شیخین کرتے ہوں وغیرہ ان کا یہ حکم ہے کہ اگر جنازہ کی نماز کسی نے نہ پڑھی ہو تب تو پڑھ لینا چاہیے۔ کیونکہ جنازہ مسلم کی نماز فرض علی الکفایہ ہے اور اگر کسی نے پڑھی ہو مثلاً اس کے ہم مذہب لوگ موجود ہیں اور وہ پڑھ لیں گے۔ تو اس صورت میں اہل سنت ہرگز نہ پڑھیں۔ قال فی الدر المختار ص ۳۲۱ ج ۳ الکافر بسب الشیخین اوبسب احدهما' فی البحر عن الجوهرة معزیا للشهید من سب الشیخین او طعن فیهما کفر ولا تقبل توبه اخذ الدبوسی وابواللیث وهو المختار للفتوی انتهی. وجزم به فی الاشباه و اقره المصنفؒ قال المحقق الشامی بعد نقل الخلاف وان الراجح عندالمحققین عدم تکفیر نعم لاشک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی الله عنها. فقط والله تعالی اعلم.

شیعہ کے جنازہ میں اہل سنت کی شرکت کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک جنازہ شیعہ کا ہے۔ جنازہ پڑھنے کے لیے شہرداری یا اخلاق کے طور پر اہلسنت بھی موجود ہیں۔ اہلسنت اہل شیعہ کو کہتے ہیں کہ جنازہ ہم کو پہلے پڑھنے دیویں لیکن شیعہ کہتے ہیں کہ ہمارا جنازہ ہے۔ خود پہلے پڑھیں گے۔ تم بعد میں پڑھ لینا اب بعض آدمی اہل سنت کے کہتے ہیں کہ ہم جنازہ پہلے پڑھ سکتے ہیں۔ بعد میں نہیں پڑھ سکتے اور بعض کہتے ہیں کہ بعد میں بھی ہم جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔ آیا ہم جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہ ان کے پڑھ لینے کے بعد پڑھ سکتے ہیں۔ اگر پڑھ سکتے ہیں تو پہلے اگر پہلے نہیں پڑھنے دیتے تو ان کے پڑھ لینے کے بعد پڑھ سکتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر اس شیعہ میت کے عقائد حد کفر کو پہنچے ہوئے تھے۔ ضروریات دین میں سے کسی مسئلہ کا منکر تھا۔ تو پھر تو اہل سنت اس کا جنازہ نہ پہلے پڑھ سکتے ہیں نہ بعد میں اور اگر محض تفضیلی شیعہ تھا۔ اور مسلمان تھا اور پڑھانے والا امام بھی تفضیلی شیعہ ہے تو پھر تو ان کے ساتھ مل کر جنازہ پڑھنا چاہیے۔ بعد میں نہیں اور اگر مرنے والا مسلمان تھا

اوراس کا جنازہ پڑھنے والا عقائد کفریہ رکھتا ہے۔تو پھر آپ اہلسنت اس میت کا جنازہ پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں۔اور بعد میں بھی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

لیکن اس کے پیچھے نہیں پڑھ سکتے۔آج کل اس فرقہ کے لوگوں کے عقائد اچھے نہیں۔اس لیے ان کے جنازہ میں شرکت نہ پہلے کرنی چاہیے نہ بعد میں۔

کسی مرزائی کے قبولِ اسلام کے حق میں گواہیوں کے سبب جنازہ پڑھانے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے مرزائی (جو کہ متفقہ طور پر کافر ہے) کا جنازہ پڑھایا۔ جب اس شخص سے پوچھا گیا کہ تو نے کافر کا جنازہ کیوں پڑھا ہے تو اس نے جواب دیا۔کہ چار پانچ آدمیوں نے گواہی دی ہے کہ وہ مرزائی شخص ہمارے سامنے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوا تھا۔لیکن لوگوں نے اس سے کہا کہ جو لوگ گواہی دیتے ہیں۔ان سے یہی گواہی لکھوا کر واضح کرو۔تو اس شخص کے کہنے پر گواہوں نے گواہی دینے سے انکار کر دیا۔کہ ہم لکھ کر نہیں دیتے۔اب غور طلب یہ بات ہے کیا وہ شخص جس نے جنازہ پڑھایا ہے۔وہ مسلمان رہا ہے یا نہیں اور اس کا نکاح باقی ہے یا نہیں۔مہربانی فرما کر قرآن وسنت کی روشنی میں اس امر کی وضاحت فرما دیں۔

﴿ج﴾

اگر واقعی اس شخص کے مسلمان ہو جانے پر پانچ آدمیوں کی شہادت دینے کی بنا پر امام نے اس کا نماز جنازہ پڑھایا ہے تو شرعاً گنہ گار نہیں ہوگا۔اگر گواہ زبانی شہادت دیتے ہیں تو بھی شہادت کافی ہے۔گواہوں پر تحریری شہادت لازم نہیں۔

اس امام نے مرزائی کو اس شہادت کی بنا پر مسلمان سمجھ کر جنازہ پڑھایا ہے لہٰذا اس امام کے کفر یا فسخ نکاح کا حکم نہیں کیا جائے گا۔لیکن اگر اس کے مسلمان ہونے کی کوئی شہادت موجود نہیں تو مرزائی کو مسلمان سمجھنا کفر ہے۔اور مرزائی کو کافر سمجھتے ہوئے اس کا نماز جنازہ پڑھانا فسق اور گناہ کبیرہ ہے۔بہر حال امام پر کفر کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ مرزائی بالاتفاق کافر ہیں۔اور ان کا جنازہ پڑھنا پڑھانا اور ان سے میل جول رکھنا حرام اور ناجائز ہے۔اس لیے آئندہ پوری احتیاط کریں کہ جب تک مسلمان ہونے کا یقینی ثبوت نہ ہو جنازہ نہ پڑھایا جاوے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جنازہ پڑھانے والا خود گواہ ہے کہ متوفی مرزائیت سے تائب ہو گیا تھا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے مرزائی کا جنازہ پڑھایا اور وہ کہتا ہے کہ اس نے مرتے وقت میرے سامنے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا اور کہا کہ جو شخص نبی علیہ السلام کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے۔نیز اس مرزائی کے رشتہ دار کہتے ہیں کہ متوفی نے کلمہ نہیں پڑھا بلکہ کافر مرا ہے۔کیا اس کی نماز جنازہ پڑھانے والے امام کا نکاح باطل ہوتا ہے۔یا نہیں یا اس کا نماز جنازہ پڑھانا کیسا ہے۔ویسے مرزائی کے نماز جنازہ پڑھانے والے کے لیے کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

مرزائی بالاتفاق اہل سنت والجماعۃ کی نظر میں کافر دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔مسلمانوں کے لیے ان کی نماز جنازہ پڑھنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔لہٰذا جس مولوی صاحب نے دیدہ دانستہ مرزائی کی نماز جنازہ پڑھی ہے۔اس پر توبہ واستغفار لازم ہے۔نکاح اس کا باطل نہیں ہوا۔اور اگر مرزائی مذکور نے مرنے سے قبل ہوش کی حالت میں کلمہ طیبہ پڑھ لیا ہے۔اور حضور ﷺ کے بعد اور مدعی نبوت کو کافر کہا ہے تو پھر وہ شرعاً مسلمان ہو گیا تھا۔تمام مسلمانوں کو اس کی نماز جنازہ میں شریک ہونا چاہیے تھا۔فقط واللہ اعلم

شیعہ کا جنازہ پڑھانے والے کی امامت کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام اہل سنت والجماعت مسجد کرم پور نے جان بوجھ کر میت شیعہ کی نماز جنازہ پڑھائی ہے۔کیا یہ جائز ہے یا ناجائز قرآن شریف وحدیث کے حوالہ کے ساتھ تحریر فرما دیں۔ اگر ناجائز ہے تو شریعت نے کیا سزا رکھی ہے۔یہ بھی آپ قرآن شریف کے حوالہ سے تحریر فرماویں۔(۲) جس دن سے امام صاحب نے شیعہ کی نماز جنازہ پڑھائی ہے۔اس دن سے اہل سنت والجماعت نے امامت سے علیحدہ کر دیا ہے (۳) اب اگر اس امام کو دوبارہ رکھا جاوے تو کس طرح رکھا جائے معہ حوالہ حدیث تحریر فرماویں (۴) اور جن لوگوں نے یعنی اہل سنت والجماعت کے آدمیوں نے بھی نماز پڑھی ہے۔ان کے لیے کیا حکم ہے (۵) کیا شیعہ صاحبان کے ہاں کھانا پینا بیاہ شادی۔موت زندگی دوستانہ۔لین دین ان لوگوں سے جائز ہے یا ناجائز ہے۔

اب امام اہل سنت سے معافی مانگتے ہیں لیکن ابھی معافی وغیرہ کوئی نہیں دی گئی ہے کیونکہ بغیر پورا معلوم ہونے کے یا سند کے ہونے کے ہم لوگ معاف نہیں کرتے ہیں اس لیے آپ کے پاس لکھا جا رہا ہے۔ آپ کے فتویٰ کے موافق کام ہوگا۔ فقط اہل سنت والجماعت کرم پور کی طرف سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ

﴿ج﴾

شیعہ کی نماز جنازہ پڑھانا جائز نہیں آج کل کے شیعہ حضرات شیخین وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب بکنا ثواب خیال کرتے ہیں۔ اور حضرت عائشہؓ کے متعلق افتراء باندھتے ہیں۔ اس لیے ان کے کفر پر ائمہ کا اتفاق ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی برات قرآن میں منصوص ہے۔ اس لیے افک کا قائل ہونا قرآن کریم کی آیات کا انکار ہے۔ جو بالاتفاق کفر ہے۔ ایسے شخص کو جو امامت جنازہ کراتا ہے توبہ کرنا لازم ہے۔ اگر توبہ کر لے اور یقین ہو جاوے کہ وہ دل سے تائب ہوا ہے۔ تو اس کی توبہ مقبول ہے۔ انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب الأية۔ اسی طرح باقی شرکاء بھی توبہ کر لیں۔ باقی شیعہ صاحبان کے ساتھ مودت دوستی نہیں رکھنی چاہیے۔ صحابہ کرام اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے دشمنوں کے ساتھ کیا دوستی ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم

اثنا عشری شیعہ کا جنازہ پڑھانے والے کی امامت کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک شیعہ اثنا عشری کا جنازہ پڑھایا ہے۔ اور اس بارے میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا فعل بطور دلیل پیش کرتا ہے۔ کہ حضرت مولانا نے محمد علی جناح بانی پاکستان کا جنازہ پڑھایا تھا۔ جو کہ ایک شیعہ تھا۔ جس شخص کا زید کہتا ہے کہ میں نے جنازہ پڑھایا ہے۔ اس کا اور مسٹر جناح کا ایک عقیدہ ہے۔ تو اگر جناح کے جنازہ پڑھانے سے حضرت مولانا پر کوئی جرم از روئے شرع وارد نہیں ہوتا۔ تو میرے پر بھی کوئی جرم نہیں۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کا حضرت مولانا کے فعل سے دلیل پکڑنا صحیح ہے یا نہیں۔ اور زید کا شیعہ اثنا عشری کا جنازہ پڑھانا از روئے شرع جرم ہے۔ یا نہیں اور کس قسم کا جرم ہے۔ کیا اس قسم کے جرم سے زید کی امامت میں کوئی فرق آتا ہے۔ اگر زید کسی مسجد کا امام ہو تو اس کی اقتداء میں نماز کیسی ہے۔ بلا کراہت درست ہے۔ یا کوئی کراہت ہے اور کراہت کس قسم کی ہے۔ زید مذکور نے عمر سے ایک زمین خریدی ہے۔ جو عمر کی ہندوستان میں مرہونہ تھی۔ اب انقلاب کے بعد وہ زمین عمر کو مل گئی ہے۔ اس لیے کہ وہاں اسی کے نام پر وہ زمین تھی۔ کاغذات میں عمر کے نام تھی۔ اس لیے اب اسے مل گئی ہے۔ اور اس نے زید کو بیع کر دی ہے۔

زید اس کے جواز کے لیے یہ پیش کرتا ہے کہ حکومت نے رہن وغیرہ اب ختم کر دی۔ اب کوئی رہن وغیرہ نہیں ہے۔ تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس زمین مذکورہ کی بیع شرعاً درست ہے یا نہیں اور حکومت کے قانون سے کوئی صورت جواز بیع کی ہو سکتی ہے۔ یا نہیں اور زید اگر امام ہے تو ایسے افعال کے ہوتے ہوئے اس کی امامت درست ہے یا نہیں۔ ان اشیاء سے زید کا فسق ثابت ہوتا ہے یا نہیں (۳) تعریف فاسق از روئے فقہ حنفی اور امامت فاسق کا کیا حکم ہے۔ بحوالہ کتب مفصل تحریر فرماویں۔ (۴) شیعہ اثنا عشری خارج از اسلام ہے۔ یا نہیں۔ بحوالہ کتب تمام مسائل تحریر فرماویں۔

﴿ج﴾

تنبيه الولاة الحكام على احكام شاتم خير الانام لمولانا محمد امين الشهير بابن عابدين الشامیؒ صفحہ ۲۶۷ میں ہے۔ واما من سب احدا من الصحابة فهو فاسق ومبتدع بالاجماع الااذا اعتقد انه مباح اويترتب عليه الثواب كما عليه بعض الشيعه او اعتقد كفر الصحابة فانه كافر بالاجماع. موجودہ وقت میں پاکستان کے شیعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سب کو حلال موجب ثواب سمجھتے ہیں اس لیے یہ اسلام سے خارج ہیں۔ ان کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔ پیش امام مذکور دینی غیرت سے محروم ہے۔ ایسے شخص کی امامت جائز نہیں۔ اسے معزول کر دینا واجب ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمدؒ صاحب مرحوم کے فعل سے استدلال صحیح نہیں۔ وہ اپنے فعل کے خود ذمہ دار ہیں۔ ان کا فعل شرعی حجت نہیں (۲) جو زمین اس نے فروخت کر دی ہے۔ اس کا فروخت کرنا جائز ہے۔ رہن میں جب مرتہن کا قبضہ نہ رہا تو مرتہن کے ضمان سے زمین مرہونہ نکل گئی۔ اور اب اس کو فروخت کرنا بلاشبہ صحیح ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ راہن اس سابق مرتہن کو اس کی رقم ادا کر دے۔ وہ رقم اس مرتہن کی اس کے ذمہ واجب الادا ہے۔ اگر وہ ادا کرنے سے انکاری ہے تو مجرم ہے۔ اس کی زمین سے جو اس مرتہن نے نفع اٹھایا ہے۔ وہ اگرچہ اس کے لیے ناجائز تھا۔ لیکن اس نفع کے بدلہ میں اس کا دین ساقط نہیں ہوتا۔ منافع الغصب لاتضمن فقہاء کا مشہور قاعدہ ہے۔ کہ رہن فاسد میں (جو مروج) ہے۔ اراضی مرہونہ حکم اراضی مغصوبہ میں ہوتی ہے۔ فاسق مرتکب کبیرہ کو کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر صغیرہ کے ارتکاب پر مصر ہو وہ بھی فاسق ہوتا ہے شامی مطبوعہ ایچ ایم سعید ص ۴۷۳ ج ۵ میں ہے۔ العدل من يجتنب الكبائر كلها حتىٰ لو ارتكب كبيرة تسقط عدالته وفي الصغائر العبرة للغلبة او الاصرار على الصغيرة فتصير كبيرة ۔ بعض نے یہ تعریف کی ہے۔ جس کے سیئات حسنات پر غالب ہوں۔ فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ منحۃ الخالق علی البحر الرائق للشامی صفحہ ۳۴۹ ج ۱ میں ہے۔ قال الرملي في شرح منية المصلي ذكر الحلبي ان كراهة تقديم الفاسق والمبتدع كراهة التحريم. الخ

چار فرض رکعتوں کو دو فرض ماننے والے کے جنازہ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کو آخری نبی مانتا ہے۔ کلمہ بھی پڑھتا ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات بھی کرتا ہے۔ لیکن نماز کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ ہر نماز کی صرف دو ہی رکعتیں ہیں۔ اور اسی پر اس کا عمل رہا۔ شخص مذکور کا اس حالت میں انتقال ہو جاتا ہے۔ کیا اس شخص کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور اگر کچھ لوگوں نے اس کا جنازہ پڑھ لیا ہے تو جنازہ پڑھانے والے امام صاحب اور مقتدیوں کے متعلق کیا حکم ہے۔ ایسے امام صاحب کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ شخص مذکور دیوبندیوں کے پیچھے جمعہ و تراویح بھی پڑھتا تھا اور نماز جنازہ بھی پڑھتا تھا۔ لیکن خود عالم نہیں تھا۔

﴿ج﴾

اگر اس بات کا شرعی ثبوت ہے کہ واقعی یہ شخص ظہر، عصر، مغرب اور عشاء نمازوں کی دو سے زائد رکعات کی فرضیت کا منکر تھا۔ اور حضر میں اس کا عمل بھی یہی رہا۔ کہ مثلاً ظہر، عصر کی دو ہی رکعت پڑھتا رہا ہے۔ تو اس کی نماز جنازہ پڑھنا درست نہ تھا۔ اور جس نے پڑھایا ہے۔ اگر وہ توبہ تائب ہو جائے تو اس کی امامت درست ہے ورنہ امامت سے الگ کیا جاوے۔ مقتدیوں پر بھی لازم ہے کہ وہ بھی توبہ تائب ہو کر استغفار کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد حرام میں جنازہ پڑھے جانے سے استدلال

﴿س﴾

۱۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے اندر نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ زید کہتا ہے کہ مسجد حرام میں نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ اس لیے یہاں بھی پڑھنا جائز ہے۔ کیا زید کا استدلال درست ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

قال فی الدر المختار ص ۶۵۲ ج ۱ (و كرهت تحريما) وقيل (تنزيها فی مسجد جماعة هو) ای المیت (فيه) وحده اومع القوم (واختلف فی الخارجة) عن المسجد وحده اومع بعض القوم (والمختار الكراهة) مطلقا. خلاصة بناء على ان المسجد انما بنى

للمكتوبة وتوابعها . الخ وهو الموافق لاطلاق حديث ابی داؤد من صلی علی میت فی المسجد فلا صلوة له قال فی ردالمحتار قوله فلا صلوة له هذه رواية ابن ابی شيبة ورواية احمد وابی داؤد فلاشئ له وابن ماجة فليس له شيء وروی فلا اجرله وقال ابن عبدالبر هی خطأ فاحش والصحيح فلاشیء له (ردالمحتار باب صلوة الجنائز ص ۶۵۴ ج ۱)

ان روایات سے واضح ہے کہ عند الحنفیہ مسجد جماعۃ میں نماز مکروہ ہے۔

۲۔ مسجد حرام میں نماز جنازہ پڑھنے سے دیگر مساجد میں نماز جنازہ کے جواز پر استدلال نہیں کیا جا سکتا ایک تو اس وجہ سے کہ مسجد حرام اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ جیسا کہ عیدین کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا مسنون ہے۔ مساجد میں مسنون نہیں۔ لیکن مسجد حرام میں پڑھنا مسنون ہے۔ اسی طرح نماز جنازہ بھی دیگر مساجد میں جائز نہیں لیکن مسجد حرام میں جائز ہے۔ جیسا کہ اوجز المسالک میں طحطاوی کے حوالہ سے شرح الموطا للقاری سے نقل کیا ہے ينبغی ان لايكون خلاف فی المسجد الحرم فانه وضع للجماعات والجمعة والعيدين والكسوفين والاستسقاء وصلوة الجنازة قال وهذا احد وجوه اطلاق المساجد عليه فی قوله تعالیٰ انما يعمر مساجد الله الأية . ا ھ

قلت فلودخل فی حکم المسجد النبوی فلا اشکال فی الصلوٰة علی النبی ایضا اھ (اوجز المسالک ص ۴۶۲ ج ۲)

دوسری وجہ یہ ہے کہ وہاں کے باشندگان اکثر حنبلی المذہب ہیں۔ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ الغرض یہ دوسرے مذہب والوں کا فعل ہے۔ اور ممکن ہے کہ مسئلہ کے مجتہد فیہا ہونے کے سبب احناف بھی وہاں نماز جنازہ میں شریک ہوتے ہوں۔ تو اس فعل سے تمسک نہیں کیا جا سکتا۔ الحاصل مسجد میں نماز جنازہ عند الاحناف مکروہ ہے۔ لہٰذا مسجد میں بلا عذر جنازہ نہ پڑھا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ مسجد شریف میں نماز جنازہ کا پڑھنا جائز ہے۔ یا نہیں اگر ناجائز ہے تو عرب میں حج کے موقع پر کیوں مسجد میں نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔

﴿ج﴾

قال فی الدر المختار (وکرهت تحریما) وقیل (تنزیها فی مسجد جماعة هو) ای المیت (فیه) وحده اومع القوم (واختلف فی الخارجة) عن المسجد وحده اومع بعض القوم (والمختار الکراهة) مطلقا خلاصة بناءً علی ان المسجد انما بنی للمکتوبة وتوابعها الخ. وهو الموافق لاطلاق حدیث ابی داؤد من صلی علی میت فی المسجد فلا صلوة له قال فی ردالمحتار قوله فلا صلوة له هذه روایة ابن ابی شیبة وروایة احمد وابی داؤد فلاشئی له الخ. وفیه قبیله من صلی علی میت فی مسجد یقتضی کون المصلی فی المسجد سواء کان المیت فیه اولا فیکره ذلک اخذا من منطوق الحدیث ویویده ماذکره العلامة قاسم فی رسالته من انه روی ان النبی صلی الله علیه وسلم لما نعی النجاشی الی اصحابه خرج فصلی علیه فی المصلی قال ولوجازت فی المسجد لم یکن للخروج معنی اه مع ان المیت کان خارج المسجد شامی ص ۶۵۳ ج ۱ باب صلوة الجنائز ان روایات سے واضح ہے کہ عندالحنفیہ مسجد جماعت میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔اور اس میں اختلاف ہے کہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی۔حاشیہ مشکوٰۃ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مکروہ تنزیہی کو ترجیح ہے۔ویظهر ان الاولی کونها تنزیها اذ لحدیث لیس هونصاغیر معروف ولاقرن الفعل بوعید (حاشیہ مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۵) فقط واللہ اعلم

کیا عیدگاہ میں نمازِ جنازہ ادا کرنا جائز ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اندریں صورت کہ میت کا جنازہ عیدگاہ میں جائز ہے یا ناجائز ہے۔بینواوتوجروا

﴿ج﴾

واللہ اعلم بالصواب بعد ملاحظہ مفہوم صورت مندرجہ الصدر نماز جنازہ عیدگاہ میں مطلقاً جائز ہے۔جیسا کہ فتاوی عالمگیریہ مترجم کے صفحہ ۲۶۲ پر مرقوم ہے کہ نماز جنازہ گھروں میں مکانوں میں عیدگاہ میں جائز ہے علی ہذا القیاس شامی کتاب الجنائز میں بھی مرقوم ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔الجواب صحیح۔فتاوی عالمگیریہ سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ عیدگاہ میں نماز جنازہ ادا کرنا جائز ہے کراہت جنازہ اس مسجد میں ہے جہاں نماز پنجگانہ ادا ہوتی ہے۔کما قال وصلوة الجنازة فی المسجد الذی تقام فیه الجماعة مکروهة الخ عالمگیری مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ ص ۱۶۵۔

قبرستان کی حدود میں واقع مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

﴿س﴾

ایک مسجد جو کہ قبرستان کی حد میں ہے۔وہاں کوئی امام اور موذن مقرر نہیں اکثر کئی ہفتے بلکہ کئی مہینے گزر جاتے ہیں کوئی اذان اور جماعت نہیں ہوتی۔اسی مسجد کے صحن میں نماز جنازہ ادا ہوتی ہے۔جب کہ مسجد کے قریب اور جگہ موجود ہے اگر کوشش کریں تو وہ زمین ہموار ہو کر جنازہ گاہ کا کام دے سکتی ہے۔(۱) اسی مسجد کے اسی صحن میں جہاں نماز جنازہ ادا ہوتی ہے۔وہاں کبھی کبھار ایک صاحب آ کر جمعہ پڑھاتے ہیں۔کیا نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں۔(۲) کیا نماز فرض باجماعت جائز ہے یا نہیں کیونکہ وہاں اسی صحن میں نماز جنازہ ادا ہوتی ہے (۳) کیا نماز جنازہ جائز ہے۔

﴿ج﴾

اگر یہ مسجد پنج وقتہ نماز کے لیے تعمیر کی گئی ہے۔نماز جنازہ کے لیے خصوصاً نہیں بنائی گئی ہے تو اس مسجد میں عندالاحناف نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔نماز جنازہ مسجد سے باہر پڑھا کریں۔اگر اس بستی میں جمعہ کے بقیہ شرائط موجود ہیں تو اس مسجد میں نماز جمعہ جائز ہے۔مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس مسجد کو باقاعدہ طور پر آباد کریں۔اس میں پانچ وقتہ نماز باجماعت کا اہتمام کریں۔جمعہ بھی دائما شروع کر دیا جائے۔اگر جمعہ کا اس مسجد میں دوام نہیں کر سکتے تو اگر قریب کوئی اور جامع مسجد ہو تو پھر ہمیشہ اس مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

گرمی کے سبب جنازہ مسجد میں پڑھنے کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے یہاں جامع مسجد میں محراب میں کوئی کھڑکی اور دروازہ نہ ہے اور نہ بنانے کی گنجائش ہے کیونکہ محراب کی طرف دیواریں پتھر کی بنی ہوئی بہت موٹی ہیں۔جمعہ کے دن سخت گرمیوں میں نماز جنازہ کے لیے نماز جمعہ کے بعد باہر جانا پڑتا ہے۔جس کی وجہ سے بہت سے لوگ شرکت نہیں کر سکتے اور سخت سردی میں باہر جانے کی صورت میں بھی نماز جنازہ میں سب شرکت نہیں کر سکتے (الف) کیا ہم مسجد کے اندر میت رکھ کر نماز جنازہ ادا کر سکتے ہیں۔جب کہ تمام عرب میں بھی مسجد کے اندر نماز جنازہ ادا کرتے ہیں۔(ب) یا محراب سے باہر کی طرف میت رکھ کر اندر تمام لوگ نماز جنازہ ادا کر لیں۔اس صورت میں میت صرف آنکھوں سے اوجھل ہوگی کیا میت کا آنکھوں کے سامنے ہونا ضروری ہے۔آخری دو صورتوں میں کون سی صورت پر عمل کیا جا سکتا ہے۔دلائل کے ساتھ جواب سے نوازیں۔

﴿ج﴾

(۱) قال فی الدر المختار و کرهت تحریما وقیل تنزیها فی مسجد جماعة هو ای المیت فیه وحده او مع القوم واختلف فی الخارجة عن المسجد وحده او مع بعض القوم والمختار الکراهة مطلقا (خلاصه) ای سواء کان المیت فیه او خارجه هو ظاهر الروایة بناء علی ان المسجد انما بنی للمکتوبة وتوابعها الخ. هو الموافق لاطلاق حدیث ابی داؤد من صلی علی میت فی المسجد فلا صلوة له قال فی ردالمحتار قوله فلا صلوة له هذه روایة ابن ابی شیبه وروایة احمد وابی داؤد فلا یشئ له وابن ماجه فلیس له شئ وروی فلا اجر له وقال ابن عبدالبرهی خطأ فاحش والصحیح فلاشئ له الخ. وفیه قبیله من صلی علی میت فی مسجد یقتضی کون المصلی فی المسجد سواء کان المیت فیه اولا فیکره ذلک اخذا من منطوق الحدیث ویؤیده ماذکره العلامة قاسم فی رسالته من انه روی ان النبی صلی الله علیه وسلم لما نعی النجاشی الی اصحابه خرج فصلی علیه فی المصلی قال ولو جازت فی المسجد لم یکن للخروج معنی مع ان المیت کان خارج المسجد (شامی ص ۶۵۳ ج ۱ باب صلوة الجنائز) ان روایات سے واضح ہے کہ عندالحنفیہ مسجد جماعۃ میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔ اور اگر چہ میت مسجد کے باہر ہو پھر بھی صحیح ومختار یہ ہے کہ اس سے کراہت مرتفع نہیں ہوتی۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ مکروہ تحریمی ہے۔ یا تنزیہی ویظهر ان الاول کونها تنزیها اذالحدیث لیس هونصا غیر معروف ولا قرن الفعل بوعید (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۴۵ المعات)

اس سے معلوم ہوا کہ مکروہ ہی کو ترجیح ہے۔ بہر حال دونوں صورتیں کراہت سے خالی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عیدگاہ میں نمازِ جنازہ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں

(۱) کیا عیدگاہ میں جو کہ خاص نماز عیدین کے لیے بنائی گئی ہے۔ نماز جنازہ پڑھنا ٹھیک ہے یا نہیں

(۲) اور اس صورت مذکورہ کے اندر مسجد شریف کا حکم اور عیدگاہ کا حکم ایک ہے یا کوئی فرق ہے۔

(۳) اور حضرت نبی ﷺ کے زمانہ اقدس میں مسلمانوں کی جنازہ گاہ کوئی معین جگہ مسجد اور عیدگاہ سے

علیحدہ تھی اور جداگانہ تھی یا نہ۔

(۴) کیا آج کل بھی یہ بات مسلمانوں پر ضروری ہے کہ اپنے لیے جنازہ گاہ کا بندوبست کریں۔ یا نہ

(۵) اگر عیدگاہ میں نماز جنازہ درست ہے تو مع الکراہۃ ہے یا بغیر الکراہۃ۔

(۶) اور آج کل جو مسجدوں کا احترام اور تعظیم لوگوں کے نزدیک کم ہے۔ ایسے دور میں احتیاط جواز میں ہے یا عدم جواز میں۔

(۷) اور بہت لوگ نماز جنازہ کو صلوٰۃ پر قیاس کر کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں کیا ان کا یہ قیاس اور فتویٰ صحیح ہے یا نہ اور ان کو آج کے دور میں قیاس کرنے کا حق حاصل ہے۔ یا نہ

(۸) اور بہت لوگ جوش وخروش سے کہتے ہیں کہ یہ دین ملاؤں کا ہے اور ملاؤں نے اپنی طرف سے تراشا ہے۔ کیا ان کی اس بات سے گناہ صادر ہوتا ہے یا نہ۔

﴿ج﴾

(۱۔۲۔۳) عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے اگر وہ صرف عید کی نماز کے لیے بنائی گئی ہے۔ اگر مسجد شریف میں پنجگانہ نمازیں ادا کی جاتی ہیں تو اس میں نماز جنازہ ادا کرنا مکروہ ہے نبی کریم ﷺ کے زمانے میں مسجد کے علاوہ غالباً جنازہ اور عید کی نماز کے لیے کوئی جگہ مخصوص نہیں تھی۔ بلکہ عید کی نماز جبانۃ یعنی صحراء میں ادا فرماتے تھے۔ اور جنازہ کی نماز بھی مسجد سے باہر کہیں ادا فرماتے تھے۔

قال فی العالمگیریة ص ۱۶۵ ج ۱ والصلاة علی الجنازة فی الجبانة والا مکنة والدور سواء کذا فی المحیط وصلوة الجنازة فی المسجد الذی تقام فیه الجماعة مکروهة سواء کان المیت والقوم فی المسجد اوکان المیت خارج المسجد و المیت فی المسجد اوکان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقی فی المسجد اوالمیت فی المسجد والامام والقوم خارج المسجد ولا تکره بعذر المطر هوالمختار کذا فی الخلاصة ونحوه هکذا فی الکافی تکره فی الشارع واراضی الناس کذا فی المضمرات اما المسجد الذی بنی لاجل صلوة الجنازة فلا تکره فیه کذا فی التبیین

(۴) لازم نہیں ہے کر لیں تو بہتر ہے (۵) عیدگاہ میں درست ہے اگر پنجگانہ نماز کے لیے نہ بنائی گئی ہو۔ (۶) مسجد پنجگانہ میں جواز مع الکراہۃ وعیدگاہ وغیرہ میں بلا کراہت۔ (۷) یہ غلط ہے قیاس تو وہاں ہوتا ہے جہاں حکم منصوص نہ ہو اور یہاں تو کراہت منصوص ہے۔ (۸) بڑا گناہ گار ہوتا ہے اگر صحیح مسئلوں کو گھڑا ہوا کہتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

مسجد کے صحن میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

﴿س﴾

ایک مسجد جو کہ قبرستان کی حد میں ہے۔ وہاں کوئی امام اور موذن مقرر نہیں۔ اکثر کئی ہفتے بلکہ کئی مہینے گزر جاتے ہیں' کوئی اذان اور جماعت نہیں ہوتی۔ اسی مسجد کے صحن میں نماز جنازہ ادا ہوتی ہے۔ جب کہ مسجد کے قریب اور جگہ موجود ہے۔ اگر کوشش کریں۔ تو وہ زمین ہموار ہو کر جنازہ گاہ کا کام دے سکتی ہے۔

۱۔ اسی مسجد کے اسی صحن میں جہاں نماز جنازہ ادا ہوتی ہے۔ وہاں کبھی کبھار ایک صاحب آ کر جمعہ پڑھاتے ہیں۔ کیا نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں۔

۲۔ کیا نماز فرض باجماعت جائز ہے یا نہیں کیونکہ وہاں اسی صحن میں نماز جنازہ ادا ہوتی ہے۔

۳۔ کیا نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں۔ کیونکہ جہاں نماز جمعہ کبھی کبھار ہو اور کبھی کبھی جماعت ہوتی ہے۔

﴿ج﴾

اگر یہ مسجد پنجوقتہ نماز کے لیے تعمیر کی گئی ہے۔ نماز جنازہ کے لیے خصوصاً نہیں بنائی گئی ہے تو اس مسجد میں عندالاحناف نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔ نماز جنازہ مسجد سے باہر پڑھا کریں۔ نماز پنجوقتہ باجماعت ہو یا منفرداً ہو جائز ہے۔ اگر اس بستی میں جمعہ کے بقیہ شرائط موجود ہیں۔ تو اس مسجد میں نماز جمعہ جائز ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس مسجد کو باقاعدہ طور پر آباد کریں۔ اس میں پانچوقتہ باجماعت نماز کا اہتمام کریں۔ جمعہ بھی دائماً شروع کر دیا جائے۔ اگر جمعہ کا اس مسجد میں دوام نہیں کر سکتے تو اگر قریب کوئی اور جامع مسجد ہو تو پھر ہمیشہ اس مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

ساس سے ناجائز تعلقات رکھنے والے پر نماز جنازہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید کا تعلق ناجائز اپنی ساس کے ساتھ مدت تک رہا' حرمت مصاہرۃ کے مطابق اس پر اس کی زوجہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو چکی ملزم کے اقرار کے مطابق مفتی صاحب نے فتوٰی صادر کیا۔ ترک موالاۃ کی لیکن ملزم بدستور اپنی زوجہ کے ساتھ تعلق زوجیت قائم رکھے رہا اب وہ ملزم فوت ہو چکا ہے۔ اس کا جنازہ از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں۔ (۲) اگر کوئی امام اس مجرم کا جنازہ دیدہ و دانستہ کرائے

اس کی امامت اب جائز ہے یا نہیں (۳) جو لوگ دیدہ و دانستہ اس ملزم کے جنازہ میں شریک ہوئے شرع شریف میں ان کے لیے کیا حکم ہے۔ (۴) زوجہ ملزمہ اگر فوت ہو جائے تو اس کا جنازہ جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم (۱) چونکہ یہ شخص مسلمان ہی تھا۔ باقی یہ حرامکاری اس کی گناہ کبیرہ ہے۔ اس لیے اس کی نماز جنازہ ادا کرنا بھی فرض کفایہ ہے۔ مسلمان شخص اگر چہ زانی شرابی ہی ہو تب بھی اس کی نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔ **صلوا علی کل بر وفاجر او کما قال** (۲) اس کی امامت درست ہے (۳) یہ لوگ بدستور مسلمان ہی ہیں جنازہ پڑھنے سے کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ (۴) اس کا بھی جنازہ فرض کفایہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

عدالتی طلاق کی بنیاد پر دوسری جگہ بیاہنے والے کے جنازہ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے دعویٰ تنسیخ نکاح کر کے اپنی لڑکی کو عدالت کے ذریعہ چھڑوا کر اور جگہ نکاح کروایا ہے۔ جب کہ اس کے پہلے خاوند نے طلاق نہیں دی۔ اور وہ لڑکی دوسرے گھر آباد ہے۔ کیا اس لڑکی کے والدین اور اس کے والدین کے بالغ و نابالغ بچوں کا جنازہ پڑھنا پڑھانا جائز ہے یا نہیں۔ اس کا مدلل و مفصل جواب تحریر فرماویں۔

﴿ج﴾

لڑکی اور اس کے والدین اور بالغ و نابالغ بچوں کا جنازہ پڑھنا لازم ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ **صلوا علی کل بر وفاجر الحدیث.** شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص ۹۱۔ فقط واللہ اعلم

بدکار کے جنازہ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک لڑکی جو کنواری تھی اس نے زنا کروایا۔ زنا کو حلال جان کر کرواتی رہی۔ چند آدمیوں سے بخوشی سات ماہ پہلے اس کے سگے ماموں نے اس کے والدین کو روکا کہ تم اس

برے فعل سے باز آ جاؤ۔ اس کے والدین نہ حرام اور نہ حلال جانتے ہیں۔ چند ماہ قبل اس کے وارثوں کو معلوم ہوا اس زانیہ کے ماموں سگے اپنے گھر لے گئے۔ بغرض فروخت کرنے کے کہ حمل گرا کر فروخت کر دیں گے۔ لیڈی ڈاکٹر سے علاج کراتے ہوئے ہلاک ہوگئی۔ اور ایک ماہ قبل قاضی کو پتہ چلا اس کے والدین کو سمجھایا کہ اس فعل سے باز آ جاؤ لیکن وہ نہ رکے۔ دوائی جاری رکھی۔ دوائی کرتی ہوئی ہلاک ہوگئی۔ پھر قاضی صاحب کے پاس آئے کہ جنازہ کے لیے آئیں لیکن قاضی نے کہا میں جنازہ نہیں کراتا اور بزرگ بھی عالم باعمل جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے فارغ التحصیل تھے۔ اسی گاؤں میں تشریف فرما تھے۔ انھوں نے بھی کہا کہ جنازہ نہیں ہوتا۔ یہ واقعہ سچا ہے۔ مدرسہ کے پاس بیٹھ کر قاضی نے بیان بھی لیے گواہ حافظ عبدالغفور اور دونوں ماموں حافظ سید خان کئی لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں۔ دنیاداری کے لیے جنازہ کر لینا تھا۔ آپ جو کہتے ہیں کہ پڑھنا تھا اور جو کہتے ہیں کہ نہیں ہوتا۔ ان کے متعلق قرآن اور حدیث کی روشنی میں بیان کر دیں۔

﴿ج﴾

زنا کاری گناہ کبیرہ ہے۔ اور اس کا مرتکب فاسق و فاجر ہے۔ کافر نہیں ہے لہٰذا اس کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے تھی۔ حدیث شریف میں ہے۔ صلوا علی کل بر وفاجر الحدیث (شرح فقہ الاکبر ص ۹۱) یعنی ہر ایک نیک و بد کے جنازہ کی نماز پڑھو البتہ اگر زجراً ایسے لوگ شریک نہ ہوں کہ جو مقتدا ہیں اور دوسرے لوگ نماز پڑھ لیں تو تنہا ایسا کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

تین طلاقیں دے کر کسی شیعہ کے کہنے پر دوبارہ عورت رکھنے والے کے جنازہ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کے ایک مرد نے اپنی عورت کو طلاق دی ہے۔ بعد میں وہ مرد شیعہ کے ذاکروں کے پاس چلا گیا۔ تو انھوں نے کہا کہ یہ عورت تم پر حرام نہیں ہے۔ تو اس مرد نے دوسری دفعہ نکاح نہیں کیا۔ اسی پہلے نکاح میں رکھا جس میں طلاق مغلظہ ہو چکی ہے۔ بعد میں وہ مرد فوت ہوگیا تو مولویوں نے فتویٰ دیا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھنا شریعت میں منع ہے۔ تو اس آدمی کو بغیر جنازہ پڑھے دفن کیا گیا ہے۔ اب حضور کی خدمت میں عرض ہے کہ ایسے آدمی کا نماز جنازہ پڑھنا چاہیے تھا یا نہیں اور جس مولوی نے فتویٰ دے کر بغیر نماز جنازہ پڑھے دفن کرایا۔ اس کے لیے کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

مطلقہ مغلظہ کے ساتھ بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کرنا حرام ہے۔ اس لیے یہ شخص مرتکب کبیرہ ہے اور مرتکب کبیرہ کے جنازہ کی نماز پڑھی جاوے گی۔ اور کافر کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاوے گی۔ لقوله علیه الصلوة والسلام صلوا علی کل بر وفاجر و فی الدر المختار علی هامش ردالمحتار باب الجنائز ص ۶۴۲ ج ۱ وهی فرض علی کل مسلم مات خلا اربعة بغاة وقطاع طریق. الخ

اور جس مولوی صاحب نے نماز جنازہ نہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس کو توبہ تائب ہونا چاہیے۔ البتہ اگر زجراً ایسے لوگ شریک نہ ہوں جو مقتدا ہیں۔ اور دوسرے لوگ نماز پڑھ لیں تو ایسا کرنا درست ہے۔ فقط واللہ اعلم

منکوحۂ غیر کو بغیر طلاق و نکاح رکھنے والے کے جنازہ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک علاقہ میں علی الاعلان لوگ منکوحہ غیر کو استعمال کرتے ہیں۔ اس طریقہ سے مثلاً زید کی منکوحہ ہے۔ وہ زید سے اغوا ہو کر بکر کے پاس چلی گئی۔ اب بکر کئی سال اپنی زوجہ کی طرح اپنے گھر میں رکھتا ہے اور اپنے گھر کا سارا کام خورد ونوش اسی عورت کے ہاتھ سے کراتا ہے اور اس سے کئی اولاد بھی جنے گئے۔ وہ بھی اسی بکر کو اور بکر کی اس منکوحہ کو والد اور والدہ کے لفظ سے پکارتے ہیں۔ اور اس کام سے منع نہیں ہوتے اگرچہ کئی دفعہ علماء وقت نے منع کیا۔ مگر ہمارے علاقہ میں جاہلیت ہے۔ کہ زید کی منکوحہ اگر بکر کو چلی گئی بطریقہ اغوا تو بکر کی منکوحہ یا بکر کے قبیلہ میں دوسرے کسی کی منکوحہ زید کو یا زید کے قبیلے کو بطریقہ اغوا چلی جاتی ہے۔ وہ یعنی بکر کا قبیلہ اسی منکوحہ کو اپنی منکوحہ کی طرح تاحین موت استعمال کرتے ہیں۔ اور اس سے اولاد بھی جنتے ہیں اور ایک دوسرے کو والدین کے لفظ سے پکارتے ہیں اب اگر ایسا آدمی مر گیا۔ مرد ہو یا زن ایسے آدمی کا جنازہ کس طرح کریں گے۔ حضور ﷺ نے تو مرجوم کا جنازہ نہیں پڑھا تھا تو حضور ﷺ کا جنازہ نہ پڑھنا ظاہر ہے کہ اہانۃً و زجراً تھا۔ نیز امام مالکؒ صاحب کا قول ہے کہ مرجوم پر جنازہ نہ پڑھے نیز زہری کا قول ہے کہ لا یصلی علی المرجوم اصلاً نقلاً عن حاشیة الهداية تو جب مرجوم کے جنازہ میں اختلاف ثابت ہے۔ باوجودیکہ یسلّم نفسه لایفاء حق مستحق علیه بھی ہے۔ تو زانی جو مداومت کرتا ہے۔ تاحین موت اور توبہ بھی نہیں کرتا اس کا کیا حکم ہے۔ نیز دلالۃ النص یا عبارۃ النص سے بھی ایسا مستفاد ہوتا ہے۔ کہ اس آدمی نے تو حرام کو حلال کہا۔ اب اس آدمی کے لیے علماء وقت پر کیا فرض ہے۔ اگر اس طریقہ سے منع ہو جاتا ہے کہ علماء وقت ایسے آدمی پر جنازہ نہ پڑھیں اہانۃً یا زجراً یا اور کسی طالب علم سے پڑھنے کو کہہ دیں یا اور کوئی جنازہ پڑھے یا کسی اور طریقہ سے کیا جاوے۔ علماء وقت اگر اس بات پر اتفاق کریں کہ اس پر جنازہ نہ پڑھیں گے تو کیا کچھ مواخذہ ہوگا یا ثواب۔ علماء وقت کو یہ معلوم ہوگیا ہے کہ اگر یہ اتفاق کریں کہ ایسے آدمی سے قطع

تعلق کریں اور جنازہ بھی نہ پڑھیں تو لوگ ایسے حرام کام سے منع ہو جاتے ہیں۔ مگر بعض علماء کہتے ہیں کہ کوئی صر
کفر نہیں ہے کہ ہم جنازہ نہ پڑھیں اس وجہ سے جنازہ پڑھتے ہیں اور بعض علماء من رأى منكم الحديث سے
استدلال پکڑتے ہیں۔ باقی جواب جو بھی ہو۔ وہ از روئے شرع عنایت فرماویں مگر حوالہ کتب ضروری ہے
ہمارے علاقہ میں اس مسئلہ پر بہت اختلاف ہے۔ لوگ حرام کام سے علماء کے اتفاق سے منع ہو جاتے ہیں ا
اختلاف سے اور بھی مرتکب ہو جاتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

ایسے شخص کی نماز جنازہ علماء قطعاً نہ پڑھیں۔ البتہ اگر عامۃ المسلمین میں سے کوئی پڑھ لے۔ تو جائز ہے
انھیں روکا نہ جاوے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض لوگوں کا جنازہ خود زجراً نہیں پڑھا۔ اور دوسروں کو
اجازت دی کما ورد فی الاحادیث الکثیرۃ۔ علامہ شامی نے قاتل نفس کے متعلق یہی تحقیق فرمائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ۔
کہ ایک شخص مجنون تھا اور اس جنون کی حالت میں اس نے خودکشی کر لی۔ کیا اس کی نماز جنازہ اس پر جائز
ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اس شخص پر نماز جنازہ ضرور پڑھی جائے گی۔ لحديث صلوا على كل بر و فاجر۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

خودکشی کرنے والے اور زانی پر نماز جنازہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں۔ علماء دین دریں مسئلہ اگر زانی عورت قتل ہو جائے تو اس کا جنازہ شرعاً درست ہے یا نہیں۔
(۲) خودکشی کرنے والے کے متعلق مشہور ہے کہ یہ حرام موت ہے۔ کیا خودکشی کرنے والے کا جنازہ پڑھنا
درست ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

(۱۔۲) زانی وزانیہ کو بغیر جنازہ دفنانا جائز نہیں۔ البتہ ایسے بزرگ کو جو قوم کا مقتداء ہو ان کی نماز جنازہ میں
زجراً و تنبیہاً شریک نہ ہونا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

خودکشی کرنے والے مسلمان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی؟

﴿س﴾

مسلمان خودکشی کرنے والے شخص کا چاہے وہ مرد ہو یا عورت نماز جنازہ اسلامی رو سے جائز ہے یا ناجائز۔
ذرا وضاحت سے سمجھائیں اور فتوی دیں۔

﴿ج﴾

فتوی اسی پر ہے کہ جو شخص خودکشی کرے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی جاوے۔ کما فی الدر المختار
ص من قتل نفسه (ولو عمدًا يغسل ويصلى عليه) به يفتى. ص ۶۴۳\۱ ج ا
محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم کچہری روڈ ملتان

خودکشی کرنے والا فاسق ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی کوشش کی لیکن
نکاح نہ ہو سکا۔ اور پھر اس عورت کے گھر جا کر اسے کہا کہ ساتھ چلو۔ لیکن اس نے ساتھ جانے سے انکار کیا۔ اس
آدمی نے عورت کو گولی مار دی۔ پھر اس آدمی نے اپنے آپ کو بھی گولی مار دی۔ بعد ازیں تین گھنٹے تک زندہ
رہے۔ پھر اس نے توبہ بھی کی۔ آیا یہ شخص شہید کہلائے گا یا نہ۔

﴿ج﴾

جان بوجھ کر اپنے آپ کو قتل کرنے والا شہید نہیں کہلاتا۔ یہ شخص اپنے نفس پر باغی اور فاسق کہلاتا ہے۔ اللہ
تعالیٰ معاف فرمائے۔ فقط واللہ اعلم

غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مریض عرصہ دس سال کے بعد بیماری کی وجہ سے انتقال کر گیا

جس کی نماز جنازہ ملتان مورخہ ۲۳۔۷۔۷۰ء کو بعد از نماز عصر جامع مسجد ریلوے کوارٹر میں حضرت مولانا ضیاء الرضوی خطیب نے تقریباً تیس چالیس آدمیوں کے ساتھ پڑھائی۔

اب اس کی نماز جنازہ غائبانہ طور پر مورخہ ۲۳ جولائی ۷۰ء کو دفن کرنے کے بعد ملتان ریلوے اسٹیشن پر دوبارہ پڑھانے کا بندوبست کیا جارہا ہے۔ مجھے آپ فتوی عنایت فرماویں کہ یہ نماز جنازہ اسی شہر میں متوفی کے دفن کیے جانے کے بائیس دن بعد مذہب حنفیہ میں جائز ہے یا کہ نہیں۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں غائبانہ نماز جنازہ حنفیہ کے ہاں درست نہیں۔ لہٰذا ایک دفعہ نماز جنازہ پڑھنے اور دفن کرنے کے بعد جس کو بائیس دن گذر چکے ہوں دوبارہ نماز جنازہ نہ پڑھایا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

شہید کی نماز جنازہ بھی ادا کی جائے گی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع اس بارہ میں کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

احناف کے نزدیک جیسے دوسرے اموات مسلمین کا جنازہ پڑھنا واجب ہے۔ اسی طرح شہید کی نماز جنازہ پڑھنا بھی واجب ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے غزوہ احد میں سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے شہداء کی نماز جنازہ پڑھی ہے۔ متعدد صحیح روایات سے یہ ثابت ہے۔ اور سید الشہداء رضی اللہ عنہ کا تو حضور اکرم ﷺ نے بار بار گویا پڑھا' غزوہ احد میں ستر صحابہ شہید ہو گئے تھے ان کی نماز پڑھنے کے وقت حضرت حمزہ کا پہلے جنازہ پڑھا اور پھر میت سامنے ہی پڑی رہی' تا آنکہ سب شہداء کی نماز جنازہ پڑھی۔ فتح القدیر مصری ص ۴۷۵ ج ۱ وقدروی الحاکم عن جابر رضی اللہ تعالی عنہ قال فقد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حمزۃ حین فاء الناس من القتال فقال رجل رأیتہ عند تلک الشجرۃ فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نحوہ فلما راٰہ ورای مامثل بہ شھق وبکی فقام رجل من الانصار فرمی علیہ بثوب ثم جئی بحمزۃ فصلی علیہ ثم بالشھداء فیوضعون الی جانب حمزۃ فیصلی علیھم ثم یرفعون ویترک حمزۃ حتی صلی علی الشھداء کلھم وقال ﷺ حمزۃ سید الشھداء عنداللہ یوم القیامۃ (الحدیث) البتہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ شہید

کی نماز جنازہ نہیں ہے۔ ھدایہ مع الفتح ص ۴۷۴ ج ا پر ہے۔ ویصلی علیہ ولا یغسل الی ان قال فیہ والشافعی یخالفنا فی الصلوۃ ویقول السیف محاء للذنوب فاغنی عن الشفاعۃ ونحن نقول الصلوۃ علی المیت لاظھار کرامتہ والشھید اولی بھا والطاھر عن الذنوب لایستغنی عن الدعاء کالنبی والصبی الخ وفی شرحہ فتح القدیر مصری صفحہ ۴۷۵ فنقول اذا اوجب الصلوۃ علی المیت علی المکلفین تکریماً فلان یوجب علیھم علی الشھید اولی لان استحقاقہ لکرامۃ اظھر الخ وکذافی کتب الحدیث والفقہ' لہٰذا ان عبارات حدیثیہ اور فقہیہ سے شہید کی نماز جنازہ کا ثبوت اور وجوب واضح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

خنزیر کو مارتے ہوئے جو زخمی ہو کر مر جائے، اس پر نماز جنازہ پڑھنا فرض ہے

﴿س﴾

(۱) کسی مسلمان آدمی کو اچانک خنزیر آکر زخمی کردے اور وہ فوت ہو جاوے۔ تو اس کو جنازہ اور غسل دینا جائز ہے۔ یا نہیں ۲۔ کوئی مسلمان شغلیہ طور پر شکار کو جارہا ہے تو اس کو خنزیر زخمی کردے اور فوت ہو جائے۔ تو اس کو غسل دینا اور نماز جنازہ جائز ہے۔ یا نہیں (۳) کوئی مسلمان اس غرض سے کہ خنزیر علاقے میں بہت ہیں ان کو مار ڈالوں مگر خود زخمی ہو کر مر جائے۔ شریعت اسلام میں اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ نیز ایک آدمی کو بغیر غسل اور نماز جنازہ کے دفنایا ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ اور جن مولویوں نے فتوی دیا ہے کہ غسل اور نماز جنازہ جائز نہیں ان کے متعلق کیا حکم ہے۔ فوراً مر جائے تو کیا حکم ہے۔ اور کئی گھنٹوں تک یا مہینوں تک مر جائے تو کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

خنزیر کا شکار جس نیت سے بھی کرے۔ خنزیر کے لگائے ہوئے زخموں سے مر جانے والے کی نماز جنازہ پڑھنا اسی طرح فرض ہے جس طرح باقی مسلمان اموات کو غسل دینا اور ان کی نماز جنازہ پڑھنا خواہ فوراً مر جائے یا بعد میں مرے کسی مسئلے میں فرق نہیں آتا' اگر دفن کر دیا گیا۔ اور غسل نہیں دیا گیا۔ تو قبر کا کھودنا اور اس کو نکالنا درست نہیں۔ البتہ اگر اس کے بدن کے سالم ہونے کا گمان غالب ہے۔ تو قبر پر اس کی نماز جنازہ پڑھ لی جاوے۔ ضروری ہے۔ اور اگر غالب گمان یہ ہے کہ بدن سالم نہیں ہوگا تو نماز جنازہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے' میت کا اس میں خاص نقصان نہیں ہے۔ غسل نہ دینے والے اور جنازہ نہ پڑھنے والے گنہگار رہیں۔ ان کو توبہ کرنی لازم ہے۔ جس نے یہ فتوی دیا ہے۔ وہ احکام شرعیہ سے بالکل ناواقف معلوم ہوتا ہے۔ اس کو بھی توبہ کرنا علانیہ لازم ہے اور آئندہ اس کو احکام شرعیہ میں فتویٰ دینے سے احتراز کرنا لازم ہے۔ واللہ اعلم۔

بے نماز آدمی کے کفن دفن کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی نے کبھی بھی اپنی زندگی میں نماز نہیں پڑھی اور ایک شاہد بھی نہیں ملتا ہے کہ اس نے نماز پڑھی ہے اب اگر یہ آدمی فوت ہو جائے تو کیا اس کو غسل یا کفن دیں گے یا نہیں۔ اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے یا نہیں۔

﴿ج﴾

تارک نماز کافر عند الجمہور نہیں ہے۔ بلکہ فاسق و فاجر ہے۔ لہذا مسلمانوں کی طرح اس کی بھی تجہیز و تکفین کرنی چاہیے۔ اور نماز جنازہ ادا کرنی چاہیے۔ بدون نماز کے دفن کر دینا یا مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دینا جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ صلوا علی کل بر وفاجر (الحدیث)

البتہ عبرت کے لیے ایسا ہوسکتا ہے کہ تارک نماز وغیرہ فساق کی نماز مقتدا لوگ نہ پڑھیں۔ بلکہ عوام لوگوں سے کہدیں کہ تم نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دو تاکہ تارکین نماز کو آئندہ عبرت ہو۔ کما ورد فی الحدیث . فقط واللہ اعلم۔

میت سامنے نہ ہوتو نماز جنازہ درست نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ کسی کی غائبانہ نماز جنازہ یعنی اس طرح کہ میت لاہور ہو اور نماز جنازہ ملتان یا کسی دوسرے مقام میں پڑھی جائے۔ کیا یہ نماز جائز ہے اور کیا اس کا کوئی ثبوت کتاب وسنت یا اثر صحابہ میں ہے۔

﴿ج﴾

مذہب احناف میں کسی شخص کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور انکا استدلال یہ ہے کہ نجاشی بادشاہ حبشہ میں فوت ہوا اور حضور ﷺ نے اس کی نماز جنازہ مدینہ منورہ میں پڑھی اور تمام صحابہ نے آپ کی اقتدا کی جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ اس کا جواب احناف کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے۔ کہ نجاشی بادشاہ کا جنازہ مدینہ میں حضور ﷺ کے سامنے آپ کے معجزہ کے طور پر پیش کر دیا گیا تھا۔ اور حضور ﷺ ملاحظہ فرمارہے تھے۔ تو یہ نماز غائب کی نہ ہوئی۔ بلکہ حاضر پر ہوئی۔ یا یہ صرف نجاشی کی خصوصیت تھی

کہ اس کی غائبانہ نماز پڑھی گئی۔ دوسرے کی نماز غائبانہ نہیں پڑھی جاسکتی اگرچہ وہ کتنا افضل کیوں نہ ہو۔ دیکھیے بہت سے صحابہ غزوات میں شہید ہوئے مگر حضور ﷺ نے کسی پر غائبانہ نماز نہیں پڑھی فتح القدیر مصری ص ۴۵۶ ج ا جو فقہ حنفی کی نہایت معتبر کتاب ہے اس میں لکھا ہے۔ اما صلوته عليه السلام على النجاشي كان امالانه رفع سريره له حتى راه عليه السلام بحضرته. فتكون صلوة من خلفه على ميت يراه الامام وبحضرته دون الماموين وهذا غير مانع من الاقتداء واما ان ذلك خص به النجاشي فلا يلحق به غيره وان كان افضل منه كشهادة خزيمة مع شهادة الصديق ص ۲۴۱ ج ا درمختار میں ہے۔ فلا تصح على غائب الخ...... وصلوة النبي ﷺ على النجاشي لغوية او خصوصية ردالمحتار میں خصوصیۃ کے تحت ہے۔ اولانه رفع سريره حتى راه عليه السلام بحضرته فتكون صلوة من خلفه على ميت يراه الامام وبحضرته دون الماموين وهذا غير مانع من الاقتداء فتح واستدل لهذين الاحتمالين بما لامزيد عليه فارجع اليه من جملة ذلك انه توفى خلق كثير من اصحابه صلى الله عليه وسلم من اعزهم عليه القراء ولم ينقل عنه انه صلى عليهم مع حرصه على ذلك حتى قال لايموتن احد منكم الا اذنتمونى به فان صلوتى عليه رحمة له. فقط واللہ اعلم۔ ص ۶۴۱ ج ا

دوران جنازہ تیمم کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ قبر پر بعد از تدفین میت قبر پر اذان دینا شرعاً ضروری ہے۔ (۲) اگر جماعت جنازہ کھڑی ہو جائے۔ تو ایک آدمی غیر متوضی ہے۔ پانی پاس موجود نہیں۔ کیا وہ تیمم کر کے نماز ادا کر سکتا ہے؟

(۳) کیا قبر پر مکان بنانا چراغ جلانا۔ قبر پر کپڑا ڈالنا جائز ہے یا نہیں۔ یا محمد کہنا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر جاننا جائز ہے۔ اور مختار کل اعتقاد کرنا ہے یا نہ۔

﴿ج﴾

اب قبر پر اذان کہنا خلاف سنت اور بدعت سئیہ ہے۔ جیسا کہ تصریحات فقہاء سے ہے۔ شامی میں ہے۔
تنبيه فی الاقتصار على ما ذكر من الوارد اشارة الى انه لا يسن الاذان عند ادخال الميت فی قبره كما هو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر فی فتاوىٰ بانه بدعة وقال من ظن انه

سنة متاسا على تدبها للمولود الحاق لخاتمة الاربابتدائيه فلم يصب ره. بہرحال اذان علی العتبر کسی شرح دلیل سے ثابت نہیں احداث فی الدین بدعت اور گناہ ہے۔

(۲) جائز ہے۔ وجاز التيمم لخوف فوت صلوٰة الجنازة (درمختار)

(۳) قبر بنانا یا مکان میں دفن کرنا سوائے انبیاء کے اور کسی کو جائز نہیں۔ ولا ينبغي ان يدفن الميت في الدرر ولو كان صغيراً الاختصاص هذه السنة بالانبياء وينهال التراب عليه ونكره الزيارة من التراب لانه بمنزلة النساء (درمختار و شامی) طاق فسبخ ثم عن جابر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يحصص البته وان يبنى عليه (مشكوة باب دفن الميت)

باقی امور کے بارے میں علیحدہ سوال کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

تکرارِ نماز جنازہ، غائبانہ جنازہ پڑھنے کا حکم؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مریض عرصہ دس سال کے بعد بیماری کی وجہ سے انتقال کر گیا ہے جس کا نماز جنازہ ملتان مورخہ ۲۳-۷-۷۰ کو بعد از نماز عصر ریلوے جامع مسجد ریلوے کوارٹر میں حضرت مولانا ضیاء الرضوی خطیب جامع مسجد نے تقریباً تیس چالیس آدمیوں کے ساتھ پڑھائی۔ اب اس کی نماز جنازہ غائبانہ طور پر مورخہ ۲۳ رجولائی ۷۰ء کو دفن کرنے کے بعد ملتان ریلوے اسٹیشن پر دوبارہ پڑھانے کا بندوبست کیا جا رہا ہے مجھے آپ فتویٰ عنایت فرما دیں کہ یہ نماز جنازہ اسی شہر میں متوفی کے تقریباً بائیس ایام دفن ہونے کے بعد مذہب حنفیہ میں جائز ہے یا کہ نہیں۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں غائبانہ نماز جنازہ حنفیہ کے ہاں درست نہیں۔ لہٰذا ایک دفعہ نماز جنازہ پڑھنے اور دفن کرنے کے بعد جس کو بائیس دن گزر چکے ہوں اس کا دوبارہ نماز جنازہ نا پڑھایا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

نیتِ نماز جنازہ میں بندگی کے لفظ سے نماز فاسد نہیں ہوتی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک میت کا جنازہ کرایا گیا اور جس امام صاحب نے نماز

جنازہ پڑھائی انھوں نے نیت باندھی۔ نیت کرتا ہوں میں اس نماز جنازہ کی نماز پڑھتا ہوں میں واسطے اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے چار تکبیر نماز جنازہ فرض کفایہ ثنا واسطے اللہ تعالیٰ کے درود واسطے حضرت محمد ﷺ کے دعائیں واسطے حاضر میت کے منہ طرف خانہ کعبہ شریف کے بندگی اللہ تعالیٰ کی۔ اللہ اکبر ایک معترض نے اعتراض اٹھایا کہ بندگی کا لفظ کہنے سے نماز جنازہ فاسد ہو چکی ہے اور جواب میں دلیل یہ پیش کی کہ بندگی یہ اس چیز کا نام ہے جس میں رکوع سجود پایا جاوے چونکہ جنازہ میں رکوع وسجود نہیں اس لیے جنازہ فاسد ہے۔ اور اس نے حلفیہ بیان دیا ہے کہ نماز جنازہ عبادت نہیں ہے۔ کیونکہ رکوع سجود سے خالی ہے۔

(۲) قربانی کے لیے ایک جانور خریدا گیا اور مکمل حصے ہو گئے رقم ادا کر دی گئی بعد ازاں عیب دار ہو گیا یعنی ٹانگ ٹوٹ گئی اس جانور کے متعلق کیا فرماتے ہیں آیا ذبح کر کے گوشت فروخت ہو سکتا ہے۔ یا کہ صدقہ کرنا چاہیے ان دونوں مسئلوں کے متعلق تفصیلاً جواب مع حوالہ جات بمعہ مہر دار الافتاء ارسال فرماویں۔

﴿ج﴾

۱۔ صورت مذکورہ میں نماز جنازہ صحیح اور درست ہے۔ معترض کا اعتراض سراسر بے جا اور غلط ہے۔ معترض کا یہ کہنا کہ بندگی ہر اس عمل کا نام ہے جس میں رکوع وسجود پایا جاوے۔ اور اس کا حلفیہ بیان دینا کہ نماز جنازہ عبادت نہیں ہے۔ کیونکہ رکوع وسجود سے خالی ہے بالکل غلط ہے۔ اس معترض نے بندگی اور عبادت کا یہ معنی کہاں سے لیا ہے۔ بندگی تو مطلق طاعت کو کہتے ہیں؟ خواہ وہ دل سے ہو زبان سے ہو یا جوارح واعضا کے ذریعہ سے ہو۔ مالی طاعت ہو یا بدنی ہو، رکوع اور سجدہ اس میں ہو یا نہ ہو' يا ايها الناس اعبدوا کے کلام ربانی میں کیا نماز وروزہ زکوٰۃ حج وغیرہ عبادات داخل نہیں' معترض کا یہ کہنا دعویٰ بے دلیل ہے۔ اگر بطریق تنزل معترض کی بات مان بھی لیں تو بھی نماز جنازہ کی صحت میں کوئی نقصان لازم نہیں آتا کیونکہ نیت تو دل کے ارادے کا نام ہے۔ زبان سے کہنے کا تو کوئی اعتبار نہیں ہے ظاہر ہے کہ امام مذکور کا ارادہ اس نماز کا ہے جس میں رکوع اور سجدہ نہیں اگرچہ لفظ بندگی کہہ کر بزعم معترض اس نے زبان سے یہ کہا ہے کہ وہ نماز پڑھتا ہوں جس میں رکوع اور سجدہ ہے۔ كما قال في العالمگیری مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ ص ۶۵ ج ۱ النية ارادة الدخول في الصلوة والشرط ان يعلم بقلبه اى صلوٰة يصلى وقال ايضا عزم على الظهر وجرى على لسانه العصر يجزيه كذافى شرح مقدمة ابى الليث. ایضاً ص ۶۶ ج ۱ (۲) قربانی کے لیے جو جانور خریدا جائے اور ذبح کرنے سے پہلے وہ ایسا عیب دار ہو جائے کہ اس کے ساتھ قربانی جائز نہ ہو' تو ایسی صورت میں غنی

شخص کواس کی جگہ دوسری قربانی کرنی چاہیے اوراس عیب دار جانور کواس کی مرضی ہے۔ جو کچھ کرے فروخت کرے یا ذبح کر کے اس کا گوشت بیچے یا صدقہ کرے اس کی مرضی پر موقوف ہے۔اور اگر وہ شخص فقیر ہے۔تو اس کی طرف سے وہ عیب دار جانور ہی کافی ہے۔اسی کو ہی قربانی کے طور پر ذبح کرے۔ یہ ضروری ہے۔ کما قال فی الدر المختار مطبوعه ایچ ایم سعید کراچی ص ۲۲۹ \کتاب الاضحیه (ولو اشتراها سلیمة ثم تعیبت بعیب مانع) کمامر (فعلیه اقامة غیرها مقامها ان) کان غنیا وان کان (فقیرًا اجزاه ذلک' وکذا لوکانت معیبة وقت الشراء لعدم وجوبها علیه بخلاف الغنی الخ والله تعالی اعلم وعلمه اتم واحکم .حرره عبداللطیف غفرله. معاون مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

نماز جنازہ کی نیت میں دل سے ارادہ ضروری ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے قرضہ دینا ہے کسی کافر ہندو کا اب وہ قرضہ کہاں خرچ کرے۔(۲) ہمارے علاقہ میں ایک مولوی صاحب نے جنازہ پڑھایا نماز پنجگانہ کی طرح نیت باندھی اور بعد نماز جنازہ بغیر دعا کے اٹھایا گیا۔ وہ مولوی فرمانے لگے۔نیت نماز جنازہ ظاہر کرنا غلط ہے۔نیت میں ارادہ دل کا کافی ہے لہٰذا نماز جنازہ غلط ہے حالانکہ بڑے بڑے بزرگوں کو دیکھا ہے کیا شرع کے لحاظ سے عمل مولانا کا درست ہے یا نہیں۔معتبر کتابوں کا حوالہ بخشیں۔ یہ ایک نیا طریقہ نماز جنازہ کا ایجاد ہوا۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔(۱) زید نے جس شخص کا قرض دینا ہے۔اگر وہ شخص اس کو معلوم ہو تو یہ رقم خود اس قرض خواہ کو دینا لازم ہے۔اگر وہ خود موجود نہ ہو تو اس کی فوتگی کی صورت میں اس کے وارثوں کو واپس کر دینا ضروری ہے۔اگر خود اس کے وارث معلوم نہ ہوں۔اور بالکل لاپتہ ہوں۔تب اس صورت میں اس رقم کو فقراء اور مساکین پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔(۲) (الف) نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں۔زبان سے کہنا ضروری نہیں اگر کہے بہتر ہے۔البتہ نیت لوگوں کو سنانا ضروری نہیں۔والمستحب فی النیة ان ینوی یقصد بالقلب ویتکلم باللسان بان یقول اصلی صلوة الخ. ولو نوی بالقلب ولم یتکلم باللسان جاز بلاخلاف بین الائمة لان النیة عمل القلب لاعمل اللسان واستحباب ضمه الیه لماذکرنا (منیة المصلی) ص ۲۵۱ بحواله فتاوی دارالعلوم الخامس النیة بالاجماع وهی الارادة

لاالعلم والمعتبر فیها عمل القلب اللازم للارادة . الخ (والتلفظ بها مستحب) وهوالمختار (وقیل سنة) یعنی احبه السلف او سنه علمائنا اذلم ینقل عن المصطفی (صلی الله علیه وسلم) ولا الصحابة ولا التابعین بل قیل بدعة درمختار ص ۳۰۶ نقله فی الفتح وقال فی الحلیة ولعل الاشبه انه بدعة حسنة عند قصد...ردالمحتار باب شروط الصلوة بحث النیة. ص ۳۰۶۔

(۲)(ب) نماز جنازہ کے بعد متصلا قبل از دفن ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ دعا مانگنا مشروع نہیں مکروہ ہے۔ کما فی ردالمحتار باب صلوة الجنازة فقد صرحوا عن اخرهم بان صلوة الجنازة هی الدعاء للمیت الخ ص ۶۴۲\ج ۱ . وفی خلاصة الفتاوی ص ۱۲۱ ج ۱ لایقوم بالدعاء بعد صلاة الجنازة ومثله فی البزازیة وفی البحرالرائق ص ۱۸۳ ج ۲ وقید بقوله بعد الثالثة لانه لایدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصة وعن الفضل لاباس به اه وقال فی البرجندی شرح مختصر الوقایة ص ۱۸۰ ج ۱ ولایقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة لانه یشبه الزیادة فیها کذا فی المحیط وعن ابی بکر بن حامد ان الدعاء بعد صلوة الجنازة مکروه وقال محمد بن الفضل لاباس به کذا فی القنیة وفی مرقات شرح المشکوة باب المشی بالجنازة والصلوٰة علیها لانه یشبهٗ الزیادة فی صلوة الجنازة ان فقہی جزئیات سے معلوم ہوا۔کہ میت کے جنازہ کے بعد کچھ دعا نہ کرے۔کہ صلوۃ جنازہ خود دعا للمیت ہے۔ان دلائل کے علاوہ یہ بھی واضح ہو کہ جس چیز کا ثبوت نبی کریم ﷺ صحابہ وتابعین وسلف صالحین سے ہرگز نہ ہو۔اس پر التزام کرنا اوراس کو موجب ثواب کہنا اور تارکین پر انکار کرنا۔اوران سے اختلاف ونزاع پیدا کرنا بدعت سیئہ ہے۔من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد (الحدیث مشکوۃ) اوراس ہیئت کے ساتھ کہیں دعا منقول نہیں ہے۔اس لیے اس کا ترک لازم ہے۔

ہاں دفنانے کے بعد وہیں کھڑے ہو کر میت کے لیے مغفرت اور تثبیت کی دعا مانگنی شرعا جائز ہے۔اور حدیثوں سے ثابت ہے۔کما فی المشکوة ص ۲۶ وعنه (ای عن عثمان) قال کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیه فقال استغفروا لاخیکم ثم سلوا له بالتثبیت فانه الان یسأل (رواہ ابوداؤد) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جنازہ کی نیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ نماز جنازہ کی نیت کس طرح کرنی چاہیے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ نماز جنازہ کی نیت اس طرح کرنی چاہیے۔ نیت کرتا ہوں نماز کی نماز پڑھتا ہوں واسطے خدا کے اور کہتا ہے کہ نماز جنازہ کی نیت میں یہ الفاظ کہنا بھی ضروری ہے کہ بندگی خاص خدا تعالیٰ کی کیا یہ کہنا ضروری ہے۔ کہ بندگی خاص خدا تعالیٰ کی۔

﴿ج﴾

نماز جنازہ ہو یا کوئی اور نماز زبان سے نیت کرنا مستحب ہے۔ ضروری نہیں ہے۔ اور یہ لفظ زبان سے کہنا کہ ''بندگی خاص خدا تعالیٰ'' کی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ بندگی ہوتی ہی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ہر مومن مسلمان اللہ کی بندگی کرتا ہے۔ زبان سے اس لفظ کا کہنا کوئی ضروری نہیں۔ دل کی نیت بھی کافی ہے۔ واللہ اعلم

اصاب المجیب نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ صورۃ مسئولہ میں نماز جنازہ ہوگئی مسلمان جب عبادت کرتا ہے۔ تو اس کی عبادت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہوتی ہے۔ زبان سے تلفظ ضروری نہیں ہے۔ بلکہ صرف مستحب ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے۔ ویستحب التلفظ بالنیۃ (جلد اول کتاب الصلوۃ) زبان سے تلفظ مستحب ہے۔ ترک مستحب سے نماز میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس کے تلفظ پر زور دینا ضروری قرار دینا بدعت ہے۔ اس شخص کو اس سے باز آجانا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم

نماز جنازہ کی چار تکبیرات میں سے ایک تکبیر بھی رہ گئی تو نماز نہ ہوگی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے ایک میت کا جنازہ پڑھایا۔ اور تین تکبیر کے بعد سلام پھیر دیا۔ تو اس کو کہا گیا کہ آپ نے تین تکبیریں پڑھی ہیں۔ اس نے کہا کہ نماز جنازہ ہوگئی ہے تو کیا شرعاً نماز جنازہ ہوئی ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

وفی العالمگیریہ ص۱۶۴ ج۱ وصلوۃ الجنازۃ اربع تکبیرات ولو ترک واحدۃ منہا لم تجز صلوتہ ھکذا فی الکافی. عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں نماز جنازہ نہیں ہوئی اس کا اعادہ ضروری تھا۔ فقط واللہ اعلم۔

جنازہ کی آخری تکبیر کہنا امام کو یاد نہیں، مقتدیوں کو یاد ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص قضائے الٰہی سے فوت ہوا ہے جس کے جنازہ میں کافی آدمی شامل تھے جنازہ پڑھانے والے پیش امام صاحب نے بعد ثنا درود اور دعائے میت یہ اس نے صحیح ادا کی ہیں۔ کہیں آخری تکبیر جو بلند آواز سے امام نے کہنی تھی وہ امام نے نہ کہی تھی وہ امام کو یاد نہیں اس نے کہا ہے یا نہیں۔ اور سلام پھیر دیا برائے مہربانی شرعی فتوی عنایت فرمائیں آیا اس میت کا جنازہ ادا ہوا یا نہیں ہوا۔

﴿ج﴾

سائل کی زبانی معلوم ہوا کہ امام نے کہا کہ مجھے یہ یاد نہیں کہ میں نے چوتھی تکبیر کہی ہے یا نہیں اور سائل نے یہ بھی کہا کہ چند اور آدمی گواہی دیتے ہیں۔ کہ ہم نے امام کی چوتھی آخری تکبیر سنی ہے۔ لہٰذا بشرط صحت بیان سائل نماز جنازہ [illegible] ہوا۔ وفی الدرالمختار (ورکنہا) شیئان (التکبیرات) الاربع الخ. (والقیام) ص ۱۶۴۱ ج ۱ فقط واللہ اعلم۔

نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے علاوہ رفع یدین کرنا خلاف سنت ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل کے بارہ میں (۱) کہ اگر امام نماز جنازہ میں رفع یدین قصداً کرے اعادۂ صلوٰۃ لازم ہے یا نہیں اور اگر بھول کر رفع یدین کیا تو پھر کیا حکم ہے۔

(۲) آج کل جن زمینوں کو نہروں کا پانی سیراب کرتا ہے۔ اور ٹھیکہ آبیانہ وصول کیا جاتا ہے۔ ان زمینوں پر عشر ہے یا بیسواں حصہ نکالنا واجب ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

ا۔ نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے بعد ہر تکبیر کے ساتھ کانوں تک ہاتھ اٹھانا خلاف سنت ہے۔ اعادہ صلوۃ لازم نہیں۔

(۲) نہری زمینوں میں جن میں پانی کا محصول دیا جاتا ہے۔ نصف عشر واجب ہے۔ کما فی الدرالمختار ج ۲ ص ۵۵ ویجب نصفہ (ای نصف العشر) فی مسقی غرب ودالیۃ الخ. وفی کتب الشافعیۃ اوسقاہ بماء اشتراہ وقواعد نا لاتاباہ . الخ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک وارث نے جبراً پکی قبر بنوادی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ۔ میری والدہ کا انتقال تقریباً ۴ سال ہوئے ہوگیا ہے۔ میری والدہ کی قبر جو والدہ کی نصیحت کے مطابق کچی تھی کچھ عرصہ ہوا کہ ایک اور صاحب جو کہ کہتے ہیں یہ میری والدہ کی قبر ہے انھوں نے اس کو پکا بنانا شروع کردیا۔ جھگڑا بہت ہوا۔ مگر اس صاحب کا تعلق پولیس سے ہے۔ لہٰذا اتنے جھگڑے کے بعد انھوں نے قبر کو پکا بنالیا۔ مگر میری والدہ کی نصیحت یہ تھی کہ وہ کچی رہے۔ اس بارے میں کیا کیا جائے۔

﴿ج﴾

ایسی بات میں نزاع نہ کریں۔ آپ کا اس میں کوئی گناہ نہیں۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ

۲۶ ذوالحجہ ۱۳۹۶ھ

میت کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفنانے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسمی کرم دین مرحوم پنڈ دادنخان کا سکونتی تھا۔ اور وہ سال سے تقریباً ملتان میں رہائش اختیار کیے ہوئے تھا۔ مگر جمعہ ۳۱ اکتوبر کو وہ بقضائے الٰہی فوت ہوگیا۔ اس کا کوئی وارث موجود نہ تھا۔ اور نماز جنازہ میں شامل نہ ہوسکا۔ چونکہ ان کے ورثاء کو بروقت اطلاع نہ مل سکی اب ان کے ورثاء چاہتے ہیں کہ وہ میت کو قبر سے نکال کر پنڈ دادنخان لے جائیں۔ کیا شریعت میں اس کی اجازت ہے۔ کہ پھر قبر سے نکال کر اسے اس کے اصلی گاؤں میں دفن کیا جائے۔

﴿ج﴾

اجازت نہیں ہے۔

اگر قبر میں مدفون نعش تک پانی پہنچنے کا اندیشہ ہو تو؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم مدت مدید سے ایک مرحوم بزرگ کی زیارت کو ہر

سال جاتے ہیں جو کہ ہمارے گاؤں سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہے اس کے ایک طرف پیزو کی نوز (رود) پانی کی بہتی ہے۔ نوز کا پانی زمین کو تراشتے تراشتے قبر تک پہنچ گیا ہے فی الحال میت کو لے جانے کا خطرہ ہے لہٰذا عرض پرداز ہوں کہ اس میت کا نکالنا اور دوسری جگہ دفن کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں بینوا تو جروا کتاب کا حوالہ دینا از حد مہربانی ہوگی تا کہ یہاں کے علماء صاحبان پھر تنگ نہ کریں۔

نوٹ: میت کے نکالنے اور دوسری جگہ دفن کرنے کے لیے کون سے ایام یا ماہ بہتر ہوگا۔

﴿ج﴾

درمختار میں ہے۔ (ولا یخرج منه) بعداهالة التراب (الا) لحق ادمی (کان تکون الارض مغصوبة او اخذت بشفعة) الخ ۶۶۲\ج ۱. اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ فی السوال میں میت کا نکالنا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم

اگر میت پر قبر گر جائے یا قبر تک سیلاب پہنچ جائے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل کے بارہ میں۔

۱۔ کہ ہمارے وطن میں اگر ۱۰ اگرہ اینٹ ہوں اور وہ کسی میت پر اس کے سروں سے مٹی گرے اور اس کے بعد وہ قبر میت پر فی الحال گرے۔ تو اس بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے۔ کہ مردے کو نکالے گا۔ یا صرف اینٹیں لگائے گا۔

۲۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ قبر میں ابھی میت کی تدفین مکمل طور سے عمل میں نہ آئی ہو اور ابھی شروع دفن ہو اور اسی حالت میں قبر مردے پہ گرے تو پھر کیا حکم ہے۔

۳۔ تیسرا حکم یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ قبر پرانی ہو اور اس پر پانی یعنی سیلاب وغیرہ کی تکلیف ہو یا مردہ آدمی خواب میں کسی زندہ آدمی کو یہ کہے۔ کہ مجھے یہاں سے دور کردیں مجھے تکلیف ہے۔ تو اس صورت میں کیا حکم ہے۔ پہلا واقعہ ایک شہید کے پیچھے ہمارے علاقہ میں اسی قسم کا پیش آیا ہے۔ کہ لوگ اسے دفن کر رہے تھے کہ اچانک قبر گر گئی۔ اور حالت یہ تھی کہ ابھی مردہ کو دفن کیا جا رہا تھا۔ فقط۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: (۱) اگر میت کو لحد میں رکھ کر مٹی ڈالنے سے قبل لحد کی اینٹیں گر گئیں یا قبر گر گئی تب تو

اصلاح کی خاطر اینٹیں بھی لگا کر سیدھی کر سکتے ہو۔ اور حسب ضرورت میت کو بھی نکال کر قبر کی اصلاح وغیرہ کر سکتے ہو۔ اور اگر ایک دفعہ میت پر مٹی ڈال دی ہے تب اگر قبر گر گئی ہے تو اس صورت میں محض اوپر اوپر سے قبر کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ نہ میت کو نکال سکتے ہو اور نہ اس کے اوپر سے لحد کی اینٹیں اٹھا سکتے ہو۔

کماقال فی الدر المختار علی هامش ردالمحتار ص ٦٦٠ ج ١ ولا ینبش لیوجه الیها وقال الشامی تحته (قوله ولاینبش لیوجه الیها) ای لودفن مستدبرا لها واهالوا التراب لاینبش لان التوجه الی القبلة سنة والنبش حرام بخلاف ماإذا كان بعد اقامة اللبن قبل اهالة التراب فانه یزال ویوجه الی القبلة عن یمینه حلیه عن التحفة وفی الدرالمختار علی هامش ردالمحتار ص ٦٦٢ ج ١ (ولایخرج منه) بعد اهالة التراب (الا) لحق ادمی ک (ان تکون الارض مغصوبة او اخذت بشفعة)

۲) ان دونوں صورتوں میں میت کو نکال کر کے منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں پانی کے سیلاب کے خطرے سے حفاظتی بند وغیرہ باندھ سکتے ہیں۔ کما قال فی الشامی ص ۶۶۳ ج ۱ **واما نقله بعد دفنه فلا مطلقا قال فی الفتح واتفقت كلمة المشائخ فی امرأة دفن ابنها وهی غائبة فی غیر بلدها فلم تصبر وارادت نقله علی انه لایسعها ذلک فتجویز شواذ بعض المتاخرین لایلتفت الیه واما نقل یعقوب و یوسف علیهما السلام من مصر الی الشام لیکونا مع ابائهما الكرام فهو شرع من قبلنا ولم یتوفر فیه شروط كونه شرعاً لنا اه ملخصا و تمامه فیه** فقط واللہ تعالیٰ اعلم

قبر بیٹھ گئی اور اندر پانی داخل ہو گیا تو کیا کیا جائے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص عرصہ قریباً ایک سال سے انتقال کر چکا ہے۔ امسال بارش کی کثرت کے سبب متوفی کی قبر پھٹ گئی۔ اور اندر پانی داخل ہو چکا ہے۔ اب سوال طلب امر یہ ہے کہ مندرجہ ذیل چار صورتوں میں سے کون سی صورت جائز اور کونسی ناجائز یا چاروں ہی شرع شریف کے موافق ہیں۔ (۱) نعش کسی دوسرے مقام پر منتقل کر دی جائے۔ (۲) نعش نکال کر قبر کو درست کر کے دوبارہ اس میں دفن کر دیجائے (۳) نعش اپنے مقام پر پڑی رہے۔ اور لحد دوبارہ تیار کر کے قبر مکمل کر دی جائے۔ (۴) قبر جیسے بیٹھ گئی ویسے ہی رہے۔ اور اوپر مٹی ڈال کر قبر مکمل کر دی جائے۔ دوئم۔ تارک ہندو اگر مال مویشی مسلم کو امانۃً یا مشترکہ دے کر انقلاب میں چلا گیا۔ اس مال میں سے قربانی، وخیرات وغیرہ جائز ہے یا نہیں۔ اگر مال پہنچایا نہ جا سکے تو اس صورت میں کیا کیا جاوے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

صرف چوتھی صورت جائز ہے۔ (۲) اس کی اجازت حاصل کی جاوے تو بہتر ہوگا۔ احتیاط اس میں ہے کہ اس میں سے قربانی نہ کی جاوے۔ اگرچہ بوجہ استیلاء کے ظاہر یہ ہے کہ وہ مسلمان کا مملوک ہو چکا ہے۔ اس لیے تصرف جائز ہے۔

قبر بیٹھ جائے تو نعش کو نکال کر دوبارہ غسل وکفن دینا درست نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ سہر چنی گوٹھ مسمی غلامی یٰسین ولد ایلو خان عرصہ تین ماہ ہو گئے کہ فوت ہو گیا تھا جس کو قبرستان میں دفن کر دیا تھا۔ آج مورخہ ۱۷۔۷۔۶۲ کو بوجہ بارش مسمی غلام یٰسین کی قبر کچھ بیٹھ گئی اس کو دیکھ کر اس کے وارث جناب حاجی محمد یوسف صاحب پاس آئے اور انھوں نے مسمی غلام یسٰین کی نعش کو باہر نکلوا کر چارپائی پر لٹا کر دوبارہ غسل دے کر کپڑے وغیرہ نئے پہنا کر دوسری قبر تیار کر کے دفن کیا۔ دیگر اس کے وارث اس کو دیکھ کر بہت پریشان ہوئے دوبارہ اس کی یاد تازہ کی گئی کیا حاجی محمد یوسف نے یہ جائز کام کیا ہے یا ناجائز بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں قبر کے بیٹھ جانے کے بعد قبر سے میت کو نکالنا اور اس کو دوبارہ غسل وکفن دینا یہ سب ناجائز کیا ہے۔ ایسا کرنے والے سب گنہگار ہیں۔ ان کو توبہ کرنا ضروری ہے۔ شامی ص ۶۶۰۔ جلد اول پر ہے **(قوله ولا ینبش لیوجه الیها) ای لودفن مستدبرا لها واهالوا التراب لاینبش لان التوجه الی القبلة سنة والنبش حرام الخ فقط والله اعلم**

مالکِ زمین کی اجازت کے بغیر میت کو دفنایا گیا تو مالک کو نکلوانے کا حق ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص اپنے مردے مالک کی اجازت کے بغیر اس کی مملوکہ زمین میں دفن کرے تو مالک زمین کو حق ہے کہ وہ اپنی زمین سے مردہ کو نکال لے جو کچھ حق ہو اس کو ادلہ قویہ کے ساتھ کتب معتبرہ کے حوالہ کے ساتھ مفصلاً بیان فرما دیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر میت کو کسی کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر دفن کر دیا گیا ہو تو مالک زمین کو اختیار ہے کہ وہ اس میت کو نکال لینے کا حکم کرے یا اس دفن شدہ میت کے باقی رہنے پر راضی ہو جائے عالمگیری مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ ص ۱۶۷ ج ۱ میں مذکور ہے اذا دفن المیت فی ارض غیرہ بغیر اذن مالکھا فا لمالک بالخیار انشاء رضی بذالک وانشاء امر باخراج المیت اور ویسے ہی زمین ہموار کر کے اس زمین کو استعمال میں بھی لا سکتا ہے۔ وانشاء سوی الارض و زرع فیھا۔ فقط واللہ اعلم۔

مسلمانوں کے قبرستان میں ہندو کی قبر کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک کافر ہندو کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا ہے۔ وہ کافر ہندو جو میت کو جلاتے ہیں' اور بعض ان میں سے دفن بھی کرتے ہیں۔ وہ کافر ہندو جو بغیر ذبح کرنے کے مردار جانور کو کھاتے ہیں اور بعض کافر ان کے ہاتھ سے روٹی اور پانی کو نہیں لیتے اس کافر ہندو کا مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو اس کافر ہندو مدفون کو نکال سکتے ہیں یا نہیں اور مسلمانوں کے قبرستان کی حدود سے کتنا دور دفن کیا جا سکتا ہے۔ دلائل سے واضح فرماویں۔

﴿ج﴾

غیر مسلم میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا درست نہیں۔ اگر دفن کیا گیا ہو تو اس کا نکال لینا درست ہے۔ صورت مسئولہ میں چونکہ میت گل سڑ گئی ہو گی تو اس تکلیف اور اختلاف سے بچنے کے لیے بہتر صورت یہ ہے کہ بجائے نکالنے کے قبر کے نشان کو مٹا کر زمین سے ہموار کرایا جاوے اور آئندہ کے لیے کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کرنے دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مرنے سے قبل قبر کھدوانا

﴿س﴾

ایک شخص لاولد ہے نہ اس کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کا وارث ہے چچا' ماموں' بھائی وغیرہ کوئی نہیں ہے اس نے نیک ارادہ سے اپنی قبر کھدوائی ہے کہ میں جس وقت مر جاؤں تو اس وقت میری قبر کے لیے کوئی فرد بھیک مانگ کر میری قبر تیار نہ کرے اور ممکن ہے کہ خدانخواستہ میں مرگ کی بیماری سے پہلے لاچار ہو جاؤں تو اس لیے میں نے

اپنی زندگی و ہوش حواس میں قبر تیار کرائی ہے یہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آیا میری موت کہاں ہو گی اگر میں اس جگہ دفن نہ بھی ہوا اور میرے بعد جو بھی اس میں دفن ہو گا تو اس شخص کو اللہ کے واسطے بخش دونگا ارادہ نیک کر کے قبر تیار کرائی ہے باقی توکل اللہ پر ہے۔ ایمان شریعت پر ہے براہ کرم حکم محمدی یا فعل صحابہ کرام یا عمل تابعین جہاں سے اس کا ثبوت ملے' آگاہ کریں اور مشکور فرمائیں۔

﴿ج﴾

زندگی میں قبر تیار کرنے میں اختلاف ہے۔ بعض نے اس کو مکروہ لکھا ہے۔ لیکن جس خیال اور عقیدہ کے تحت سائل نے قبر تیار کرائی ہے۔ اس میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی۔ تابعی جلیل القدر و امام عادل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے بھی یہ عمل ثابت ہے۔ ویحفر قبرا لنفسہ وقیل یکرہ درمختار وقال الشامی تحت ھذا القول وفی التتار خانیہ لاباس بہ ویؤجر علیہ ھکذا عمل عمر بن عبدالعزیز والربیع بن خیثم وغیرھما انتھٰی . ص ۶۶۲\ج ۱ .

قبر کے اردگرد احاطہ بنانا اور مختصر تعارف لکھنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین درین مسئلہ کے ایک بزرگ جن کی تمام زندگی راہ مستقیم پر چلتے اور باطل کے خلاف جہاد کرتے گزری ہو۔ ہزاروں انسان ان کی تبلیغ سے ہدایت پا کر راہ مستقیم پا گئے ہوں۔ ان کی وفات پر ان کی قبر کے اردگرد نشان باقی رکھنے کی نیت سے پختہ یا خام اینٹوں سے احاطہ بنا کر اس پر ان کا نام اور زندگی کا مختصر سا تعارف لکھنا کیسا ہے۔ رہنمائی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم. فی تیسیر الاصول عن جابر رضی اللہ عنہ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ وان یوطا اخرجہ الخمسۃ الا البخاری وفیہ عن ابن عمر رضی اللہ عنھما انہ رای فسطاطاً علی قبر عبدالرحمن فقال یاغلام انزعہ فانما یظلہ عملہ اخرجہ البخاری' وفی ردالمحتار ص ۲۶۲ ج ۱ واما البناء علیہ فلم ارمن اختار جوازہ الی قولہ وعن ابی حنیفۃ (رحمہ اللہ) یکرہ ان یبنی علیہ بناء من بیت اوقبۃ اونحو ذلک لماروی جابرؓ وذکر الحدیث المذکور انفا. ان

روایات حدیثیہ وفقہیہ اور خود صاحب مذہب کی تصریح سے قبر کے گرد چار دیواری اور تعمیر کی کراہت وممانعت ثابت ہوگئی۔

بالخصوص اس پرفتن زمانہ اور بدعت وخرافات کے زمانہ میں اس قسم کے اسباب ضلالت سے احتراز نہایت ضروری ہے۔ البتہ قبر پر بقدر ضرورت نام وغیرہ لکھنا تاکہ شناخت ہوسکے۔ اور نشان باقی رہے جائز ہے۔

كما في ردالمحتار ص ٦٦٢ ج ١ تحت قوله (لابأس بالكتابة الخ) لان النهي عنها وان صح فقد وجد الإجماع العملي بها (الى ان قال) نعم يظهر ان محل هذا الاجماع العملي على الرخصة فيما اذا كانت الحاجة داعية اليه في الجملة كما اشار اليه في المحيط بقوله وان احتيج الى الكتابة حتى لايذهب الاثر ولايمتهن فلا باس به فاما الكتابة بغير عذر فلا . واللہ تعالیٰ اعلم۔

ضرورت کے سبب قبر بنانے میں پکے گھڑے استعمال کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہم سیلابی علاقہ میں رہتے ہیں۔ زمین بنجر ہے۔ میت کو دفن کرکے لحد بند کرنے کے لیے پکے گھڑے استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔ ایک مولوی صاحب نے منع فرمایا ہے کہ آگ کی پکی ہوئی چیز قبر میں استعمال کرنی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ آگ جہنم کی نشانی ہے۔ کانے یا لکڑی وغیرہ رکھنے سے تسلی نہیں ہوتی ہے۔ یا دیمک لگ جائے اور قبر کے اندر پانی داخل ہوکر قبر کو خراب کردے۔ شریعت کے حکم سے مطلع فرمادیں۔

﴿ج﴾

درمختار ج ا ص ۶۶۱ میں ہے۔ (ويسوى اللبن عليه والقصب لا الأجر) المطبوخ والخشب لو حوله اما فوقه فلايكره. اس عبارت سے واضح ہے کہ پکی اینٹ اور سرکنڈا آگ میں پکا ہوا قبر کے ماحول رکھنا مکروہ ہے۔ اور اگر ضرورت ہو تو درست ہے۔ قال مشائخ (بخارا لايكره الأجر في بلدتنا للحاجة اليه لضعف الاراضي (ردالمحتار باب صلوۃ الجنائز ص ۶۶۱ ج ا۔ کذا فی فتاویٰ دارالعلوم جدید ص ۳۸۱ ج ۵ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بزرگوں کی قبروں کے نشانات باقی رکھنے کے لیے پکا کرنا درست نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اسلاف کے قبور کی حفاظت یا ان کے نشانات باقی رکھنے کی خاطر ان کی منتشرہ مٹی کو اکٹھی کرنا۔ یا نئی مٹی ڈالنا۔ یا لپائی کرنا۔ یا پتھر وغیرہ ان پر رکھنا۔ یا کتبات لگانا۔ یا ان کو پختہ کرنا۔ جائز ہے یا نہیں اور ان میں سے کونسی صورت احسن واولیٰ ہے۔

﴿ج﴾

نشانات قبر کو باقی رکھنے کے لیے قبر کو پختہ کرنا جائز نہیں مٹی سے لپائی وغیرہ کراکر نشان قبر کو باقی رکھا جاسکتا ہے۔ اور لپائی کے لیے مٹی باہر سے بھی لانا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

کچی لحد بناکر اوپر پکی تعمیر کھڑی کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اگر لحد (سامی) کو کچی اینٹوں سے بناکر مٹی سے بھر دیا جائے اور اس کے اوپر پختہ قبر بنائی جائے آیا جائز ہے۔ یا نہیں۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

شامی میں صحیح مسلم کی یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن تجصيص القبور وان يكتب عليها وان يبنى عليها رواه مسلم (ردالمحتار ص ۶۶۲ ج ا۔ باب صلوٰۃ الجنائز ص ۲۲۸) ومشکوٰۃ باب دفن المیت ص ۱۷۸) یعنی منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے قبروں کے پختہ کرنے سے اور ان پر کچھ لکھنے سے اور تعمیر کرنے سے پس صورت مسئولہ شرعاً درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم

پانی سے بچاؤ کے لیے قبر کے اردگرد کچی اینٹوں کی دیوار بنانے میں کوئی حرج نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بارش کی وجہ سے ایک قبر کو سوراخ ہوگیا جس کی وجہ سے پانی کثیر قبر کے اندر داخل ہوگیا ہے۔ اور اس سے قبر کی زمین بہت نیچے ہوگئی ہے۔ اور یہ بھی معلوم نہیں کہ پانی کی وجہ سے صاحب قبر کے ساتھ کیا گزری۔ تقریباً صاحب قبر کے جسم کو تکلیف کا امکان ضرور ہے۔ لہٰذا ارادہ ہے

کہ قبر کے اردگرد سے مٹی ہٹا کر صاحب قبر کے چہار طرف تقریباً تین فٹ دیوار قائم کر لی جائے تا کہ اچھی طرح حفاظت رہے کیا شریعت میں اس کے جواز کا ثبوت ہے یا نہیں اگر ہے تو کس طرح ہے اگر نہیں تو کیوں۔

﴿ج﴾

قبر کے اردگرد پختہ اینٹوں کی دیوار یا اس کے اوپر قبر بنانا جائز نہیں البتہ اگر پانی وغیرہ سے بچاؤ کی خاطر چاروں طرف سے ایک دوفٹ اونچی دیوار کچی اینٹوں کی بنائی جائے تو اس میں ظاہر یہی ہے کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ جزئیہ کے بارے میں کافی کوشش کی گئی۔ لیکن کوئی جزئیہ میسر نہیں ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سیم زدہ علاقہ میں قبر بنانے کے لیے پختہ اینٹیں استعمال کرنے کی شرعی حیثیت؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے علاقہ میں نہر کی وجہ سے سیم ہو رہی ہے۔ ریت کا علاقہ ہے۔ قبریں کچی اینٹوں سے شق بنانے کا دستور ہے۔ اب کچی اینٹیں لگائی جائیں تو سیم کے زیادہ اثر سے قبریں بیٹھ جاتی ہیں۔ کیا ان حالات میں شق کے لیے پختہ اینٹیں استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

کچی اینٹ سے لحد اور شق قائم کرنا جائز ہے۔ اور بلا ضرورت پختہ اینٹ سے لحد یا شق بنانا مکروہ ہے۔ اور اگر سخت ضرورت ہو تو پختہ اینٹ استعمال کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ جیسا کہ عبارات کتب فقہ سے ظاہر ہے۔

ویسوی اللبن علیه (درمختار) ای علی اللحد بان یسد من جهة القبر ویقام اللبن فیه. الخ. شامی. ولا بأس باتخاذ تابوت ولومن حجرا وحدید له عندالحاجة کرخاوة الارض. الخ (درمختار) وفی ردالمحتار قوله ولابأس باتخاذ تابوت . الخ ای یرخص ذلک عندالحاجة والاکره کما قدمناه انفا. قال فی الحلیة نقل غیر واحد عن الامام ابن الفضل انه جوزه فی اراضیهم لرخاوتها وقال لکن ینبغی ان یفرش فیه التراب وتطین الطبقة الاولی ممایلی المیت ویجعل اللبن الخفیف علی یمین المیت ویساره لیصیر بمنزلة اللحد والمراد بقوله ینبغی یسن. شامی ص ۲۲۰ ج ۱ الخ. صورت مسئولہ میں مقامی طور پر معتمد علیہ دیندار علماء اور اہل تجربہ سے تحقیق کریں اگر کچی اینٹوں سے کام چل سکتا ہے۔ تو بلا ضرورت پختہ اینٹ استعمال نہ کریں۔ اور اگر ضرورت شدیدہ ہو تو گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

قبر کو پختہ بنانے کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ قبر کو پختہ بنانا۔ اس پر پکی اینٹیں لگانا' قبر کا احاطہ بنانا' قبر کا تھلہ بنانا یا کچی قبر پر میت کے نام کی اینٹ لگانا۔ چونہ' سیمنٹ لگانا' قبر پر قبہ بنانا' چراغ جلانا' خیمہ لگانا وغیرہ امور جائز ہیں یا نہ۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن تجصیص القبور وان یکتب علیها وان یبنی علیها. رواه مسلم مشکوٰۃ باب دفن المیت ص ۱۴۸ یعنی منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے قبروں کے پختہ کرنے سے اور ان پر کچھ لکھنے سے اور تعمیر کرنے سے۔ پس امور مذکورہ فی السوال شرعاً درست نہیں ہیں۔ قبر پر شناخت کے لیے کوئی علامت رکھنا جائز ہے۔ لما اخرجه ابو داؤد باسناد جید ان رسول الله صلی الله علیه وسلم حمل حجرا فوضعه عند راس عثمان بن مظعون وقال اتعلم به قبر اخی وادفن الیه من مات من اهلی. ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز ص ۲۲۲ ج ۱۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کسی کو بطور امانت دفن کرنا پھر نکالنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص غیر وطن میں فوت ہو گیا اور وہاں اس کا کوئی وارث نہیں تھا اور غیر ورثاء نے اس شخص کو وہاں بطور امانت دفن کیا۔ کیا اب وارث اس مدفون شخص کو وہاں سے نکال کر اپنے وطن لا سکتے ہیں یا نہیں۔ نیز یہ ہے کہ بطور امانت کسی شخص کو دفن کرنے کی اصطلاح شرع محمدی میں وارد ہے۔ اگر وارد ہے تو بحوالہ جواب سے روشناس فرمائیں۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

دفن کرنے کے بعد میت کا قبر سے نکالنا اور دوسری جگہ دفن کرنا شرعاً جائز نہیں۔ جیسا کہ درمختار میں ہے۔ ولا یخرج منه بعد اهالة التراب الخ ص ۲۲۳/۱ ج ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ دفن کرنے کے بعد میت کا نکالنا درست نہیں اور یہ حکم عام ہے کہ امانۃً دفن کیا جائے یا نہیں اور امانۃً دفن کرنا شریعت سے ثابت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ

مردوں اور عورتوں کا مخلوط طور پر قبرستان جانا، میت کو قبر سے نکالنا

﴿س﴾

چہ میگویند علماء کرام وفقہاء عظام درین مسئلہ کہ یک جماعت کثیر مرید بزرگے اہل وفات استند ۔ اکنون مرداں وزنان بیک جا انبوہ کلاں شدہ بر مقبر بزرگ خود ذکر کردن شروع میکنند ودر حالت ذکر کردن چیزے از انہاں بصورت جزب مدہوش میشوند ۔ ومریدان مذکور با یک دیگر محبت میکنند اکنون این راذکر کردن بر مقابر وغیرہ مقابر مردان وزنان بیک جا ورفتن زنان بر مقابر بزرگان جائز است یا نہ ۔ دیگر نفع ونقصان از صاحب مقبرہ تصور میکنند ومحبت کردن اینان با یک دیگر چہ طور است ۔ بینوا بالبرھان توجروا عند الرحمٰن دیگر بمع حوالہ کتب باثبات حدیث شریف وقرآن شریف واقوال ائمہ صاف تحریر کنید کہ اینجا بسیار تنازع افتادہ است ۔ ثانیۃ اینکہ این بزرگ را در مکان دفن کردہ بود چند مریدان تقریباً دو سال در یجا بود بعد ازان چند مریدان دیگر آمدہ ازیں جالاش برون کردہ بجائے دیگر دفن کردند منتقل کردن ایں بزرگ جائز است یا نہ در ینجا فوت شدہ بعد از ۳۰ سال قبر را دور کردہ لاش رم در یک کونہ انداختہ تقریباً ۴۰ میل بود کہ درانجا دفن کردند مہربانی کردہ جلدی جواب بدہید کہ جلد فیصلہ شود ۔

﴿ج﴾

اختلاط زنان ومردان نہایت قبیح امر است ۔ چون زنان را در مسجد برائے نماز رفتن جائز نیست پس در مقابر رفتن مخلوط با مردان چگونہ جائز باشد ۔ در منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق ج ۲ صفحہ ۱۹۵ علامہ شامی مے نویسند قال الخير الرملي ان كان ذالک لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن فلا تجوز وعليه حمل الحديث لعن الله زائرات القبور وان كان للاعتبار والترحم والقبر بزيارة قبور الصالحين فلا بأس اذا كن عجائز ويكره اذا كن شواب كحضور الجماعة فى المساجد ص ١٦٥٥ ج ١ ۔ بالخصوص این رقص کردن وآواز بلند کردن در حرمت این ہیچ شبہ نیست آواز زن ہم عورت است ۔ لہٰذا ازیں عمل اجتناب کردن و دیگران را منع کردن بر مسلمین واجب است ۔

(۲) نقل میت از قبر جائز نیست در بحر الرائق ج ۲ صفحہ ۱۹۵ ۔ است وفى فتح القدير واتفقت كلمة المشائخ فى امرأة دفن ابنها وهى غائبة فى غير بلدها فلم تصبر وارادت نقله على ان لا يسعها ذالک. واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

۲۴ ذوالقعدہ ۹۰ ۱۳ھ

نماز جنازہ کے فوراً بعد اور دفنانے کے بعد چالیس یا ستر قدم چل کر دعاء مانگنا بدعت ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ آیا نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا یا قبر پر اذان دینا اور چالیس یا ستر قدم پر دعا مانگنا کیا حدیث اجماع اور فقہ سے ثابت ہے یا نہیں ۔ بینوا توجروا ۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم : (۱) نماز جنازہ کے بعد دفن سے قبل دعا بطریق مروج مانگنا مکروہ ہے ۔ كما فى المرقاة لملا على القارى ص ۳۶۹ ج ۳ ولايدعو للميت بعد صلوة الجنازة لانه يشبه الزيادة فى صلاة الجنازة وفى البزازيه على هامش العالمگيريه لايقول بالدعاء بعد صلاة الجنازة لانه دعا مرة لان اكثرها دعاء ا ه.

وفی البحر الرائق ص ۱۸۳ ج ۲ وقيد بقوله بعد الثالثة لا نه لايدعو بعد التسليم كما فى الخلاصة وعن الفضلى لابأس به وقال فى البرجندى شرح مختصر الوقايه ص ۱۸۰ ج ۱ ولايقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة لانه يشبه الزيادة فيها كذا فى المحيط وعن ابى بكر بن حامد ان الدعاء بعد صلوة الجنازة مكروه وقال محمد بن الفضلى لاباس به كذافى القنية. ا ه. (۲) اذان علی القبر جائز نہیں ہے ۔ كما قال فى الشامية ص ۲۸۳ ج ۱ قيل وعند انزال الميت القبر قياساً على اول خروجه للدنيا لكن رده ابن حجر فى شرح العباب (۳) اس کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ہے ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

دعاء بعد الجنازہ اور قل خوانی کو دین کا جزء قرار دینا بدعت ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ دعا بعد نماز جنازہ فرض ہے یا واجب ہے ۔ سنت ہے جائز ہے یا نہ؟ اور اگر کوئی شخص جنازہ کے بعد میت کے ہوتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا نہ مانگے اور اس پر لوگ ناراض ہو جائیں ۔ اور کہیں کہ فلاں مولوی مانگتا تھا ۔ فلاں مانگتا تھا ۔ لہٰذا شریعت میں اس کا ثبوت ہے ۔ اور مانگنی ضروری ہے تو کیا براہ قرآن وحدیث اس کو توڑنا چاہیے یا نہ؟ اور نہ مانگنے والے کو وہابی نجدی کہا جائے ۔ قرآن وحدیث

عمل صحابہ کے خلاف ہے یا نہ؟ اور نیاز جمعرات اور قل خوانی عوام اور دیہاتی مولوی ان رسومات کو دین کا جزو قرار دے رہے ہیں۔ از روئے قرآن وحدیث وعمل صحابہ ثابت ہے یا نہ؟ سائل مولوی محمد مطیع اللہ صاحب۔

﴿ج﴾

دعا بعد از نماز جنازہ ہاتھ اٹھا کر ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ وصحابہ وتابعین وسلف صالحین کے زمانہ میں ثابت نہیں۔ اس لیے اس کو ضروری قرار دینا اور اس کے تارک پر طعن وتشنیع کرنا بدعت سیئہ اور ناجائز ہے۔ نیز رسم قل خوانی مروجہ طریقہ پر ثابت نہیں ہے۔ اس کو دین کا جزء قرار دینا بدعت ہے۔ جس کا ترک لازم ہے۔ واللہ اعلم

دعاء بعد الجنازہ ناجائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ دعا بعد الجنازہ ہاتھ اٹھا کر مانگنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو اس کا ثبوت احادیث وفقہ سے ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو اس کا جواب مع ادلہ قطعیہ دیجیے۔

﴿ج﴾

نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا چونکہ حضور ﷺ اور صحابہ وتابعین سے ثابت نہیں۔ اس لیے فقہاء اسے ناجائز اور مکروہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری کے فقیہ امام ابوبکر بن حامد متوفی ۴۵۴ھ اور شیخ الاسلام علامہ سعدی متوفی ۴۶۱ھ فرماتے ہیں۔

لا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلوة الجنازة (قنیہ ص۵۶ ج۱) **وفی الفتاوی السراجیه اذا فرغ من الصلوة لا یقوم داعیاله** (فتاوی سراجیہ مع قاضی خان ص۱۴۱ ج۱) **لا یدعو بعد التسلیم** والبحر الرائق ص۱۸۳ ج۲) ملا علی قاری فرماتے ہیں۔ **ولا یدعو للمیت بعد الجنازة لانه یشبه الزیادة فی صلوة الجنازة** (مرقاۃ شرح مشکوۃ) **ولا یقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة لانه دعامرة لان اکثرها دعاء** (بزازیہ مع ہندیہ ص۸۰ ج۱) کتب مذکورہ کے علاوہ خلاصۃ الفتاوی ص۲۲۵ ج۱ کتاب المدخل ص۲۲ ج۳ فتاوی برجندی ص۱۸۰ ج۱ فتاوی برہنہ ص۲ ج۳ مجموعہ خانی ص۳۴۹ مظاہر الحق شرح مشکوۃ ص۵۷ ج۲ نفع المفتی ص۱۴۳ وغیرہ میں بھی اس کی ممانعت اور کراہت منقول ہے۔ (احسن الفتاوی ص۱۱۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر دعاء کرنا بھی سنت سے ثابت نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ حال میں ایک اشتہار نظر سے گزرا ہے۔ جس کا عنوان تھا کہ نماز جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر دعا مانگنا سنت ہے۔ یہ صحیح ہے یا غلط اگر صحیح ہے تو واضح کر دیں کہ سنت موکدہ ہے یا غیر موکدہ اور غلط ہے تو کیا دلیل ہے۔ آنحضور ﷺ نے کسی جنازہ کے بعد دعا مانگی ہے۔ یا کہ دعا مانگنے کا حکم فرمایا ہو۔ یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کوئی ایسی چیز منقول ہو۔

﴿ج﴾

پیارے نبی ﷺ صحابہ کرام تابعین عظام وتبع تابعین نے نماز جنازہ کے بعد مستقل دعا (جو کہ آج کل معروف ہے) نہیں مانگی۔

۱۔ خیر القرون میں معمول نہیں تھا۔ نہ صفوف کے توڑنے سے قبل اور نہ بعد اس کے اس لیے اس کو مسنون قرار دینا اور نہ مانگنے والے کو مطعون وملامت کرنا بدعت ہے۔ اور احتراز لازم ہے۔

دلائل عدم جواز دعاء بعد الجنازہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بعد صلوٰۃ جنازہ کے دعا جائز ہے یا اور کوئی ثبوت قرآن واحادیث نبوی سے بھی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

دلائل عدم جواز دعاء بعد الجنازہ۔ بحر الرائق ص۱۸۳ ج۲ **وقید بقوله بعد الثالثة لانه لا یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصه فتاوی بزازیه** جو عالمگیری جلد چہارم کے حاشیہ پر ہے **الباب الخامس والعشرون فی الجنائز** ص۹۰ کے حاشیہ میں تحریر ہے **ولا یقول بالدعاء بعد صلوة الجنازة لانه دعا مرة لان اکثرها دعاء** فتاوی سراجیہ۔ کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ کے اخیر میں درج ہے **واذا فرغ من الصلوة لا یقوم بالدعاء** اور مرقات شرح مشکوۃ میں ہے۔ **لا یدعو للمیت بعد صلوة الجنازة لانه یشبه الزیادة فی صلوة الجنازة** خلاصۃ الفتاوی میں ہے **لا یقوم بعد صلوة الجنازة بالدعاء**

فتح القدیر میں ہے۔ ثم المسبوق یقضی مافاته من التکبیرات بعد سلام الامام نسقاً بغیر دعاء لانه لوقضاها به ترفع الجنازة فتبطل الصلوة لانها لاتجوز الابحضورها (وهذا المضمون یوجد فی العنایة علی هامش فتح القدیر والشامی وغیرهما۔ (العالمگیری وقاضی خان) مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ حدثنا الاحوص عن مغیرة عن ابراهیم قال اذا فاتتک تکبیرة او تکبیرتان علی الجنازة فبادر فکبر مافاتک ان ترفع ص ۱۱۷ ج ۴) برجندی شرح مختصر الوقایہ میں ہے عن ابی بکر بن حامد ان الدعاء بعد صلوة الجنازة مکروہ ان دلائل کے علاوہ یہ بھی واضح ہو کہ جس چیز کا ثبوت نبی کریم ﷺ صحابہ وتابعین وسلف صالحین سے ہرگز نہ ہو اس پر التزام کرنا اور اس کو موجب ثواب کہنا اور تارکین پر انکار کرنا اور ان سے اختلاف ونزاع پیدا کرنا بدعت سیئہ ہے من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد ۔(الحدیث مشکوۃ) اور اس ہیئت کے ساتھ کہیں دعا منقول نہیں ہے اس لیے اس کا ترک لازم ہے حضرت علامہ مفتی کفایۃ اللہ صاحب قدس سرہ کا ایک فتویٰ پیش کرتا ہوں۔ جب نماز جنازہ کے بعد اجتماعی دعا کی ہیئت کذائیہ منقول اور خیر القرون میں معمول نہیں ہے مانعین دعائے اجتماعی کے دلائل اوفق بما کان علیہ السلف الصالحون اور قوی ہیں۔ لہٰذا اس دعائے اجتماعی مروج کا ترک لازم ہے۔ محمد کفایۃ اللہ کان اللہ لہ اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کے پیچھے دارالعلوم دیوبند کی مہر ہے اور مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کی تصدیق ہے۔ الجواب صحیح۔

دعاء بعد الجنازہ نہ کرنے کے سبب امامت سے معزول کرنا درست نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں

ایک شخص کسی مسجد کا پیش امام ہے۔ حنفی مذہب رکھتا ہے۔ خود عالم ہے۔ احادیث اور کتب فقہ حنفی کی رو سے نماز جنازہ کے بعد مستقلاً اجتماعی دعا کے التزام کو مکروہ سمجھتا ہے۔ اسی بنا پر وہ جنازہ نماز کے بعد دعا نہیں مانگتا اسی مسئلہ کی وجہ سے کچھ لوگ اسے امامت سے ہٹانے پر مصر ہیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایک عالم باعمل متشرع پیش امام کو صرف اسی وجہ سے امامت سے معذول کیا جا سکتا ہے' اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکنے والے حق بجانب ہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

نماز جنازہ کے بعد اجتماعی رنگ میں دعا کرنا فقہاء حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ پس پیش امام مذکور کا عمل اور قول درست ہے۔ اس بنا پر اس کو امامت سے ہٹانا درست نہیں۔ بحر میں ہے۔ **ولا یدعو بعد التسلیم** صفحہ ۱۸۳ جلد ۲ حضرت ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔ **ولا یدعو للمیت بعد صلوة الجنازة لانه یشبه الزیادة فی صلوة الجنازة.** فقط واللہ اعلم۔

صرف بعد الجنازة دعا نہ مانگنے کی وجہ سے یا اس کو مکروہ سمجھنے کی وجہ سے کوئی امام جب کہ وہ عالم باعمل اور حنفی مذہب کا مقلد ہو۔ اور اس میں دوسرا کوئی عیب مانع عن استحقاق امامت نہ ہو۔ نہ مطعون ہوتا ہے۔ اور نہ قابل ملامت اور نہ اسے اس بنا پر امامت سے معزول کیا جا سکتا ہے۔ مقتدیوں پر لازم ہے۔ کہ وہ آئمہ مساجد اور علماء پر ایسے مسائل میں اس طرح کی مؤاخذات چھوڑ دیں۔ اور علماء دین کی قدر کریں۔ اس طرح کے مسائل میں پڑ کر نزاع کرنا اور مسلمانوں میں افتراق ڈالنا۔ جائز نہیں۔ نیز پیش امام کو بھی چاہیے کہ عوام الناس کو ایسے مسائل میں حکمت اور مصلحت کے ساتھ محبت پیار سے سمجھائیں۔ واللہ اعلم

نماز جنازہ دراصل میت کے لیے دعاء ہے اس لیے بعد نماز جنازہ کوئی اور دعاء مشروع نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ دعا بعد جنازہ ہاتھ اٹھا کر مانگنا جائز ہے یا نہ۔ کہیں قول وفعل حضور اکرم ﷺ وفعل صحابہ وامام اعظمؒ کا ملتا ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

دعا بعد از جنازہ قبل از دفن مکروہ ہے۔ سلف صالحین کے زمانہ میں یہ دعا بالکل نہیں تھی۔ نیز احادیث اور اقوال فقہاء کرام میں بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ بعد از دفن دعا کا ثبوت ہے۔ جس کو علامہ شامی نے جلد اول ص ۶۶۱ پر نقل کیا ہے۔

کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبره وقال استغفروا لاخیکم واسئلوا الله له بالتثبیت فانه الان یسئل۔ اس میں صاف ظاہر ہوگیا کہ یہ دعا بعد از دفن ہے۔ جیسا کہ فانه الان یسأل کے الفاظ اس پر دال ہیں' شامی نے اس صفحہ پر لکھا ہے کہ مسبوق امام کے سلام پھیرنے کے بعد تکبیرات کو نسقاً ادا کرے کیونکہ سلام کے بعد میت فوراً اٹھالی جاتی ہے۔ بحر الرائق جلد ثانی ص

۱۸۵ میں ہے۔ وقيد بقوله بعد الثالثة لانه لايدعو بعد التسليم كما فى الخلاصة ۔ نیز سراجیہ میں ہے۔ ولا يقوم بالدعاء على الجنازة بعد السلام. ان تمام فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا ایک شنیع بدعت ہے۔ خاص کر اس کو التزام کے ساتھ تو اور بھی برا ہے اور جہاں دعاء کا ثبوت ملتا ہے۔ اس سے مراد قبل از دفن نہیں ہے۔ ورنہ فقہاء اس کے خلاف قدم نہ اٹھاتے بلکہ بعد از دفن مراد ہے اور اسی پر عبداللہ بن سلام کے قول کو محمول کرنا پڑے گا۔ انھوں نے جو فرمایا ہے ان سبقتمونى بالصلوة عليه فلا تسبقونى بالدعاء اور جس دعا کا احادیث اور اقوال صحابہ میں قطعاً ثبوت نہ ہو اس پر کیسے ان الفاظ کو محمول کیا جائے نیز یہ حدیث جو بدعتی حضرات پیش کرتے ہیں کہ اذا صليتم على الجنازة فاخلصوا الدعاءله اس سے قبل از دفن دعا ہرگز مراد نہیں ہے' کیونکہ اس پر ابن ماجہ نے باب باندھا ہے کہ اس سے مراد دعا فی صلوٰۃ الجنازۃ ہے۔ یعنی اثناء تکبیرات میں جو دعا پڑھی جاتی ہے۔ وہی اس حدیث سے مراد ہے۔ بدعتی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں فاخلصوا الدعاء له ہے یہ فاء تعقیب کے لیے ہے لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ نماز ہو چکنے کے بعد دعا مانگنا اس سے ثابت ہو گیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فاء ایسی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں انما جعل الامام ليؤتم به فاذاكبر فكبروا واذا ركع فاركعوا یا اذا كانت الشمس طالعة فالنهار موجود ہے. فما هو جوابكم فهو جوابنا ۔ والله اعلم

عدم دعاء بعد الجنازہ کے تفصیلی دلائل

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید دعا بعد الجنازہ کا انکار کرتا ہے اور اس کے مقابلہ میں عمرو کہتا ہے۔ کہ دعا بعد الجنازہ مانگنی چاہیے حتیٰ کہ یہاں تک کہتا ہے کہ جو شخص دعا بعد الجنازہ نہ پڑھے۔ وہ مرتد اور کافر ہے۔ لیکن آپ اس مسئلہ متنازع فیہ کو از روئے شرع شریف بالتفصیل اور بدلائل واضح فرمائیں۔

﴿ج﴾

نماز جنازہ کے بعد جو مروجہ دعا مانگی جاتی ہے یعنی نماز جنازہ سے فارغ ہو کر قبل از دفن ہاتھ اٹھا کر ہیئۃ اجتماعیہ کے ساتھ اس کا ثبوت نہ حضور ﷺ سے ہے۔ جو کہ امت پر انتہائی شفقت کرنے والے تھے۔ اور نہ خلفائے راشدین سے اور نہ ان کے بعد صحابہ اور تابعین سے اگر اس کا ثبوت ہوتا تو وہ اس کے کرنے میں ہم سے سبقت کرتے تو خیر القرون میں عدم ثبوت صاف دلیل ہے اس بات کی کہ یہ بدعت اور ضلالۃ ہے جس کا ترک

لازم ہے۔ اگر بالفرض یہ دعا مباح بھی ہو جائے پھر بھی اس کا ترک لازم وواجب ہے۔ اس وقت جب کہ نہ مانگنے والوں کو ملامت کیا جاتا ہے۔ خصوصاً جب کہ اس دعا کو مدار ایمان ٹھہرا کر نہ مانگنے والوں کو بعض جگہ کافر ومرتد کہا جاتا ہے۔ لحديث عبدالله بن مسعود رضى الله عنه لايجعل احدكم للشيطان شيئامن صلاته يرى ان حقاً عليه ان لاينصرف الا عن يمينه لقد رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم كثيرا ينصرف عن يساره قال القارى فى المرقات ص ۱۳۱ ج ۳ فى شرح هذا الحديث من اصر على امر مندوب و جعل عزما ولم يعمل بالرخصة اصاب منه الشيطان من الاضلال فكيف من اصر على بدعة او منكر انتهى. نیز فقہاء کے مسلم اصل کے تحت کہ ہر امر مباح یا مندوب جس کو عوام سنت یا واجب کا درجہ دیدیں۔ وہ مکروہ بن جاتا ہے۔ اور اس کا ترک ضروری ہے۔ جیسا کہ صاحب درالمختار نے سجدہ شکر کی بحث میں لکھا ہے۔ لان الجهلة يعتقدونها سنة او واجبة وكل مباح يؤدى اليه فمكروه الخ ص ۵۷۷ ج ۱. تو جب کہ یہ دعا بدعۃ ہے۔ تو اس پر مصرین سراسر اضلال کو حاصل کرنے والے ہیں۔ اور فعل اس کا قریب الحرام بلکہ حرام ہونا چاہیے نیز فقہاء کرام کی عبارتیں صراحۃً ودلالۃً اس دعا کی نفی کرتی ہیں۔ چنانچہ بعض فقہاء نے محیط سے نقل کیا ہے۔ لايقوم الرجل بالدعاء بعد صلوة الجنازة اور کبیری سے منقول ہے فى السراجية اذا فرغ من الصلوة لايقوم بالدعاء اور علامہ ملا علی قاری مکی حنفی رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ کی کتاب الجنائز باب المشی بالجنازہ والصلوٰۃ علیہا میں تحت حدیث مالک بن ہبیرہ تحریر فرماتے ہیں۔ لايدعو للميت بعد صلوة الجنازة لانه يشبه الزيادة فى الصلوة ص ۱۷۰ ج ۴ یعنی صلوٰۃ الجنازۃ جو حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ اس میں نماز جنازہ کے علاوہ دعا وغیرہ ثابت نہیں۔ لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة تو دعا وغیرہ کرنا سنت پر زیادتی ہو جاوے گی۔ جو کہ بدعۃ کی صورت میں ظاہر ہوگی لہٰذا دعا نہ مانگی جاوے۔ بلکہ دعا تو نماز جنازہ ہی ہے۔ چنانچہ علامہ شامی وغیرہ ردالمحتار ص ۶۴۲ ج ۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔ فقد صرحوا عن اخرهم بان صلوة الجنازة هى الدعاء للميت اذهو المقصود منها. انتهى۔ اور بزازیہ علی ہامش عالمگیریہ ص ۹۰ ج ۴ میں ہے۔

لايقوم بالدعاء للميت بعد صلوة الجنازة لانه دعا مرة لان اكثرها دعاء الخ ۔ اور دلالۃً جملہ کتب فقہ میں اس دعا کی نفی ہے۔ درمختار على هامش ردالمحتار ص ۶۴۷ ج ۱ میں ہے والمسبوق لا يبدأ بما فاته وقال ابو يوسف يكبر حين يحضر (كما لاينتظر الحاضر) فى (حال التحريمة) بل يكبر اتفاقاً للتحريمة لانه كالمدرك ثم يكبر ان ما فاتهما بعد الفراغ

نسقاً بلا دعاء ان خشیا رفع المیت علی الاعناق الخ شامی (قوله علی الاعناق) مفهومه انه لورفعت بالایدی ولم توضع علی الاعناق انه لا یقطع التکبیر الخ وفی فتح القدیر ص ۴۶۲ ج ۱ ثم المسبوق یقضی مافاته من التکبیرات بعد سلام الامام نسقاً بغیر دعاء لانه لوقضی به ترفع الجنازة فتبطل لانها لا یجوز الا بحضورها الخ وفی البحر (مطبوعه ایچ ایم سعید کراچی ص ۱۸۵ ج ۲) ثم عندهما یقضی مافاته بغیر دعاء لا نه لو قضی الدعاء رفع المیت فیفوت له التکبیر الخ ۔ یہ عبارتیں ملاحظہ ہوں۔ معتبرات فقہ حنفیہ کی اور جملہ کتب فقہ میں مسبوق کے بارے میں اس قسم کی عبارات ہیں ان عبارات کا حاصل یہ ہے۔ کہ جو شخص تکبیر ثالث کے بعد نماز جنازہ میں شریک ہوتو امام کے سلام پھیرنے کے بعد فقط تین تکبیر فرض متصلاً قضاء کرے۔ ان کے درمیان دعا نہ پڑھے۔ اس لیے کہ اگر وہ دعائیں درمیان میں قضا کرے گا تو جنازہ لوگ اٹھالیں گے۔ اور اس کی نماز جنازہ کے اٹھانے سے ٹوٹ جائے گی۔ یعنی سنت طریقہ یہ ہے کہ نماز پورا کرنے کے بعد جنازہ فوراً اٹھایا جاتا ہے۔ تو فقط فرض پڑھے تا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ فرض بھی نہ پوری ہوسکے۔ اور جنازہ کے اٹھانے سے نماز بالکل باطل ہوجاوے۔ یہ کوئی بھی نہیں لکھتا کہ نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد امام اور قوم سنت دعا مانگیں گے۔ جنازہ تو پڑا رہے گا۔ لہٰذا مسبوق تسلی سے فرض تکبیر اور درمیان میں دعائیں ادا کرے۔

اگر دعا مروجہ کا ثبوت ہوتا تو جمیع فقہاء کرام لکھتے اس لیے کہ انھوں نے مباحات تک بیان کردیے ہیں تو ان کا نہ بیان کرنا بلکہ صراحۃ اور دلالۃ فقہاء کا نفی کرنا۔ بدعت سیئہ ہونے کی دلیل ہے۔ لہٰذا ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ دعا مانگنا قبل از دفن کہیں بھی ثابت نہیں۔ البتہ بعد دفن کے اجتماعی دعا ثابت ہے۔ وہاں بے شک مانگی جاوے۔ کہ مانگنے پر سنت کا ثواب ملے گا۔ مشکوۃ میں ہے۔ سلوا الله له التثبیت فانه الأن یسأل الحدیث جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ایک میت کے دفن کرنے کے بعد فرمایا' نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی قبر عبدالله البجا دین الحدیث وفیه لما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً یدیه صحیح ابی عوانہ اسی طرح ابوداؤد میں ہے۔ کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبره وقال استغفروا لاخیکم واسئلوا الله له بالتثبیت فانه الأن یسأل شیطان اسکو سمجھ گیا ہے کہ سنت پر چلنے میں اس امۃ کی کامیابی ہے۔ لہٰذا سنت طریقہ سے اس کو ہٹایا جائے تو گمراہ ہوگی بوجہ اس حدیث کے کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة وفی روایة کل ضلالة فی النار وہ معمولی فرق پرسنت سے ہٹا کر غیر سنت کا التزام کرا کر گمراہی میں ڈال دیتا ہے۔ لیکن ہم انسان ناسی ہیں۔ دشمن کے دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ سنت پر اس امت کو جمع کرے) واللہ تعالیٰ اعلم۔

جن جنازوں کے بعد دعاء نہیں مانگی گئی ان میتوں کے دفن کو ہندوؤں سے تشبیہ دینا بہت بری بات ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں؟

ایک شخص نے نماز جنازہ پڑھائی اور بعد نماز جنازہ دعا مانگی بعض لوگوں نے جب اس سے اس مسئلہ کے بابت پوچھا تو اس نے کہا۔ جن شخصوں کے جنازہ میں دعا نہیں مانگی گئی۔ یوں سمجھو کہ ایک ہندو یعنی کافر کو دفن کیا ہے۔ بعد ازاں قبر پر اذان کہلائی۔ کیا یہ شخص امامت اور خطابت کرسکتا ہے یا نہیں اور اس قسم کے الفاظ کہنے والا کس مسلک سے منسلک ہے۔

﴿ج﴾

نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا دفن سے پہلے چونکہ حضور ﷺ اور صحابہ و تابعین سے ثابت نہیں اس لیے فقہاء اسے ناجائز اور مکروہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری کے فقیہ امام ابوبکر بن حامد فرماتے ہیں۔ ان الدعاء بعد صلوة الجنازة مکروه (فوائد بهیہ ص ۱۵۲ ج ۱) شمس الائمہ حلوانی متوفی ۴۵۴ھ اور شیخ الاسلام علامہ سعدی متوفی ۴۶۱ فرماتے ہیں لایقوم الرجل بالدعاء بعد صلوة الجنازة (قنیه ص ۵۶ ج ۱) وفی الفتاوی السراجیہ ص ۱۴۱ ج ۱) اذا فرغ من الصلوة لایقوم داعیاله۔ ملاعلی قاری فرماتے ہیں۔ ولا یدعو للمیت بعد الجنازة لانه یشبه الزیادة فی صلوة الجنازة (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۱۷۰۔ ج ۴) ولا یقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة لانه دعا مرة لان اکثرها دعاء (بزازیہ مع ہندیہ ص ۸۰ ج ۱) کتب مذکورہ کے علاوہ خلاصۃ الفتاوی ص ۲۲۵ ج ۱ کتاب المدخل ص ۲۲ ج ۳ فتاوی برجندی ص ۱۸۰ ج ۱ فتاوی برہنہ ص ۳۶ مجموعہ خانی ص ۳۴۹ مظاہر حق شرح مشکوۃ ص ۵۷ ج ۶ نفع المفتی ص ۱۲۳ وغیرہ میں اس کی ممانعت اور کراہت منقول ہے۔ ملاحظہ ہو احسن الفتاوی ص ۱۱۷) صورت مسئولہ میں اس شخص کا قول غلط اور نہایت قبیح ہے۔ اور مسلمانوں کے مردوں کو ہندوؤں سے تشبیہ دینا انتہائی جہالت ہے۔ اس کو توبہ تائب ہوجانا چاہیے۔ اذان علی القبر کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں اس لیے بدعت ہے۔ قال فی الشامیة وفی الاقتصار علی ماذکره من الوارد اشارة الی انه لایسن الاذان عند ادخال المیت فی قبره کما هو المعتاد الان وقد صرح ابن حجر فی فتاواه بانه بدعة (شامی ص ۲۲۰ ج ۱) من البدع التی شاعت فی الهند الاذان علی القبر (درالبحار) پس اگر یہ شخص اس قسم کی بدعت کرتا ہے۔ اور مسائل دین سے جاہل ہے تو اس کو امامت سے ہٹانا چاہیے۔ اگر وہ توبہ تائب ہوجائے تو اس کی امامت درست ہے۔ فقط واللہ اعلم

دعاء بعد الجنازہ قرون مشہود لہا بالخیر میں رائج نہ تھی

(س)

۱۔ بعد نماز جنازہ کے ہاتھ اٹھا کر دعا مروجہ اجتماعیہ مانگنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

۲۔ دعا بعد جنازہ اور اسقاط مروجہ کو بدعت سیئہ کہنا جائز ہے یا نہ؟ ۳۔ رسمی ختم آگے طعام رکھ کر پڑھنا جائز ہے؟ ۴۔ ہم المفلحون کے آگے ختم پڑھنا جیسے ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین ۔ الخ ما کان محمد وغیرہ پڑھنا۔

۵۔ مندرجہ ذیل الفاظ اسقاط مروجہ بعد صلوٰۃ جنازہ کے میت کی چارپائی کے دائیں جانب بیٹھ کر مولوی صاحب وارث میت کو قرآن پکڑا کر کہلوایا جاوے جائز ہے یا نہ؟

موجب فدیہ نماز ان دے اور روزہ کے حق خدا پاک کے اوپر گردن اس میت کے تھے' بعض ادا ہوئے اور بعض ادا نہ ہوئے وغیرہ وغیرہ

(ج)

نماز جنازہ خود دعا ہے۔ اسلام نے میت کے لیے جو دعا کا یہ طریقہ تجویز کیا ہے۔ اس کے بعد دعا مانگنا ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ کہیں ثابت نہیں ہے۔ بلکہ فقہاء کرام نے اس کو منع فرمایا ہے۔ جملہ کتب فقہ میں تقریباً اس کا منع موجود ہے۔ البتہ بعد دفن کرنے پر اجتماعی دعا ثابت ہے۔ وہاں بیشک مانگ لیا کریں۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے ایک میت دفن کرنے کے بعد فرمایا۔ سلوا اللہ لہ بالتثبیت فانہ الان یسئل الحدیث مشکوۃ۔

۲۔ یہ بدعت حسنہ نہیں ہے۔ بدعت حسنہ وہ ہوتی ہے کہ جس کا منشاء زمانہ نبوت میں موجود ہو۔ وہاں بوجہ عدم ضرورت نہ کیا گیا۔ اور اب اس کی ضرورت پیدا ہوگئی ہے۔ جیسے تدوین کتب حدیث وغیرہ لیکن دعا و اسقاط وغیرہ کی ضرورت وہاں بھی ایسی تھی جیسے اب ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضور ﷺ صحابہ کے حالات میں ایسا عمل ثابت نہیں۔ اور اس کو من الدین اور ثواب سمجھنا ضرور بدعت سیئہ ہوگا۔ جس سے بچنا لازم ہے۔ ۳۔ یہ بھی بدعت ہے اس لیے کہ ثابت نہیں۔ ۴۔ یہ طریقہ بھی ثابت نہیں اس لیے بدعت ہے۔ ۵۔ یہ طریقہ بھی خیر القرون میں معمول اور سلف الصالحین سے ثابت ومنقول نہیں۔ اس لیے بدعت ہے۔ واللہ اعلم۔

نماز جنازہ کے بعد دعاء مانگنے کو ضروری سمجھنے اور نہ مانگنے والوں پر طعن کرنیوالے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ نماز جنازہ کے سلام کے بعد میت دفنانے سے پہلے امام اور مقتدیوں کو مل کر ہاتھ اٹھا کر میت کے لیے دعا مانگنا شریعت میں ثابت ہے۔ یا نہیں اور جو امام جنازہ کی نماز کے بعد میت اٹھانے سے پہلے اجتماعی دعا نہ مانگتا ہو صرف اس وجہ سے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا کیسا ہے۔ مدلل جواب دیں۔

(ج)

کتب فقہ میں لکھا ہے کہ نماز جنازہ دعا ہے۔ واسطے میت کے لہٰذا اور کوئی دعا بعد نماز جنازہ کے دفن سے پہلے مشروع نہیں۔ صحابہ وتابعین اور تبع تابعین سے یہ دعا ثابت نہیں۔ شامی میں ہے۔ فقد صرحوا عن آخرهم بان صلوة الجنازة هى الدعاء للميت الخ ص ۶۴۳ \ ج ۱ . وفى خلاصة الفتاوى لايقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة. وفى البزازيه لايقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة. وفى شرح المشكوة ولايدعو للميت بعد صلوة الجنازة لانه يشبه الزيادة فى صلوة الجنازة.

پس معلوم ہوا کہ میت کے جنازہ کے بعد اور کچھ دعا نہ کرے۔ کہ صلوۃ جنازۃ خود دعا للمیت ہے۔ لہٰذا اس مروجہ دعا کو ترک کرنا چاہیے۔ اور امامت اس کی درست ہے۔ البتہ اگر وہ دعا کو لازم اور ضروری سمجھتا ہے اور اس کو کبھی بھی ترک نہیں کرتا۔ اور دعا نہ مانگنے والوں پر طعن کرتا ہے تو اس کی امامت مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جنازہ کے بعد بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر دعا کرنے کا حکم

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ آج کل بعض لوگ نماز جنازہ کے بعد متصلاً بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر میت کے لیے دعا واستغفار کرتے ہیں۔ یہ دعا حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قولاً۔ فعلاً یا تقریراً ثابت ہے یا نہیں اگر ثابت ہے تو یہ دعا فرض ہے یا واجب یا سنت ہے۔ یا مستحب ہے۔ بینوا توجروا۔

(ج)

نماز جنازہ کے بعد دفن سے پہلے دعا مانگنا چونکہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ وتابعین سے ثابت نہیں۔ اس لیے فقہاء اسے ناجائز اور مکروہ کہتے ہیں۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں۔ ولايدعو للميت بعد الجنازة لانه يشبه

الزیادة فی صلوٰة الجنازة (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ) تیسری صدی ہجری کے فقیہ امام ابوبکر بن حامد فرماتے ہیں۔
ان الدعا بعد صلوٰة الجنازة مکروه (فوائد بهیہ ص ۱۵۲ ج ۱ کتب مذکورہ کے علاوہ خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۲۵ ج ۱ کتاب المدخل ص ۲۲ ج ۳ فتاویٰ برجندی ص ۱۸۰ مجموعہ خانی ص ۳۴۹ مظاہر حق شرح مشکوٰۃ ص ۵۷ ج ۶ وغیرہ میں بھی اس کی ممانعت وکراہت منقول ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دعاء بعد الجنازہ کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

ماتقولون فی الدعا بعد صلوٰة الجنازة متصلاً بالسلام مع الامام والقوم یقرؤن الفاتحة مرة وسورة الاخلاص ثلاثاً ویعد هذا العمل من المستحبات حتی اذا ترک هذا الدعاء فیعاتب التارک عتا باشدیدا. الا ان زیدا یقول ان هذه الدعاء بهذه الکیفیة بدعة قبیحة لا اصل لها فی القرون الاولیٰ واما عمرو فیقول لاقباحة فی هذه الدعاء لان نفس الدعاء ثابت بالکتاب والسنة. فبینوا وتوجروا.

﴿ج﴾

زید کا قول درست ہے۔ خیر القرون میں اس دعا کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ فقہاء حنفیہ اس دعا کو مکروہ تحریمی لکھتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

دعاء بعد الجنازہ کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں (۱) کہ دعا بعد از جنازہ شرعاً ثابت ہے یا نہیں۔ آیا خلفاء راشدینؓ کے عہد مبارک میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ یا نہیں (۲) کھانا سامنے رکھ کر ختم پڑھنا درست ہے یا نہیں (۳) گیارہویں شریف حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی یہاں کے لوگ ہر ماہ کی گیارہویں رات کو سالم دودھ شیخ صاحب کی نیاز کر کے بانٹ لینا۔ جز وایمان سمجھتے ہیں اور دودھ نہ بانٹنے والوں کو لعن طعن کرتے ہیں کیا یہ صحیح ہے۔ (۴) اذان بعد دفن میت کے گورستان میں قبر پر کھڑے ہو کر اذان دینا یہاں کے عوام وخواص مسنون سمجھتے ہیں کیا یہ صحیح ہے۔

﴿ج﴾

دعاء بعد نماز جنازہ نہ حضور ﷺ سے منقول ہے اور نہ خیر القرون میں معمول۔ اس لیے بدعت سیئہ ہے۔ جس کا ترک کرنا لازم ہے۔ فقہاء نے بھی اسے ممنوع لکھا ہے (۲) بدعت ہے۔ ترک کر دینا لازم ہے۔ یہ طریقہ جائز نہیں اگر نذر ہے۔ تب بھی جائز نہیں اور اگر بلا نذر حضرت پیران پیر صاحبؒ کو متصرف فی الامور سمجھتا ہے اور نفع وضرر کا مالک سمجھتا ہے۔ تب بھی جائز نہیں اور اگر یہ عقیدہ نہ ہو۔ تو تعین دن کے ساتھ بدعت ہے۔ بلا تعین جائز ہے (۴) اذان بعد دفن بدعت سیئہ ہے۔ ترک کرنا لازم ہے۔ شامی ج ۱ صفحہ ۲۶۱ پر اس کو بدعت لکھا ہے۔ واللہ اعلم

قبرستان کی نا قابل استعمال زمین بیچ کر قبرستان ہی کے لیے متبادل جگہ خریدنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک قبرستان جو کہ آبادی میں گھر چکا ہے۔ جس کی حفاظت کی کوئی صورت نہیں اس کا تھوڑا سا رقبہ تقریباً کنال کے قریب باقی ہے۔ جہاں پر کوئی قبر وغیرہ نہیں ہے۔ اور سیم زدہ ہے۔ اور گڑھے وغیرہ ہیں۔ لوگ وہاں پر پائخانہ پیشاب کرتے ہیں۔ اور جہاں پر قبریں ہیں وہ بھی سیم کی وجہ سے بیٹھتی جارہی ہیں اور بازار کے بالکل متصل ہے۔ باقی ماندہ رقبے کو فروخت کر کے اس کے متبادل پانچ ایکڑ رقبہ ملتا ہے۔ وہ لیا جا سکتا ہے۔ یا نہیں اور اس کی باقی رقم سے اس کی چار دیواری بھی بنائی جا سکتی ہے۔ اور واقف نے استبدال وغیرہ کی کوئی شرط وغیرہ نہیں لگائی اور اہل محلہ بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اس رقبہ کو فروخت کر کے متبادل رقبہ خریدا جائے۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

مقامی طور پر معتمد علیہ علماء اور قبرستان کی انتظامی کمیٹی پوری تحقیق کرے۔ اگر واقعۃً یہ جگہ کسی بھی صورت میں قبروں کے لیے استعمال میں نہیں لائی جا سکتی۔ اور لوگوں نے یہاں مردے دفن کرنا چھوڑ دیے ہیں۔ اور لوگ اس کا ناجائز استعمال کرتے ہیں یا کسی کے قبضہ کرنے کا خطرہ ہے۔ تو ایسی صورت میں ضائع ہو جانے سے بچانے کے لیے اس کو فروخت کر کے اس کی رقم سے قبرستان کے لیے مناسب زمین خریدنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

نماز جنازہ کے فوراً بعد اور دفن کے بعد دعاء کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارہ میں کہ میت کو دفن کر کے بعدہ اس

کی قبر پر کھڑا ہو کر یا بیٹھ کر بارفع یدین دعا مانگنا از روئے حدیث وفقہ ثابت ہے یا نہیں۔ (۲) صلوٰۃ جنازہ کے بعد دعا مانگنا صحیح ہے یا نہیں (۳) قبر پر اذان جو دی جاتی ہے۔ کیا از روئے شریعت جائز ہے یا نہ۔ نوٹ ہر سوال کا جواب کتب معتبرہ فقہ حنفیہ سے دیکر مشکور فرمائیں۔ سائل غلام صدیق ڈیروی

﴿ج﴾

نماز جنازہ کے بعد دفن سے پہلے مروجہ دعا جو اکثر دیار میں علی الالتزام مانگی جاتی ہے۔ سخت بدعت ہے۔ جس کا ثبوت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے بالکل نہیں ملتا۔ نہ فقہاء کرام نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ بلکہ فقہاء نے برعکس عبارات لکھی ہیں۔ جو چیز حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ ہو اور نہ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں ہو اس کو بدعت کہا جاتا ہے اور بدعت کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔ کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار نیز دوسری حدیث میں ہے۔ من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد. درمختار ج اول ص ۶۴۷ میں ہے. ثم یکبران مافاتهما بعد الفراغ نسقا بلا دعاء ان خشیا رفع المیت علی الاعناق نیز قاضی خان بہامش العالمگیریہ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ ص ۱۹۲ جلد اول ص ۷۶ میں مسبوق کے متعلق لکھا ہے. ثم یکبر ثلاثا قبل ان یرفع الجنازة متتابعاً لا دعاء فیها. جس کا حاصل یہ ہے کہ مسبوق سے جتنی تکبیریں رہ گئی ہیں۔ اس کو پے در پے ادا کرے۔ حتیٰ کہ ان کے درمیان میں جو دعا ہے۔ وہ بھی نہ پڑھے کیونکہ اگر وہ دعا پڑھنے لگ جائے گا۔ اتنے میں میت اس کے سامنے سے اٹھالی جاوے گی۔ تو اس کی نماز باطل ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ جیسا کہ البحر الرائق مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی ج ۲ ص ۱۸۵ میں تصریح فرمائی ہے ثم عندهما یقضی مافاته بغیر دعاء لانه لوقضی الدعاء رفع المیت فیفوت له التکبیر. ان عبارات سے صاف معلوم ہوا کہ نماز کے بعد میت اٹھانی چاہیے۔ نہ یہ کہ وہ کافی دیر پڑی رہے اور عوام دعا مانگتے جائیں۔ البتہ دفنانے کے بعد دعا ثابت ہے اور وہ بالکل جائز ہے۔ جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے۔ کہ اپنے بھائی میت کے لیے دعا مانگو۔ فانه الان یسئل اور ظاہر بات ہے میت سے سوال دفن کے بعد ہوتا ہے نہ کہ قبل۔ نیز جس حدیث میں آتا ہے۔ اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء تو اس سے مراد دعاء اثناء صلوٰۃ ہے. جیسا کہ ابن ماجہ نے اس پر باب باندھا ہے۔ ''اذا'' کے جواب میں جب فا آ جائے تو اس سے ہمیشہ کے لیے تعقیب نہیں لی جاتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا واذا رکع فارکعوا واذا قرأ فانصتوا یا یہ مقولہ اذا کانت الشمس طالعة فالنهار موجود کیا نہار

کے بعد میں ہونا ہے۔ نیز بعض فقہاء نے تصریح کی ہے۔ کہ بعد از جنازہ دعا اس لیے بدعت ہے۔ کہ نماز جنازہ خود دعا ہے۔ جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ۲۔ وقت دفن میت پر اذان کہنا بدعت ہے۔ سلف سے منقول نہیں ہے۔ شامی میں ہے۔ انه لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبره الی ان قال وقد صرح ابن حجر فی الفتاوہ بانه بدعة . الخ ص ۶۲۰ / ج ۱

نماز جنازہ میں اگر مقتدی دعاء وغیرہ نہ پڑھے

﴿س﴾

ا۔ نماز جنازہ میں مقتدیوں کو جو کچھ کہ امام سبحان و درود شریف آخری دعا پڑھتا ہے وہی پڑھنا چاہیے یا کہ صرف سبحان (۲) نماز جنازہ میں مقتدیوں کو اگر درود شریف اور اس کے بعد کی دعا یاد ہو پڑھ سکتے ہیں یا ان کو پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ (۳) اسی میں دیدہ دانستہ اگر مقتدی درود شریف یا آخری دعا پڑھنے کے لیے یاد نہ کریں تو ان کے نہ پڑھنے کی صورت میں ان کی نماز ہو سکتی ہے یا نہیں۔ (۴) نماز پنجگانہ کے بعد امام صاحب اگر عربی یا فارسی وغیرہ زبان میں بحیثیت واحد متکلم دعا طلب کرے تو یہ دعا صرف اس کی طرف سے ہوگی یا آمین کہنے والے کی طرف سے بھی ہوگی۔

﴿ج﴾

سبحان اور درود شریف بالاتفاق سنت ہیں۔ جن کو اگر ترک کیا جاوے تب بھی نماز جنازہ صحیح لیکن مکروہ ہوگی اور دعا میں اختلاف ہے بعض اس کو واجب کہتے ہیں بعض رکن کہتے ہیں۔

اگر رکن ہے تو اس کے ترک سے نماز نہ ہوگی۔ شامی نے بعد تحقیق کے اس کو واجب قرار دیا ہے۔ لہٰذا اگر امام اس کو ترک کردے تو اعادہ ہونا چاہیے اور اگر مقتدی ترک کردے تو نفس نماز مقتدی کی ہو جائے گی البتہ گنہگار ہوگا۔

۲۔ نماز پنجگانہ میں امام کے لیے دعا میں مقتدیوں کو شامل کرنا بہت ضروری ہے، حدیث میں اس کی سخت تاکید وارد ہے۔ لیکن اس کے باوجود چونکہ احادیث میں خود نبی کریم ﷺ سے صیغہ واحد متکلم سے بہت سی دعوات منقول ہیں اس لیے یہ بھی جائز ہے۔ اور مقتدی آمین کہنے کی وجہ سے شامل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

کیا مسجد کی توسیع کے لیے قبرستان کی جگہ شامل کرنا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں ایک مسجد کے کنارے ایک مسلمان کی قبر موجود ہے۔اور مسجد کے تنگ ہونے کی وجہ سے مسجد کو فراخ کرنے کی ضرورت درپیش ہے۔تو مسجد کو وسیع کرنے کے لیے اس قبر کو مسمار کر کے زمین کے ساتھ ملا دینا جائز ہے یا کہ اس قبر کو برقرار رکھا جائے اور اس کے اردگرد چار دیواری قائم کر دی جائے۔

﴿ج﴾

اگر قبر والی زمین قبرستان کے لیے وقف ہے تو پھر اس کو سوائے مردوں کے دفنانے کے دوسری غرض کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔اور نہ اسے مسجد میں شامل کرنا جائز ہے۔اور اگر یہ زمین کسی کی مملوک ہے وقف نہیں ہے تو مالک کی مرضی سے یا ویسے ارض موات ہے۔کسی کی مملوک نہیں ہے۔تو اگر گمان غالب ہو کہ میت مدفون مٹی بن گیا ہوگا۔تو قبر کو مسمار کر کے مسجد کی سطح کے ساتھ برابر کر کے مسجد میں شامل کرنا جائز ہے۔ورنہ نہیں تا کہ اس کے اوپر چلنے پھرنے سے اس کی بے حرمتی نہ ہو۔ہاں اردگرد چار دیواری دے کر مسجد میں شامل کر سکیں گے۔قال فی ردالمحتار ص ۲۵۹ (كتاب الجنائز) وقال الزيلعي ولو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه ا ه قال في الامداد ويخالفه مافي التاترخانية اذا صار الميت تراباً في القبر يكره دفن غيره في قبره لان الحرمة باقية وان جمعوا عظامه في ناحية ثم دفن غيره فيه تبركا بالجيران الصالحين ويوجد موضع فارغ يكره ذلك ا ه قلت لكن في هذا مشقة عظيمة فالاولى اناطة الجواز بالبلا اذ لايمكن ان يعد لكل ميت قبر لايدفن فيه غيره وان صار الاول ترابا لاسيما في الامصار الكبيرة الجامعة والالزم ان تعم القبور السهل والوعر على ان المنع من الحفر الى ان لايبقى عظم عسر جداً وان امكن ذلك لبعض الناس لكن الكلام في جعله حكما عاما لكل احد فتأمل.

وقال في الدرالمختار على هامش ردالمحتار ص ۲۲۲ ج ۱ (الا) لحق آدمی ک(ان تكون الارض مغصوبة اواخذت بشفعة) ويخير المالك بين اخراجه ومساواته بالارض كما جاز زرعه والبناء عليه اذا بلى وصار تراباً زيلعي . فقط والله تعالى اعلم.

کیا قبرستان کو گزرگاہ بنانا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک بوسیدہ گھر قبرستان تھا کہ جہاں اب قبروں کے نشانات نہیں ہیں۔ادھر سے آنا جانا اور عام گزرگاہ بنانا جائز ہے۔یا نہیں اور اب بعض لوگوں نے شارع عام بنایا ہوا ہے۔کیا یہ جائز ہے سائل حاجی واحد بخش صاحب

﴿ج﴾

اس کی تحقیق کی جائے کہ یہ بوسیدہ گورستان وقف ہے یا مملوک ہے۔یا ارض موات وغیرہ مملوک وغیر موقوف ہے۔اگر وقف ہے تو اسے مردوں کے دفنانے کے علاوہ دوسری غرض میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ہاں اگر قبریں اتنی پرانی ہیں۔کہ مردے مٹی بن گئے ہوں تو پھر اس پر سے آنا جانا جائز ہے۔اگر چہ اسے مستقل شارع عام بنانا اور یہاں پر مردوں کو دفنانے نہ دینا پھر بھی ناجائز ہے اور اگر یہ زمین کسی کی مملوک ہے۔وقف نہیں ہے۔تو اگر مردے مٹی بن گئے ہوں تو مالک کی رضامندی سے اسے ہر غرض میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔عام گزرگاہ بنانا بھی جائز ہے۔اور اگر نہ وقف ہے اور نہ مملوک ہے۔تو مردوں کے مٹی بن جانے کی صورت میں اسے عام گزرگاہ میں تبدیل کرنا جائز ہے۔

قال في الدرالمختار على هامش ردالمحتار ص ۲۲۲ ج ۱ الالحق آدمی ک (ان تكون الارض مغصوبة او اخذت بشفعة ويخير المالك بين اخراجه ومساواته بالارض كما جاز زرعه والبناء عليه اذابلى وصار تراباً. زيلعي. فقط واللہ تعالیٰ اعلم

قبرستان کی زمین پر ذاتی رہائش کے لیے مکان بنانا جائز نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ ایک جگہ اراضی قبرستان کے لیے وقف ہو چکی ہے۔جس میں کثیر التعداد میں قبور موجود ہیں۔بعض لوگ قبور کو گرا کر بھی اس جگہ مکان تعمیر کر لیتے ہیں۔کیا یہ جائز ہے یا ناجائز۔

﴿ج﴾

جملہ کتب معتبرہ میں وضاحت ہے۔کہ شرط واقف اور جہت وقف کے خلاف کرنا جائز نہیں۔شـــرط

الواقف کنص الشارع صورت مسئولہ میں اگر یہ اراضی قبرستان کے لیے وقف ہے۔ اور لوگوں نے اس میں اموات دفن کرنا ترک نہیں کیا۔ تو قبرستان کے لیے وقف شدہ زمین پر ذاتی رہائش کے لیے مکانات تعمیر کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبر کو جانوروں سے محفوظ رکھنے کے لیے قبر سے ہٹ کر چھوٹی سی دیوار بنادینے میں مضائقہ نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ حضرت مولانا سید نیاز احمد شاہ صاحب گیلانی جامع مسجد کے خطیب و مدرسہ کے مہتمم و بانی تھے۔ اور جیسا کہ بزرگان دین و عام حضرات کو معلوم ہے۔ کہ حضرت مولانا مرحوم ۱۷ رمئی ۱۹۷۷ء کو دار فانی سے دار البقا کی طرف سفر فرما گئے ان کے فرمان کے مطابق ان کا مدفن جامع مسجد اہل سنت والجماعت کے صحن میں کچھ جگہ چھوڑ کر بنایا گیا ہے۔ مدفن کے تین اطراف میں قدیم عمارات کی دیواریں ہیں۔ اور اس طرف کھلی جگہ ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی غسل خانوں اور مدرسہ کے کمروں میں جانے کا راستہ اس کھلی جگہ میں ایک دیوار تین چار فٹ اونچی بطور پردہ تعمیر کر دی گئی ہے۔ اور اس میں دو تین سیمنٹ کی جالیاں بھی نصب کر دی گئی ہیں۔ یہ اس لیے کہ رات کو کوئی کتا یا بلی مدفن پر گندگی نہ پھیلائے۔ انتظام کیا گیا اور ایک کتبہ تاریخ وفات بھی نصب کرنے کا ارادہ ہے۔

اب اس تعمیر میں اختلاف پڑ رہا ہے۔ صحیح حکم شرعی سے مطلع فرما دیں تاکہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ یعنی اگر صحیح حکم کے مطابق یہ پردہ گرانے کے قابل ہی ہے تو اس میں بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔

﴿ج﴾

اس پردہ کو گرانا ضروری نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

قبر پر احاطہ بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک بزرگ جن کی تمام زندگی راہ مستقیم پر چلتے اور باطل کے خلاف جہاد کرتے ہوئے گزری ہو۔ ہزاروں انسان ان کی تبلیغ سے ہدایت پاکر راہ مستقیم پا گئے ہوں۔ ان کی وفات پر ان کی قبر کے اردگرد نشان باقی رکھنے کی نیت سے پختہ یا خام اینٹوں سے احاطہ بنا کر اس پر ان کا نام اور زندگی کا مختصر سا تعارف لکھنا کیسا ہے۔ رہنمائی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم: فی تیسیر الاصول عن جابر رضی اللہ عنہ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ وان یوطاء اخرجہ الخمسۃ الاالبخاری وفیہ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ رای فسطاطاً علی قبر عبدالرحمن فقال یا غلام انزعہ فانما یظلہ عملہ اخرجہ البخاری' وفی ردالمحتار ص ۶۶۲ ج ۱ واما البناء علیہ فلم ارمن اختار جوازہ' الی قولہ وعن ابی حنیفۃ (رحمہ اللہ) یکرہ ان یبنی علیہ بناء من بیت اوقبۃ او نحو ذلک لماروی جابرؓ وذکر الحدیث المذکور انفاً اھ ان روایات حدیثیہ وفقہیہ اور خود صاحب مذہب کی تصریح سے قبر کے گرد چار دیواری اور تعمیر کی کراہت وممانعت ثابت ہوگئی۔ بالخصوص اس پرفتن زمانہ اور بدعت وخرافات کے زمانہ میں اس قسم کے اسباب ضلالت سے احتراز نہایت ضروری ہے۔ البتہ قبر پر بقدر ضرورت نام وغیرہ لکھنا تاکہ شناخت ہو سکے اور نشان باقی رہے جائز ہے۔ کما فی ردالمحتار ص ۶۶۲ ج ۱ تحت قولہ (لابأس بالکتابۃ الخ) لان النھی عنھا وان صح فقد وجد الاجماع العملی بھا (الی ان قال) نعم یظھر ان محل ھذا لاجماع العملی علی الرخصۃ فیھا ما اذا کانت الحاجۃ داعیۃ الیہ فی الجملۃ کما اشار الیہ فی المحیط بقولہ وان احتیج الی الکتابۃ حتی لایذھب الاثر ولا یمتھن فلا بأس بہ فاما الکتابۃ بغیر عذر فلا.
اھ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبرستان کی زمین میں جنازہ گاہ بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ شہر مظفرگڑھ سے رونده ملتان شریف سڑک جو نیلی کنارہ شمال خانقاہ قبرستان سید روشن شاہ بخاری واقع ہے۔ شہر مظفرگڑھ وبستی کے درمیان قبرستان مذکور ہے۔ تقریباً ۱۶ بگہ اراضی اقوام چھجڑا خاندان کے بزرگان نے دی ہوئی ہے۔ اس کے قبرستان و جنازہ گاہ کے لیے خالی رقبہ میں حدود قبرستان کے اندر شمالی طرف جنازہ ونماز بوقت ضرورت ادا کی جاتی تھی۔ میرے چچا صاحب مرحوم ملک کریم بخش صاحب نے قبرستان مذکور کے سامنے سڑک کے جنوبی کنارہ پر مسجد بنوائی اور چشمہ پانی کا لگوایا۔ ایک وقت میرے دل میں شوق پیدا ہوا کہ جنازہ گاہ کسی ایک کی نہیں میں نے مناسب موقع پر مقرر کردہ تعمیر کے چاروں

طرف دیوار دے کر ایک دروازہ لگا دیا جائے جو صرف نماز جنازہ ونماز و دینی امور سرانجام دینے کے لیے ہوگی۔
اس جنازہ گاہ کے لیے قبرستان مذکور کی جنوبی طرف سڑک جرنیلی کے شمالی کنارہ کے ملحق بہت بڑے کھڈے گہرے تھے۔ وہاں لوگ قبروں کی لپائی کے واسطے گارہ بنایا کرتے تھے۔ بمشورہ عوام یہ جگہ برائے جنازہ گاہ منتخب ہوئی۔
اس جگہ کھڈوں میں مٹی ڈالوائی گئی۔ تقریباً ۲۰۰ روپیہ کی مٹی ڈلوائی اور جنازہ گاہ کی تعمیر کرنی شروع کی مغربی دیوار میں محراب رکھوایا گیا۔ اور شمالی دیوار اور جنوبی دیوار دے رہے تھے کہ مخالفوں نے بذریعہ پولیس تھانہ صدر مظفر گڑھ جنازہ گاہ تعمیر کرنے سے رکوایا۔ اور الزام لگایا کہ یہ قبضہ کر کے اپنے مکانات تعمیر کرے گا۔ نیز رقبہ قبرستان خالی جگہ پر جنازہ پڑھنا شرعاً منع ہے۔ میں نے کام روک دیا وہاں اسی روز چند جنازے پڑھے جا چکے ہیں۔ اہل اسلام بھائیوں نے مجھے کہا ہے کہ جنازہ گاہ مکمل کی جاوے۔ اس جگہ کم از کم ۵۰۰ روپیہ کی مٹی اور ڈلوانی پڑے گی۔ تب کھڈے سڑک کے برابر ہوں گے۔ اور کم از کم تعمیر پر بھی تقریباً مبلغ چار ہزار روپیہ خرچہ آئے گا۔ تب ان شاء اللہ میری دلی منشا پوری ہوگی۔ اب آپ فرمادیں کہ کیا خالی رقبہ جہاں کہ قبریں نہ ہوں۔ اور میری عمر ستر سال کی ہے۔ جہاں جنازہ گاہ مقرر کی ہے۔ کوئی قبر نہیں دیکھی' کھڈے تھے بھرائی ڈلوانا اور موقع برائے ملاحظہ موجود ہے۔
جہاں اب پھر مٹی ڈلوائی جائے گی کیا بوجوہات بالا جنازہ گاہ بنانا جائز ہے۔
اگر کوئی شخص قبرستان کے رقبہ میں اپنا مکان رہائش بنائے تو شرعاً جرم ہے' خالی رقبہ بالکل صاف ملکیۃ قبرستان دو وگہ شاملی پڑا ہے۔ جہاں اب تک کوئی نہیں۔

﴿ج﴾

۱۔ صورت مسئولہ میں نیز بتقدیر صحت واقعہ جنازہ گاہ قبرستان کے مصالح میں سے ہے۔ اس لیے اس جگہ پر تعمیر جنازہ گاہ درست ہے۔

۲۔ وقف قبرستان پر رہائشی مکان بنانا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

جنازہ گاہ پر تعلیم کے لیے کمرے تعمیر کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک زمانہ قدیم سے جنازہ گاہ ہے ڈیڑھ فٹ چار دیواری قائم ہے۔ مسجد نہیں کیا اس جنازہ گاہ کو تعلیمی کمرہ میں تبدیل کر کے جنازہ گاہ پاس کے سفید ٹکڑے پر تعمیر کی جاسکتی ہے۔

ایک ایسی درسگاہ ہے جس میں محکمہ تعلیم کا جماعت اول تا دہم کا مروجہ نصاب پڑھایا جاتا ہے مگر ساتھ ہی ان طلباء کو بالخصوص قرآن وسنت کی تعلیم بھی دی جاتی ہے ان کی تعلیم کے لیے خاص اساتذہ فارغ التحصیل متعین ہیں کیا اس درسگاہ کے صرف نادار وغریب طلبا جن کے والدین زکوٰۃ صدقات کے مستحق ہیں کے لیے درسگاہ کی انتظامیہ زکوٰۃ وصدقات کی وصولی کر کے ان طلباء یعنی مستحق طلبا کو ماہانہ تعلیمی ضروریات کے لیے وظیفہ زکوٰۃ فنڈ سے دے تو کیا یہ درست ہے جب کہ زکوٰۃ فنڈ کے روپے پیسہ کا حساب بالکل الگ تھلگ کیا جاتا ہوا اور الگ رکھا جاتا ہو۔

﴿ج﴾

(۱) اگر جنازہ گاہ وقف ہے تو اس کو تعلیمی کمرہ میں تبدیل کرنا جائز نہیں اس لیے کہ جہت وقف کا بدلنا صحیح نہیں۔ لان شرط الواقف کنص الشارع۔

(۲) واضح رہے کہ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ میں تملیک یعنی مالک بنانا فقراء ومساکین وغیرہما جو آیت انما الصدقات للفقراء والمساکین الایۃ میں مذکور ہیں شرط ہے۔ للفقراء کے لام سے یہ مطلب مفہوم ہوتا ہے کیونکہ یہ لام تملیک کا ہے اور فقہاء حنفیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ زکوٰۃ میں مالک بنانا محتاج کا شرط ہے۔ پس اگر یہ طلبہ زکوٰۃ کے مستحق ہوں۔ یعنی مالدار یا ہاشمی خاندان سے نہ ہوں تو ان کو زکوٰۃ کی رقم سے وظائف دیے جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ یہ وظائف طلبہ کی ملک بھی کر دیے جائیں۔ اگر طلبہ کے ملک کرنے سے پہلے یہ وظائف کسی فیس وغیرہ میں وضع کیے گئے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبرستان کی زمین پر مکان بنانے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ (۱) کہ جب کوئی قطعہ زمین قبرستان یا مسجد کے لیے وقف ہو جائے جو قریباً ایک صدی سے سرکاری کاغذات میں بھی قبرستان ظاہر کیا جا رہا ہے۔ کیا کوئی شخص اس قطعہ وقف کے کسی حصہ پر اپنا مسکنی مکان بنا لے۔ اور جب حکومت کا بااختیار محکمہ اس جگہ کے ناجائز ساکن کو نکالنا چاہے تو وہ قبضہ مخالفانہ کا کاغذ پیش کرے۔ تو از روئے شریعت اس پر کیا فیصلہ ہے۔ کیا کوئی وقف زمین خرید و فروخت کی جاسکتی ہے۔

(۲) اگر کسی جگہ کوئی قطعہ زمین شاملات میں دی ہے۔ مگر قبرستان کے لیے وقف ہے۔ پس کیا وہ واقف یا اس کا کوئی رشتہ دار اس قطعہ کو وقف قبرستان کرنے کے بعد اس قطعہ کے کسی حصہ کو قبر کے علاوہ کسی نجی مصرف میں لاسکتا ہے۔

(۳) جن لوگوں نے جان بوجھ کر وقف قبرستان کی زمین پر عالیشان پختہ بلڈنگ بنائی ہے۔ کیا ان کے قبضہ کو نہ ہٹانے کے واسطے یہ دلیل قابل قبول ہوسکتی ہے۔ کہ ناجائز قبضے ہٹانے میں ایسے شخص کا بڑا بھاری مالی نقصان ہوگا۔

(۴) کیا بلدیہ کے افسران جن کی تحویل میں قبرستان ہو مقبوضہ اہل اسلام کو بطور امانت حق پہنچتا ہے کہ قبرستان کے ہمسایہ کو قبرستان کی زمین میں مالکانہ تصرف یا نجی استعمال کی اجازت دے دے۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (۱۔۲۔۳) واضح رہے کہ جو زمین مملوکہ ہو اور اس کو اس کا مالک با قاعدہ طور پر قبرستان یا مسجد کے لیے وقف کر دے۔ تب وہ زمین اس کے مالک سے نکل جاتی ہے۔ اور جس غرض کے لیے اس نے وقف کی ہے اسی مقصد کے لیے استعمال میں لائی جائیگی۔ اس کو کسی دوسرے مقصد میں استعمال کرنا یا اس کو فروخت کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ کما قال فی الکنز ص ۲۲۵ والملک یزول بالقضاء لا الی مالک وقال بعد اسطر ولا لملک ولا یقسم ۔۔ اور فقہاء کا مشہور اور مسلم مقولہ ہے. شرط الواقف کنص الشارع. وفی العالمگیریة ص ۴۵۳ ج ۲ (کتاب الوقف) وسئل هو ایضا عن المعتبرة فی القری اذاا ندر ست وطه یبق فیها اثر الموتی لا العظم ولا غیره هل یجوز لمها واستفلا لها قال لا ولها حکم المقبرة کذا فی المحیط وقال مصححه (۱) قوله قال لاهذا لدینا فی ماقاله الزیلعی فی باب الجنائز من المیت اذا بلی وصار تراباً جاز زرعه والبناء علیه ۱ ه لان المانع هناکون لمحل موقوف علی الادفن فلا یجوز استعماله فی غیره فیتا مل ولیحرز ۱ ه

اور جو زمین ملکیت نہ ہو بلکہ شاملات میں سے ہو۔ وہ چونکہ کسی کی مملوک نہیں ہوتی اس لیے اگر کوئی زمین دے جس کو لوگ قبرستان کے طور پر استعمال کرتے ہوں۔ وقف نہ ہو۔ تو ایسی زمین قبروں کے دفنانے کے لیے خاص نہیں بن جاتی بلکہ دوسرے مقاصد میں بھی استعمال کرنا جائز ہے۔ کما قال فی الدر المختار علی هامش ردالمحتار ص ۶۶۲ ج ۱ ویخیر المالک بین اخراجه ومساواته بالارض کما جاز زرعه والبناء علیه اذا بلی وصار تر ابا صورت مسئولہ میں اگر وقف قبرستان پر کوئی بلڈنگ تیار کی گئی ہو۔ تب تو اس کو گرایا جائے گا۔ اگر چہ مالک مکان کو نقصان بھی پہنچے اور اگر وقف قبرستان نہیں ہے۔ غیر مملوک شاملات قبرستان ہے۔ تب ضروری نہیں ہے۔ کہ گرایا جائے۔ کیونکہ اس کو دوسرے مقاصد میں شرعاً استعمال کیا جاسکتا

ہے۔ (۴) افسران بلدیہ وقف قبرستان میں اجازت نہیں دے سکتے اور غیر وقف قبرستان میں اجازت دے سکتے ہیں۔ جس کی تفصیل اوپر گزر گئی۔ فقط واللہ اعلم۔

مسجد کی توسیع کے لیے قبر ہموار کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد میں پرانی قبر موجود ہے۔ اگر اس کو مسجد کی توسیع کی خاطر ہموار کر کے مسجد میں شامل کر دیا جائے اور لوگ اس پر نماز پڑھیں تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

مشرق کی طرف قبر کے متصل دیوار کھڑی کی جائے تاکہ نماز پڑھنے والے کے روبرو قبر نہ ہو۔ مسمار کرنا درست نہیں ہے۔ اس طرح قبر کے سرہانے اور پائنتے کی طرف بھی دیوار بنائی جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

قبرستان کے درخت مدرسہ میں استعمال کرنے کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک قبرستان ہے جس کے اندر درخت ہیں بے شمار ان کو کاٹ کر مدرسہ عربیہ کے کام میں لا سکتے ہیں یا نہیں۔

﴿ج﴾

یہ درخت چونکہ قبرستان کے لیے وقف ہے اور وقف کا کسی اور جگہ خرچ کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اس لیے ان درختوں کو کاٹ کر مدرسہ عربیہ کی عمارت میں لگانا درست نہیں۔ بلکہ ان کو قبرستان کی ضروریات پر صرف کریں۔ مثلاً قبرستان کے لیے مزید زمین اس سے خرید لیں۔ یا قبرستان کی اینٹوں وغیرہ کا انتظام اس رقم سے کر لیں۔ وغیر ذلک۔ فقط واللہ اعلم۔

اس جگہ کا حکم کہ جس میں کسی زمانہ میں قبریں تھیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک خالی جگہ پر ہمارے بڑے بتاتے ہیں کہ کچھ قبریں تھیں۔ لیکن عرصہ قریباً ۲۰ سال سے یہاں پر قبریں نہیں ہیں۔ تو کیا یہ جگہ قبرستان کے حکم میں ہے یا نہیں۔ یہ جگہ جو ہے نہ کسی خاص آدمی کی مملوک ہے اور نہ ہی قبرستان وقف ہے۔ بنجر اور غیر آباد زمین ہے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ جب یہ بات یقینی ہے کہ یہ زمین قبرستان پر وقف نہیں ہے۔اور نہ ہی اس میں اس وقت کسی قبر کا نشان موجود ہے۔تو اس کو قبرستان کے حکم میں شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔اس زمین کا حکم بھی دیگر سرکاری زمینوں کا ہے۔حکومت کی اجازت سے اس زمین کو اہل اسلام ہر ضرورت میں استعمال کر سکتے ہیں۔ **هكذا في عامة كتب الفقه.** فتاویٰ دار العلوم ص ۷۸۲ ج ۲۔فقط واللہ اعلم

قبرستان کی جگہ مسجد کے صحن میں شامل کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ بستی مونڈیاں والی سے ملحق قبرستان واقع ہے۔قبرستان کا رقبہ ایک شخص نے کافی عرصہ سے وقف کیا ہوا ہے۔بستی کے جانب شمال تھوڑا سا رقبہ ایک شخص نذیر خان پٹھان نے برائے مسجد وقف کیا ہے۔جس پر ایک کوٹھہ برائے مسجد تیار کیا گیا ہے۔کوٹھہ کے آگے صرف چند فٹ جگہ بقایا رہتی ہے۔جو کہ مسجد کے لیے صحن بنایا گیا ہے۔چونکہ مسجد کے صحن کی جگہ بہت تنگ تھی اور مسجد کے صحن کے لیے کچھ رقبہ درکار تھا۔چنانچہ مولوی صاحب نے قبرستان کے رقبہ کا کچھ حصہ ملا کر صحن مسجد بنا دیا ہے۔اور اس کے گرد چار دیواری بنا دی ہے۔اہل محلہ نے اس پر اعتراض کیا۔کہ اس صحن مسجد میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔جناب اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں کہ آیا اس جگہ پر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

وفي الشامية ص ۲۶۴ ج ۳ على انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة. وفي الدر ۴۵۲ ج ۳ شرط الواقف كنص الشارع. عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اس جگہ میں جب کہ میت دفن کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔تو واقف کی غرض کے مطابق اس کو قبرستان کے لیے استعمال کرنا ضروری ہے۔مسجد کو اس جگہ میں بڑھانا جائز نہیں ہے۔فقط واللہ اعلم

مسجد کی توسیع کے لیے قبروں کی جگہ کے استعمال کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے محلہ کی مسجد کے ساتھ بیرون مسجد چند قبریں ملحقہ ہیں۔جن

کے متعلقین کی یہ قبریں ہیں ان کا مکان بھی مسجد کے ساتھ ہے اور قبریں بہت پرانی ہیں۔لیکن قبروں کے نشان باقی ہیں۔قبروں کی زمین وارثان اہل قبور کی ملکیت ہے۔وقف عام نہیں ہے۔نیز پاکستان بننے کے بعد کسی میت کو وہاں دفن نہیں کیا گیا۔مسجد چونکہ تنگ ہے اس لیے اہل محلہ کا ارادہ ہے کہ باجازت وارثان اہل قبور ان قبروں کے نشانات کو مٹا کر اس جگہ کو مسجد میں شامل کیا جائے۔کیا شرعی نقطہ نگاہ سے باجازت وارثان اہل قبور ان قبروں کو مٹا کر اس جگہ کو مسجد میں شامل کرنا جائز ہے۔یا نہیں۔بینوا توجروا۔

نقشہ قبرستان و مسجد

یہ جگہ خالی ہے	قبریں	کمرہ مسجد
		صحن مسجد

﴿ج﴾

اگر واقعی قبرستان کسی کا مملوک ہے۔اور اس سے قبور مٹ چکی ہوں اور اتنا زمانہ گزر گیا ہے کہ یہ یقین ہو جائے کہ اہل قبور کی ہڈیاں مٹی ہوگئی ہونگی۔تو مالک کی اجازت سے اس جگہ مسجد بنانا جائز ہے۔**كما في الشامية عن الزيلعي ولو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره وزرعه والبناء عليه ومقتضاه جواز المشي فوقه** (شامی ص ۶۵۸ ج ۱) ورنہ جائز نہیں۔

میت دفنانے کے بعد قبر پر اذان کہنا بدعت ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ میت کو جب قبر میں دفن کیا جاتا ہے۔دفن کرنے کے بعد اذان قبر پر کہنا سنت نبوی سے جائز ہے یا نا جائز۔

﴿ج﴾

دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا ثابت نہیں ہے۔لہٰذا یہ بدعت ہے۔**في الاقتصار على ما ذكر من الوارد اشارة الى انه لايسن الاذان عند ادخال الميت في قبره كما هو المعتاد الأن وقد صرح ابن حجر في فتاواه بانه بدعة الخ رد المحتار ص ۶۶۰ ج ۱**۔فقط واللہ اعلم

میت دفنانے کے بعد قبر پر کونسے اعمال مشروع ہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین ان مندرجہ ذیل مسائل کے بارہ میں ۱۔ میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر کونسا عمل مشروع ہے۔ اور کونسا غیر مشروع ہے۔ مثلاً بعض لوگ اذان دیتے رہتے ہیں' اور بعض لوگ قرآن کی آیات پڑھتے ہیں۔ یعنی سورۃ بقرہ کی اول آیات مفلحون تک اور آخری دو آیات اٰمن الرسول سے آخر تک پڑھتے ہیں اور بعد میں ایک دعا پڑھتے ہیں' جسے دعا تلقین کے نام سے تعبیر کرتے ہیں' جو دعاؤں کے رسائل میں ملتی ہے۔ لہٰذا حدیث نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام اور فقہ حنفی کے رو سے صحیح حکم صادر فرماویں۔ (۲) ایک آدمی مثلاً زید نے ایک عورت اغوا کرلی ہے۔ جس کا پہلے مثلاً عمرو سے نکاح تھا اور اولاد بھی تھی' اب وہ عورت زید کے پاس ہے جس کو دس برس کے قریب ہوچکے ہیں اور زید نے عمرو سے مطالبہ کیا کہ اسے طلاق دے اور رقم اس کے عوض میں لے لے تو عمرو نہ طلاق دیتا ہے۔ اور نہ گھر لے جاتا ہے۔ اور زید سے اس عورت کی اولاد ہے۔ اور زید اس فعل کو یعنی بغیر نکاح کے عورت گھر بٹھانا گناہ سمجھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرماوے گا اور اس فعل کو حلال قطعاً نہیں سمجھتا' تو اب اس کے ساتھ قربانی کرنا اور احکام شادی وغیرہ میں تعلق رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ جواب مفصل تحریر فرمائیں بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

الدرالمختار بھامش ردالمحتار ص۶۶۱ ج۱ ویستحب حثیه من قبل رأسه ثلاثا وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ماینحر الجزور و یفرق لحمه. الخ شامی میں تحت (قوله و جلوس الخ) لما فی سنن ابی داؤد كان النبی صلی الله علیه وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبره وقال استغفروا لاخیکم واسئلوا الله له التثبیت فانه الأن یسئل و کان ابن عمر رضی الله تعالی عنهما یستحب ان یقرأ علی القبر بعد الدفن اول سورة البقرة وخاتمتها وروی ان عمرو بن العاص قال وهو فی سیاق الموت اذا انا مت فلا تصحبنی نائحة ولا نار فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم اقیموا حول قبری قدر ماینحر جزور ویقسم لحمها حتی استانس بکم وانظر ماذا أراجع رسل ربی جوهره . الخ

نیز الدرالمختار بھامش الشامی ص۶۲۸ ج۱ میں ہے۔ (ولایلقن بعد تلحیده) وان فعل لاینهی

عنه وفی الجوهرة انه مشروع عند اهل السنة الخ ان مذکورہ بالا عبارات سے وہ اعمال ثابت ہوتے ہیں جو بعد از دفن سنت ومستحب وجائز ومشروع ہیں' اور وہ یہ ہیں۔ دفن کرنے کے بعد کم از کم اتنی مقدار بیٹھنا کہ ایک اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت بنا کر تقسیم کیا جائے مستحب ہے اور ابتداء سورۃ بقرہ سے هم المفلحون۔ تک اور آخر سورۂ بقرہ کم از کم اٰمن الرسول ا لآیہ سے آخر تک قرآن کی قرات کی جائے اور اس وقت میت کے لیے منکر نکیر کے سوالوں کے جواب میں ثابت قدمی کی دعا کرنا اور مغفرت کی دعا کرنا سنت ہے۔ ظاہر الروایہ اور مفتی بہ قول تلقین بعد از دفن کے متعلق یہ ہے جو کہ اوپر درالمختار کی عبارت سے ظاہر ہے۔ کہ تلقین دفن کے بعد نہ کی جائے لیکن چونکہ فی نفسہ جائز ومشروع ہے۔ اس لیے اگر کوئی تلقین کرے اور جو دعا تلقین کی کتابوں میں منقول ہے اسے پڑھے تو اسے روکا بھی نہ جائے۔ الحاصل دفن کے بعد قرأت قرآن اور اس کے لیے دعا کرنے کے واسطے مذکورہ مقدار تک بیٹھنا مستحب ہے اور تلقین بعد دفن فی نفسہ مشروع ہے۔ اگرچہ ترک اولی ومختار اور ظاہر الروایہ ہے۔ اور قبر پر اذان دینا بدعت شامی ص۶۶۰ ج۱ میں ہے۔ فی الاقتصار علی ماذکر من الوارد اشارة الی انه لایسن الاذان عند ادخال المیت فی قبره کما هو المعتاد الأن وقد صرح ابن حجر فی فتاواه بانه بدعة وقال ومن ظن انه سنة قیاساً علی ندبها للمولود الحاقا لخاتمة الامر بابتداءه فلم یصب الخ شامی نے باب الاذان میں بھی قبر پر اذان دینے کا انکار کیا ہے۔ اور جب کہ نہ حضور ﷺ سے دفن کے وقت اذان دینے کا ثبوت ہے۔ اور نہ صحابہ اور تابعین اور سلف صالحین سے تو اس کے بدعت ہونے میں شبہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) زید کا عمرو کی منکوحہ کو اغوا کرنا بہت بڑا ظلم اور ناجائز ہے اور غیر کی منکوحہ کو رکھنا سخت حرامکاری اور زنا ہے۔ شریعت کا قانون نافذ ہوتا تو شادی شدہ ہونے کی صورت میں زید کو اور اس عورت کو رجم یعنی پتھروں سے مار مار کر ان کو سنگسار کرنا اور نیست ونابود کرنا سزا دی جاتی۔ اول دن سے زید پر فرض تھا کہ عمرو کی منکوحہ کو اپنے سے الگ کرکے عمرو کے حوالے کرتا لیکن زید نے اپنا فرض نہ جانا' اور اپنے سے الگ نہ کیا بلکہ دس سال کے طویل عرصہ حرامکاری کرنے کے باوجود بھی اس کو ہوش نہیں آیا اور اب وہ عمرو پر الزام لگاتا ہے کہ نہ وہ طلاق دیتا ہے۔ اور نہ آباد کرتا ہے۔ وہ کیوں طلاق دے کیا شرعاً یہ عمرو پر اس حالت میں فرض ہے۔ معلوم ہوا کہ عمرو پر اس حالت میں طلاق دینا فرض نہیں۔ زید پر اول دن سے فرض تھا کہ عمرو کی منکوحہ کو گھر سے نکالے پھر معلوم ہوجاتا کہ واقعی عمرو نہ اسے آباد کرتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے۔ وہ مجرم ومتعنت ہے۔ لیکن اب جب کہ زید اس عورت کو رکھ رہا ہے۔ یہ بات غلط ہے۔ زید کونسا عورت کا بھائی باپ کا رشتہ دار ہے۔ کہ عمرو کے اس ظلم کی وجہ سے وہ اس عورت کو گھر میں

رکھ رہا ہے۔ لہٰذا اھل اسلام پر یہ واضح ہو کہ جو شیطان نے زید کو دھوکہ میں ڈالا ہے۔ اور تلبیس کر رہا ہے۔ وہ اس کے دھوکہ میں نہ آئیں اول دن سے برادری وعامۃ المسلمین کا یہ فرض تھا کہ زید کو اس جرم کی سزا حکومت سے دلوائیں اور اس کو سمجھائیں اگر سمجھانے کے باوجود بھی وہ اس جرم سے باز نہ آتا تو اس سے قطع تعلق کرتے اور اس کے ساتھ برتاؤ نہ کرتے شادی وغمی میں قربانی وغیرہ میں موت تک اسے شریک نہ کرتے اور جب تک وہ تائب نہ ہو اور غیر منکوحہ عورت کو اپنے سے الگ کر کے عمرو کے حوالے نہ کرے برادری وعامۃ المسلمین پر یہی فرض ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ رب العالمین واحکم الحاکمین کی جیسے مرضی ہوئی چاہے مرنے کے بعد آخرت میں زید اور اس عورت کو پکڑیں۔ جیسے آپ کا قانون ہے اور چاہے ان کی مغفرت کریں، وہ قادر مطلق ہے۔ ان دونوں باتوں پر قدرت تامہ رکھتے ہیں۔ لیکن اھل اسلام کے لیے شریعت کا حکم مذکورہ بالا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دفن کے بعد میت کو تلقین نہ کرنا بہتر ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میت کو بعد تدفین جو تلقین کی جاتی ہے وہ کس طرح کی جائے اور اس کا شریعت مطہرہ میں کیا ثبوت ہے بالدلائل تحریر فرماویں۔

﴿ج﴾

بعد دفن کے میت کو تلقین کرنا اگرچہ فقہاء کرام نے نقل کیا ہے۔ لیکن چونکہ ظاہر روایت یہی ہے کہ بعد الدفن میت کو تلقین نہ کی جائے۔ تو تلقین بعد الدفن نہ کی جائے۔ اور اگر کوئی کرے تو بوجہ بعض روایات میں آنے کے اسے روکا بھی نہ جائے۔ درالمختار بھامش ردالمختار ص ۶۲۸ ج ۱ پر ہے۔ (**ولا یلقن بعد تلحیدہ**) **وان فعل لاینھی عنہ الخ** شامی میں ہے (**قولہ ولا یلقن بعد تلحیدہ) ذکر فی المعراج انہ ظاھر الروایہ** الحاصل ترک کرنا، تلقین بعد الدفن اولی ومختار وظاہر الروایہ ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امداد الفتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں درمختار اور شامی کی مذکورہ عبارت کو نقل کر کے تحریر فرمایا ہے اور ترجیح ظاہر روایت کو ہوتی ہے اور اس کے بعد میں جو تلقین کی مشروعیت کو نقل کیا ہے۔ سو اول تو اس کے دلائل ضعیف ہیں، بعض ثبوتاً اور بعض دلالۃً اس پر سب متفق ہیں کہ ضروری نہیں، امور غیر ضروریہ میں جب کوئی مفسدہ ہو متروک ہو جاتے ہیں۔ اور اس میں تشبہ بالروافض ہے۔ اس لیے قابل ترک ہوا (انتھیٰ عبارتہ) تلقین کے مندرجہ کلمات منقول ہیں، شامی ص ۶۲۹ ج ۱ **یا فلان بن فلان اذکر دینک الذی کنت علیہ من شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان**

محمدا رسول اللہ وان الجنۃ حق والنار حق وان البعث حق وان الساعۃ اٰتیۃ لاریب فیھا وان اللہ یبعث من فی القبور وانک رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیاً وبالقران اماماً وبالکعبۃ قبلۃ وبالمؤمنین اخوانا ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حدود سے تجاوز نہ ہو تو مرثیہ خوانی جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کسی بزرگ کے متعلق مرثیہ لکھنا اور پڑھنا جائز ہے۔ یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اوصاف واقعی کو صحیح کلمات کے ساتھ بطور مرثیہ لکھنا، پڑھنا جس میں حدود شرعیہ سے تجاوز نہ ہو جائز ہے۔ اور جس مرثیہ کا مضمون خلاف شرع ہو ناجائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی امر مانع خارج سے ہو تب بھی ناجائز ہے۔ جیسے مرثیہ کا قواعد موسیقی سے پڑھا جانا یا مرثیہ خوان کا مشتہی ہونا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

آج کل حدود کی رعایت کوئی نہیں کرتا۔ مبالغہ آمیزی سے کام لیا جاتا ہے۔ لہٰذا مرثیہ خوانی سے احتراز اولیٰ ہے

تعزیت کے لیے ہر آنے والے کا ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعاء کرنا سنت سے ثابت نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب لوگ میت کو دفن کر کے گھر واپس آ جاتے ہیں تو تین دن تک تعزیت کے لیے بیٹھ جاتے ہیں۔ اور لوگ افسوس کے لیے آنا شروع ہوتے ہیں۔ پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں۔ ایک آتا ہے پھر دوسرا آتا ہے۔ الغرض تین دن تک لوگ آتے رہتے ہیں۔ اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں میت کے لیے اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اجتماعی دعا ہاتھ اٹھا کر مانگنی ثابت نہیں۔ اس کو چھوڑ دو ورنہ بدعت ہو جائے گی۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ ویسے فارغ بیٹھے رہتے ہیں گپیں مارتے ہیں، حقہ پیتے ہیں، اگر دعا مانگی جائے تو کیا اس میں حرج ہے۔ تو کیا یہ دعا میت کے لیے بدعت ہے یا کہ سنت ہے۔

﴿ج﴾

تعزیت کا مطلب ہے اہل میت کو تسلی دینا اور صبر میں رغبت دلانا اور ان کے لیے صبر کی اور میت کے لیے

بخشش کی دعا کرنا صاحب مصیبت اور اہل میت کی تعزیت کرنا مستحب ہے۔ محلّہ والوں اور قرابت داروں اور دوست آشنا کو تعزیت وغمخواری کے لیے جانا باعث ثواب ہے۔ تعزیت کا وقت موت کے وقت سے تین دن تک ہے۔ اور اس کے بعد وہاں کے لوگوں کے لیے مکروہ ہے۔

تعزیت کے لیے سب سے بہتر وہ الفاظ ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے تعزیت کے وقت کہے ہیں وہ یہ ہیں:

ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شئی عندہ باجل مسمی .

یا یوں کہے **اعظم اللہ اجرک واحسن اللہ عزاءک وغفر لمیتک** صرف زبان سے تعزیت کرے۔ ہر بار آنے والے کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا درست نہیں۔ اس کو ترک کرنا چاہیے۔ حضور ﷺ، صحابہ، تابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ان کی اطاعت میں فلاح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبر پر چراغ جلانے کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ قبر پر بعد از تدفینِ میت اذان دینا شرعاً ضروری ہے۔ (۲) اگر جماعت جنازہ کھڑی ہو جائے تو ایک آدمی غیر متولی ہے پانی پاس موجود نہیں کیا وہ تیمم کر کے نماز ادا کر سکتا ہے؟

(۳) کیا قبر پر مکان بنانا چراغ جلانا۔ قبر پر کپڑا ڈالنا جائز ہے یا نہیں۔ یا محمد کہنا یا نبی کریم ﷺ کو حاضر ناظر جاننا جائز ہے؟ اور مختار کل اعتقاد کرنا جائز ہے یا نہ۔

﴿ج﴾

قبر پر اذان کہنا خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے۔ جیسا کہ تصریحات فقہاء سے ثابت ہے شامی ص ۲۶۰ ج ۱ میں ہے۔ **تنبیہ فی الاقتصار علی ماذکر من الوارد اشارۃ الی انہ لایسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر فی فتاوہ بانہ بدعۃ وقال من ظن انہ سنۃ قیاسا علی ندبہا للمولود الحاقا لخاتمۃ الامر بابتدائہ فلم یصب ا ھ** . بہرحال اذان علی القبر۔ کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں احداث فی الدین بدعت اور گناہ ہے۔

(۲) جائز ہے۔ **وجاز (التیمم) لخوف فوت صلوۃ جنازۃ** (درمختار ج ۱ ص ۱۷۷)

(۳) قبہ بنانا یا مکان میں دفن کرنا سوائے انبیاء اور کسی کو جائز نہیں۔ **ولاینبغی ان یدفن المیت فی الدار ولو کان صغیراً لاختصاص ھذہ السنۃ بالانبیاء الخ ص ۲۶۰ ج ۱ ویھال التراب**

علیہ وتکرہ الزیادۃ من التراب لانہ بمنزلۃ البناء (الدرالمختار ص ۲۶۱) لما فی صحیح مسلم عن جابر قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ (مشکوۃ باب دفن المیت)

باقی امور کے بارے میں علیحدہ سوال کیا جاوے۔ فقط واللہ اعلم

اذان علی القبر کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے بلاد میں جو بعد دفن میت قبر پر اذان دی جاتی ہے۔ کیا ازروئے شریعت محمدیہ مباح یا حرام یا مستحب ہے۔ اور قائل بالحرمۃ مخطی ہے۔ یا مصیب اور علامہ شامی نے مندوبات میں شمار کیا ہے۔ اس کا کیا مفہوم ہے۔ **قولہ لایسن لغیرھا ای من الصلوۃ والافندب . بینوا وتوجروا.**

﴿ج﴾

وجہ عدم صحت کی یہ ہے کہ علامہ شامی نے تو صراحۃً اس پر بدعت کا حکم لگایا ہے۔ **کما قال فی ردالمحتار ج ۱ کتاب الجنائز صفحہ ۲۶۰ وفی الاقتصار علی ماذکر من الوارد اشارۃ الی انہ لایسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر فی فتاویہ. بانہ بدعۃ** جب تصریح اس کے بدعت ہونے کی کر دی تو یہ کہنا کہ یہ بدعت نہیں ہے۔ کیسے صحیح ہوگا کیا یہ شامی کی عبارت سے چشم پوشی نہیں ہے۔ نیز اس اذان کے بعد اس پر دوسرا حکم علامہ شامی مرتب کر رہے ہیں اور وہ کراہۃ مصافحہ بعد الصلوت ہے۔ اور اس کے بعد یہ کہتے ہیں کہ اس طرح اس دلیل سے اجتماع لصلوت الرغائب بھی منع ہے وہاں **منعوا** کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اب جمع لصلوت الرغائب کا منع ہونا اور مصافحہ بعد الصلوت کا مکروہ ہونا۔ اذان عند القبر پر کیسے مرتب ہوگا جب کہ اذان کو مستحب یا مباح قرار دیا جاوے۔ **فیا للعجب والضیعۃ للعلم**۔ واللہ اعلم۔

اذان علی القبر کے بدعت ہونے کے تفصیلی دلائل

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مردے کی قبر پر اذان دینا جائز ہے۔ یا ناجائز اگر جائز ہے تو کیا مستحب ہے۔ یا غیر مستحب۔ سنت ہے یا غیر سنت صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے یا نہ۔ یا حدیث معتبر سے ثابت ہے یا نہ۔ ازراہ کرم حدیث وسنت کی روشنی سے ثابت کر کے مطمئن فرماویں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔قبر پر اذان کہنا خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے۔اور احداث فی الدین ہے۔جیسا کہ تصریحات فقہاء سے ثابت ہے۔شامی ص ۶۶۰ ج ا میں ہے۔

تنبيه في الاقتصار على ماذكر من الوارد اشارة الى انه لايسن الاذان عند ادخال الميت في قبره كما هو المعتاد الأن وقد صرح ابن حجر في فتاواه بانه بدعة وقال من ظن انه سنة قياساً على ندبها للمولود الحاقا لخاتمة الامر بابتداءه فلم يصب وقد صرح بعض علمائنا وغيرهم بكراهة المصافحة المعتادة عقب الصلوات مع ان المصافحة سنة وما ذلک الا لكونها لم توثر في خصوص هذا الموضع فالمواظبة عليها فيه توهم العوام بانها سنة فيه ولذا منعوا عن الاجتماع لصلوة الرغائب التي احدثها بعض المتعبدين لانهالم تؤثر على هذه الكيفية في تلک الليالي المخصوصة وان كانت الصلوة غير موضوع. انتهى.

(ردالمحتار باب صلوة الجنائز مطلب دفن الميت يكره عندالقبر مالم يعهد من السنة والمعهود هنا ليس الا زيارته والدعاء عندها قائما كذافي فتح القدير والبحر الرائق والنهر الفائق والفتاوى العالمگيريه. درالبحار میں لکھا ہے. من البدع التي شاعت في بلاد الهند الاذان على القبر بعد الدفن انتهى. اور توشیح شرح تنقیح محمود البلخی میں مذکور ہے۔مافي الاثور من الاذان على القبر وليس بشئى انتهى ۔اور مولانا عبداللہ میر غنی مفتی مکہ مکرمہ زاد اللہ شرفا وتعظیما کے فتاوی هدية المكه میں هل يجوز الاذان عندالقبر بعد دفن الميت کے سوال کے جواب میں مرقوم ہے۔ الحمدلله رب العالمين رب زدني علما ذكر في البحر الرائق مانصه ويكره عندالقبر كل مالم يعهد من السنة والمعهود هنا ليس الازيارتها والدعاء عندها قائما كما كان يفعل ﷺ في الخروج للبقيع انتهى. ومنه يعلم الجواب. ا ه

بے شک اذان ذکر اور سبب رحمت ہے۔لیکن جس ذکر کے لیے جو مواقع شارع علیہ السلام نے مقرر فرمادیے ہیں۔ان کو وہیں رکھنا لازمی ہے۔ورنہ یہ تعدی عن حدود اللہ ہوگا۔

ومن يتعد حدود الله فاولئک هم الظالمون مشكوة المصابيح باب العطاس والتثاؤب فصل ثالث ص ۴۰۶ میں نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

ان رجلا عطس الى جنب ابن عمر فقال الحمدلله والسلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ابن عمر وانا اقول الحمدلله والسلام على رسول الله وليس هكذا علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان نقول الحمدلله على كل حال. صاحب لمعات اس کی شرح میں لکھتے ہیں. قوله ليس هكذا اى لكن ليس المسنون في هذه الحال هذا القول وانما الذى علمنا فيه ان نقول الحمدلله على كل حال فقط من غير زيادة السلام فيه (الى ان قال) فالزيادة في مثله نقصان في الحقيقة كمال لايزاد في الاذان بعد التهليل محمد رسول الله وامثال ذلک كثيرة انتهى. احداث فی الدین یہی ہے کہ دین میں اپنی رائے اور قیاس سے تخصیصات اور تقییدات مقرر کرنا اور جو موقع کسی ذکر کا نہیں ہے۔اس کو اس موقع میں معمول بہ بنانا۔ قال عليه السلام من احدث في امرنا هذا ماليس منه فهورد. یعنی جو مرد دین میں ایسی چیز پیدا کرے جو ہمارے دین میں سے نہیں پس وہ مردود (بدعت) ہے۔ وقال ابن حجر في بيانها (اى البدعة) وشرعا ما احدث على خلاف امر الشارع. معلوم ہوا کہ اپنی طرف سے اذان علی القبر کو ضروری اور ثواب سمجھنا احداث فی الدین اور بدعت ہے۔اور جناب رسول اللہ ﷺ نے بدعت اور مبتدع کی نہایت مذمت فرمائی ہے۔قال عليه السلام ما احدث قوم بدعة الا رفع مثلها من السنة فتمسک بسنة خير من احداث بدعة (مشكوة باب الاعتصام بالكتاب والسنة ص ۳۱) وعن ابراهيم ابن ميسرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من وقر صاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام رواه البيهقي في شعب الايمان مرسلا(مشكوة. ص ۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دسویں محرم کو قبرستان جانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ۔کہ محرم کی دسویں تاریخ کو مزارات اور قبور پر حاضر ہو کر زیارت قبور کرنا خوشبو وغیرہ سلگانا اور اس کو ذریعہ نجات سمجھنا اور اہل قبور سے استعانت طلب کرنا اور نہ کرنے والوں کو گنہگار تصور کرنا۔عنداللہ دین میں جو اس کی حقیقت ہے اس سے آگاہ فرمائیں اللہ تعالیٰ آپکو جزاء خیر عطا فرمائیں۔

احقر العباد محمد احمد صابری خطیب شیر شاہ

﴿ج﴾

بالعموم اگرچہ زیارت قبور مستحب ہے۔ لیکن عاشورہ محرم کے دن کی خصوصیت اور اسی دن اجتماعی حیثیت سے رواج بنا کر قبروں پر جانا اور ان پر خوشبو سلگانا یا سبزی ڈالنا کسی حدیث میں ثابت نہیں اور نہ خیر القرون میں معمول رہا ہے۔ اس لیے اس رواج کو ترک کرنا لازم ہے۔ نیز اس رسم کو ترک کرنیوالوں کو گنہگار کہنا شرعاً ناجائز ہے۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

۲۳ محرم ۱۳۷۷ھ

میت کے گھر فوتگی کے دن خیرات کرنا، حیلہ اسقاط کرنا
قبر پر لوگوں کو قرآن کریم پڑھنے کے لیے بٹھانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں لوگوں نے اپنے نفسوں پر لازم کر رکھا ہے کہ جب کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اس کے ورثاء اس میت کے کفن دفن کا انتظام ہرگز نہیں کریں گے۔ جب تک کہ خیرات کا انتظام نہ کیا جائے۔ اور وہ خیرات ضرور بضرور کرتے ہیں۔ خواہ میت کا مال ہو یا نہ ہو۔ خواہ قرضہ کاٹنا پڑے یا زمین فروخت کرنی پڑے۔ لیکن خیرات ضرور کریں گے۔ اگرچہ میت کے یتیم بیٹے بیٹیاں کتنے غریب ہوں یا بھوکے ہوں ان کی طرف قطعاً توجہ نہیں کی جاتی اور اگر میت کا مال ہو بھی مثلاً غنی آدمی فوت ہو جائے تو ترکہ تقسیم کرنے سے پہلے اور وصیت وغیرہ قرضہ ادا کرنے سے پہلے خیرات کی جاتی ہے۔ اور اس خیرات میں فقراء مساکین کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔ بلکہ اغنیاء بھی کھانے میں شریک ہو جاتے ہیں۔ (۲) علاوہ ازیں جب میت کو غسل وغیرہ دے دیتے ہیں اور قبرستان میں لے جاتے ہیں اور وہاں قبر میں داخل کرنے سے پہلے ایک دائرہ بنایا جاتا ہے۔ یعنی آدمیوں کا دائرہ بنایا جاتا ہے اور قرآن مجید میں کچھ نقدی ضرور رکھی جاتی ہے۔ بحسب حال خواہ قرضہ ہی کاٹ کر کیوں نہ رکھے اور ایک بوری گڑ کی اس دائرہ کے درمیان رکھی جاتی ہے اور پاس ہی میت کی چارپائی بھی رکھی جاتی ہے اور پھر قرآن مجید کو اس نقدی کے ساتھ اس دائرہ میں ہاتھوں ہاتھ پھیرا جاتا ہے۔ اور اس کو تین بار اس دائرہ میں پھیرتے ہیں لزوماً نہ کم نہ زیادہ اور اس نقدی اور گڑ وغیرہ کی فدیہ صوم وصلوٰۃ سمجھا جاتا ہے اور اس میں بھی فقراء مساکین کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ بلکہ تعمیم ہے۔ اغنیاء بھی لیتے ہیں۔ (۳) اور جب میت جمعہ کے پہلے ایک دن فوت ہو جائے یا چھ دن پہلے فوت ہو جائے تو اس

میت کی قبر پر چند آدمیوں کو بمعہ قرآن مجید کے مجاروں کے طریقہ پر بٹھایا جاتا ہے اور متواتر یعنی لگاتار اور بیٹھنے والوں کو کہا جاتا ہے کہ قبر کو ایک سیکنڈ بھی خالی نہ رہنے دینا اور اونچی اونچی آواز سے قرآن پڑھتے رہنا اور بالکل چپ نہ ہونا یعنی ایک سیکنڈ بھی چپ نہ ہونا۔ یعنی بعض جگہوں میں آٹھ آدمی ہوتے ہیں۔ چار دن کے لیے اور چار رات کو بیٹھنے کے لیے۔ اگر چار تھک جائیں تو دوسرے چار پڑھتے ہیں۔ جمعہ کی شام یعنی مغرب کی نماز بھی وہاں پڑھتے ہیں اور پھر بعد میں خیمے وغیرہ کو بھی قبر پر لگائے ہوئے ہوتے ہیں۔ گرمی یا سردی سے بچاؤ کے لیے ان کو اکھیڑا جاتا ہے تو بعد میں تلقین کر کے گھر آ جاتے ہیں۔ تو ان وارثوں والیوں کا یہ گمان ہوتا ہے کہ جب یہ بیٹھانے والا سلسلہ اور جب تک یہ قبر پر بیٹھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے حساب لینے کے لیے نہیں آ سکتے اور جب جمعہ آ گیا تو پھر میت کو جمعہ کے حوالہ کیا جاتا ہے۔ اور یہ گمان کیا جاتا ہے۔ اب قیامت کے دن یہ حساب وکتاب سے بچ جائے گا۔ تو کیا ان تینوں باتوں کا جو کہ مذکور ہیں۔ اس طریقہ پر کی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں کوئی ثبوت ہے۔ یا حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر موجود ہے۔ **بینوا وتوجروا عند اللہ الملک الوھاب بالدلائل النقلیہ والعقلیہ۔**

المستفتی احقر العباد گل خان ھزاروی متعلم مدرسہ قاسم العلوم

﴿ج﴾

(۱) یتیم ورثاء کی موجودگی میں مشترکہ مال سے خیرات کرنا قطعاً جائز نہیں۔ یتیم کے اولیاء کو شرعاً یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اس کا مال بلا معاوضہ کسی کو دیدیں اور کسی کو اس کا کھانا بھی جائز نہیں۔ حرام ہے۔ **لقولہ تعالی ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلماً انما یاکلون فی بطونهم ناراً وسیصلون سعیرا.** نیز فقیر جو خود محتاج ہو۔ اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ خیرات نہ کرے۔ بلکہ اس کا خود کھانا اور گھر والوں کو کھلانا اس کا صدقہ ہے۔ **خیر الصدقة ما تکون عن ظهر غنی (الحدیث)** پھر اس وقت اور زیادہ مذموم ہوگا۔ جب وہ صرف شرم کی وجہ سے خیرات کرے اور اس میں للہیت نہ ہو۔ جیسا کہ عام رواج ہے اور پھر صدقہ وہ ہوتا ہے جو مساکین کو دیا جاتا ہے۔ اغنیاء کو دینا شرعاً صدقہ نہیں کہلاتا۔ نیز عام ضیافت یا خیرات جس میں اغنیاء وفقراء کی کوئی تمیز نہ ہو۔ یہ خوشی اور شادی میں تو مشروع اور جائز ہے۔ مثلاً ولیمہ وعقیقہ وغیرہ اور غم میں غیر مشروع ہے۔ علامہ شامی ردالمحتار ج اول صفحہ ۶۶۴ میں لکھتے ہیں۔ **ویکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لافی الشرور وهی بدعة مستقبحة الخ** البتہ اگر کوئی غنی شخص بنا بر خلوص صرف فقراء کو کچھ دیدے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ یتیم کا مال اس میں نہ ہو۔ شامیؒ نے لکھا ہے۔ **وان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً الخ** ص ۶۶۴ ج ۱۔ (۲) اگر کسی شخص نے نمازوں یا روزوں یا دیگر واجبات

یا کفارات کے متعلق وصیت کی ۔ تو وجوباً اگر وصیّت نہ کی تو اس کا وارث تبرعاً ان واجبات کا فدیہ دے سکتا ہے۔ ہر نماز اور ہر روزہ کے لیے گندم نصف صاع پونے دو سیر انگریزی یا اس کی قیمت ادا کرے ۔ اس کے لیے نہ تو یہ شرط ہے کہ قبر کے پاس کرے نہ یہ شرط ہے کہ دفن سے قبل کرے ۔ بلکہ اطمینان سے جب چاہے کرے ۔ نہ اس میں قرآن شریف کا دینا ثابت ہے ۔ قرآن کریم اگر دیدیا تو صرف اس کی وہ قیمت فدیہ میں معتبر ہوگی جو بازار میں ہوتی ہے ۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے کہ قرآن کریم کے دینے سے کل کفارات ادا ہو جاتے ہیں ۔ باقی یہ حیلہ کرنا کہ بار بار مسکین کو دے کر اور اس سے واپس لے کر اور یہ سمجھ لینا کہ فدیہ ادا ہو گیا ۔ غلطی ہے ۔ اس صورت میں نہ تو دینے والے کی نیت دینے کی ہوتی ہے اور نہ لینے والے کی نیت یہ ہوتی ہے کہ میں اس کا مالک ہو گیا ۔ اس قسم کے ضعیف امور کو ضروری قرار دینا اور اس کو طریق ثواب سمجھنا بدعت سیئہ ہے ۔ اس سے تو نماز نہ پڑھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے ۔ (نعوذ باللہ) البتہ اگر کوئی مسکین شخص جس سے کسی وجہ سے واجبات کا ترک ہوا اور اس کے پاس فدیہ میں دینے کے لیے مال نہ ہو ۔ تو اسکے بعد اس کے وارث ایسے مساکین سے حیلہ کے طور پر لین دین کر لیں ۔ جو مخلص ہوں جن کے متعلق یہ یقین ہو کہ وہ اس مال کے مالک ہو جانے کے بعد بھی بخوشی میت کے واجبات میں واپس دینے پر خوش ہوں گے ۔ تو یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول کر لے لیکن اس کو عام رواج بنانا اغنیاء و فقراء سب میں یقیناً واجب الترک ہے ۔ (۳) میّت کو دفن کرنے کے بعد فوراً پوچھا جاتا ہے ۔ خواہ وہ لوگ سب وہاں اس کے پاس کھڑے بھی کیوں نہ ہوں ۔ جنھوں نے اسے دفن کیا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو دفن فرمایا اسی وقت اپنے ساتھیوں سے فرمایا ۔ سلوا اللہ لہ التثبیت فانہ الان یسأل (مشکوۃ شریف) معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ کہ اگر کوئی وہاں بیٹھا ہو تو سوال نہ ہوگا ۔ فاسد عقیدہ ہے اور یہ الفاظ بٹھانا بناء فاسد علی الفاسد ہے ۔ اس لیے اگر حقیقۃً کوئی شخص جمعہ کے دن یا رات میں فوت ہو وہ مستثنیٰ عن السوال ہوگا ۔ ورنہ نہیں ۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

۸ جمادی الاخری ۱۳۷۷ھ

میت کے ساتھ قرآن پاک رکھنا

﴿ س ﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ میت کے ساتھ دفن سے پہلے قرآن مجید رکھتے ہیں ۔ اور بعد از ادائیگی نماز جنازہ قرآن مجید اٹھا لیتے ہیں ۔ اس سے مقصود محض شفاعت مطلوب ہوتی ہے ۔ کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا قبیح ۔

﴿ ج ﴾

یہ طریق خلاف سنت ہے ۔ اور نا جائز ہے ۔ اس کو بالکل ترک کیا جائے کتاب و سنت میں کہیں اس کا ثبوت نہیں ۔ اور نہ فقہاء نے لکھا ہے بلکہ جو طریقہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ سے منقول ہے ۔ اس کے خلاف ہے ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

شیرینی ، یا گندم پر ختم پڑھ کر ان کو تقسیم کرنا
چالیس قدم چل کر ایک قدم سے جوتا اتار کر دعاء کرنا

﴿ س ﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ مردہ قبر میں اتارا جائے اور ایک شخص شیرینی یا گندم اپنے سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھ کر شیرینی و گندم کو چند آدمیوں میں تقسیم کرے ۔ اگر امام مسجد بھی اس میں شامل ہو تو کیا اس کے پیچھے نماز پڑھنا نقصان دہ تو نہیں ہے اور چالیس یا پچاس قدم چل کر ایک قدم سے جوتی اتار کر منہ قبروں کی طرف کر کے دعا مانگنا کیسا ہے ۔ خطبہ اور اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیسا ہے ۔

﴿ ج ﴾

قبرستان میں طعام لے جانا اور وہاں تقسیم کرنا بدعت سیئہ اور مکروہ تحریمی ہے ۔ ویکرہ نقل الطعام الی القبر فی المواسم ص ۶۶۴ ج ۱ (شامی کتاب الجنائز)

اس لیے ایسا عمل ترک کیا جائے اور پیش امام عالم کو چاہیے کہ عوام الناس کو اس سے روکے ۔ اگر چہ ایسے مولوی صاحب کے پیچھے نماز جائز ہے ۔ لیکن یہ ضرور چاہیے کہ امام بدعات سے اجتناب کرے اور ایسے ہی آدمی کو امام بنایا جائے جو بدعت سے خود بھی اجتناب کرے اور دوسروں کو بھی بھلے طریقہ سے روکے فتنہ پیدا نہ کرے ۔ چالیس قدم جا کر ایک جوتہ نکال کر دعا نبی صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ و تابعین صالحین سے ہرگز منقول نہیں ۔ اس کا ترک لازم ہے ۔ خطبہ کے درمیان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا بھی کہیں ثبوت نہیں اور یہ عمل جائز نہیں جب تک مکمل فارغ نہ ہو جائے کلام کرنا جائز نہیں (فلا صلوٰۃ ولا کلام الی تمامها ای الخطبه ص ۶۰۵ ج ۱) درمختار باب الجمعہ

مفتی عفا اللہ صاحب مفتی عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔

زوال کے وقت نماز جنازہ پڑھنا، فوتگی کے دن میت کے گھر میں کھانا پکانا تیجہ، چالیسواں وغیرہ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ۔

(۱) رات کے بارہ بجے یعنی زوال کے وقت یا رات کے کسی بھی حصہ میں جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور کیا زوال کا وقت ہمیشہ دن رات میں بارہ بجے کے ساتھ مخصوص ہے۔ (۲) میت کے مکان میں مرنے کے دن اہل میت خود یا دیگر کو متعینہ جگہ پر حسب معمول کھانا پکانا جائز ہے یا نہیں۔ زید کہتا ہے کہ تین دن تک میت کے گھر میں کھانا پکانا بالکل جائز نہیں۔ نہ اپنے واسطے نہ ایصال ثواب کے لیے۔ فقراء کے واسطے بلکہ اہل میت کا کھانا تین دن تک اہل محلہ ورشتہ دار دیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ تین دن تک اہل میت کو کھانا دینے اور گھر میں کھانا وغیرہ نہ پکانے کی قید صحیح ہے۔ یا نہیں۔

(۳) تیجہ، دسواں، چالیسواں وغیرہ اسی طرح عرس اور ختنہ کا کھانا جائز ہے۔ یا نہیں اور کرنے والے کو ثواب ملتا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

(۱) زوال کا وقت دن کو استواء شمس کے بعد ہوتا ہے اور بارہ بجے کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ اختلاف زمانہ کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے۔ نماز جنازہ رات کے تمام حصوں میں پڑھنا جائز ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر حضور جنازہ جو کہ سبب ہے وجوب صلوٰۃ جنازہ کا عین اوقات ثلاثہ میں ہو تو حنفیہ کے ہاں نماز کو مؤخر کرنا نہیں چاہیے۔ بلکہ افضل یہ ہے کہ فوراً ادا کرلی جائے۔ جیسا کہ حدیث ثلاث لا یؤخرن (مشکوۃ باب تعجیل الصلوۃ فصل ثانی) سے معلوم ہوتا ہے اور اگر حضور جنازہ اوقات ثلاثہ سے پہلے ہو چکا ہے تو حنفیہ کے نزدیک اوقات ثلاثہ میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ جیسا کہ حدیث عقبہ بن عامر (مشکوۃ باب اوقات النھی فصل اول) اسی پر دال ہے۔ (۲) بغیر کسی قید اور تعین وقت کے ایصال ثواب جائز اور مستحسن ہے۔ لیکن اس کے ساتھ قیودات لگا کر کرنا درست نہیں۔ میت کے گھر سے تین دن تک کھانا کھانا درست نہیں۔ میت کے گھر میں رشتہ داروں کی طرف سے جو کھانا آتا ہے اس کا کھانا مہمانوں کے لیے درست ہے۔ میت والوں کا اپنے لیے کھانا پکانے میں کوئی قباحت نہیں۔ (۳) تیجہ، دسواں، چالیسواں وغیرہ کو لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہے۔ یہ تمام امور بدعت ہیں۔ میت کے بعد ان مخصوص ایام میں مروجہ قیودات کے ساتھ دعوت شرعاً درست نہیں۔ ان سے احتراز کریں۔ کذا فی فتاوی رشیدیہ وغیرہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
۵ جمادی الاولی ۱۳۹۲ھ

پے در پے موتوں کے متعلق ایک جاہلانہ عقیدہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بعض علاقوں میں یہ وہم بطور عقیدہ کے مصمم ہے۔ کہ جس گھر میں مسلسل اور پے در پے اموات ہو جائیں۔ تو اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اول میت قبر میں دفن ہوتے ہی اپنا کفن چبانا شروع کرتی ہے۔ دراصل اس کا کفن کو چبانا باقی ماندہ زندوں کو میت بنانا ہے۔ اس بنا پر اس کے بعد موتیں ہوتی ہیں۔ پھر اس کے دفعیہ کی صورت یہ لوگ ایسے کرتے ہیں۔ کہ اس اول میت کی قبر کھدوا کر اس کی لاش کے منہ اور پیشانی یا کسی ایک میں لوہے یا لکڑی کی کیل دبا دیتے ہیں۔ پھر ان لوگوں کے مطابق بعد میں موت اس گھر میں نہیں ہوتی۔ گویا لاش کا منہ بند کر دیا۔ کیا ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مسلمان ہے۔ اور ایسا عمل جائز ہے۔ جو لوگ اس کام میں شریک یا اس کی تائید کرتے ہیں۔ ان کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

دفنانے کے بعد قبر کھولنا اور میت کے منہ یا پیشانی پر لوہے یا لکڑی کا کیل ٹھوکنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اس طرح پے در پے اموات ہونے کے لیے مندرجہ بالا خیال کا عقیدہ رکھنا ثابت نہیں ہے۔ ان لوگوں پر توبہ واستغفار لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
۱۴ ذوالقعدہ ۱۳۹۶ھ
الجواب صحیح محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
۱۴ ذوالقعدہ ۱۳۹۶ھ

ایصال ثواب کے لیے جو پڑھتا ہے کیا خود اس کو بھی ثواب ملتا ہے؟

﴿س﴾

ایک پارہ کی تلاوت کر کے جو ثواب ملا۔ وہ مردہ کو بخش دیا۔ کیا پڑھنے والے کو بھی ثواب ہوا۔ بغیر اجرت کے کلام پاک پڑھا تھا۔

﴿ج﴾

قرآن شریف کا ثواب تو مردہ کو ملے گا۔ باقی اس وجہ سے کہ پڑھنے والے نے ایک اچھا کام کیا اس کو اس کا بدلہ دس گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ مل سکتا ہے۔ اخلاص شرط ہے۔ بدون اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها . فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۲۵ ذوالقعدہ ۱۳۹۲ھ

میت کے ایصال ثواب کے لیے چنوں پر کلمہ پڑھنے کو ضروری سمجھنا بدعت ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی مرجاتا ہے۔اس کے ورثاء ساڑھے بارہ سیر چنے بھنے ہوئے لے کر جو کہ اندازاً سوا لاکھ دانے ہوتے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ بزرگوں نے گنے ہیں۔ان پر کلمہ شریف پڑھتے ہیں۔مرنے کے تیسرے دن مرنے والے کو ثواب پہنچانے کی غرض سے کسی آدمی کو دیتے ہیں۔اور یہ رواج سمجھا جاتا ہے نہ کہ اس کو دین سمجھا جاتا ہے۔بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ان چنوں کا کھانا بھی حرام ہے۔اور یہ بدعت ہے اور یہ رواج صرف میو قوم میں ہے۔

﴿ج﴾

یہ رسم تیسرے دن چنے پڑھنے کی خیر القرون میں ثابت نہیں۔اور اب اس کا التزام اس درجہ ہوگیا ہے کہ عوام اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔اس لیے اس کو ترک کرنا چاہیے۔اور اس رسم کو توڑنا چاہیے۔واضح رہے کہ میت کو ثواب صدقہ وخیرات وتلاوت قرآن شریف ودرود شریف وغیرہ کا پہنچتا ہے۔اور اہل سنت وجماعت اصل ایصال ثواب میں متفق ہیں۔لیکن اس کو رسم کرلینا اور التزام کرنا مثل واجبات کے اس کو بدعت بنا دیتا ہے۔

بغیر پابندیِ رسم کے میت کے ایصال ثواب کے لیے غرباء کو صدقہ خیرات دینا درست ہے

﴿س﴾

بعداز دفن میتؒ وارثانش بہر ایصال ثواب بروحش خرما تقسیم میکنند شرعاً آں راچہ حکم می باشد وکسیکہ آں خیرات فی سبیل اللہ را حرام داند برایش چہ حکم باشد۔

﴿ج﴾

مذہب اہل سنۃ والجماعت ایں است کہ ثواب صدقہ اگر بروح میت بخشیدہ شود۔ بروح او ثواب می رسد خواہ روز اول باشد یا ثالث یا غیر آں۔مگر صدقہ آں است کہ مال طیب رامحض بخدا دادہ شود واولاً درکف رحمٰن تعالیٰ واقع می شود۔وچوں او تعالیٰ غنی است از حاجت پاک ومنزہ است وفقیر کہ نائب او است آں مال راقبض کند۔ودر کتاب الھبہ از در المختار وشامی تصریح است کہ الصدقة على الغنى هبة کہ اگر غنی راچیزے دادہ ولفظ صدقہ استعمال کرد آں ہبہ است صدقہ نیست معلوم شد کہ صدقہ کہ بر غنی می شود آں راہبہ گویند پس لازم است خرما

وغیرہ از طعام صرف فقراء را دہند وآں راصدقہ گفتہ شود۔وایں کہ مروج است کہ فقراء واغنیاء جملہ رابغیر از تمیز تقسیم میکنند ایں صدقہ نیست ایں قسم عمومی تقسیم را در شریعت جواز است، مگر در شادی ہا مثلاً در ولیمہ وعقیقہ وقدوم حاج وشفاء مریض وغیرہ امور کہ مسکین وغریب ہمہ رامی دہند، واما در غمہا مشروع نیست مگر صرف صدقہ، علامہ شامی در کتاب الجنائز از ردالمختار تحریر کردہ ویكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع في السرور لافي الشرور وهي بدعة مستقبحة روى الامام احمد و ابن ماجه باسناد صحيح عن جرير بن عبدالله قال كنا نعد الاجتماع الى اهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة اه، وفي البزازية و يكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثانى، والثالث، وبعدالاسبوع ونقل الطعام الى القبر في المواسم الخ. ثم قال في الأخر وان اتخذ طعاماً للفقراء كان حسنا واطال ذالك في المعراج وقال وهذه الافعال كلها للسمعة والرياء ص ۲۶۴ج ۱. از عبارت مذکورہ معلوم شد کہ صرف تصدق کہ شرعاً مخصوص بہ فقراء است درست است بشرائط ذیل:

(۱) بغیر از یقین لزوم کہ ایں بدعتست (۲) نقل خرما وغیرہ در قبرستان نباشد۔بلکہ در خانہ بہ فقراء صدقہ کند (۳) مقصود ریاء وسمعہ وتفاخر نباشد، ایں خیال در دل نیاید کہ اگر تقسیم نکنم مردماں مرا بدنام کنند وایں برائے من ننگ وعار است اگر برائے دفعہ کردن ننگ وعار واظہار فخر وریاء (کما ھو المروج والمختار فی زماننا) است ناجائز است، الحاصل اغنیاء وفقراء ہمہ راتقسیم کردن اصلاً غیر مشروع است ومحض فقراء راتصدق کردن جائز وموجب ثواب است بشرائط بالا مذکورہ، وروایت بخاری درباره وصیت است یا تصدق کہ بوقت زندگی در آخر وقت خود کنند نہ کہ بعداز مرگ کما ھو المصرح، در دیگر عبارت باہم تصدق مذکور است کہ مخصوص بفقراء است۔

اللہ کا تقرب حاصل کرنے اور ایصال ثواب کی غرض سے کسی دن کا التزام کیے بغیر خیرات کرنا درست ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ رضائے الٰہی کے لیے ماہ محرم میں شہداء کربلا اور عامۃ المسلمین کی ارواح کے لیے ایصال ثواب کے واسطے کھانا پکانا اور کسی بزرگ ولی شہید کے لیے جب کہ یہ اہتمام کرنے والے کی نیت محض رضاء الٰہی ہو اور یہ کہ بفضلہ اس نیک عمل کا ثواب اس مقبول خدا کو مل جائے گا۔اور مجھے بھی ثواب ہوگا۔اس طرح طعام کے علاوہ کسی بزرگ کی فاتحہ کے لیے کوئی حلال حیوان رکھا جائے جیسے اور مواقع خوشی وغمی

وغیرہ کے لیے پالتے ہیں لیکن بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے اور یہ نفلی صدقہ رضائے الٰہی کے لیے بزرگ کی فاتحہ میں عام مساکین وغیرہ کو کھلایا' شرعاً یہ کھانا' یہ گوشت یہ عمل جائز ہے۔ یا نا جائز اور اس کا ثواب فوت شدہ بزرگ اور یہ عمل کرنے والے کو اجر وثواب ملے گا۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

مروجہ رسومات اور بدعات سے ہٹ کر بغیر کسی دن کے التزام کے رضائے الٰہی کے لیے کھانا وغیرہ پکا کر کھلانا اور ایصال ثواب کرنا جائز ہے۔ اسی طرح کسی بزرگ کے تقرب حاصل کرنے کے ارادہ کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جانور ذبح کر کے خیرات کرنا اور کسی بزرگ کو ایصال ثواب کرنا درست ہے۔

الحاصل نفس ایصال ثواب جائز اور بہتر ہے لیکن اپنی طرف سے نا جائز قیودات لگا کر رسومات اور بدعات کا ارتکاب کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبر پر کیوڑہ ڈالنے، جمعرات چالیسویں برسی وغیرہ کا ثبوت قرآن وسنت سے نہیں ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں (۱) کہ میت دفنانے کے بعد رسم ہے کہ وہاں گورستان میں ایک آدمی ختم پڑھتا ہے۔ یعنی کچھ قرآن شریف پھر سارے آدمی مل کر دعا کرتے ہیں۔ کیا اس طرح آنحضرت ﷺ کے زمانہ پاک میں بھی ہر میت دفنانے کے بعد ہوا کرتا تھا۔ اور اس کا التزام کرنا کیسا ہے۔ (۲) قبر پر سبز ٹہنی یا دانے یا پانی میں روح کیوڑہ وغیرہ ملا کر ڈالنا۔ کیا حضور ﷺ کا ارشاد اپنی امت کو اس بارے میں ہوا ہے۔ یا صحابہ نے اس چیز کا التزام کیا ہے۔ (۳) میت کے پہلے دن میت والے یا ان کے قریبی کچھ طعام پکا کر لوگوں کو کھلاتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ مسنون ہے۔ مذکورہ بالا رسوم کو بالالتزام کرنے والے راہ کتاب وسنت پر ہیں۔ یا نہ کرنے والے (نوٹ) اسی طرح جمعرات چالیسواں برسی وغیرہ کا ثبوت سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں یا فقہ حنفی کی رو سے واضح فرمائیں۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

(۱) میت کے پیچھے قرآن شریف کا ختم کرنا یا کسی قسم کی بدنی یا مالی عبادت کا ثواب میت کو پہونچانا جائز اور صحیح ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ آج کل لوگ اس سیدھی شرعی بات کے ساتھ اپنی طرف سے کچھ لوازمات لگا دیتے ہیں۔ حتی کہ ان کو بھی دین سمجھنے لگتے ہیں۔ اور نہ کرنے والوں کو طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ جس سے بدعت کی صورت

پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے کسی خاص وقت یا مکان کو مقرر کیے بغیر نیز اجرت لیے اور اس کے عوض کھانا کھائے بغیر ثواب پہونچانا جائز اور کسی خاص وقت یا مکان کو لازم قرار دے کر یا اجرت لے کر یا اس کے عوض کھا کر پڑھنا جائز نہیں بدعت ہے (۲) دن کی تخصیص کو لازم قرار دیئے بغیر صرف فقراء کو کھلانا جائز ہے۔ اور مخصوص دن کو شرعی حیثیت دے کر لازم قرار دینا یا اغنیاء وفقراء سب کو عام ضیافت تین دن میں کرنا جائز نہیں (۳) التزام یوم کا بدعت ہے۔ نفس خیرات جائز ہے۔

رسم کے طور پر محض لوگوں کے اعتراضات سے بچنے کے لیے تیجہ دسواں بیسواں چالیسواں کرنا درست نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں۔

کہ ایک آدمی مر جاتا ہے۔ اس کے سویم میں دانے پڑھنے کا بھی رواج ہے اس کو ختم کر کے صرف گٹھلیاں پڑھتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں۔ اور قرآن پاک پڑھ کر ایصال ثواب کر دیں۔ میت کو اس کے بعد میت والے جنھوں نے قرآن پاک پڑھا ان کو بھی اور جنھوں نے نہیں پڑھا ان کو بھی کھانا کھلاتے ہیں۔ یا اللہ واسطے پھل فروٹ تقسیم کرتے ہیں' کیا وہاں پر کھانا کھانا اور پھل وغیرہ لینا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) ایک آدمی مر جاتا ہے اس کا دسواں' بیسواں' چالیسواں یا درمیان میں کوئی دن مقرر کیا جاتا ہے برادری کو بلانے کے لیے کہ تمام برادری ایک ہی مرتبہ اکٹھی ہو جائے بار بار ایک ایک دو دو آدمی کے آنے جانے سے۔ مقررہ تاریخ پر برادری والے میت کے ورثاء کی کچھ امداد کرتے ہیں۔ کوئی چھپا کر دیتا ہے یا کچھ سامنے برتن میں رکھ کر اس میں سب حسب توفیق پانچ یا دس روپے وغیرہ دیتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے۔ یا نہیں' اور وہاں پر کھانا کھانا جائز ہے؟ کہ ان کے مہمان ہیں رشتہ داروں میں آنا جانا ضرور پڑتا ہے اور خود وہاں پر رہتا ہے۔ ان کے لیے کیا حکم ہے پھر وہ بھی برادرانہ طور پر کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں۔

(۳) ایک آدمی نے اپنی لڑکی کی شادی کر دی اور سال چھ ماہ کے بعد خاوند بیوی میں سخت نا چاقی ہو جاتی ہے۔ اور اب یہ امید نہیں کہ لڑکا لڑکی کو بسائے۔ لڑکی والا برادری کو بلا کر پنچائیت کرتا ہے۔ اور پنچائیت نے لڑکے کے بیان لیے یا اس کے باپ کے بیان لیے۔ ان دونوں کے بیانوں سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی کا بسنا بہت مشکل ہے۔ اور پنچائیت نے یہ فیصلہ کر دیا۔ کہ لڑکی کو طلاق دے کر فارغ کر دے اور لڑکا پنچائیت کا فیصلہ منظور کرتے ہوئے اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اس میں برادری گناہ گار نہیں ہے؟ بینوا توجروا

﴿ج﴾

بغیر کسی ناجائز رسوم اور لوازمات کے قرآن مجید پڑھ کر ایصال ثواب کرنا یا درود شریف پڑھ کر ثواب پہنچانا جائز ہے اور عذاب میں تخفیف اور درجات میں اضافہ کا باعث ہے۔ لیکن مروجہ طریقہ تیسرے دن کا التزام اہل میت، کی طرف سے دعوت کا اہتمام شرعاً درست نہیں۔ بدعت ہے۔ صحابہ تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ بلا التزام تیسرے دن کے اور اہتمام دعوت کے کسی دن قرآن مجید اور ذکر وغیرہ کا ثواب بخشا جاوے یہ جائز اور مستحسن ہے۔ اجرت پر ایصال ثواب کے لیے قرآن کا پڑھنا ناجائز ہے۔ اور اس سے کسی کو ثواب نہیں ملتا۔

(۲) یہاں بھی یہ رسومات درست نہیں۔ بطیب خاطر اگر کوئی میت کے ورثاء کی امداد کرے تو جائز ہے۔ لیکن برادری کے شرم کی بنا پر بطور رسم دیدینا درست نہیں۔

(۳) اگر شرعی طریقہ سے زوجین کے آباد ہونے کی کوئی صورت بظاہر نہیں تھی تو یہ فیصلہ درست ہے۔ اور گنا نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

نماز جنازہ کے بعد فاتحہ خوانی کو ضروری سمجھ کر کرنا بدعت ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین دریں مسئلہ کہ بعد صلوٰۃ جنازہ یہ جو مروج ہے کہ گیارہ دفعہ قل شریف پڑھتے ہیں اور درود شریف پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صلوٰۃ جنازہ کے بعد یہ ضرور پڑھنا چاہیے (۲) کوئی خسرہ دوکان پر کوئی چیز لینے کے لیے آتا ہے اور وہ چیز لے کر پھر پیسے دیتا ہے تو آیا وہ پیسے اس سے لینے چاہئیں یا نہ اور اس سے لے بھی لے تو پھر ان کو کہاں خرچ کر دے۔ براہ کرم یہ دونوں مسئلے از روئے شریعت بالدلیل واضح فرمائیں۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں بعد از جنازہ جمع ہو کر گیارہ دفعہ قل شریف پڑھنا اور درود شریف پڑھنا پھر دعا مانگنا جیسا کہ مروج ہے۔ بدعت ہے (۲) خسرہ کی اگر حلال کمائی محنت ومزدوری وغیرہ سے ہو تو اسے لے لینے میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس کے پاس گانے بجانے کے پیسے جو کہ حرام وخبیث ہیں تو احتراز کرنا چاہیے۔ البتہ اسے یہ کہا جائے کہ کہیں سے قرض لے آؤ اور ہم سے سودا خرید کر لو اور رقم مشتبہ سے قرض ادا کر دو۔ فقط واللہ اعلم۔

نفس ایصال ثواب جائز و مستحسن ہے اپنی طرف سے اوقات و کیفیات کا تعین بدعت ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے علاقہ میں قل پڑھنے کی رسم اس طریق پر ہوتی ہے کہ تیسرے دن صبح بعد نماز فجر مسجد میں لوگ جمع ہو جاتے ہیں اکثر لوگ آجاتے ہیں، تو مولوی صاحب سورہ ملک کی تلاوت کر کے ختم پڑھتے ہیں۔ یعنی مروجہ چند آیات ملا کر اور سامعین اس سننے کا ثواب مولوی صاحب کے حوالے کرتے ہیں۔ اور مولوی صاحب وہ ثواب میت کی روح کو بخش دیتا ہے اور اس پڑھنے پر مولوی صاحب کو سیر یا دو سیر دانے بھی دیے جاتے ہیں۔ بعض مولویوں نے اس کو بدعت کہا ہے بعد میں اس علاقہ کے مفتی صاحب سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا یہ قل پڑھنا شریعت میں نہ فرض ہے اور نہ واجب لیکن حدیث شریف میں آیا ہے۔ تعزیت تیسرے دن ختم ہو جاتی ہے۔ لہذا جس شخص نے یہ تجویز نکالی ہے۔ احسن ہے۔ بلکہ میں صبح کی بجائے ظہر کو ترجیح دیتا ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ مولوی صاحبان مسجد میں جمع ہونے پر اعتراض کرتے ہیں۔ یا قرآن پر اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مولوی صاحب کا فتویٰ صحیح ہے یا نہ۔

﴿ج﴾

معلوم ہو کہ میت کے لیے دعا و استغفار کرنا اور صدقہ و خیرات دینا اور بلا اجرت کے قرآن کریم پڑھ کر ایصال ثواب کرنا اور نفلی عبادات سے میت کو ثواب پہنچانا شرعاً نہ صرف جائز و صحیح ہے بلکہ مستحب و مستحسن اعمال ہیں۔ لیکن ایصال ثواب کے لیے شریعت مطہرہ نے دنوں اور تاریخوں کی کوئی تعیین و تخصیص نہیں کی ہے۔ اس لیے عبادت کے اندر اپنی طرف سے اوقات اور کیفیات کا تعین کرنا بدعت ہے۔ مندرجہ ذیل نصوص شرعیہ و عبارات فقہیہ اس پر دال ہیں مسلم شریف ص ۳۶۱ ج ا میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ عن النبی ﷺ قال لاتختصوا لیلة الجمعة بقیام بین اللیالی ولاتختصوا یوم الجمعة بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصوم احدکم الحدیث۔ نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کتب حدیث میں ایک جماعت کے خاص ہیئت و خاص کیفیت کے ساتھ مسجد میں ذکر کرنے پر بدعت و ضلالت کا ارتکاب کرنے کا حکم فرمانا مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ جب کہ آپ کا اس جماعت پر گزر ہوا۔ جس میں ایک شخص کہتا تھا سو دفعہ اللہ اکبر پڑھو تو حلقہ نشین لوگ کنکریوں پر سو دفعہ اللہ اکبر پڑھتے پھر وہ کہتا سو دفعہ لا الہ الا اللہ پڑھو۔ وہ سو بار تہلیل پڑھتے پھر وہ کہتا سو دفعہ سبحان اللہ پڑھو وہ سنگریزوں پر سو دفعہ تسبیح پڑھتے۔ حضرت ابن مسعود

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم ان سنگریزوں پر کیا پڑھتے تھے۔ وہ کہنے لگے ہم تکبیر وتہلیل وتسبیح پڑھتے رہے ہیں۔
آپ نے فرمایا: عدوا من سیاتکم فانا ضامن ان لایضیع من حسناتکم شئی ویحکم یاامة
محمد ﷺ ما اسرع هلكتكم هؤلاء صحابة بينكم متوافرون وهذا ثيابه لم تبل وانية لم
تكسر الى ان قال اومفتحى باب ضلالة الخ. مسند دارمی ص ۳۸ علامہ قاضی ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ
مجالس ابرار ص ۱۳۲ پر یہ الفاظ ذکر کرتے ہیں۔۔انا عبدالله بن مسعود فوالذى لااله غيره لقدجئتم
ببدعة ظلماء اولقد نقبتم على اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم. ابن دقيق العيد رحمه
الله تعالیٰ احکام الاحکام ص ۵۳ جلد ا میں لکھتے ہیں۔فانا عبدالله بن مسعود تعلمون انكم لاهدى
من محمد ﷺ واصحابه (الى ان قال) لقد جئتم ببدعة عظمى او لقد فضلتم اصحاب
محمد ﷺ فهذا بن مسعود انكر هذا الفعل مع ادراجه تحت عمومية الذكر، اسی طرح عبداللہ
بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اجتماعی طور پر ضحیٰ کی نماز پڑھنے والوں پر بدعت کا حکم فرمانا کتب حدیث میں مذکور
ہے۔اور بھی صحابہ سے اس قسم کے اعمال کے اجتماعی طور پر کرنے اور التزام کرنے پر بدعت فرمانا منقول ہے۔
علامہ ابواسحاق شاطبی رحمہ اللہ بدعات کی تعیین اور تردید کرتے ہوئے الاعتصام ص ۳۴ پر تحریر فرماتے ہیں۔
ومنها التزام الكيفيات والهيأت المعينة كالذكر بهيئة الاجتماع على صوت واحد (الى ان
قال) ومنها التزام العبادات فى اوقات معينة لم يوجد لها دال على التعيين فى الشريعة
دوسری جگہ الاعتصام ص ۳۳۵ پر لکھتے ہیں. فاذاندب الشرع مثلاً الى ذكر الله تعالى فالتزم قوم
الاجتماع على لسان واحد وبصوت واحد وفى وقت معلوم مخصوص عن سائر الاذكار لم
يكن فى ندب الشرع ما يدل على هذا التخصيص والالتزام بل فيه مايدل على خلافه الخ.
حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ تعالیٰ احکام الاحکام ص ۱۵۱ ج ا پر لکھتے ہیں۔ان هذه الخصوصيات بالوقت
اوبالحال والهيئة والفعل المخصوص يحتاج الى دليل خاص يقتضى استحبابه وخصوصه
وهذا اقرب (الى ان قال) لان الحكم باستحبابه على تلك الهيئة الخاصة يحتاج دليلاً
شرعياً ولا بد الخ. ابوحنیفہ ثانی علامہ ابن نجیم زین الدین صاحب بحرالرائق اپنی اس کتاب کے ص ۱۵۹ ج ۲ پر
لکھتے ہیں۔ لان ذكر الله تعالى اذا قصد به التخصيص بوقت دون وقت اوشيئى دون بشئ لم
يكن مشروعاً حيث لم يرد الشرع به لانه خلاف الشرع تعزیت کے متعلق شامی ص ۶۶۴ ج امیں
ہے۔

(قوله فى غير مسجد) امافيه فيكره كما فى البحر عن المجتبى وجزم به فى شرح
المنيه والفتح (الى قوله) قلت ومافى البحر من انه ﷺ جلس لما قتل جعفر و زيد بن
حارثه والناس ياتون ويعزونه الخ . يجاب عنه بان جلوسه صلى الله عليه وسلم لم يكن
مقصودا للتعزية وفى الامداد وقال كثير من متاخرى أئمتنايكره الاجتماع عند صاحب
البيت ويكره له الجلوس فى بيته حتى يأتى اليه من يعزى بل اذا فرغ ورجع الناس من الدفن
فليتفرقوا و يشتغل الناس بامور هم وصاحب البيت بامره . فتح القدیر ص ۳۸۳ ج ا کی عبارت یہ
ہے۔ ويجوز الجلوس للمصيبة ثلاثة ايام وهو خلاف اولى ويكره فى المسجد ۔الخ الحاصل
یہ کہ مسجد میں آ کر قرآن شریف پڑھنا اور ایصال ثواب کرنا ناجائز ہیں۔لیکن ان شروط وقیود کے ساتھ جو سوال میں
مذکور ہیں۔یا ان کے علاوہ مثلاً اس مجلس میں شرکت نہ کرنے والے پر ناراض ہونا۔اور اس ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ
ایصال ثواب کا اہتمام کرنا چونکہ قرون اولیٰ میں ثابت نہیں ہے اور اسے عبادت اور کار خیر سمجھا جاتا ہے۔اس لیے
بنص من احدث فى امرنا هذا ماليس منه فهورد الحديث۔ بدعت اور ناروا ہے۔

ایک پارہ تیس آدمیوں کو سنانا ختم قرآن کے مساوی نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین۔کہ ہمارے علاقہ میں ایک مولوی صاحب نے حکم دیا ہے
کہ تیس آدمی کو جمع کر کے پھر وہ پارہ اول قرآن شریف پڑھ کر ان کو کہتا ہے کہ جونسا پارہ تلاوت کیا ہے۔اس کا
ثواب میرے ملک کر دو وہ لوگ ملک کر دیتے ہیں۔اور پھر مولوی مذکور کہتا ہے کہ تمام قرآن شریف ختم کا ثواب ملتا
ہے۔اور لوگوں نے بندہ سے پوچھا کہ تمام قرآن شریف کا ثواب ملتا ہے یا نہ۔تو بندہ نے کہا۔کہ تمام قرآن
شریف کے ختم کا ثواب تو نہیں ملتا۔ ہاں تمہارا رواجی ختم ہے۔پھر مولوی مذکور نے بندہ کو خط ارسال کیا کہ افسوس
آپ کے کہنے پر اور یہ دلائل ذیل والے اس نے خط میں تحریر کیے تھے۔
(۱) اس ختم کا ثبوت حدیث شریف میں موجود ہے کیوں رسولؐ کے دین پر غلطی کرتے ہو۔
(۲) اگر ایک آدمی تلاوت قرآن مجید پڑھتے وقت آیت سجدہ تلاوت جہراً پڑھتا ہے۔تو سننے والے پر سجدہ
تلاوت لازم ہو جاتا ہے۔تو ایک پارۂ قرآن شریف تیس آدمیوں کے سننے سے ختم قرآن شریف نہیں ہوتا۔
(۳) تیسری دلیل ایک امام جماعت میں الحمد شریف جہراً پڑھتا ہے۔اور باقی مقتدی سنتے ہیں۔ان کی نماز

ہوجاتی ہے۔اور ایک پارہ قرآن سے ختم شریف کیوں نہیں ہوتا۔

(۴) چوتھی دلیل عالمگیری میں آتا ہے کہ جہاں مولوی ایک ہو۔ باقی لوگ ناخواندہ ہوں۔تو وہاں ایک پارہ تیس آدمیوں کو سناکر تمام قرآن شریف کا ختم ہوجاتا ہے۔

نوٹ: اس مولوی مذکور کے اس فتوئی کی وجہ سے اب اکثر علاقہ میں اس طرح سے ختم قرآن کرتے ہیں۔ صرف ایک پارہ پڑھتے ہیں۔اور ختم ہوجاتا ہے۔اور پورے قرآن کا پڑھنا ترک کردیا ہے۔

﴿ج﴾

قرأۃ قرآن ایک ثواب ہے۔اور سماع قرآن دوسرا ثواب ہے۔لہٰذا اگر ایک قاری ایک پارہ قرآن کا پڑھ لے۔اور باقی سن لیں۔اور قاری پڑھنے کا اور سامع سننے کا ثواب میت کی روح پر بخشش کردیں۔تو قراءۃ اور سماع دونوں کا ثواب اس کی روح کو پہونچ جائے گا۔لیکن یہ ختم قرآن نہیں کہلائے گا۔ختم قرآن اسے کہتے ہیں کہ قرآن کریم کو اول سے آخر تک جو مُنزّل من السماء ہے۔پڑھا جاوے۔حتیٰ کہ اگر صرف پہلا پارہ مثلاً تیس آدمی پڑھ لیں۔تب بھی ختم قرآن نہیں کہلایا جائے گا۔ بلکہ یوں کہا جائے گا۔کہ پہلا پارہ تیس مرتبہ پڑھا گیا۔تو صرف سماع کو اور وہ بھی صرف ایک پارہ کے ختم کو ختم قرآن کس طرح کہا جاوے گا۔لہٰذا صورۃ مسئولہ میں یہ عمل اگرچہ ثواب ہے۔اور میت کو بخشا جاسکتا ہے۔لیکن ختم قرآن نہیں ہے۔واللہ اعلم۔

چالیسویں کا کھانا ایک رسم ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء شرع اس مسئلہ کے بارہ میں ہمارے علاقہ میں یہ رواج ہے کہ چالیسویں پر جو طعام پکایا جاتا ہے۔اس کو برادری میں تقسیم کیا جاتا ہے۔اور بعض اوقات برادری خود مجبور کرتی ہے۔کہ ہماری دعوت کرو کیا یہ طعام برادری کو کھلانا چاہیے۔یا کہ مسکینوں کو آپ اس مسئلہ کے بارے میں جو کچھ بھی تحریر کریں اس مسئلے کا حوالہ اور کتاب کا صفحہ بھی ضرور تحریر کریں۔اس کے علاوہ اپنے مدرسہ کے مہتمم کے دستخط اور مدرسہ کی مہر بھی ضرور لگائیں۔تاکہ مسئلہ ایک فتوٰی کی صورت اختیار کرے۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ چالیسویں پر جو طعام پکایا جاتا ہے۔شرع میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک رسم اور بدعت ہے۔البتہ بلا التزامات مروجہ وبلا پابندی رسم وقیود ایصال ثواب جائز اور مستحسن ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جنازہ کے بعد جانور ذبح کرکے گوشت تقسیم کرنے کو ضروری سمجھنا بدعت ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک جگہ یہ صورت پائی جاتی ہے۔جو آدمی مرجاتا ہے۔یا کسی کا کوئی فوت ہوجاتا ہے۔تو اسی متوفی کے مال سے ایک موٹا تازہ جانور اچھے سے اچھا خاص کر بیل اس میت کے ساتھ قبرستان میں لے جاکر ذبح کرتے ہیں اور پھر گھروں پر تقسیم کرتے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ خدا کے نام پر ہم نے یہ کیا ہے۔اور اگر کوئی نہ کرے تو اس پر آپس میں چہ میگوئیاں کرتے ہیں اور دفن کرنے کا بیٹھ کر انتظار کرتے ہیں۔پھر ہر کوئی گوشت کا اپنا حصہ لے کر گھر جاکر کھاتے پکاتے ہیں۔کیا ایسی خیرات کا کھانا جائز ہے یا ناجائز دلائل بیان فرماکر مشکور فرمائیں۔

۲۔ اور دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا جائز ہے۔یا نہیں بینوا توجروا

۳۔ جنازہ کے بعد متصل مجموعی طور پر بیٹھ کر کچھ تسبیح وغیرہ پڑھ کر امام صاحب کا ملک کرکے دعا مانگنا جائز ہے یا نہ اور مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں۔بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

ا۔ یہ ذبح مروجہ ناجائز اور بدعت ہے۔بچند وجوہ شریعت میں غمی کے موقع پر دعوت مشروع نہیں کتب فقہ میں تصریح ہے۔ ان الدعوة شرعت فی السرور لا فی الشرور. اس ذبح کو لازم سمجھا جاتا ہے اور التزام مالا یلزم ناجائز ہے۔اس جانور پر جو رقم صرف ہوتی ہے۔اس میں عموماً نابالغ یتامیٰ کا حصہ بھی ہوتا ہے۔ والذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارًا الأیه نابالغ کا مال صدقہ و خیرات دینا کسی صورت میں بھی روا نہیں۔

اس دعوت سے مقصود ایصال ثواب نہیں ہوتا۔ بلکہ ریا نمود مطلوب ہوتی ہے۔یا لوگوں کے طعن وتشنیع کے ڈر سے ذبح کرتے ہیں۔ جب کہ خود سوال میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔ایصال ثواب مقصود نہ ہونے پر چند قرائن ہیں۔اخفاء صدقہ افضل ہے اس کے باوجود اگر اخفاء صدقہ کی ترغیب ان لوگوں کو دی جائے۔تو ہرگز قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔(ب) صدقہ بصورت نقد زیادہ بہتر ہے۔کیونکہ اس میں اخفاء بھی سہل ہے۔اور فقراء کے لیے نافع بھی زیادہ ہے۔مع ہذا نقد صدقہ سے ایصال ثواب پر کوئی راضی نہیں۔دوسرے درجہ میں صدقہ کی بہتر صورت یہ ہے کہ حاجت مند کی ضرورت کے پیش نظر صدقہ دیا جائے۔مگر یہاں تو بہر کیف گوشت ہی دینا ہے

(ج) اگر ایصال ثواب کی نیت ہوتی تو فقراء ومساکین کو مقدم سمجھا جاتا۔ حالانکہ ہوتا یہ ہے کہ اقرباء واحباب یا صاحب اقتدار سرمایہ دار لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ فقراء تو صرف برائے نام ہوتے ہیں۔ ان حالات میں اس دعوت اور ذبح کو کون یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ یہ ایصال ثواب کے لیے ہے۔

قال فی الشامية معزيا الی الفتح ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع فی السرور لافی الشرور وهی بدعة مستقبحة روی الامام احمد وابن ماجة باسناد صحيح عن جرير بن عبدالله رضی الله عنه قال كنا نعد الاجتماع الی اهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة اه وفی البزازية ويكره اتخاذ الطعام فی اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القران (الی قوله) واطال فی ذلک فی المعراج وقال وهذه الافعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها لانهم لايريدون بها وجه الله تعالی. (ردالمحتار ص ۲۶۴ ج ۱)

(۲) اذان علی القبر کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں اس لیے بدعت ہے۔ قال فی الشامية فی الاقتصار علی ماذكر من الوارد اشارة الی انه لايسن الاذان عند ادخال الميت فی قبره كما هو المعتاد الأن وقد صرح ابن حجر فی فتاويه بانه بدعة (ردالمحتار ص ۲۶۰ ج ۱) من البدع التی عامت فی الهند الاذان علی القبر در البحار) تو شیخ تنقیح محمود السلجی میں بھی اذان علی القبر کو ليس بشئی لکھا ہے۔ (بحوالہ احسن الفتاوی ص ۱۱۸)

(۳) ایصال ثواب برائے اموات کے استحباب میں کچھ تامل نہیں۔ بلا قیود ورسوم مخترعہ کے ایصال ثواب الی الاموات جائز ہے۔ لیکن جب تخصیص اور التزامات مروجہ ہوں۔ تو نادرست اور باعث مواخذہ ہوجاتا ہے۔ اور دفن سے پہلے دعا مانگنا بھی صحیح نہیں۔ وفی البحر من صام اوصلی اوتصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز ويصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة كذا فی البدائع (ردالمحتار باب صلوۃ الجنائز ص ۲۶۶ ج ۱)

وقال القاری فی المرقات من اصر علی امر مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان من الاضلال فكيف من اصر علی بدعة ومنكر انتهی وفی العالمگيريه وما يفعل عقيب الصلوة مكروه لان الجهال يعتقدونها سنة واجبة وكل مباح يودی اليه فمكروه اه. وفی شرح المشكوة. باب المشی بالجنازة والصلوة عليها ولايدعو للميت بعد صلوة الجنازة لانه يشبه الزيادة فی صلوة الجنازة وفی خلاصة الفتاوی لايقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

وفات کے بعد تین دن تک میت کے گھر کھانا مکروہ ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسائل کہ (۱) پردہ کی فرضیت کب ہوئی۔ (۲) اور آیا متوفی کے گھر سے تین دن تک کھانا کھانا جائز ہے یا نہ اور یہ فرمائیے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کب ہوئی تھی۔ نیز یہ بھی فرمائیے کہ نماز کب فرض ہوئی۔ مذکورہ بالا مسائل کو ادلہ سے ثابت کرکے عنداللہ ماجور ہوں۔ بینوا وتوجروا۔

﴿ج﴾

مسئلہ حجاب قرآن مجید میں بتدریج نازل ہوا ہے۔ ابتدائے اسلام میں بالکل پردہ نہیں تھا۔ پھر قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم اور يدنين عليهن من جلابيبهن وغیرہ۔ آیات نازل ہوئیں؛ جن میں پردہ کا ابتدائی درجہ مذکور ہے اس کے بعد دوسری آیات آئیں جن میں پردہ کا خاص اہتمام ظاہر ہوتا ہے۔ واذا سئلتموهن متاعاً فاسئلوهن من وراء حجاب یہاں تک کہ گھر کے اندر رہ کر پردہ کرنے کا حکم بھی قرآن ہی میں نازل ہوگیا۔ وقرن فی بيوتكن الأية لیکن ضرورت شرعیہ مثلاً نماز جماعت وغیرہ اس وقت تک مستثنیٰ تھی گو حضور ﷺ کے ارشاد سے اس وقت بھی افضلیت اسی کی سمجھ میں آتی تھی کہ عورتیں اپنے گھروں میں نمازیں پڑھیں جیسے ارشاد نبوی ہے صلوتها فی بيتها افضل من حجرتها او كما قال (مشکوٰۃ) لیکن زمانہ نبوت کے بعد نبی کریم ﷺ کے ارشادات وتصریحات کو سمجھنے والے صحابہ کرام نے زمانہ کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ان ضروریات شرعیہ میں بھی عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت کردی۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہی مضمون صراحۃً مذکور ہے کہ اگر حضور ﷺ اس حالت کو دیکھتے تو یقیناً عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روک دیتے اور اسی لیے جمہور صحابہ کی عورتیں خلفائے راشدین کے عہد میں مساجد جانے سے رک گئی تھیں اس سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جب نماز جیسے اہم کام اور جماعت جیسی فضیلت کے لیے اس کو نکلنے کی اجازت شریعت نے نہ دی تو کسی اور کام کے لیے کیسے اجازت ہوگی۔

۲۔ مکروہ ہے درالمختار ص ۲۶۴ ج ۱ میں ہے ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع في السرور لافی الشرور وهی بدعة مستقبحة وفی البزازيه ويكره اتخاذ الطعام فی اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع.

۳۔ ہجرت کے دوسرے سال میں فرضیت زکوٰۃ ہوئی ہے۔ ففی الدر و فرضت فی السنة الثانية قبل فرض رمضان۔

۴۔ نماز شب معراج ہی میں فرض ہوئی ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے درمختار میں ہے (هى فرض عين على كل مكلف) بالاجماع فرضت فى الاسراء ليلة السبت سابع عشر رمضان قبل الهجرة بسنة و نصف وكانت قبله صلاتين قبل طلوع الشمس وقبل غروبها ص ۲۵۸/ج ۱۔
فقط واللہ اعلم

جنازہ پر آنیوالوں کے لیے اہل میت کا انتظام دعوت مکروہ ہے

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید فوت ہو جاتا ہے تو اس کی تجہیز و تکفین میں ہر کس و ناکس برائے اعانت شرکت کرتے ہیں تو اہل میت اسی دن ان شرکاء کے لیے لازماً علی سبیل الوسعة ایک دنبہ یا بکرہ یا گائے یا بھینس وغیرہ ذبح کر کے ان کو کھانا کھلاتا ہے رفتہ رفتہ اب ایک رسم بن چکی ہے اگر اہل میت کھانا وغیرہ نہ کھلائے تو مطعون ومعتوب و بے وفا سمجھا جاتا ہے نیز مقامی نیم خواندہ ملا صاحبان اور جہلاء کا طبقہ نتبع ما الفينا عليه اباء نا کی رٹ لگاتے ہیں اور جہلاء کی ایک یہ بھی دلیل ہے کہ اگر اس طرح کھانا نہ کھلائیں تو پہاڑی بعض علاقوں میں قلت الناس کی وجہ سے آئندہ میت کی تجہیز و تکفین کے لیے کوئی نہیں آئے گا تو کیا میت کو باہر چھوڑ دیں لہٰذا اب صورت مسئلہ مذکورہ میں کیا یہ طعام کھانا اور کھلانا عندالشرع و مذہب حنفیہ حلال ہے یا حرام ہے اور دلائل وحوالجات کی اشد ضرورت درپیش ہے کیونکہ بلوچستان کے بعض پہاڑی علاقوں میں نیم خواندہ ملا تو ہوتے ہیں مگر کتابیں نایاب ہوتی ہیں۔ لہٰذا برائے کرم اس مسئلہ کو دلائل قطعیہ وحدیث رسول اللہ ﷺ وعبارات فقہاء سے متوشم ومبرھن فرما کر مہر دارالافتاء لگا کر عنایت فرمائیں۔

(ج)

مذہب احناف میں مکروہ اور حرام ہے جیسا کہ ملا علیؒ قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۲۲۳/ج ۴ میں لکھا ہے۔ واصطناع اهل البيت له لاجتماع الناس عليه بدعة مكروهة بل صح عن جريرؓ كنا نعده من النياحة. وهو ظاهر فى التحريم قال الغزالى ويكره الاكل منه قلت وهذا اذا لم يكن من مال اليتيم او الغائب والا فهو حرام بلا خلاف مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۱ ج ۱ کی حدیث بھی اس پر دال ہے وعن عبدالله بن جعفرؓ قال جاء نعى جعفرؓ قال النبى صلى الله عليه وسلم اصنعوا لآل جعفر طعاماً فقد اتاهم مايشغلهم فتاویٰ عالمگیریہ ص ۱۰۶ ج ۴ میں ہے۔ ولا يباح اتخاذ الضيافة ثلثة ايام فى ايام المصيبة فتاویٰ تاتارخانیہ وغیرہ میں بھی یہ مسئلہ مدلل ثابت ہے۔

ایضاً

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مثلاً زید فوت ہو جاتا ہے۔ تو اس کی تجہیز و تکفین میں ہر کس و ناکس برائے اعانت شرکت کرتے ہیں۔ تو اہل میت اس دن ان شرکاء کے لیے لازماً علی سبیل الوسعة ایک دنبہ یا بکرہ گائے بھینس وغیرہ ذبح کر کے ان کو طعام کھلاتے ہیں۔ یہ رفتہ رفتہ ایک قسم کی رسم بن چکی ہے۔ کہ اگر اہل میت کھانا وغیرہ نہ کھلائیں تو مطعون اور معتوب ومعیوب و بے وقار سمجھا جاتا ہے۔ مقامی نیم خواندہ ملا صاحبان اور جہلاء کا طبقہ نتبع ما الفينا عليه ابائنا کی رٹ لگاتے ہیں۔ لہٰذا صورت مسئلہ مذکورہ میں کیا یہ طعام کھلانا عندالشرع جائز ہے یا نہ دلائل کے ساتھ جوابات کی اشد ضرورت ہے۔

(ج)

یہ طعام اگر صدقہ کے طور سے ہو تو جائز ہے۔ اور اگر ضیافت کے طور سے ہو تو تین دن تک ناجائز ہے۔ اور اگر رسم ورواج کے طور سے ہو تو ہر وقت ناجائز اور عبث ہے۔ (فی ردالمحتار ص ۲۶۴/ج ۱) ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع فى السرور لا فى الشرور وهى بدعة مستقبحة روى الامام احمد وابن ماجة باسناد صحيح عن جرير بن عبدالله رضى الله عنه كنا نعد الاجتماع الى اهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة اه وفى البزازية ويكره اتخاذ الطعام فى اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الى القبر فى المواسم.... وفيها من كتاب الاستحسان وان اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا انتهى ص ۲۶۴/ج ۱۔ مختصرا قلت وماروى من حديث داعى امرأته فالرواية الثابتة بغير الاضافة ولو سلمت الاضافة فالترجيح للمحرم وايضا كان طعامهم طعام الحاجة لا طعام الضيافة المعروفة والاطعام الرسم فقط.

نوٹ: یہ صدقہ بھی اگرچہ مختلف فیہ تو ہے۔ اگر بالفرض جائز بھی ہو تو بایں طور کہ اہل میت کھانا وغیرہ پکا کر باہر غرباء وفقراء کو یا کسی دینی مدرسہ میں دے دیں۔ اور اہل میت کے گھر میں جمع ہو کر سرور جیسی صورت پیدا کر کے کھانا بالاتفاق قطعاً جائز نہیں ہے۔ خواہ کھانے والے فقراء ہوں یا اغنیاء یا مراکمین ہوں۔

محمد فرید عفی عنہ پشاور مفتی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

یہ رسم زمانہ نبوی علی صاحبہا الوف التحیة والسلام اور حضرات صحابہ کرام وتابعین عظام کے بعد میں نہ تھی گویا

کہ قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد کی ایجاد ہے۔ اور اسے ضروری قرار دیا جاتا ہے۔ اور تارک پر نکیر کی جاتی ہے۔ پس بموجب ارشاد نبوی من احدث فی امرنا هذا (الحدیث) یہ بدعت قبیحہ ہے۔ جیسا کہ محقق ابن الھمام نے تصریح فرمائی ہے۔ وھی بدعة مستقبحة۔ پس یہ رسم واجب الترک ہے۔ نیز اس میں معارضہ ہے۔ ارشاد نبوی اصنعوا لآل جعفر طعاما فانهم اتاهم مایشغلهم کا لہٰذا اس کا چھوڑنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

مروجہ محفل میلاد و معراج، اسمِ محمدؐ پر انگوٹھے چومنا، میت کے آگے درود شریف پڑھنے کا شرعی حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل کے بارہ میں

۱۔ مروجہ جلسہ المیلاد و معراج جائز ہے یا ناجائز ہے۔

۲۔ نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا ناجائز ہے۔

۳۔ اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا ناجائز ہے۔

۴۔ حضورؐ کے نام مبارک پر انگلیوں کا چومنا جائز ہے یا ناجائز ہے۔

۵۔ کسی مصیبت کے وقت درود شریف کا لکھنا یا ختم قرآن شریف پڑھانا اور اس کے عوض رقم دینا یا پڑھنے والوں کو طعام کھلانا جائز ہے یا ناجائز۔

۶۔ میت کی چار پائی کے آگے درود شریف کہنا جائز ہے یا ناجائز ہے۔

﴿ج﴾

۱۔ اگر منکرات شرعیہ اور تعیین تاریخ اور التزام بدعات سے خالی ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

۲۔ بدعت سیئہ ہے صحابہ کرام و تابعین و سلف صالحین سے منقول نہیں اور نہ خیر القرون میں معمول ہے اس لیے اس پر التزام کرنا اور مخالفین پر انکار کرنا گناہ ہے۔ اس کا ترک کرنا لازم ہے۔

۳۔ دعائے اذان میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت نہیں ہے۔ یہ دعا بمنزلہ ذکر ہے۔ الفاظ منقولہ سے کی جاتی ہے۔ جس دعا میں انتہائی درخواست دربار خداوندی میں پیش ہو اور وہ منقول ہونے کی حیثیت سے نہ مانگی جاوے۔ وہاں رفع یدین مسنون ہوتا ہے۔

۴۔ بعض ضعیف کتب میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ لیکن چونکہ خیر القرون میں معمول نہ تھا اس لیے اس کو ترک کردیا جاوے۔

۵۔ نفس ختم جائز ہے اس کا ثواب میت کی روح کو بخشنے سے پہونچ جاتا ہے۔ لیکن اجرت سے پڑھنا جائز نہیں۔ اور نہ اس پڑھنے کا ثواب ہے۔ اور نہ میت کو نفع پہونچتا ہے اور نہ وہ طعام اور رقم پڑھنے والے کے لیے جائز ہے۔ خواہ اجرت طعام یا کوئی رقم مقرر کردی ہو۔ یا عرف عام کی وجہ سے معلوم ہو۔ پڑھنے والا یہی جانتا ہے کہ مجھے کچھ ملے گا اور دینے والا بھی سمجھتا ہے کہ مجھے کچھ ضرور دینا ہے۔ لہٰذا اگرچہ بظاہر مقرر نہیں کیا لیکن بحکم المعروف کالمشروط یہ بھی ناجائز ہے۔ شامی کتاب الاجارۃ ج ۵ ملاحظہ فرماویں۔

۶۔ میت کی چار پائی کے آگے آگے زور سے پڑھنا درود کا ثابت نہیں۔ اس کو ترک کردینا ضروری ہے۔

متوفی کے گھر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ کہنا

﴿س﴾

۱۔ نماز جنازہ پڑھنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں۔ تین دفعہ قل شریف یا گیارہ دفعہ پڑھ کر امام سے ملا کر جائز ہے یا نہیں۔ یا خود پڑھ کر بخشنا جائز ہے؟

۲۔ متوفی کو دفن کرنے کے بعد اکٹھے ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں۔

۳۔ متوفی کے گھر پر فاتحہ ہاتھ اٹھا کر کہنا جائز ہے یا نہیں۔ اور قل خوانی تیسرے دن کو کرنی درست ہے۔ بدعت ہے۔ شرک ہے۔ یا جائز ہے؟

۴۔ متوفی کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

۱۔ قال النبی ﷺ من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد وقال ﷺ کل بدعة ضلالة۔ بدعت کی حقیقت یہ ہے کہ کسی غیر نبی کی بات کو جو نبی کریمؐ کے زمانہ اور خیر القرون میں نہ ہو۔ اور اب اس رسم کو موجب ثواب سمجھا جاوے اور نہ کرنیوالے پر انکار ہو۔ ایسی بدعت یقینی گمراہی ہے۔ کسی شے کا موجب ثواب ہونا بغیر دلیل شرعی کے ثابت نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا نماز جنازہ کے بعد اجتماعی ہیئت سے دعا مانگنا اور ہاتھ اٹھا کر مانگنا چونکہ ثابت نہیں اس لیے بدعت ہے۔ جس سے بچنا لازم ہے۔ قل شریف یا دیگر طاعات کا ثواب روح میت کو بخش دینے سے پہونچ جایا کرتا ہے۔ یہی اہل سنت والجماعۃ کا مسلک ہے۔ لیکن امام کو تملیک کرنا بے فائدہ ہے۔ خود بھی جب پہونچا سکتے ہو تو کیا ضرورت ہے۔ کہ دوسرے کی تملیک کی جاوے۔ ہاں اگر کردی جاوے تو مختار یہی ہے کہ اس کی ملک ہوجاتی ہے۔ اور وہ بخش سکتا ہے۔ فی البحر من صلی وصام اوتصدق وجعل ثوابه لغیره

عن الاموات والاحیاء جاز ۔لیکن احیاء کی تملیک میں اختلاف ہے۔جیسا کہ شامی میں مذکور ہے۔اس لیے اختلاف سے بچنا اور بلاضرورت کام نہ کرنا چاہیے۔(۲) ثابت نہیں ہے۔بلکہ بدعت ہے۔نفس دعاء مانگنا مسنون ہے
۳۔نفس تعزیہ اور اہل میت کو صبر کی تلقین کرنا اور میت کی مغفرت کی دعا کرنا مسنون ہے۔

نمازِ جنازہ کے بعد ایصالِ ثواب کی رسم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ آج کل ہمارے علاقہ میں یہ کافی وبا پھیلی ہوئی ہے کہ میت پر جب نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے تو پھر نماز کے بعد امام اور مقتدی حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں۔اول وآخر درود شریف اور گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر سب مقتدی امام کے ملک کرتے ہیں۔امام قبلت قبلت کہہ کر دو مرتبہ دعائے مغفرت کرتا ہے۔اس کے بعد لازماً گڑ یا کھجور تقسیم کی جاتی ہے۔پھر دو مرتبہ امام اور مقتدی ملک میت کے حق میں دعا کرتے ہیں۔بعد میں میت کو قبر کی طرف لے جاتے ہیں اور دفن کرتے ہیں۔اس رسم ورواج میں تقریباً نصف گھنٹہ صرف ہو جاتا ہے۔(۲) پھر دوسرے دن صبح کو میت کے گھر میں برادری کے اکثر لوگ اور بعض دوسرے محلوں کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور امام کو ضرور بلایا جاتا ہے اور پھر امام سورہ ملک اور اواخر کی مختلف چند سورتیں پڑھتا ہے۔بعد میں دو مرتبہ میت کے حق میں دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔اب یہ دونوں رسمیں لازماً کی جاتی ہیں۔اس کو دین کا ضروری امر سمجھا جاتا ہے۔کیونکہ اگر محلے کا امام یہ دونوں صورتیں نہیں کرتا تو اس پر کافی لعن طعن کی جاتی ہے۔بلکہ بعض اماموں کو امامت سے الگ کیا جاتا ہے۔اس میں زید کہتا ہے کہ یہ دونوں صورتیں شرع شریف میں جائز نہیں ہیں۔کیونکہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تابعین وتبع تابعین وخلفاء راشدین سے ثابت نہیں ہیں۔جمہور فقہاء رحمہم اللہ اجمعین اس کو مکروہ تحریمی بدعت سیئہ کہتے ہیں۔جس کو ترک کرنا لازمی ہے۔اور عمرو کہتا ہے کہ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔یہ رسم ورواج ہمارے آباء واجداد سے لازماً جائز ہیں۔جس کو چھوڑنا بہت دشوار ہے۔کیونکہ اس کے ترک پر جھگڑا اور فساد برپا ہوتا ہے۔مگر عمرو کے پاس کوئی شرعی حجت نہیں مگر ہم نے دیکھا کہ جو حضرات بھی ان دعاؤں کے عدم جواز پر ثابت قدم ہو گئے ہیں ہمارے ہاں کبھی کوئی جھگڑا فساد برپا نہیں ہوا۔صرف اس عالم دین کو وہابی وہابی کے خوب فتوے دیے جاتے ہیں۔اور اس کو دھمکایا جاتا ہے اور چوں چوں کے مربع تک بات محدود رہتی ہے۔مزید کوئی فتنہ نہیں ہوتا۔لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ نزدیک صاحب شرع اور صحابہ کرام اور جمہور فقہاء کون سا مسئلہ برحق ہے۔بینوا وتوجروا۔

﴿ج﴾

لوجہ اللہ میت کو قرآن شریف وغیرہ پڑھ کر ثواب پہنچانا عمدہ ہے۔اور اس میں کسی کا خلاف نہیں ہے۔وفی البحر من صام اوصلی اوتصدق وجعل ثوابه لغیره من الاموات والاحیاء جازو یصل ثوابها الیهم عند اهل السنة والجماعة کذا فی البدائع (ردالمحتار باب صلوة الجنائز مطلب فی القرأة للمیت ص ۶۶۲ ج ۱) سورۃ اخلاص پڑھ کر بلاقیود رسوم مخترعہ کے ایصال ثواب کے استحباب میں بھی کچھ تامل نہیں۔لیکن اس طریقہ سے (کہ نماز جنازہ کے فوراً بعد میت کو رکھ لیتے ہیں۔اور درود شریف وقل وغیرہ پڑھتے ہیں۔اور پھر دو دفعہ دعا کرتے ہیں جائز نہیں۔

فقہاء رحمہم اللہ نے نماز جنازہ کے بعد دوبارہ دعا کرنے کو مکروہ اور ممنوع لکھا ہے۔ولا یدعوا للمیت بعد صلوة الجنازة لانه یشبه الزیادة فی صلوة الجنازة (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح) نماز جنازہ خود دعا للمیت ہے۔اس میں اور کسی ایزاد وایجاد کی حاجت نہیں۔دین وہی معتبر ہے جو رسول اللہ ﷺ سے صحابہ تابعین وتبع تابعین نے نقل کیا ہے۔خیر القرون میں جس چیز کا ثبوت نہ ہو۔اس کو اپنی طرف سے لازم سمجھنا اور نہ کرنے والے پر طعن وملامت کرنا سخت گناہ ہے۔حدیث شریف میں ہے۔من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد۔جنازہ کے بعد فوراً میت کو دفن کریں اور دفن کے بعد دعا کریں۔حضور ﷺ نے یہی طریقہ بتلایا ہے۔کما فی سنن ابی داؤد کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبره وقال استغفروا لاخیکم واسئلوا الله له بالتثبت فانه الأن یسئل (شامی) اس طرح میت کے ساتھ گڑ وغیرہ لے جا کر قبرستان میں تقسیم کرنا فقہاء نے منع کیا ہے۔اس میں یتامیٰ کا حق ہوتا ہے۔بعض اوقات اہل میت لعن طعن سے بچنے کے لیے قرض لے کر رسومات بجالاتے ہیں۔ویکره نقل الطعام الی القبر فی المواسم میت کے گھر سے تین دن تک کھانا درست نہیں۔اور نہ ان کے لیے ایصال ثواب کے لیے ان ایام میں دعوت کرنا درست ہے۔ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع الخ. واتخاذ الدعوة لقرأة القران وجمع الصلحاء والقراء للختم ولقرأة سورة الانعام والاخلاص ۔(ردالمحتار باب الجنائز ص ۶۶۴ ج ۱) پہلے روز اور تیسرے روز اور دہم، چہلم کی قید کو اڑا دینا چاہیے شرعاً بلاقید کسی تاریخ کے اور دن کے جب چاہے ایصال ثواب کر دیں۔یہ رسوم اور تخصیصات جو عوام نے مقرر کر رکھی ہیں۔ان کی کچھ اصل نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز جنازہ کے بعد دعا یا ایصالِ ثواب کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ ایک شخص فوت ہوگیا غسل میت ونماز جنازہ پڑھنے کے بعد لوگ جنازہ کے اردگرد بیٹھ جاتے ہیں پھر مولوی صاحب چند سورتیں قرآن مجید سے پڑھتا ہے اور لوگ آمین کہتے ہیں کیا یہ دعا حدیث میں ثابت ہے یا نہ اور قرون ثلثہ میں یہ طریقہ تھا یا نہ۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے قول سے ثابت ہے یا نہ اور کرنے والے کو ثواب ہوتا ہے یا نہ۔ اور نہ کرنے والے کو برا سمجھنا چاہیے یا اچھا۔ سوال (۲) کسی کے فوت ہونے کے بعد تیسرے دن برادری اور غیر برادری وارد گرد کے لوگ ایک جگہ پر جمع ہوجاتے ہیں اور مولوی صاحب سورۃ ملک اور سورۃ اخلاص وغیرہ پڑھتا ہے۔ اس طریقہ کو کل خوانی کہتے ہیں اور ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے نہ کرنے والے کو بہت برا سمجھتے ہیں اور کرنے والے کو اچھا جانتے ہیں کیا یہ طریقہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا یا نہ۔ اور قرون ثلثہ میں کیا گیا ہے یا نہ اور نہ حضرت امام اعظمؒ کے قول سے ثابت ہے یا نہ۔ بینواوتوجروا۔

سوال نمبر۳ کیا حیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیا کی سی ہے یا اور طریقہ پر ہے۔ یا حیات برزخی ہے (۴) کہ قرآن شریف شہید شدہ پڑھنے کے قابل نہیں رہا اس کو کیا کرنا چاہیے اگر کوئی شخص شہید شدہ قرآن شریف کو جلادے کہ بے ادبی نہ ہو کیا اس پر از روئے شریعت کوئی جرم ہے یا نہ۔ بینواوتوجروا۔

﴿ج﴾

نماز جنازہ کے بعد دعا نہ تو حدیث سے ثابت ہے اور نہ خیر القرون میں یہ طریقہ جاری تھا۔ کہ جنازہ کے بعد دعا کی جائے اور فقہاء عظام نے منع فرمایا ہے۔ بحر الرائق ص۱۸۳ ج۲ وقید بالثالثه لانه لایدعو بعد التسلیم کذا فی الخلاصة نمبر۲ یہ طریقہ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ نہ خیر القرون میں تھا اور فقہاء نے منع فرمایا کہ تیسرے دن میں لوگوں کو جمع کیا جاوے اور سورۃ اخلاص ان سے پڑھوائی جائے۔ پھر روٹی ان کو کھلائی جائے۔ شامی ص۶۶۴ ج۲ (ویکره) اتخاذ الدعوة بقراءة القران وجمع الصلحاء والقراء للختم اولقرأة سورة الانعام او الاخلاص. البتہ بلاتخصیص کسی وقت خیرات کرکے یا قرآن شریف پڑھ کر یا کسی سے بلا اجرت پڑھوا کر میت کو ثواب بخشا بہت بہتر ہے۔ (۳) آپ کے جسد اطہر سے وہ تمام افعال واعمال بدرجہ اتم واکمل صادر ہوتے ہیں جو دنیاوی حیات میں ہوتے تھے۔ اس پر علماء اہل سنت کا اجماع ہے۔ البتہ یہ بات کہ ایک مرتبہ حیات بالکلیہ مرتفع ہوئی ہے اور پھر عود کر آئی۔ یا حیات صرف مستور ہوئی ہے۔

مرتفع نہیں ہوئی اور اس ستر الحیوۃ کو ہی موت کہا جاتا ہے۔ اس میں دونوں اقوال علماء اہل سنت کے منقول ہیں۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند اس کے قائل ہیں کہ آپ پر موت یقیناً طاری ہوئی ہے لیکن وہ موت ساتر الحیوٰۃ تھی رافع الحیوٰۃ نہیں۔ گویا آپ کی حیات دنیوی مستمرہ چلی جارہی ہے۔ صرف چند لمحات کے لیے وہ حیات ایسی مستور ہوئی۔ کہ حرکات واعمال اس پر متفرع نہ ہوتے تھے۔ اور یہی آپ کی موت ہے۔ جو عوام کی موت سے علیحدہ حقیقت ہے۔ ''آبِ حیات'' کو مطالعہ فرماویں اب اگر اس حیاۃ کو دنیوی کہیں تو بھی صحیح ہے۔ اور برزخی بدیں معنی کہیں کہ بعد الموت ہے۔ تب بھی صحیح ہے۔ لیکن یہ عقیدہ اہل سنت والجماعۃ کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ کہ آپ کی روح اب بحالت موجودہ آپ کے جسد اطہر سے متعلق نہیں ہے۔ اعلیٰ علیین میں ہے۔ اور جسد اطہر بلاحرکت سالم قبر میں موجود ہے۔ (۴) شہید شدہ قرآن شریف جب پڑھنے کے قابل نہ ہو۔ تو اس کو دفن کیا جائے شامی ص۴۲۲ ج۶ مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی وفی الذخیره المصحف اذا صار خلقاً وتعذر القراءة منه لایحرق بالنار الیه اشار محمد وبه ناخذ ولایکره دفنه. الخ۔ اگر کسی نے شہید شدہ قرآن شریف کو بے ادبی سے بچانے کی خاطر جلا دیا ہے۔ از روئے شریعت اس پر کوئی جرم نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

ختم قرآن کریم پر پیسہ لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ قبر پر جو قرآن مجید پڑھایا جاتا ہے۔ یا پڑھا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں اور پھر پیسے وغیرہ لینا درست ہے یا نہ۔

﴿ج﴾

ایصال ثواب برائے اموات کے استحباب میں کچھ تأمل نہیں ہے۔ بلا قیود اور رسوم مخترعہ ایصال ثواب الی الاموات جائز ہے۔ فی البحر من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابه لغیره من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابها الیهم عند اهل السنة والجماعة کذا فی البدائع (ردالمحتار باب صلوة الجنائز مطلب فی القرأة للمیت ص ۶۲۲ ج ۱)

ایصال معروفہ بالشروط پر جو قرآن شریف میت کے لیے پڑھواتے ہیں۔ اس میں محققین نے لکھا ہے کہ میت کو ثواب نہیں پہنچتا کیونکہ جب پڑھنے والے کو ثواب نہ ہو بوجہ نیت اجر وعوض کے تو میت کو کہاں سے پہنچے گا۔

پس صورت مسئولہ میں یہ طریقہ درست نہیں ۔ قال تاج الشریعة فی شرح الهدایه ان القران بالاجرة لایستحق الثواب لا للمیت ولا للقاری (الی ان قال) الأخذ والمعطی اثمان الخ واذا لم یکن للقاری ثواب لعدم النیة الصحیحة فاین یصل الثواب الی المستاجر (شامی کتاب الاجارة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
۲۸ محرم ۱۳۹۴ھ

اھل میت کا لوگوں کے لیے طعام تیار کرنا

﴿س﴾

چہ می فرمایند علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مثلاً زید فوت شود پس تکفین وتجہیز او ہر کس وناکس برائے اعانت شرکت می کند واھل میت آن روز برائے آن شرکاء لازماً علی سبیل الضیافة یک گوسفندے یا بزے یا گائے وغیرہ ذبح می کند برائے شان طعام می سازند حتی کہ این رکن ورسم شدہ است کہ اگر اھل میت ایں چنیں نہ کنند مطعون معیوب وبے وقار کردہ شوند فلہٰذا مسئلہ مسئول است کہ چنیں قسم طعام کہ دادہ شود در مذہب حنفیہ حلال است یا حرام امید است کہ با دلائل قطعیہ وحوالجات مسئلہ مذکورہ واضح فرمایند۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

طعام مہمانی کہ از پس موتی پزند اول این خود ناروا ومکروہ تحریمی است بچند وجہ یکے آنکہ در بحر الرائق ودیگر کتب تصریح کردہ اند کہ ضیافت ومہمانی در سرور وشادی مشروع است نہ در شرور ومصائب وغمی فرستادن طعام روز اول بخانہ کسیکہ موت شدہ باشد مسنون ست نہ آنکہ از ان کس طعام طلب کنند صریحا یا آنکہ اگر او نہ پزد طعن بروکنند کہ ہم طلب است پس بخوف ایں طلب او طعام پختہ میکند دوم آنکہ در حدیث جریر بن عبداللہ البجلی است کنا نعد الاجتماع الی اهل المیت وصنعهم الطعام من النیاحة یعنی ما ہمہ اصحاب جمع شدن مردم را نزد اہل میت سوائے خدمت تجہیز وتکفین ایں را کہ تیار کنند اہل میت طعام را از نوحہ می شمردیم ونوحہ خود حرام است پس ایں اجتماع مردم وساخت طعام ہم ناروا وحرام خواہد بود سوم آنکہ در کتب شرع مصرح ست کہ ایں صنع طعام از اہل میت از رسوم وعادات جاہلیت عرب بود چوں اسلام آمد ایں رسم جاہلیت موقوف کردند لہٰذا در عہد صحابہ وتابعین ایں رسم منقول نیست پس آنچہ در زبان کلمہ گویان عوام، رسم سوم ودہم وبستم وچہلم وششماہی و

سال رواج یافتہ ہمہ ناروا است واجتناب از ان ضروریست وبعد از انکہ این طعام خبیث پختہ شد بجز فقیر ومحتاج دیگرے نخورد، زیرا کہ حکم مال خبیث ہمیں تصدق بر فقراء ست باید دانست کہ صدقات برائے اموات بسیار مفید ست در مذہب حق اہل سنت وجماعت لیکن مفید بشرطے ست کہ این صدقات موافق حکم شرع باشند چنانکہ بناء چاہ ومسجد ونقد ولباس وغلاف وغیرھا از مال حلال بفقراء دادن کہ ایں امور بالاتفاق جائز ست اما در خانہ بطور مہمانی خوانیدن خورندگان خواہ فقراء باشند خواہ اغنیاء نزد ہیچ کس جائز نیست کہ ایں رسم جاہلیت ورسم تمام ہنود ہندوستان است ودریں تشبہ بکفار است ودر حدیث آمدہ من تشبه بقوم فهو منهم الحدیث (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۴۲ بتغیر یسیر) واللہ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان
۷ ذوالحجہ ۱۳۸۸ھ

میت کے فدیہ کی حقیقت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے گاؤں میں میت کے فدیہ کا اسقاط ایسا ہوتا ہے کہ میت کے ورثاء میت کے متروکہ مال مشترک میں سے رقم لے کر میت کی وصیت کے بغیر میت کے صوم وصلوٰۃ وغیرہ کا تخمینہ لگائے بغیر قبرستان میں جنازہ کے متصل بعد گڑ اور رقم مروجہ دور کے بغیر تقسیم کرتے ہیں جس میں غریب وامیر کی کوئی تمیز نہیں کرتے یعنی غریب امیر سب کو گڑ اور فدیہ کی رقم دے دیتے ہیں اس پر زید نے اعتراض کیا کہ یہ فدیہ جائز نہیں کیونکہ اس میت کے متروکہ مال میں نابالغ بچوں اور غیر موجود وارثوں کا حق ہوتا ہے۔ دوسری وجہ ناجائز ہونے کی یہ ہے کہ فدیہ صرف غریب کو دیا جانا چاہیے اور اس میں غریب امیر کی کوئی تمیز نہیں ہوتی تیسری وجہ ناجائز ہونے کی یہ ہے کہ میت نے نہ تو وصیت کی ہے۔ اور نہ میت کے صوم وصلوٰۃ کا اندازہ لگاتے ہیں۔ اس پر عوام نے کہا کہ ہم یہ فدیہ نہیں دیتے۔ بلکہ خیرات کرتے ہیں۔ تو زید نے کہا کہ اگر خیرات کرتے ہو تو وہ بھی اس طریقہ کے ساتھ قبرستان میں ناجائز ہے۔ کیونکہ یہ رواج بن کر غرباء کے لیے مصیبت ہے شرم کے مارے قرضہ پر رقم لے کر غرباء بھی خیرات واسقاط کرتے ہیں لہٰذا تم میت کا متروکہ مال تقسیم ہونے کے بعد قبرستان کے علاوہ خیرات یا فدیہ دیا کرو، تاکہ رواج بن کر غرباء کو تکلیف نہ ہو۔ خیرات کے ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ یہ میت کے متروکہ مال مشترک سے ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ کیا جیسے عوام کہتے ہیں یہ خیرات قبرستان میں جائز ہے یا نہیں یا زید کی بات صحیح ہے۔ زید کہتا ہے کہ جب تک مکمل طور پر قبرستان میں خیرات کو منع نہ

کر دیا جائے۔ یہ رواج ختم نہیں ہوسکتا اور اس رواج کو اس لیے ختم کرنا چاہیے کہ عوام نے اس کو واجب سے بھی اہم سمجھ رکھا ہے۔ کیونکہ عوام قبرستان میں خیرات نہ کرنے والے کو اچھا نہیں سمجھتے آپ کی خدمت میں گزارش یہ ہے کہ قبرستان میں جو کچھ مذکورہ طریقہ سے تقسیم کرتے ہیں۔ یہ فدیہ ہوگا۔ یا خیرات' اور کیا خیرات بھی اس طریقہ کے ساتھ جس میں ریا کا شائبہ ہو اور غرباء کے لیے رواج بن کر تکلیف کا باعث ہو حتیٰ کہ مجبوراً قرضہ لیتے ہیں۔ یہ خیرات جائز ہے۔ یا نہیں۔ اگر جائز نہیں تو مہربانی فرما کر اس مروجہ فدیہ یا خیرات کے ناجائز ہونے والی دلیل بحوالہ تحریر فرما کر مشکور فرماویں۔ اور خیرات وفدیہ کے جائز ہونے کی صورت بھی تحریر فرمائیں۔

﴿ج﴾

میت کے لیے صدقہ اور خیرات کرنا اس کے ساتھ ایک بہت ہی عمدہ حسن سلوک ہے۔ نصوص شرعیہ سے ثابت ہے۔ اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے۔ مگر ثواب کا وہی طریقہ معتبر ہوگا جو دلائل شرعیہ سے ثابت ہو۔ پس اگر کسی عاقل کے ذمہ کچھ نمازیں باقی ہوں۔ اور اس حالت میں اس کی وفات ہو جائے تو فقہاء نے روزہ پر قیاس کرتے ہوئے اس کے لیے فدیہ تجویز کیا ہے اور یہ محض قیاس نہیں' حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایتیں بھی اس بارے میں موجود ہیں۔ قال لایصلی احد عن احد ولا یصوم احد عن احد ولکن یطعم عنه... سنن کبری وعن ابن عمر قال لایصلین احد عن احد ولا یصومن احد عن احد ولکن ان کنت فاعلا تصدقت عنه ص ۲۵۷ ج ۴ پس ہر شخص کو اپنی نمازوں اور روزوں کا حساب کر کے حسب تصریح فقہاء کرام وصیت کرنی چاہیے اور اگر بغیر وصیت کے وارث نے بطور تبرع فدیہ دیا تو بھی جائز ہے اور انشاء اللہ ثواب پہنچے گا ہر نماز کا فدیہ نصف صاع گندم ہے اور وتر کی نماز کے لیے مستقل فدیہ نصف صاع ادا کرنا ہوگا' اندازہ پانچ نمازوں کا فدیہ بمع وتر ساڑھے دس سیر گندم ہوتا ہے۔ اور اگر کسی شخص کے ذمہ نماز روزہ وغیرہ کے حقوق نہیں ہیں تو اس کے لیے فدیہ کی ضرورت نہیں ہے اور اگر کوئی شخص مالدار ہے اور اس کے ترکہ سے وارثوں کی حق تلفی کے بغیر ثلث مال سے فدیہ دیا جا سکتا ہے تو فدیہ دے دیا جائے گا۔ البتہ اگر کوئی شخص غریب اور فقیر ہے اور اس کے ذمہ نماز روزہ وغیرہ حقوق سب ہیں اور اس کے ثلث ترکہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ سب نمازوں کا فدیہ ادا ہو سکے تو فقہاء کرام نے اس کے لیے یہ حیلہ تجویز کیا ہے کہ جتنی مقدار میں گندم یا اس کی رقم کا اس کا ترکہ متحمل ہو سکتا ہے تو وہ گندم یا رقم میت کا وارث کسی فقیر کو دے پھر فقیر وارث میت کو ہبہ کر دے پھر وارث فقیر کو دے حتیٰ کہ اتنی بار یہ معاملہ ہوتا رہے۔ جتنی بار میں نمازوں اور روزوں کا اندازہ پورا ہو جائے۔ یہی صورت فقہ حنفی

کی متعدد کتب میں لکھی ہے۔ شامی ص ۴۹۲ ج ۱ اور فقہاء احناف نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگر فدیہ نماز کا عوض بن سکا تھا ورنہ صدقہ کا ثواب تو میت کو ہو جاوے گا' پس آپ کے علاقہ میں جو یہ دستور ہے کہ حیلہ اسقاط کے لیے ایک خاص با کرامت گھڑی ہوتی ہے جس میں قرآن کریم کے علاوہ کچھ ریزگاری اور گڑ بھی شامل ہوتا ہے اور پھر اس کو ایک دائرہ کے اندر گھمایا جاتا ہے اور ایک مخصوص دعا ہے۔ کل حق من حقوق الله الخ شروع کر کے وہ گھڑی اصحاب دائرہ کو دی جاتی ہے اور قبلت ووهبت کہتے ہوئے ایک دوسرے کے حوالے کر دیتے ہیں' فقہاء کرام کی کتب میں بھی اور قرآن کریم اور احادیث میں کہیں اس کا ذکر ہی نہیں ہے۔ اس فدیہ معلومہ کے حیلہ کا ثبوت کہاں سے نکلا ہے- اس کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میت کے نمازوں اور روزوں کا حساب لگایا ہے۔ اور کتنی بار چکر دینے سے وہ حساب بے باق ہوگا۔ لہٰذا یہ حیلہ محض دنیا کمانے کا ایک مذموم حیلہ رہ گیا۔ جس کا ترک کرنا لازم ہے اور زید نے جو اعتراض کیا ہے زید کا اعتراض بالکل درست ہے آپ تمام کو اس کی آواز پر لبیک کہنا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم۔

اسقاط مروج اور منشیات کی چوری چھپے درآمد (سمگلنگ)

﴿س﴾

چہ میفر مایند علماء کرام ومفتیان عظام اندریں مسئلہ کہ یک شخص تریاق (افیون) را از برائے تجارت از ملک افغانستان بہ ملک ایران بطور دزدی (سمگلنگ) در کوہ وراہ پوشیدہ بغیر از اذن ملک ایران مے برد پس دریں خرید و فروخت آن پیسہ وروپیہ کہ حاصل شود بعوض تریاق آیا خوردن آن قیمت ومنافع جائز است یا نہ واین تجارت از روئے شرع حلال است یا حرام نیز چونکہ بغیر اذن واجازت ملک ایران مے برد پس وقتے کہ آن مرد تریاق را براہ پوشیدہ مے برد اگر آن مرد را بحکمہ پولیس کسے او را قتل کند وبکشد پس حکم آن مرد قتل او از روئے شریعت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام چیست کہ آیا آن مقتول شہید است یا چہ حکم دارد بینوا توجروا۔

(۲) حکم اسقاط بعد از نماز جواز دارد یا نہ اگر از برائے جواز طریقے شرعیہ است آن کدام است وچہ گونہ مے باید ہر دو جواب مدلل ضرور است۔

﴿ج﴾

(۱) اس شخص کا یہ فعل جائز نہیں البتہ منافع تجارت حلال ہے اور اس کا قتل جائز نہیں اگر قتل کیا گیا تو شہید ہوگا۔

(۲) اسقاط کا عام طور پر جو طریقہ مروج ہے وہ ناجائز اور بدعت ہے قال فی الشامیة ونص علیه فی تبیین المحارم فقال لایجب علی الولی فعل الدور وان اوصی به المیت لانها وصیة بالتبرع والواجب علی المیت ان یوصی بما یفی بما علیه ان لم یضق الثلث عنه فان اوصی باقل و امر بالدور وترک بقیة الثلث للورثة اوتبرع به لغیرهم فقد اثم بترک ماوجب علیه ا ه وبه ظهر حال و صایا اهل زماننا فان الواحد منهم یکون فی ذمته صلوات کثیرة وغیرها من زکوة واضاح و ایمان ویوصی لذلک بدراهم یسیرة ویجعل معظم وصیته لقراءة الختمات والتهالیل التی نص علمائنا علی عدم صحة الوصیة بها شامی باب قضاء الفوائت ص ۵۴۲ ج ۱) شامی وغیرہ نے حیلہ اسقاط کا یہ طریقہ لکھا ہے کہ مثلاً ایک مہینہ کی نمازوں کے فدیہ کا اندازہ کر کے ایک فقیر کو تملیک کر دیا جائے اور فقیر اس کو قبول کرنے کے بعد پھر وارث کو ہبہ کر کے تملیک کر دے اور اس طرح چند بار اس ایک یا کسی اور فقیر کو تملیک کر کے ہر فقیر کو آخر میں۔ بقدر فدیہ دیدے وانما یعطی (من ثلث ماله) ولولم یترک مالا یستقرض وارثه نصف صاع مثلاً بدفعه للفقیر ثم یدفع الفقیر للوارث ثم و ثم حتی یتم . (درمختار ص ۵۴۲ ج ۱) واضح رہے کہ شامی یا دیگر فقہاء نے جو اجازت دی ہے۔ اس میں تصریح ہے کہ حیلہ اس وقت جائز ہے جب کہ ثلث سے فدیہ ادا نہ ہو سکتا ہو اور یہ ہی صورت بھی اتفاقاً پیش آ جاتی ہے اسے مستقل رسم بنا لینے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

اسقاط، تبرک بالقرآن، اہل میت کی جانب سے ضیافت، محرم میں قبروں پر غلہ رکھنا، پیداوار میں سیدوں کے حصہ کا شرعی حکم

﴿س﴾

چہ فرمایند علماء کرام ومفتیان عظام دریں مسئلہ نمبر ا کہ قرآن شریف را بوقت اسقاط میت گردانیدہ ویک دیگر گرفتہ وقبول نمایند کہ رقم اسقاط در قرآن شریف نہادہ گردش مے دہند آیا جائز است یا نہ اگر کسے بکند بگو آں کس را شریعت چہ حکم دہد (۲) بوقت مصائب وآفت دو شخص قرآن مجید را گرفتہ در چادر وغلاف پیچیدہ بالا دارند ودیگر مردمان وزنان وخورد وکلان بعام طور اگر چہ زنان در حالت حیض ونفاس باشند قرآن مجید را بردو دست گرفتہ و بوسہ دادہ از زیرش گذرند تا بہ سر بار تمام اعتقاد دارند کہ مصائب وآفت بعد ازیں روز رفع خواہد شد بگو شریعت برین کارکنندگان چہ حکم فرماید جائز است یا نہ (۳) زید مردہ شدہ، ہمراہ لاش او نان پختہ کردہ یا کہ شیرینی گرفتہ روانہ کنند

وبعد از دفن کردن زید آں شیرینی ونان را مردمان بہ یکدیگر تقسیم کنند'' قبرستان ونیز آن شیرینی وغیرہ از اہل میت ہمراہ بردن وخوردن این جائز است یا نہ نمبر۴۔ بتاریخ المحرم مردمان گندم وغیرہ پختہ کردہ بقبرستان بردہ وآن قبرھا نہادہ باشند واعتقاد دارند کہ مردگان را ثواب می رسد۔ نمبر۵۔ برسر بعضی مردمان از جانب سید وقریشی بطریقہ نذر ونیاز سالانہ مقرر است کہ از پیداوار زمین ہا چہارم حصہ را ضرور گیرند اگر کسے انکار بکند پس سیدھا بددعا وبدگوئی در حق آن مردم بکنند وجہال از حد زیادہ خوف کنند بنا برین چہلم حصہ اداء خواہد کرد آیا گرفتن ایشان جائز است یا نہ ۶۔ بر سید زکوۃ وصدقہ فطرانہ وچرم قربانی وغیر ذلک جائز یا نہ اگر کسے زکوۃ وصدقہ فطرانہ خود سید را دادہ شود ادا شود یا نہ از ذمہ مالک ونیز خوردن وگرفتن زکوۃ وصدقہ فطرانہ در حق سید چہ حکم دارند وسیدھا نیز این جواب گویند کہ در زمانہ پیش از جانب حکومت اسلامی برائے مایاں وظیفہ مقرر بود اکنو نیست لہٰذا جائز است آیا این قول و حیلہ شان در شریعت گنجائش است یا نہ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

نمبر ا۔ اسقاط میت در حقیقت فدیہ صوم وصلوٰۃ وکفارہ است قرآن کریم را اگر در فدیہ ادا کردہ شود بقدر مالیت اوراق وجلد جائز ہست لیکن درین زمان کسانیکہ اورا در دور می گردانیدند این عقیدہ فاسدہ می دارند کہ قرآن کریم برتر از قسمت است لہٰذا در ہر چند صوم وصلوٰۃ وغیرھا کہ ادا کردہ شود کافی نمیدانند کہ چوں در بازار اور امیگیرند یک فلوس ہم از قیمت معروفہ زیادہ ادا نکند وبادکاندار نزاع میکند از برکات قرآنی انکار نتوانست کرد بقاء عالم بہ او منوط است لیکن دریں چنیں مقام برائے مقصد مذکور ہر طریقہ مذکورہ استعمال کردن بدعت سیئہ است در خیر القرون قرن نبی کریم ﷺ وتابعین وتبع تابعین مثالش یافتہ نمی شود از یکے ہم از ائمہ دین ایں عمل منقول نیست لہٰذا ترک ایں عمل لازم است نمبر۲۔ درین بارہ جزئیہ نظر نیامدہ لیکن اگر در عقیدہ فساد نہ باشد برائے تبرک کردہ شود بآنکہ حائضہ و نفساء رامس قرآن بغلاف وچادر جائز است نمبر۳ از اہل میت طعام خوردنی اگر چہ بطور ضیافت باشد در سہ روز مکروہ تحریمی است ونیز بردن طعام در مقابر ہمراہ میت ناجائز است بلکہ طریقہ مسنونہ ایں است کہ این روز اہل میت را طعام خورانیدہ شود شامی ج ا صفحہ ۶۶۴ قبل باب شہید یستحب لجیران اہل المیت والا قرباء الاباعد تہیئة طعام لهم یشبعهم یومهم ولیلتهم لقوله صلی الله علیه وسلم اصنعوا لال جعفر طعاما فقد جاءهم ما یشغلهم (حسنه الترمذی و صححه الحاکم الخ) وقال ایضاً ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لافی الشرور وهی بدعة مستقبحة

رواه الامام احمد وابن ماجه باسناد صحيح عن جرير بن عبدالله قال كنا نعد الاجتماع الى اهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة اه و فى البزازية ويكره اتخاذ الطعام فى اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الى القبر فى المواسم الخ.

مردگان را ثواب تصدق میرسد و بر بالائے قبر نهادن تصدق نیست پس ثواب از چه رسد ونیز چونکه ایں تقرب الی غیر الله بنظر عقیدۂ عوام مقصود باشد و این موجب گناه است وتشبه بآں کفار است که شیرینی پیش بتان مے نهادند وقصد تقرب ایشان میکردند پس خوردن آن شیرینی وگندم وغیره اگر بریں قصد باشد جائز نیست وتعیین تاریخ بدعت مزید است ازیں قسم عمل پرہیز باید کرد (۵) نذر عبادت است وآن مخصوص به ذات الہ است پس نذر را برائے الله تعالیٰ خاص کردن ضروری است برائے غیر الله نذر کردن از مومن بعید تر است توبه لازم است چه جائیکه ایں عقیده باشد که ترک این قسم نذر موجب ضرر است والعیاذ بالله البته بغیر نذر کردن امداد آل محمد رسول الله کرده شود بوجه مسکنت ایشان موجب اجر عظیم است الدر المختار ص۱۳۹ ج۲ و اعلم ان النذر الذى يقع للاموات من اكثر العوام ومايوخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها الى ضرائح الاولياء الكرام تقربا اليهم فهو بالاجماع باطل وحرام مالم يقصدوا صرفها لفقراء الانام وقد ابتلى الناس بذلك ولا سيما فى هذه الاعصار (الدر المختار) وقال الشامى على قول الدر (باطل و حرام) لوجوه منها انه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لايجوز لانه عبادة والعبادة لاتكون لمخلوق الخ شامى ص ۱۳۹ ج ۲ كتاب الصيام نمبر۶ صدقات واجبه (زكوٰة) عشر صدقه فطر وقیمت چرم قربانی برسیدان جائز نیست البته نفس چرم ایشان دادن جائز است وجه عدم مصرف ایشان شرافت است اوساخ الناس ایشان را نشاید كما هو مصرح فى جميع الكتب والله اعلم بالصواب۔

حیلۂ اسقاط کا شرعی حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص مر جاتا ہے اور اس کے پیچھے ورثہ بغیر وصیت میت حیلہ اسقاط مروج کیا کرتے ہیں۔ جس میں یہ فرق نہیں ہوتا کہ میت فقیر ہے یا غنی بلکہ فقیر وغنی دونوں کے لیے بلا امتیاز حیلہ اسقاط گول دائرہ کی شکل میں کرتے ہیں اور کہتے ہیں قبلت و وهبت لك بطريقة الاسقاط اور دائرہ میں بیٹھنے والے بھی فقیر وغنی ہر قسم کے لوگ شامل ہوجاتے ہیں کیا قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کے رو سے یہ حیلہ اسقاط مروج مذکورہ درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ شامی یا دیگر فقہاء نے حیلہ اسقاط کی جو اجازت دی ہے۔ اس میں تصریح ہے کہ یہ حیلہ اس وقت جائز ہے، جب کہ ثلث سے فدیہ ادا نہ ہوسکتا ہو۔ اور یہ صورت کبھی اتفاقاً پیش آجاتی ہے اسے مستقل رسم بنا لینے کی اجازت نہیں۔ فى الشامية ونص عليه فى تبيين المحارم فقال لايجب على الولى فعل الدور وان اوصى به الميت لانها وصية بالتبرع والواجب على الميت ان يوصى بما يفى بما عليه ان لم يضق الثلث عنه فان اوصى باقل و امر بالدور وترك بقية الثلث للورثة. او تبرع به لغيرهم فقد اثم بترك ما وجب عليه ا ه وبه ظهر حال وصايا اهل زماننا فان الواحد منهم يكون فى ذمته صلوات كثيرة وغيرها من زكوة واضاح وايمان ويوصى لذلك بدراهم يسيرة يجعل معظم وصيته لقرأة الختمات والتهاليل التى نص علمائنا على عدم صحة الوصية بها (شامى ص ۵۴۲ ج ۱)

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ نمبر ۱۶ پر لکھتے ہیں۔ حیلہ اسقاط کا مفلس کے واسطے علماء نے وضع کیا تھا۔ اب یہ حیلہ تحصیل لذیذ حلوؤں کا ملانوں کے واسطے مقرر ہوگیا ہے۔ حق تعالیٰ نیت سے واقف ہے۔ وہاں حیلہ کارگر نہیں۔ مفلس کے واسطے بشرط صحت نیت ورثہ کے کیا عجب ہے کہ مفید ہو ورنہ لغو اور حیلہ تحصیل دنیا دنیہ کا ہے۔ انتہی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اسقاط مروج کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں (۱) کہ میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان کہنا جائز ہے یا کہ نہیں۔ عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم میں اس کا کوئی ثبوت ہے۔ (۲) اسقاط مروجہ یعنی میت پر قرآن کریم کا مختلف آدمیوں میں اوّل ادل بدل کرنا زید نے کہا میں نے آپ کو دیا اس نے جواباً بکر کو یہی کہا اور اس سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ اس سے میت کے فوت شدہ روزے اور نماز وغیرہ کی معافی ہوجاتی ہے اگر اس کی خیر القرون میں کوئی دلیل ہو تو واضح فرمائی جاوے (۳) کسی منکوحہ عورت کو بغیر طلاق حاصل کیے کسی دوسرے شخص کے اور وہ بھی بلا نکاح محض برادری کی پنچائت حوالہ کردے ایسی برادری کے افراد کے متعلق شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ (۴) رفع الیدین آمین بالجہر اور فاتحہ خلف الامام کی احادیث وضعی ہیں یا ضعیف اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ باقی تین آئمہ برسر حق تھے یا کہ نہیں۔ رفع الیدین آمین بالجہر کرنے والوں کی اقتداء کسی صورت میں جائز ہے یا کہ نہیں۔ ہر چار مسئولہ مسائل کے متعلق عوام میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔

﴿ج﴾

قبر پر اذان کہنا بدعت سیئہ ہے۔ زمانہ خیر القرون میں اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے۔ اس لیے اسے ترک کرنا لازم ہے۔ شامی نے اس کی تصریح کی ہے۔ کتاب الجنائز در مختار ج ا۔

(۲) خیر القرون میں یہ طریقہ معمول بہا نہ تھا یہ طریقہ مروجہ بدعت ہے۔ ہر کس و ناکس کے لیے اس قسم کے حیلہ کرانے سے عوام میں یہ خیال پیدا ہوتا جائے گا۔ کہ ہم نماز، روزہ وغیرہ اگر ترک بھی کریں۔ تب بھی اسقاط سے کفارہ ہو جایا کرتا ہے۔ بعض فقہاء نے اس طریقہ کو صرف اس صورت کے لیے لکھا ہے۔ کہ آدمی مسکین ہے۔ روپے اس کے پاس نہیں ہیں۔ کہ پورا فدیہ ادا کر دے۔ اور اس کے بعض فرائض کسی عذر کی وجہ سے رہ گئے۔ اور قضاء بھی نہ کر سکا۔ یہ ہر آدمی کے لیے عمومی حالات میں نہیں ہے (۳) یہ سخت گنہگار ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کو اس طرح پس پشت ڈالنا مسلمان کا کام نہیں ہے۔ اس لیے پنچائت کو توبہ کرنا لازم ہے۔ علی الاعلان توبہ کر کے عورت کو اسکے خاوند کے حوالہ کریں یا طلاق دلوا دیویں۔ ورنہ ان سے بائیکاٹ کر لینا ضروری ہے۔

(۴) احادیث آمین بالجہر والسر دونوں کی صحیح ہیں۔ لیکن احناف کے نزدیک بالسر افضل ہے۔ اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک بالجہر اسی طرح فاتحہ خلف الامام کی روایتیں بھی صحیح ہیں لیکن احناف کے نزدیک وہ صریح فی المراد نہیں ہیں۔ قابل تاویل ہیں۔ بخلاف ترک فاتحہ اور انصات کہ وہ منصوص علیہ غیر قابل تاویل ہیں۔ ان مسائل اجتہادیہ میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ اس لیے ہر مجتہد پر واجب ہے کہ وہ اپنے اجتہاد پر عمل کرے اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ خواہ وہ اجتہاد میں خطا بھی کیوں نہ کر گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

مٹھائی کے ذریعہ اسقاط کرنا، نماز فرض و نفل کے بعد اجتماعی دعاء مانگنا دسویں محرم کو قبروں پر چھڑکاؤ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اسقاط دائرہ یعنی کہ جنازہ کے وقت علماء کرام یا عوام کے درمیان مٹھائی رقم وغیرہ اسقاط کرنا جائز ہے۔ (۲) نماز فرض کے بعد سنت اور نوافل پڑھ لینے کے بعد اجتماعی طور پر دعاء مانگنا جائز ہے یا ناجائز ہے۔ (۳) ختم قرآن شریف جو کہ مردہ کے پیچھے کیا جاتا ہے۔ کیا اس کا کھانا جائز ہے۔ یا ناجائز ہے۔ (۴) کیا محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو قبروں پر چھڑیاں ڈالنا درست ہے یا غلط ہے۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

(۱) جو اسقاط ہے وہ تو یہ ہے۔ کہ جس شخص سے نمازیں فوت ہوگئی ہوں یا روزے اس کے ذمہ رہ گئے ہوں اور وہ مر رہا ہو تو وہ وصیت کرے کہ میرے مال سے میری نمازوں اور روزوں کا فدیہ دے دیا جائے۔ اس کی فوتگی کے بعد اس کے وارث اس کے تہائی مال سے اس کا فدیہ بحساب فی نماز بقدر فطرانہ اور فی روزہ بقدر فطرانہ دیں گے۔ **کما فی التنویر ولومات وعلیه وصلوات فائتة . واوصی بالكفارة يعطى لكل صلوة نصف صاع من برو كذا حكم الوتر من ثلث ماله ص ۱۵۴۱ ج ۱ .** اور جو دائرہ ہے۔ جس کو حیلہ اسقاط کہتے ہیں۔ وہ غرباء اور مساکین کے لیے ہے۔ چنانچہ شامی یا دیگر فقہاء نے جو اجازت دی ہے۔ اس میں تصریح ہے کہ یہ حیلہ اس وقت جائز ہے جبکہ ثلث مال سے فدیہ ادا نہ ہو سکتا ہو اور یہ صورت کبھی اتفاقاً پیش آ جاتی ہے۔ اسے مستقل رسم بنا لینے کی اجازت نہیں ہے۔ پس ان جزئیات فقہاء سے معلوم ہوا کہ اسقاط مروج جو ایک مستقل رسم کی صورت اختیار کر چکا ہے جائز نہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۱۶ پر ہے۔ حیلہ اسقاط کا مفلس کے واسطے علماء نے وضع کیا تھا۔ اب یہ حیلہ تحصیل چند فلوس کا ملاؤں کے مقرر ہو گیا ہے۔ حق تعالیٰ نیت سے واقف ہے۔ وہاں حیلہ کارگر نہیں۔ مفلس کے واسطے بشرط صحت نیت ورثہ کیا عجب ہے کہ مفید ہو ورنہ لغو اور حیلہ تحصیل دنیا دنیہ کا ہے انتہی۔ مفتی رشید احمد صاحب احسن الفتاویٰ میں اسقاط مروج کے عدم جواز کے وجوہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اس وقت جو اسقاط مروج ہے۔ اس میں اولاً تو تملیک فقراء اس طرح کی جاتی ہے کہ اس سے تملیک متحقق نہیں ہوتی۔ ثانیاً۔ اس سے فساد عقیدہ لازم آتا ہے۔ کہ عوام گناہوں پر دلیر ہو جاتے ہیں۔ اور صوم و صلوٰۃ کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ ثالثاً اس کا ایسا التزام کیا جاتا ہے کہ اسے اعمال تکفین میں سے ایک مستقل عمل سمجھا جاتا ہے۔ التزام کرنے سے مباح بلکہ مندوب کام بھی ناجائز ہو جاتا ہے۔ **کما صرح به فی الشامية وغيرها** ورابعاً ثلث مال سے فدیہ ادا نہیں کیا جاتا حالانکہ اتمام ثلث تک فدیہ کی وصیت کرنا اور اس کا ادا کرنا لازمی ہے۔ اتمام ثلث کے بعد بھی فدیہ باقی رہے تو اس حالت میں فقہاء نے حیلہ کی اجازت دی تھی۔ مگر فی زمانہ فساد عقیدہ کی وجہ سے یہ بھی جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ صفحہ ۱۲۵) **قال فی الشامية ونص عليه فی تبيين المحارم فقال لا يجب على الولى فعل الدور وان اوصى به الميت لانها وصية بالتبرع والواجب على الميت ان يوصى بما يفى بما عليه ان لم يضق الثلث عنه فان اوصى باقل وامر بالدور وترك بقية الثلث للورثة او تبرع به لغيرهم فقداثم بترك ما**

وجب علیہ اھ وبہ ظہر حال وصایا اہل زماننا فان الواحد منہم یکون فی ذمتہ صلوات کثیرۃ وغیرھا من زکوۃ واضاح وایمان ویوصی لذلک بدراھم یسیرۃ ویجعل معظم وصیتہ لقراءۃ الختمات والتہالیل التی نص علمائنا علی عدم صحۃ الوصیۃ بہا الخ

(ردالمحتار باب قضاء الفوائت ص ۵۴۲ ج ۱)

(۲) جائز ہے لیکن اسے ضروری اور لازم سمجھنا اور اجتماعی دعا میں شریک نہ ہونے والے پر نکیر کرنا گناہ اور ناجائز ہے۔

(۳) ایصال ثواب کے لیے جو ختم کیا جائے اس کے عوض میں کچھ لینا یا کھانا ناجائز ہے۔

(۴) محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو قبروں پر چھڑیاں ڈالنا ایک رسم ہے اور درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
۹ جمادی الاخری ۱۳۸۹ھ

حیلہ مروّجہ برائے اسقاط

﴿س﴾

چہ می فرمایند علماء کرام ومفتیان عظام اندرین مسئلہ کہ درعوام الناس رائج شدہ است کہ قرآن شریف جزد میت می آورند ملا صاحب را چیزے پیسہ مید ہند ملا صاحب ہمیں نقد ہارا بمعہ قرآن شریف دیگر کس را مید ہد میگوید کہ این قرآن شریف را بمعہ این نقود بتو بخشیدہ ام آن دیگر کس میگوید قبول کردم پنج وشش دفعہ این طور میکند بعض این طور میکنند کہ حلقہ می بندند ملا صاحب نشستہ است میدہد قرآن شریف بقریب خود ومیگوید بتو بخشیدہ ام آن ودیگر میگوید قبول کردہ ام ثانی ثالث را مید ہد وثالث رابع را مید ہد۔ علی ہذا القیاس۔ تا آں کہ قرآن شریف بملا صاحب میرسد واین را التزام کردہ اند۔ آیا این فعل در خیر القرون ثابت شدہ است یا کہ نہ۔ ایا این فعل جائز است یا کہ نہ۔ مہربانی نمودہ دلائل از قرآن وحدیث رقم کردہ مشکور ممنون سازند۔ بینوا بالبرہان وتوجروا عند الرحمٰن یوم الحساب

﴿ج﴾

قرآن کریم درصورت مذکورہ بیک دیگر بخشیدن نہ ثابت است ونہ جائز زیرا کہ این برعقیدہ فاسدہ مبنی است۔ وعقیدہ فاسدہ این است کہ ایشان خیال مے کنند کہ قرآن کریم چونکہ بہا نمی دارد از ین وجہ فدیہ صلوتہا وروزہا شود۔ واین عقیدہ فاسدہ است۔ زیرا کہ نص فدیہ برنصف صاع گندم یا قیمت او وارد است۔ روزہ ونماز را بران قیاس کردہ اند۔ لہٰذا مالیت نسخہ قرآن کریم آن قدر معتبر باشد کہ بران از بازار گرفتہ شود وہمیں شخص در بازار برائے یک

فلوس جدال مے کند وعلاوہ ازیں دریں صورت توہین قرآن کریم ہم مے آید۔ این قسم متبذل ساختن خلاف ادب است واگر بے بہا است پس اورا قائم مقام مال فدیہ کردہ چرا احترام او را کم کردہ شود۔ باقی نفس مال را برقیمت نصف صاع برائے ہر نماز وروزہ فدیہ دادن جائز است کسیکہ نماز یا روزہ قصداً ترک نہ کردہ بلکہ بر عذر از وترک شدہ باشد۔ اگر برائے او حیلہ ہم میکشد۔ بشرطیکہ مسکین باشد وطاقت فدیہ حقیقۃً بغیر حیلہ ندارد جائز شود۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
۲۸ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ

قل خوانی کے نام سے رسومات

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں مردہ پر چھاڑ ڈالنا اور قبر پر اذان دینا اور دعاء بعد جنازہ مانگنا اور قل خوانی تیسرے دن کرنا لوگوں کو میت والے گھر طعام کھانا جب کوئی شخص فوت ہو جائے پہلے روز تین عدد روٹی پکاتے ہیں اور دوسرے دن دو عدد روٹی پکاتے ہیں تیسرے دن ایک عدد روٹی پکاتے ہیں اور ہر ایک کے ساتھ ڈول پانی کا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں جب سورج غروب ہوتا ہے اس وقت آواز ہوتی ہے اس لیے یہ روٹیاں دافع آواز کی ہوتی ہیں اور مردہ عذاب سے نجات پاتا ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

میت کو دفن کرتے وقت اذان دینا بدعت ہے۔ سلف سے کہیں مردے پر اذان دینا منقول نہیں شامی نے لکھا ہے۔ لایسن الاذان عندا دخال المیت فی قبرہ. الخ. ص ۲۶۰ ج ۱ ایسے باقی تمام امور مذکورہ فی السوال بدعت ہیں۔ خیر القرون میں ان کا کہیں وجود نہیں من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھورد (الحدیث) دین اطہر میں میت کے متعلق جن امور کا ثبوت قرون اولیٰ میں ہو ان کے علاوہ سب بدعات ہیں جس کو رواج دے کر دین کا جزو قرار دیا ہے۔ فقط سنت ثابتہ پر پابندی سے عمل کیا جاوے۔ اور غیر دینی اشیاء کو ترک کر دینا چاہیے۔

مرنے کے بعد بیوی کے کفن دفن کا خرچہ شوہر کے ذمہ ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کسی شادی شدہ مرد کی اگر عورت فوت ہو جائے تو شرعی لحاظ سے کفن دفن یا جو خرچہ تھوڑا بہت گھریلو فوتگی کے وقت ہوتا ہے۔ اس خرچہ کا پہلا حقدار مرد ہے۔ یا اس عورت کے میکے والے ہیں۔ اور اس عورت کا خاوند اس کی فوتگی کے بعد منہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں، اور اس کو ہاتھ لگا سکتا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

متوفیہ کے کفن کے باب میں اختلاف ہے مگر فتوی اس پر ہے کہ شوہر کے ذمہ ہے۔(فی الدر المختار و اختلف فی الزوج والفتوی علی وجوب کفنها علیه) عندالثانی (وان ترکت مالاً) خانیه ورجحه فی البحر بانه الظاهر لانه ککسوتها ص ۶۳۹\ج ا . لیکن اگر کسی اور شخص نے اپنی خوشی سے کفن دیدیا ہوتو وہ اب شوہر سے مطالبہ نہیں کرسکتا۔ اگر زوجہ مرجائے تو اس کے شوہر کو مرنے کے بعد منہ دیکھنا اس عورت کا جائز ہے۔ ہاتھ لگانا جائز نہیں۔ ویمنع زوجها من غسلها ومسها لامن النظر الیها علی الاصح الدر المختار علی ہامش رد المحتار باب صلوٰۃ الجنائز ص ۶۳۳ ج ا مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

وقف قبرستان میں عمارت بنانا جائز نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اراضی قبرستان وقف شدہ میں جب کہ اس میں قبریں موجود ہوں۔ کسی قسم کی عمارت تعمیر کرنا کیسا ہے۔ اور تعمیر کرنے والے کے خلاف کیا سلوک کیا جائے۔ تعمیر شدہ عمارت کو مسمار کرنا کیسا ہے۔

﴿ج﴾

اگر قبرستان وقف ہے۔ اور اس میں لوگ اموات دفن کرتے ہیں۔ تو اس میں مکان بنانا جائز نہیں۔ اس لیے کہ جبراً وقف کا بدلنا صحیح نہیں۔ لان شرط الواقف کنص الشارع۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

میت کے ساتھ قبرستان میں گڑ اور شیرینی لے جانے کو ثواب سمجھنا بدعت ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مردے کے ساتھ قبرستان میں گڑ وغیرہ لے جانا اور وہاں تقسیم کرنا جائز اور ثواب ہے۔ یا نہیں۔

﴿ج﴾

میت کے ساتھ گڑ شیرینی وغیرہ لے جانا ہرگز کہیں قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں ثابت نہیں۔ یہ فعل بدعت ہے۔ اور گناہ ہے۔ علامہ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں۔

ذکر ابن الحاج فی المدخل فی الجزء الثانی ان من البدع القبیحة مایحمل امام الجنازة من الخبز والخرفان ویسمون ذلک عشاء القبر فاذا وصلوا الیه ذبحوا ذلک بعد الدفن و فرقوه مع الخبز وذکر مثله المناوی فی شرح الاربعین فی حدیث من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهورد قال ویسمون ذلک بالکفارة فانه بدعة مذمومة قال ابن امیر الحاج ولوتصدق ذلک فی البیت سراً لکان عملا صالحاً وسلم من البدعة اعنی ان یتخذ الناس سنة اوعادة لانه لم یکن من فعل من مضی والخیر کله فی اتباعهم انتهٰی. اور عینی شرح ہدایہ میں لکھا ہے ویکره نقل الطعام الی المقبرة فی الاعیاد واسراج السراج ۔ اور ردالمحتار میں لکھا ہے۔ واطال فی ذلک فی المعراج وقال وهذه الافعال کلها للسمعة والریاء فیحترز عنها لانهم لایریدون بها وجه الله تعالی انتهی ص ۶۶۴\ج ا . مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فتاوی رشیدیہ ص ۱۴۴ میں لکھتے ہیں۔ توشہ مردہ کے ساتھ لے جانا عادت یہود اور ہنود کفار کی ہے۔ (الی ان قال) پس اس فعل کو مردود و گناہ جان کر ترک کرنا واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز جنازہ کا تکرار اور ایصال ثواب کے لیے ختم قرآن پر معاوضہ لینا درست نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین ومفتیان شرع مبین ان مسائل مندرجہ ذیل کے بارہ میں۔

(۱) ایسا عالم امام الحیی جو عقیدۃً اہل سنت والجماعت سے وابستہ ہے نے اپنے مقتدی کا جنازہ ادا کیا پھر اس صلوٰۃ جنازہ کو ایسے شخص نے ادا کیا کہ ادائے اول میں مقتدی تھا کیا یہ مکرر جنازہ جائز تھا یا نہ بینوا وتوجروا۔

(۲) اسقاط (فدیہ) تقسیم کرنے کا ادائے صلوٰۃ جنازہ یا دفن میت پر شرعاً کوئی توقف ہے یا نہیں؟ نیز حیلہ اسقاط فقہیہ کس کے لیے اور کس طریقے پر جائز ہے۔ مفصل بیان فرما کر اجر دارین حاصل کریں۔

(۳) صاحبِ صنعت وحرفت (خاندانی) عالم کی امامت مکروہ ہے یا نہیں۔

(۴) ایصال ثواب کے لیے قرآن کریم پڑھنا۔ ختم القرآن برائے تبرک مکان جدید یا افتتاح کاروبار وغیرہ کرنا ان صورتوں میں کھانا پینا اور پیسے لینا جائز ہے یا نہیں۔ جیسا کہ مروج فی زماننا ہے۔ اور بعض لوگ ختم القرآن برائے ایصال ثواب پر اجرت لینے کے لیے جواز اجرت علی الامامت کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کیا یہ استدلال درست ہے یا نہ۔

﴿ج﴾

(۱) تکرار نماز جنازہ عندالحنفیہ مشروع نہیں ہے اور جس شخص نے ایک دفعہ نماز جنازہ ادا کر لی ہے تو اسی شخص کا کسی کی امامت کرنا اسی جنازہ کے لیے دوبارہ جائز نہیں ولذا اقلنا لیس لمن صلی علیها ان یعید مع الولی لان تکرارها غیر مشروع (الدرالمختار باب صلوٰۃ الجنائز ص۲۵۲\ج۱)

(۲) تقسیم فدیہ ادائے صلوٰۃ جنازہ پر یا دفن میت پر موقوف نہیں جو اسقاط ہے وہ تو یہ ہے کہ جس شخص سے نمازیں فوت ہوگئی ہوں یا روزے اس کے ذمہ رہ گئے ہوں اور وہ مرتا ہو تو وہ وصیت کرے کہ میرے مال سے میری نمازوں اور روزوں کا فدیہ دیدیا جائے۔ تب اس کی فوتگی کے بعد اس کے وارث اسکے تہائی مال سے اس کا فدیہ بحساب فی نماز بقدر فطرانہ اور فی روزہ بقدر فطرانہ دیں گے۔ کما فی التنویر (ولو مات وعلیه صلوات فائتة اوصی بالکفارة یعطی لکل صلوة نصف صاع من بر و کذا حکم الوتر من ثلث ماله ص ۱۵۴۱ج۱. اور جو دائرہ ہے جس کو حیلہ اسقاط کہتے ہیں۔ جس کا طریقہ شامی نے یہ لکھا ہے کہ مثلاً ایک مہینے کی نمازوں کے فدیہ کا اندازہ کر کے ایک فقیر کو تملیک کر دیا جائے اور فقیر اس کو قبول کرنے کے بعد پھر وارث کو ہبہ کر کے تملیک کر دے اور اس طرح چند بار اس ایک یا کئی فقیروں کو تملیک کر کے ہر فقیر کو آخر میں بقدر فدیہ دیدے۔ وانما یعطی (من ثلث ماله) ولو لم یترک مالا یستقرض وارثه نصف صاع مثلاً ویدفعه لفقیر ثم یدفعه الفقیر للوارث ثم و ثم حتی یتم (درمختار ص۵۴۲' ج۱)

واضح رہے کہ جہاں شامی نے حیلہ اسقاط کا یہ طریقہ لکھا ہے وہاں اس کی تصریح کر دی ہے کہ یہ حیلہ صرف فقراء اور مساکین کے لیے ہے یعنی یہ حیلہ اس وقت جائز ہے جب کہ ثلث مال سے فدیہ ادا نہ ہوسکتا ہو اور یہ صورت کبھی اتفاقاً پیش آ جاتی ہے اسے مستقل رسم بنا لینے کی اجازت نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے اسقاط مروج فی زمانناد رست نہیں فتاوٰی رشیدیہ ص ۱۱۶ پر ہے حیلہ اسقاط کا مفلس کے واسطے علماء نے وضع کیا تھا اب یہ حیلہ تحصیل چندفلوس کا ملاؤں کے واسطے مقرر ہوگیا ہے۔ حق تعالیٰ نیت سے واقف ہے وہاں کارگر نہیں مفلس کے واسطے بشرط صحت نیت ورثہ کے کیا عجب ہے کہ مفید ہو ورنہ لغو اور حیلہ تحصیل دنیا دنیہ کا ہے فقط۔

(۳) نماز اس کے پیچھے جائز ہے اگر صنعت وحرفت میں ناجائز امور کا ارتکاب نہ کرتا ہو۔ فی نفسہ صنعت و حرفت مباح ہے اور بہترین عمل ہے۔ خیر العمل عمل الید

(۴) اصل مذہب یہ ہے کہ کسی طاعت مقصودہ پر اجرت لینا جائز نہیں مگر جن طاعات میں دوام یا پابندی کی

ضرورت ہے اور وہ شعار دین میں سے ہیں کہ ان کے بند ہونے سے اخلال دین لازم آویگا اور ویسے کسی کو مہلت نہیں' ایسے امور کو اس کلیہ سے مستثنیٰ کر دیا ہے جیسے امامت وغیرہ اور ظاہر ہے کہ تہلیل خوانی' قرآن خوانی برقبور فاتحہ کے متروک ہونے سے نظم دین میں کوئی خلل لازم نہیں آتا اس لیے یہ اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز جنازہ میں دوبارہ شرکت کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ

۱۔ بمقام خانیوال زید۔ بکر۔ عمر نے ایک جنازہ میں شرکت کی۔ پھر اس میت کو اپنے آبائی مقام ساجی وال لے جایا گیا۔ وہاں پر کسی عذر کی بنا پر اس میت کا دوبارہ جنازہ ادا کیا گیا۔ زید' عمر' بکر نے دوبارہ جنازہ میں شرکت کی۔ کیا زید' عمر' بکر کی دوبارہ شرکت جائز ہے یا نہیں۔

۲۔ زید نے اپنی منکوحہ سے جماع کیا کچھ ساعت بعد بغیر غسل کیے زید نے دوبارہ جماع کیا۔ کیا بغیر غسل کے دوبارہ جماع کرنا جائز ہے۔ یا کہ حرام یا کہ خلاف اولی ہے۔ ان مسائل پر مفصل روشنی ڈالیں۔

﴿ج﴾

جنازہ کی نماز دوبارہ پڑھنی درست نہیں۔ اور اس میں کچھ تفصیل ہے جو ذیل میں مذکور ہے۔ اگر پہلے ولی نے نماز نہیں پڑھی اور نہ ہی اس کی اجازت سے نماز پڑھی گئی بلکہ ایسے لوگوں نے نماز پڑھی کہ جن کو حق تقدم نہیں تھا۔ تو ولی دوبارہ نماز پڑھ سکتا ہے۔ اگر ولی اول نماز پڑھ لے تو دوسروں کو اجازت نہیں کہ مکرر نماز پڑھیں اس لیے کہ تکرار نماز جنازہ مشروع نہیں۔ درمختار میں ہے۔

(وان صلی هو) ای الولی بحق بان لم یحضر من یقدم علیه (لایصلی غیره بعده) الخ. وفیه لان تکرارها غیر مشروع. ص ۲۵۲\ج۱

۲۔ اپنی بیوی سے بغیر غسل کے دوبارہ ہمبستری کرنا جائز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ دوبارہ ہمبستری سے پہلے استنجا کر لے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولی کو دوبارہ جنازہ پڑھنے کا حق ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا۔ اس نے قرب و جوار میں جنازہ۔ کے وقت کا اعلان کروایا۔ کہ فلاں وقت جنازہ ہوگا۔ اس وقت پر لوگوں کا اجتماع ہوا تو اس متولی نے نماز جنازہ پڑھانے کی نہ اجازت دی۔ اور نہ روکا۔ اور نہ ہی جنازہ میں شرکت کی۔ بلکہ اس نے کہا کہ میں یہاں جنازہ نہیں پڑھتا بلکہ آگے ایک مخصوص مقام میں پڑھونگا' چنانچہ حاضرین نے اپنے میں سے کسی کو امام بنا کر جنازہ پڑھ لیا۔ اندریں صورت وہ شخص اپنی والدہ ماجدہ کا جنازہ قبر پر پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔ جب کہ بعض علماء نے فتاوٰی قاضی خاں کی اس عبارت کے پیش نظر اعادۂ صلوۃ جنازہ کی اجازت دی ہے۔ **رجل صلی علی جنازۃ والولی خلفہ لم یامرہ بذلک ان تابعہ یصلی معہ لایعید الولی وان لم یتابعہ فان کان المصلی سلطانا اوالامام الاعظم اوالقاضی اووالی المصر اوامام حیہ لیس للولی ان یعید فی ظاھر الروایۃ وان کان غیرھم فلہ الاعادۃ ص ۹۴ ج ۱)**

تنقید: کیا شخص مذکور دفن ہونے کے بعد نماز جنازہ پڑھنا چاہتا ہے۔ یا کوئی اور صورت ہے۔ قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا کیا مطلب ہے۔ مسئولہ صورت میں وارث نماز جنازہ پڑھنا چاہتا ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ اس نے ادا نہیں کی تھی۔ اس کا جواب ازروئے فتوی عنایت فرمائیں۔

﴿ج﴾

اگر ولی میت کے سوا کسی ایسے شخص نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جس کو ولی پر مقدم ہونے کا حق نہیں تھا اور ولی نے اس کو اجازت بھی نہیں دی تھی۔ اور ولی نے اس کی متابعت بھی نہیں کی۔ تو ولی اگر چاہے تو دوبارہ نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس کا حق باقی ہے۔ اگرچہ میت پر نماز پڑھنے کا فرض اجنبی کے پڑھنے سے ادا ہو چکا ہے۔ پس ولی کو اس کے حق ولایت کی وجہ سے اعادہ کی اجازت ہے۔ نہ کہ اسقاط فرض کے لیے۔ کیونکہ وہ تو پہلے ادا ہو چکا ہے۔ اگر کوئی اعادہ نہ کرے۔ تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور اگر مردہ دفن ہو چکا ہے۔ تو ولی کو اختیار ہے کہ وہ قبر پر نماز پڑھ لے۔ جب تک کہ لاش پھٹی نہ ہو۔ یعنی تین دن تک پڑھ سکتا ہے۔ کہ عام طور پر اس کے بعد جسم پھٹ جاتا ہے۔ اور جب ولی اس میت پر نماز کا اعادہ کر لے تو جو لوگ پہلی نماز میں شریک تھے وہ دوبارہ ولی کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتے۔

نماز جنازہ کی عربی دعائیں یاد نہ ہوں تو

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ صلوٰۃ جنازہ میں جس مقتدی کو دعائے ماثورہ عربی یاد نہ ہو۔ تو وہ مقتدی دعاء کا اردو یا پنجابی ترجمہ دعا کے طور پر پڑھے یا نہ یا چپ رہے۔

﴿ج﴾

اگرچہ مسنون تو عربی کی دعاء ماثورہ ہے۔ لیکن اگر وہ حفظ نہ ہو تو کسی بھی زبان میں میت کے لیے دعاء مانگ لے **یا اللھم اغفر لہ** پڑھتا ہے۔ اس طرح نماز جنازہ ادا ہو جاتی ہے۔ خاموش نہ رہے۔ واللہ اعلم

شوہر کے مرنے پر عورت عدت کہاں گذارے

﴿س﴾

جناب عالی! گزارش ہے کہ سائلہ مسماۃ وزیراں بی بی بیوہ نواب غلام نقشبند خان النقشبند 1054A خانیوال روڈ' ملتان۔

(۱) میرا خاوند نواب غلام نقشبند خان ۲۱۔۹۔۷۷ء کو سویرے تین بجے بقضائے الٰہی فوت ہو گیا ہے۔ (۲) میری عمر تقریباً ۶۰ سال ہے۔ (۳) میری اولاد ۸ لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔ (۴) میری سب اولاد کی شادیاں ہو چکی ہیں۔ (۵) نواب غلام نقشبند خان مرحوم کو محلہ کڑی علیزئی ڈیرہ اسماعیل خان میں دفن کیا گیا ہے۔ (۶) میں ۲۱۔۹۔۷۷ء کو مرحوم کی میت کے ساتھ ڈیرہ اسماعیل خان آئی ہوں۔ اور ابھی تک ڈیرہ اسماعیل خان میں ہوں۔ (۷) ہمارا گھر ڈیرہ اسماعیل خان میں بھی ہے اور ملتان میں بھی گھر ہے۔ مگر مستقل رہائش ملتان میں ہے۔ کیونکہ میرا لڑکا محمد صلاح الدین خان ملتان میں رہتا ہے۔ اس کی مستقل رہائش ملتان ہے۔ کیا میں عدت ۱۰ دن۔۴ ماہ ڈیرہ اسماعیل خان گزاروں یا ملتان۔ حکم شرعی کا فتوی لکھ کر دیا جاوے۔ عین نوازش ہوگی۔

﴿ج﴾

وفی الدر المختار ۲۷۶ ج ۲ **(و تعتدان) ای معتدۃ طلاق و موت (فی بیت و جبت فیہ) ولا یخرجان منہ الخ** عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ عورت مذکورہ اپنی عدت کے ایام ملتان میں رہے گی۔ فقط واللہ اعلم

برزخ کسے کہتے ہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبر کسے کہتے ہیں۔ اور برزخ کسے کہتے ہیں۔ یہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ یا الگ الگ دو نام ہیں۔ قبر اور برزخ میں کیا فرق ہے۔

﴿ج﴾

دنیا اور آخرت کے درمیانی عالم کا نام عالم برزخ ہے۔ اور قبر عالم برزخ کے اس مخصوص مقام کا نام ہے۔ جو میت کے ساتھ متعلق ہے۔ فقط واللہ اعلم

تعویذ دیتے وقت میت والے گھر نہ جانے کی شرط کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں بعض پیر اور مولوی صاحبان مریض عورتوں کو تعویذ بنا کر دیتے ہیں۔ اور یہ قید لگاتے ہیں کہ کسی میت والے گھر مت جانا اور نہ زچگی والے گھر جانا اگر چلی گئی تو تیرا مقصد اولاد پورا نہیں ہوگا۔ تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہ۔

(۲) بعض مولوی صاحبان میت کو دفن کرا کر قبرستان سے واپس ۴۰ قدم باہر آ کر دعا منگواتے ہیں کیا یہ جائز ہے

(۳) قبرستان میں سے درخت کو کاٹ کر اپنے کام میں لانا سوکھے یا گیلے جائز ہے یا نہ۔

(۴) جاہل لوگوں نے ثواب کی نیت سے قبروں کو پختہ بنا دیا تھا۔ اب قبرستان بہت پرانا ہو چکا ہے۔ اینٹیں جدا جدا بکھری پڑی ہیں کوئی صاحب نکال کر اپنے استعمال میں لا کر ان کی جو جائز رقم بنتی ہو وہ کسی مدرسہ میں یدے تو جائز ہے یا نہ؟

﴿ج﴾

(۱) یہ قیودات بے اصل ہیں اور ان کا کوئی اعتبار نہیں (۲) دفن کرنے کے بعد میت کے لیے دعا مانگنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ لیکن چالیس قدم دور ہٹ کر دعا مانگنا نہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے نہ خلفائے راشدین اور صحابہ و تابعین سے۔ اس لیے اس التزام کا ترک واجب ہے۔

(۳) قبرستان کے درخت لکڑی فروخت کر کے قیمت قبرستان کے ضروریات میں صرف کریں اپنے

استعمال میں لانا درست نہیں۔ (۴) اینٹیں قبر پر لگانے سے وقف نہیں ہوتیں۔ بلکہ لگانے والے کی ملک باقی رہتی ہے۔ اگر لگانے والے معلوم ہوں یا اس کے اقرباء معلوم ہوں تو ان سے اجازت لی جاوے۔ اگر یہ لوگ معلوم نہ ہوں لقطہ کے حکم میں ہے۔ اور لقطہ کا حکم یہ ہے کہ مالک کے نہ ملنے کی صورت میں کسی نیک کام میں صرف کر دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

رمضان المبارک یا جمعہ کے روز فوت ہونے والے کے لیے خوشخبری کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مائی ماہ رمضان المبارک میں فوت ہوئی اور اس کو شب جمعہ میں دفنایا ہے۔ اب یہ بتائیں کہ اس کو عذاب قبر اور عذاب منکر نکیر ہوگا یا نہ۔

﴿ج﴾

احادیث میں جو آتا ہے کہ جو جمعہ کو فوت ہو جائے تو اسے عذاب قبر نہیں ہوتا۔ وہ جمعہ کی رات سے لے کر جمعہ کے دن سورج غروب ہونے تک کوئی فوت ہو جائے جو خمیس کے دن سورج غروب ہونے سے پہلے فوت ہو جائے اور دفن جمعہ کی رات ہو جائے۔ اس کے متعلق یہ حدیث ساکت ہے جو جمعہ کی رات یا دن کو فوت ہوں اور صرف دفن جمعہ کے دن یا رات کو ہوں ان کے متعلق یہ خوشخبری نہیں بلکہ اعمال پر ہے اور اللہ تعالیٰ رب العزت کے اس کے ساتھ معاملہ پر ہے۔ چاہے تو مغفرت کریں اور اسے عذاب نہ دیں۔ اور چاہے اس کو عذاب دیں۔ اس کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔ فقط واللہ اعلم

کیا مردہ سلام کا جواب دیتا ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ جب آدمی مرجاتا ہے اور اس کی قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں۔ وہ دعا ہاتھ اٹھا کر مانگنی جائز ہے یا نہیں۔

(۲) جب کوئی آدمی اپنے دوست یا کسی غیر کی قبر پر جائے تو وہاں جا کر السلام علیکم یا اهل القبور کہتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

(۱) اس بارہ میں حدیث شریف میں صرف اس قدر وارد ہے۔ عن عثمانؓ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ وقال استغفروا لاخیکم واسئلوا اللہ له بالتثبیت فانه الآن یسئل. رواہ ابوداؤد وغیرہ فتاوی دارالعلوم ص ۱۰۴ ج ۴ لہٰذا دفن کرنے کے بعد کھڑے ہو کر یہ جائز ہے۔ کہ کلمہ پڑھتے رہیں اور میت کے لیے جواب منکر ونکیر میں ثابت قدم رہنے کی دعا کرتے رہیں۔ اس میں ہاتھ اٹھانے کا کوئی ذکر نہیں۔ (۲) سماع موتی کے بارے میں اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف صحابہ کے زمانہ سے ہے۔ اور قول فیصل ہونا اس میں دشوار ہے۔ پس عوام کو اس میں سکوت مناسب ہے۔ جب کہ علماء کو بھی اس میں تردد ہے۔ واللہ اعلم

مروّجہ حیلہ اسقاط کے متعلق ایک مفصل فتویٰ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں۔ (۱) کہ ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے کہ آدمی جب فوت ہوجائے تو قبرستان کو جنازہ لے جانے کے وقت ایک بوری گڑ یا کم زائد اور ایک نسخہ قرآن مجید لے جاتے ہیں۔ جنازہ پڑھ کر امام مسجد اور دوسرے آدمی گول دائرہ میں بیٹھ جاتے ہیں درمیان میں گڑ کی بوری اور گٹھڑی میں رقم اور اس کے اوپر قرآن مجید کا نسخہ رکھ دیتے ہیں امام مسجد کو معلوم نہیں کہ یہ کتنی رقم ہے۔ امام صاحب ان تینوں چیزوں پر ہاتھ رکھ کر دائیں طرف والے آدمی کو قبول کرنے کے لیے کہتا ہے وہ آدمی قبول کر کے اپنے ہاتھ والے دوسرے آدمی کو قبول کرنے کے لیے کہتا ہے غرض یہ کہ گول دائرے میں یہی اشارہ چلتا ہے۔ پھر امام صاحب کی جب باری آجاتی ہے تو وہ چند کلمات پڑھتا ہے اور پھر سابقہ طریقہ چلتا ہے اب کیا شریعت کے مطابق قرآن پاک کا لے جانا قبرستان کو صحیح ہے یا بے ادبی ہے۔ جو طریقہ شریعت کے مطابق ہو کتب معتبرہ کے حوالے سے جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) پھر اسی روز یا چند دن کے بعد وارث چند آدمیوں کو تلاوت قرآن مجید کے ختم کرنے کے لیے جمع کرتے ہیں ان لوگوں کو چائے بسکٹ دیتے ہیں۔ اس کے بعد ان لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور کھا لیتے ہیں کیا ان کے لیے کھانا جائز ہے بعض امام کہتے ہیں درست نہیں اور بعض کہتے ہیں چونکہ ہم لوگوں نے ختم خدا کے لیے کیا اور انہوں نے یہ خدا کے لیے کیا ہو تو کیا حرج ہے جواب سے نوازیں۔

(۳) حیلہ اسقاط میں میت کا والد بیٹھ گیا۔ امام مسجد کو ایک آدمی نے کہا کہ میت کے والد کو اس دائرے سے اٹھاؤ میت کا والد اس دائرہ سے اٹھ گیا۔ امام مسجد جو اسقاط باندھ رہے تھے۔ اس نے کہا کہ کوئی فکر نہ کریں۔ آپ اسقاط قبول کر سکتے ہیں۔ اب دوسرے آدمی کا یہی دعویٰ ہے کہ اگرچہ میت کا والد مسکین ہے۔ مگر فرزند کا اسقاط قبول نہیں کر سکتا اس کے بارے میں بھی جواب تحریر فرمائیں۔

﴿ج﴾

اصل جو اسقاط ہے وہ تو یہ ہے کہ جس شخص کی نمازیں فوت ہوگئی ہوں یا روزے اس کے ذمے رہ گئے ہوں اور وہ مر رہا ہو تو وہ وصیت کرے کہ میرے مال سے میری نمازوں اور روزوں کا فدیہ دے دیا جائے۔ اس کے فوت ہونے کے بعد اس کے وارث اس کے تہائی مال سے اس کا فدیہ بحساب فی نماز بقدر فطرانہ اور فی روزہ بقدر فطرانہ دیں گے۔ کما فی التنویر ولومات وعلیه صلوات فائتة واوصی بالکفارة یعطی لکل صلوة نصف صاع من برو کذا حکم الوتر والصوم یا دیگر فقہائے کرام نے جو اس حیلہ کو لکھا ہے اس میں تصریح ہے کہ یہ حیلہ اس وقت جائز ہے جبکہ تہائی مال سے فدیہ پورا ادا نہ ہوسکتا ہو اور یہ صورت کہ ثلث مال سے فدیہ پورا ادا نہ ہوسکتا ہو۔ کبھی اتفاقاً پیش آجاتی ہے اسے ایک مستقل رسم بنا لینے کی اجازت نہیں۔ قال فی الشامیة نص علیه فی تبیین المحارم فقال لا یجب علی الولی فعل الدوران وان اوصی به المیت لانها وصیة بالتبرع والواجب علی المیت ان یوصی بما یفی بما علیه ان لم یضق الثلث عنه فان اوصی باقل وامر بالدور وترک بقیة الثلث للورثة او تبرع به لغیرهم فقد اثم بترک ما وجب علیه . وبه ظهر حال وصایا اهل زماننا فان الواحد منهم یکون فی ذمته صلوة کثیرة وغیرها من زکوة واضاح وایمان یوصی بذلک بدراهم یسیرة ویجعل معظم وصیته لقراءة الختمات والتهالیل التی نص علمائنا علی عدم صحة الوصیة بها الخ. (ردالمحتار باب قضاء الفوائت ص ۵۴۲ ج ۱) ان جزئیات فقہاء سے معلوم ہوا کہ اسقاط مروجہ جو دائرہ کی شکل میں ایک مستقل رسم کی صورت اختیار کر چکا ہے اور اس کا ایسا التزام کیا جاتا ہے کہ اسے اعمال تکفین میں سے ایک مستقل عمل سمجھا جاتا ہو جائز نہیں۔ التزام کرنے سے مباح بلکہ مندوب عمل بھی ناجائز ہوجاتا ہے۔ قال فی شرح التنویر وکل مباح یودی الیه (ای الی الوجوب) فمکروه اسقاط مروج میں ثلث مال سے فدیہ ادا نہیں کیا جاتا حالانکہ اتمام ثلث تک فدیہ کی وصیت کرنا اور اس

کا ادا کرنا ضروری ہے۔ آج کل عام طور پر یہ اسقاط وصیت میت کے بغیر ورثاء اپنی طرف سے ترکہ میت سے کرتے ہیں جبکہ ورثاء میں نابالغ بھی ہوتے ہیں جن کی اجازت کا بھی اعتبار نہیں۔ تو ایسی صورت میں یہ جائز نہیں۔

میت کے ساتھ قبرستان تک قرآن مجید لے جانا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین تو اس پر سب سے زیادہ شفیق ہیں ان سے یہ عمل ثابت نہیں۔ حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یک نہیں ہزاروں لوگ فوت ہوئے اور دفن کیے گئے۔ اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین تبع تابعین کے سامنے بھی وتا رہا۔ کسی ایک روایت سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا تو آج قرآن مجید کو قبرستان لے جانے کا التزام کرنا اور ن کو ایصال ثواب اور اسقاط کا جزء بنالینا کسی طرح بھی درست نہیں ہوسکتا۔

میت کے ساتھ گڑ شیرینی وغیرہ لے جانا اور وہاں تقسیم کرنا یہ بھی بدعت اور ناجائز ہے۔ علامہ طحطاوی اشیہ مراقی الفلاح میں لکھتے کہ ذکر ابن الحاج فی المدخل فی الجزء الثانی ان من البدع قبیحة وصلوا مایحمل امام الجنازة من الخبز والخرفان ویسمعون ذلک عشاء القبر ذا وصلوا الیه ذبحوا ذلک بعد الدفن وفرقوه مع الخبز وذکرمثله المناوی فی الشرح 'ربعین فی حدیث من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد قال ویسمون ذلک الکفارة فانه بدعة مذمومة قال ابن امیر حاج ولو تصدق ذالک فی البیت سرا لکان ملا صالحاً ولو سم من البدعة اعنی ان یتخذ الناس سنة او عادة لانه لم یکن من سنن امضی والخیر کله فی اتباعهم انتهی اور عینی شرح ہدایہ میں لکھا ہے۔ ولا یکره نقل الطعام الی قبرة فی الاعیاد واسراج السراج اور ردالمختار میں لکھا ہے۔ واطال فی المعراج وقال وهذه عمال کلها للسمعة والریاء فیحترز عنها لانهم لا یریدون به وحدثه تعالیٰ.

(۲) اصل یہ ہے کہ اگر قرآن شریف بلا معاوضہ پڑھ کر میت کو ثواب پہنچایا جائے تو ثواب پہنچتا ہے مگر کسی ن اور تاریخ کی تخصیص نہ کی جائے۔ کما فی ردالمحتار باب صلوة الجنائز مطلب فی القرأة میت وفی شرح اللباب ویقرأ من القراٰن ما تیسرله من الفاتحة واولی البقره الی مفلحون وایة الکرسی وامن الرسول و سورة یٰس الخ ثم یقول اللهم اوصل ثواب ما أناه الی فلان او الیهم الخ ص ۲۲۶ \ ج ۱. اور اگر قرآن پاک ختم اس طرح سے ہو جیسا کہ اکثر اس نہ میں مروج ہے کہ تیسرے دن بچوں اور بڑوں سے قرآن مجید پڑھوا کر ان کو پیسے وغیرہ تقسیم کیے جاتے

ہیں۔ تو یہ جائز نہیں۔ اور اس میں میت کو ثواب نہیں پہنچتا۔ قال فی الشامیه معزیا الی الفتح ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة روی الامام احمد وابن ماجه باسناد صحیح عن جریر بن عبدالله قال کنا نعد الاجتماع الی اهل المیت صنعهم الطعام من النیاحة ص ۲۶۴ \ ج ۱. جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام میت کے گھر میں جمع ہونے اور میت کے گھر کھانا تیار کرنے کو نوحہ میں داخل سمجھتے تھے حدیث میں آیا ہے کہ میت پر آواز کے ساتھ رونا اور بین اور نوحہ کرنا اہل جاہلیت کا کام ہے اور نوحہ کرنا جمہور سلف اور خلف کے نزدیک حرام ہے اسی طرح میت کے گھر کا کھانا بھی سمجھا جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل میت کے گھر اجتماع کرنا اور وہاں کھانا صحابہ کرام کے نزدیک نوحہ جیسا ایک جرم تھا اس پر ان کا اجماع اور اتفاق رہا ہے۔ وفی البزازیه ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقرأة القراٰن وجمع الصلحاء والقراء للختم او القرأة سورة الانعام او الاخلاص ص ۲۶۴ \ ج ۱. مروج طریقہ سے ختم قرآن کے تحت اس کا ثواب نہ مردے کو پہنچتا ہے نہ پڑھنے والے کو بلکہ قرآن پاک پر اجرت دینے والا اور لینے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں۔ اگر لوجہ اللہ ثواب پہنچانا مقصود ہو تو اس میں تیسرے دن کا کیوں انتظار کیا جائے۔ قال تاج الشریعه فی شرح البدایة ان القراٰن بالاجرة لا یستحق الثواب لا للمیت و لا للقاری (الی ان قال) والا خذ والمعطی اثمان الخ فاذا لم یکن للقاری ثواب لعدم النیة الصحیحة فاین یصل الثواب الی المیت. دعوت پر جو رقم صرف ہوتی ہے اس میں عموماً نابالغ یتامی کا حصہ بھی ہوتا ہے نابالغ کا مال صدقہ وخیرات میں دینا کسی صورت بھی جائز نہیں ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما انما یاکلون فی بطونهم نارا الأیه.

(۳) اسقاط مروجہ جو کہ جائز نہیں اس میں والد کے بیٹھنے کے جواز یا عدم جواز کا مسئلہ بھی خارج از بحث ہے۔ البتہ اسقاط کا جو جائز طریقہ ہے کہ ثلث مال سے فدیہ ادا نہ ہوسکتا ہو اور وہ وصیت کرے تو وارث مثلاً والد مقدار فدیہ ایک فقیر کو دے پھر فقیر متعین کر کے والی وارث کو دے اسی طرح تمام فدیہ تک یہ سلسلہ جاری رکھے تو اس طریقہ سے اسقاط میں وارث مثلاً والد کا بیٹھنا جائز بلکہ ضروری ہے۔ قال فی الدر المختار علی هامش ردالمحتار ص ۵۴. ج ۱. ولو لم یترک مالا یقترض وارثه نصف صاع مثلاً ویدفعه لفقیر ثم یدفعه الفقیر للوارث ثم وثم حتی الخ. واضح رہے کہ تمام ایسی بدعات ورسومات

سے جن کا شرع شریف سے جواز وثبوت نہیں ملتا۔ بچتے ہوئے اہل میت کی تعزیت وتسلی کے لیے ان کے پاس جانا اور میت کے لیے دعاء واستغفار کرنا صدقہ وخیرات دینا اور بلا اجرت کے قرآن پڑھ کر یا کھانا کھلا کر ایصال ثواب اسی طرح نفلی نماز روزہ وحج وغیرہ سے میت کو ثواب پہنچانا جائز اور صحیح ہے بشرطیکہ متعین تاریخوں میں نہ ہو اور اس کو واجب اور ضروری نہ سمجھا جائے جو کچھ کھلانا ہو فقراء ومساکین کو کھلایا جائے۔ اغنیاء (مالدار) اور صاحب نصاب لوگوں کو اس میں سے نہ کھلائے قرض لے کر اپنی وسعت سے زیادہ خرچ نہ کرے اور کوئی خلاف شرع کام اس کے ساتھ نہ ملائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم وحکم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان

۲۰ جمادی الاولی ۱۳۹۳ھ

گوشت روٹی وغیرہ کا ایصال ثواب' کیا دوبارہ ایصال ثواب کے لیے مالی خیرات جائز ہے؟ سارے ہفتہ میں ایک جیسا ثواب ملتا ہے یا بعض دنوں کی فضیلت زیادہ ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین۔ (۱) عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله عزوجل يرفع الدرجة للعبد الصالح فى الجنة فيقول يا رب انى لى هذه فيقول باستغفار ولدک لک (رواه احمد مشكوة شريف باب الاستغفار) (۲) عن عبدالله بن عباسؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما الميت فى القبر الا كالغريق المتغوث ينتظر دعوة تلحقه من اب او ام او اخ او صديق فاذا لحقته كان احب اليه من الدنيا وما فيها وان الله تعالى ليدخل على اهل القبور من دعاء اهل الارض امثال الجبال وان هدية الاحياء الى الاموات الاستغفار لهم. مشکوۃ شریف باب الاستغفار صفحہ ۲۰۶۔

(۳) باب ماجاء فى الصدقة عن الميت عن ابن عباسؓ ان رجلاً قال يا رسول الله ان امى توفيت افينفعها ان تصدقت قال نعم قال فان لى مخرفاً فاشهدک انى قد تصدقت به عنها ومعنى قوله ان لى مخرفا يعنى بستانا. ترمذی شریف جلد اول صفحہ ۸۵۔

(۱) اول دونوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موتیٰ کو دعا استغفار مفید ہے۔ تیسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مالی صدقہ بھی موتیٰ کو نفع دیتا ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس باغ نہ ہو اور ایصال ثواب والدین کے لیے اپنے

مال پاک سے کہ یتیم کا مال بھی ان میں نہ ہو۔ محض رضائے الٰہی مطلوب ہو اور ایصال ثواب موتیٰ کا ارادہ ہو۔ تو طعام پختہ دینا مثلاً گوشت روٹی یا چاول یا حلوا یا کچھ کھجوریں وغیرہ موتا کو نفع ہوگا۔ یا نہ۔ (۲) اگر ایک دفعہ ایصال ثواب موتیٰ کے لیے مطابق آیت للوالدين والاقربين واليتٰمى الأيه کے طعام کھلایا جائے۔ تو چند روز کے بعد اگر انسان کا خیال آئے تو پھر دوسری دفعہ بھی صدقہ عن المیت دینا جائز ہے یا نہ۔ (۳) ایصال ثواب صدقہ عن المیت اگر جائز ہو تو سارے ہفتہ میں رات دن میں صدقہ دینا جائز ہے۔ یا کوئی دن ایسا ہے کہ صدقہ عن المیت ممنوع ہے۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (۱،۲،۳) واضح رہے کہ ایصال ثواب ہر قسم کے صدقات وغیرہ عبادات کا جائز ہے۔ اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے۔ طعام پختہ دے یا نقد وغیرہ دے اسی طرح دوسری تیسری دفعہ بھی دے سکتا ہے۔ کسی روز بھی صدقہ دینا ممنوع نہیں ہے۔ سال کے پورے دن صدقہ دینے کے لیے ہیں۔ کسی دن بھی منع نہیں ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ اس میں ریاء ونمود وشہرت مقصود نہ ہو۔ رسم ورواج کے لیے نہ ہو۔ مال حلال اور طیب ہو۔ یتیموں اور غائبوں کا مال نہ ہو۔ اپنی طرف سے دنوں کی اور خاص کیفیتوں کی تعیین نہ کی جائے اور نہ کھانے کی اقسام میں تعیین ہو۔ غرضیکہ تمام ان قیود وتخصیصات سے پاک ہو جس کا ورود شریعت میں نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

یکم شعبان ۱۳۸۶ھ

کتاب الزکوٰۃ

زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرطوں کا بیان

کسی شخص کا مکان اگر چہ استعمال میں نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں۔ دو بھائیوں نے کچھ زمین خرید کر اس میں ایک مکان بنوالیا ہے۔ جو کہ بالکل فارغ ہے۔ اور خالی پڑا ہے۔ وہ خود بھی استعمال نہیں کر رہے۔ اور کرایہ وغیرہ بھی کچھ نہیں وصول ہوتا۔ اور اس کی قیمت مع زمین سے دونوں بھائی نصاب کے مالک ہو جاتے ہیں۔ کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی یا نہیں۔ اگر صرف زمین خرید کی ہو۔ لیکن اوپر مکان تعمیر نہ کیا ہو اور سفید زمین پڑی ہو تو اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ ایک آدمی دوسری جگہ امامت کرتا ہے۔ اور اپنے وطن سے کافی دور ہے۔ وہاں اس کا ذاتی مکان خالی پڑا ہوا ہے۔ کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

﴿ج﴾

اس مکان کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۶ ذی قعدہ ۱۳۹۰ھ

نابالغ کے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ آپ کے مدرسہ کا پمفلٹ بعنوان مسائل زکوٰۃ موصول ہوا۔ بندہ نے بغور مطالعہ کیا۔ مگر مجھے وجوب زکوٰۃ کے شرائط میں نمبر ۳ کی شرط پر شبہ ہو گیا ہے کہ نابالغ کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ نابالغ پر دولت مند اور صاحب نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ کیوں فرض نہیں جناب والا اس کی پوری پوری تشریح فرماویں۔ نیز باحوالہ دلائل قرآن و حدیث اور اقوال ائمہ سے تحریر فرما کر بندہ کو مطمئن فرماویں۔ بہت نوازش ہو گی۔

﴿ج﴾

وشرط افتراضها عقل وبلوغ واسلام. درمختار. فلا تجب على مجنون وصبي لانها

عبادة محضة وليسا مخاطبين بها الخ (ردالمحتار ـ ج ۲/ص ۴ کتاب الزکوٰۃ) وفي الهداية وليس على الصبي والمجنون زكوة خلافا للشافعيؒ فانه يقول هي غرامة مالية فتعتبر بسائر المئون كنفقة الزوجات الخ ولنا انها عبادة فلا تتأدى الا بالاختيار تحقيقاً لمعنى الابتلاء ولا اختيار لهما لعدم العقل الخ (ہدایہ کتاب الزکوٰۃ ـ ج ۱/ص ۱۶۸) عبارت مرقومہ سے واضح ہے کہ نابالغِ شرعی کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عبادت ہے اور نصوص سے صبی کا غیر مکلف ہونا اور مرفوع القلم ہونا ثابت ہے۔ قال عليه الصلوة والسلام رفع القلم عن ثلثة عن النائم حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يبلغ وعن المجنون حتى يفيق الحديث (نصب الرایہ کتاب الزکوٰۃ ـ ج ۲/ص ۳۳۳) اور عدم وجوب صلوٰۃ وصیام وحج وغیرہ جملہ عبادات بھی نابالغ پر زکوٰۃ کے واجب نہ ہونے کی دلیل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۱ ذوالقعدہ ۱۳۸۸ھ

نابالغ کے مال میں زکوٰۃ نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک دولت مند شخص فوت ہوگیا۔ اور ایک لاکھ روپے کا نقد ترکہ چھوڑ گیا۔ وارث دو نابالغ لڑکے اور ایک بیوی ہے۔ کیا ان نابالغ لڑکوں کے حصوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ یا نہیں۔ اور بیوی کے حصے میں زکوٰۃ کے بارے میں بھی تحریر فرمائیں۔ آیا زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

نابالغ لڑکوں کے حصے پر زکوٰۃ نہیں۔ البتہ ان کی والدہ اپنے حصے کی زکوٰۃ ادا کرے۔ ان کی والدہ کل ترکہ سے آٹھواں پائیگی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۸ صفر ۱۳۹۶ھ

نابالغِ شرعی کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں وشرط افتراضها عقل وبلوغ واسلام (درمختار) فلا تجب على مجنون وصبي لانها عبادة محضة وليسا مخاطبين بها الخ (رد المحتار كتاب الزكوة. ج ۲/ص ۴)

الجواب صحیح محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۸ صفر ۱۳۹۶ھ

نابالغ کے مال میں زکوٰۃ نہیں، البتہ زمین میں عشر واجب ہے

﴿س﴾

کیا نابالغ لڑکے یا لڑکی کی جائیداد سے زکوٰۃ ادا کرنی پڑتی ہے۔ اگرچہ بالغان عزیزان کے ساتھ جائیداد مشترکہ ہو۔ اور بالغ عزیزان نابالغان کی سرپرستی کر رہے ہوں۔

﴿ج﴾

نابالغ لڑکے لڑکی پر نقد، سونے، چاندی، مال تجارت مویشی وغیرہ کی زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور زمین کا عشر واجب ہے۔ جب زکوٰۃ واجب نہیں تو بالغ ولی کو اس مال میں صدقہ نافلہ دینے کا اختیار نہیں ہے۔ اگر دے چکا ہے اس کا ضامن ہے۔ اتنا مال اپنے حصہ سے نابالغ کو ادا کرے گا۔ اگر مال مشترک ہے تو اپنے حصہ کی زکوٰۃ تو بالغ ولی ادا کرے گا۔ لیکن نابالغ کے حصہ کی ادا قطعاً نہ کرے۔ اور اس رقم کو خصوصاً اس کے لیے رکھ لیا جاوے۔ بعد بالغ ہونے کے اس کے حوالے کر دیا جاوے۔ عالمگیری میں ہے۔ وهنا (اى من شروط وجوب الزكوة) العقل والبلوغ ليس الزكوة على الصبي والمجنون الخ صفحه ۱۸۲ جلد اول۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ۲۳ صفر ۱۳۷۵ھ

ایک شخص کے پاس سونا، چاندی، دوکان میں کپڑا ہو تو زکوٰۃ کس طرح ادا کرے؟

نابالغ کے پاس جو سونا چاندی ہیں اس کا حکم

اگر سونا چاندی میں سے ہر ایک نصاب سے کم ہو تو زکوٰۃ کا کیا طریقہ ہوگا؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام دریں مسئلہ کہ ایک شخص احمد یار کے پاس ۳ تولہ سونا ہے اور ۲۰ تولہ چاندی۔ نصاب دونوں کا پورا نہیں ہے۔ اور ایک کپڑے کی دوکان ہے۔ جس میں بیس ہزار روپے کی مالیت ہے۔ تو کیا اس پر زکوٰۃ دینا واجب ہے یا نہ؟

(۲) میرا چھوٹا بھائی محمد صفدر ہے۔ نابالغ۔ اس کے حصہ میں سونا اور چاندی دونوں نصاب سے کم ہیں اس کی زکوٰۃ ادا کریں یا نہ؟

(۳) اگر دونوں سونا چاندی نصاب سے کم ہوں تو دونوں کو ملا کر ایک نصاب بنا کر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے یا نہ؟

﴿ج﴾

(۱) اگر سونا اور چاندی دونوں کی قیمت ملا کر ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچے تو نصاب زکوٰۃ تام ہے۔ صورت مسئولہ میں اس شخص پر سونا چاندی اور دوکان میں جو کپڑا ہے۔ تینوں کی زکوٰۃ واجب ہے۔

(۲) نابالغ پر زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مال مشترک اگر انفرادی طور پر نصاب کو نہ پہنچے تو زکوٰۃ واجب نہیں

حفاظت کی غرض سے رقم کو بینک میں جمع کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مثلاً زید و بکر دونوں سگے بھائی ہیں۔ اور دونوں کی بالغ اولاد بھی موجود ہے۔ دونوں کی جائیداد غیر تقسیم شدہ ہے۔ اگر ان دونوں کی جائیداد ایک کی جائیداد تصور کی جائے۔ تو زکوٰۃ واجب ہوسکتی ہے۔ اور اگر موجودہ جائیداد میں سے ہر ایک کو اور ان کی اولاد کو حصہ دیا جائے۔ تو اتنا مال ہر ایک کو نہیں آتا کہ ہر ایک پر زکوٰۃ واجب ہو جائے۔ شرع شریف میں ایسے مال پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں۔

نمبر۲۔ زید اپنا مال یعنی روپیہ اور چاندی سونا چوروں کے خوف سے بینک میں داخل کراتا ہے۔ اور ان کا سود نہیں لیتا۔ لیکن وہ بینک سودی کاروبار پر چل رہا ہے۔ کیا ایسے بینک میں اپنی رقم وغیرہ حفاظت کی خاطر جمع کرانی جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

۱۔ ایسی صورت میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ جبکہ ہر ایک بھائی کی ملکیت مقدار نصاب کو نہیں پہنچتی۔

۲۔ زید کو چاہیے کہ اپنا مال کرنٹ اکاؤنٹ یعنی چلت کھاتے میں جمع کرائے جس پر سود نہیں ملتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۹ رجب ۱۳۸۹ھ

وجوب زکوٰۃ کے لیے کتنا نصاب ہونا چاہیے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا نصاب کیا ہے۔

﴿ج﴾

زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لیے ساڑھے باون تولے چاندی کی مالیت کا مالک ہونا ضروری ہے ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت معلوم کر لی جائے آج کل چاندی کی قیمت تقریباً ۱۶ روپے تولہ ہے۔ لہٰذا ساڑھے باون تولے کی قیمت ۸۴۰ روپے ہوگی۔ بس جس شخص کے پاس نقد اتنی رقم ہو یا اس کے پاس نوٹ ہو یا تجارتی سامان ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر چاندی نہ ہو صرف سونا ہو اور نقد رقم بھی نہ ہو تو سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے۔ زیادہ تفصیل معلوم کرنے کے لیے بہشتی زیور یا تعلیم الاسلام کا مطالعہ فرماویں جو کہ اردو میں ہیں۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۵ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ

۵۲½ تولے چاندی کی قیمت کے بقدر جس کے پاس رقم ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید کے پاس تقریباً ۵ ہزار روپیہ ہے جو کہ کاروبار میں ابھی تک صرف نہیں ہوا۔ اور زید خود کسی جگہ باتنخواہ ملازم نہیں ہے۔ اس کی شادی بھی نہیں ہوئی ہے۔ دوکان اس کے والد کی ہے۔ جو اسے ہفتہ میں ۲۔۳ مرتبہ ۱۰ روپے دے دیتے ہیں۔ خود زید کا اپنا کوئی کاروبار نہیں ہے۔ جہاں سے اسے باقاعدہ کوئی آمدنی ہو رہی ہو۔ مندرجہ بالا رقم بھی اس طرح جمع ہوئی ہے۔ مطلب اس تفصیل کے بیان کرنے سے یہ ہے۔ کہ کیا زید پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر ضروری ہے تو اس کی یہی صورت ہوگی کہ وہ اپنے ۵ ہزار روپیہ میں سے زکوٰۃ ادا کرتا رہے تا آنکہ وہ رقم زکوٰۃ ادا کرتے کرتے نصاب سے کم ہو جائے۔ جس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہو گی۔ کیونکہ زید کی باقاعدہ کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے۔ تو کیا اس رقم میں زکوٰۃ واجب ہے۔ یا نہیں۔

﴿ج﴾

زید اس رقم کی زکوٰۃ دے۔ ورنہ گنہگار ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ بہتر یہ ہے کہ زید اس رقم کو کاروبار میں لگا دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ

زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرطوں کا بیان اور مندرجہ ذیل مال کی کتنی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مندرجہ ذیل مال میں زکوٰۃ کا کتنا حساب بنتا ہے۔ اور زکوٰۃ کی رقم کتنی بنتی ہے۔ (۱) نقد کی صورت میں =/۲۵۵۰ روپے (۲) ایک مکان مالیتی =/۶۰۰۰ جو کرایہ پر دیا ہوا ہے ماہوار کرایہ چالیس روپے ہے۔ (۳) سونا بصورت زیور جو کہ والدین نے مجھے شادی پر دیے ہوئے تھے۔ یا بعد میں میں نے خود بنوائے جس میں کچھ زیور میں نے اپنی بچی کے لیے بنوایا تھا۔ جو کہ ابھی سال کی ہے۔ ۱۲ ۱/۲ تولے۔ (۴) چاندی بصورت زیور ایک سیر۔

﴿ج﴾

(۱) =/۲۵۵۰ روپے پر ۶۳ روپے ۲ آنے زکوٰۃ واجب ہے۔ (۲) مکان جتنے روپے کی مالیت کا ہو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (۳) ۱۲ ۱/۲ تولے سونے پر ۳ ماشے ۶ رتی یا اسکی قیمت واجب ہے۔ اگر لڑکی کو آپ نے زیور ملکاً دیا ہے۔ اس مقدار میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اور اگر آپ نے بنوا کر رکھ چھوڑا کہ جب لڑکی بڑی ہوگی تو پہناؤں گا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (۴) سیر چاندی میں دو تولہ چاندی یا اس کی قیمت زکوٰۃ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

زکوٰۃ بحساب چالیسواں دینا ضروری ہے۔ حساب کی پڑتال کرالیں

احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی۔

والجواب صحیح عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

کیا سونا چاندی کے نصاب پر جب تک پورا پانچواں حصہ نہ بڑھے تو زکوٰۃ معاف ہے؟

﴿س﴾

محترمی جناب مولانا محمد انور شاہ صاحب۔ السلام علیکم۔

زکوٰۃ کے متعلق آپ کی بھیجی ہوئی معلومات بہت اہم ہیں۔ میں نے دوسرے اور تیسرے نصاب کا اس لیے [پو]چھا تھا کہ اسلامی تعلیمات نامی کتاب کے حصہ ہشتم میں یہ لکھا ہوا پایا۔ سونا چاندی کے نصاب میں پورا پانچواں [حص]ہ بڑھے تو اس پر زکوٰۃ دینی پڑتی ہے۔ مگر اس سے کم بڑھے تو اس زیادتی پر زکوٰۃ نہ ہوگی مثلاً چاندی ۵۲ ۱/۲ تولے [...]۱۰ بڑھے تو اس پر زکوٰۃ دینی ہوگی مگر دو چار یا دس تولہ بڑھیں تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ نہ معلوم یہ کس بنا پر لکھا گیا

﴿ج﴾

اسلامی تعلیمات نامی کتاب احقر کی نظر سے نہیں گزری۔ نہ معلوم اس نے کس بنا پر لکھ دیا ہے۔ بہر حال مسئلہ یہی ہے کہ ۵۲ ۱/۲ تولے پر جو کچھ بڑھ جائے اس میں چالیسواں حصہ واجب ہے۔ یہ نہیں کہ ساڑھے باون کے بعد پانچویں حصے تک کی زیادتی کی زکوٰۃ معاف ہے۔

سونا، چاندی، نوٹ، مال تجارت میں نصاب زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ نصاب زکوٰۃ کی کیا شرح ہے۔ چاندی کا نصاب، سونے کا نصاب، نقد روپیہ پیسہ، کتابوں میں جو لکھا ہے۔ کہ چاندی کا نصاب ۵۲ ۱/۲ تولے اور سونے کا نصاب ۷ ۱/۲ تولے ہے۔ کیا یہ صحیح ہے یا کوئی اور نصاب ہے۔ اسی طرح نقد روپیہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت ہو یا اس سے کم یا اس سے زیادہ۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ صرف ۴۰ روپے پر زکوٰۃ ضروری ہے بعض حضرات صرف دوصد روپیہ پر زکوٰۃ کو واجب قرار دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سونے چاندی کے علاوہ باقی تمام اشیاء پر جو کہ نقد روپیہ اور مال تجارت سے تعلق رکھتے ہوں۔ وہ اس قدر ہوں کہ ان کی قیمت سے ۵۲ ۱/۲ تولہ چاندی خریدی جا سکے۔ زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر آج کے حساب سے کہ چاندی ۱۵ روپے فی تولہ ہے۔ تو ساڑھے باون تولہ کی قیمت ۷۸۷.۵۰ بنتی ہے۔ تو گویا جس کے پاس مذکورہ رقم ہو۔ تو اس پر سال گزرنے پر زکوٰۃ ہوگی۔ اگر اس سے کم ہو تو زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

﴿ج﴾

(۱) ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کے بقدر نقد روپیہ یا مال تجارت موجود ہو تو یہ شخص صاحب نصاب کہلائے گا۔

(۲) ساڑھے سات تولہ سونا۔ اگر سونا بھی نصاب سے کم ہو اسی طرح چاندی بھی تو اگر کسی کے پاس دونوں موجود ہوں۔ تو دونوں کی قیمت لگا کر اگر وہ مجموعہ بمقدار نصاب ہو گیا۔ تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

(۳) سونے چاندی کا نصاب تو مقرر ہے۔ اگر کسی کے پاس مال تجارت موجود ہے۔ تو اس کی مالیت بقدار ۵۲ ۱/۲ تولہ چاندی ہے۔ تو اس مال تجارت پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ لہٰذا صرف چالیس روپیہ پر زکوٰۃ نہیں۔ اس طرح موجودہ وقت میں دوسو روپیہ بھی نصاب کو نہیں پہنچتا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶ رجب ۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۶ رجب ۱۳۹۶ھ

درھم اور مثقال کے وزن میں اختلاف اور اس کا حل

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مقدار زکوٰۃ فضہ و ذھب میں کیا ہے۔ مشہور یہ تھا کہ چاندی میں
صاب ساڑھے باون تولے اور سونے میں ساڑھے سات تولہ ہے۔ اول نصاب کی قیمت دوسو درھم اور دوسرے
ی بیس مثقال ہیں۔ جیسے کہ اس کو مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی تصنیف بہشتی زیور میں لکھا ہے۔ ص ۲۳۶ حصہ
وم مطبوعہ کتب خانہ سعیدی حلقہ نمبر ۱۴ اجی کراچی مگر اچانک نظر پڑی علم الفقہ پر جو کہ تصنیف مولانا عبدالشکور صاحب
لکھنوی کی ہے کہ انھوں نے علم الفقہ جلد چہارم ص ۴۷۵ پر برعنوان چاندی سونے اور تجارتی مال کا نصاب نقل فرمایا
ہے۔ کہ نصاب مشہور مذکور غلطی کی بنا پر ہے۔ بلکہ چاندی کا نصاب چھتیس تولہ ساڑھے پانچ ماشہ ہے اور سونے کا
نچ تولہ اور ڈھائی ماشہ ہے۔ کیونکہ انھوں نے فرمایا کہ یہ جو کتب فقہ میں نصاب فضہ کے اندر دوصد ۲۰۰ درہم کا
کر ہے ان دراہم سے مراد وہ درھم ہیں جو دس درھم سات مثقال کے برابر ہوں تو مثقال تین ماشے ایک رتی کا
وتا ہے۔ تو سات مثقال اکیس ماشہ سات رتی ہوں گے۔ تو اب ایک ماشہ اور سات رتی کو دس پر تقسیم کیا جائے۔ تو
اصل تقسیم دو ماشہ ڈیڑھ رتی ہوتی ہے۔ پھر اس حاصل تقسیم کو دوسو سے جو زکوٰۃ کا نصاب ہے۔ ضرب دی جائے۔
چھتیس تولہ اور ساڑھے پانچ ماشہ مجموعہ نکلے گا۔ تو نصاب یہ ہوگا۔ اسی طرح سونے کے اندر ہے۔ کہ مثقال تین
شہ ایک رتی کا ہے۔ تو اس کو بیس کے ساتھ ضرب دیں تو مجموعہ پانچ تولہ اور ڈھائی ماشہ ہوتا ہے۔ گویا کہ علم الفقہ
ں جو نصاب مذکور ہے۔ اور جو مشہور نصاب ہے۔ ان میں تفاوت بعید ہے۔ اس کی تحقیق بالتدقیق مع الدلائل
طلوب ہے کہ عمل کس پر کیا جائے اور کتب فقہ سے کیا معلوم ہوتا ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح رہے کہ اس میں کوئی خفاء نہیں ہے کہ نصاب زکوٰۃ چاندی میں وزن سبعہ کا اعتبار
ہے یعنی ۲۰۰ درہم بحساب اس درھم کے جو کہ مثقال کا ۱۰/۷ حصہ ہوتا ہے۔ نیز اس میں بھی خفاء نہیں ہے۔ کہ مثقال ۱۰۰
جو' غیر مقشر دم بریدہ کے برابر ہوتا ہے۔ اور درھم شرعی ۷۰ جو غیر مقشر دم بریدہ کے برابر ہوتا ہے۔ آپ خود اس قسم
ے 'جو' کو لے کر تولہ ماشہ کے اوزان معروفہ کے مطابق مثقال و درھم شرعی کا وزن معلوم کر سکتے ہیں۔ مجھے خود کبھی
لنے کا موقع میسر نہیں ہوا ہے۔ ہمارے علماء اسلاف نے اوزان معروفہ کے مطابق مثقال و درھم کے وزن بتانے
ں اختلاف کیا ہے۔ علم الفقہ لمولانا عبدالشکور لکھنوی میں مثقال کا وزن تین ماشہ ایک رتی اور درھم کا وزن دو ماشہ

ڈیڑھ رتی مذکور ہے۔ اور غالباً مولانا موصوف نے اس کو مولانا عبدالحی الکھنوی کے عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح الوقایہ
سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ شرح الوقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعایۃ۔ ج ۱/ص ۲۸۴ پر مذکور ہے۔ مقدار یک مثقال سہ ماشہ
یک رتی است و بست مثقال پنج تولہ و دو نیم ماشہ طلا باشد مقدار آن سی و شش تولہ و پنج و نیمہ ماشہ است الخ۔ لیکن بہشتی
زیور میں چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ مذکور ہے۔ جس کے مطابق
مثقال ۴½ ماشہ کا بنتا ہے۔ ان دو قولوں میں آج کل کے علماء دوسرے قول کو اختیار کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ قول متعدد
علماء اسلاف سے منقول ہے۔ چنانچہ فتاویٰ ھندیہ ترجمہ عالمگیریہ للعلامہ مولانا سید امیر علی مؤلف تفسیر مواھب الرحمٰن
وعین الھدایہ وغیرہ کے۔ ج ۱/ص ۲۸۳ منہیہ میں مذکور ہے۔ ۲۔ دوسو ۲۰۰ درھم کی ساڑھے باون تولے چاندی ہوتی
ہے اور اس زمانہ کے چلن میں جو چہرہ دار روپیہ ہیں وہ ساڑھے گیارہ ماشہ ایک رتی کے ہوتے ہیں۔ تو دوسو درہم کے
مقابلہ میں تقریباً ۵۴ چون روپیہ دو آنہ آٹھ پائی ہوئے۔ ۳۔ بیس مثقال کے ساڑھے سات تولے ہوتے ہیں۔

اس طرح کشف الاستار علے الدر المختار للعلامۃ المولوی محمد نظام الدین الکیرانویؒ ص ۱۳۴ پر ہے۔ **قولہ عشرون مثقالاً وھی سبع تولجات ونصف والفضۃ اثنان وخمسون تولجات ونصف فی دیارنا** ۔ اسی طرح مثقال کا وزن ۴½ ماشہ فتاویٰ دار العلوم۔ ج ۳/ ۵۴ پر مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی نے ذکر فرمایا ہے اور اس کی تحقیق ذکر کی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اپنی تقریر ترمذی میں تحریر فرماتے ہیں۔ **اما زکوۃ الذھب والفضۃ فالاتفاق علی انہ لا تجب فی اقل من مأتی درھم وعشرین مثقالاً و لقد اخطأ مولانا عبدالحی المرحوم الکھنوی فی حساب النصاب بدر اھمنا واوزاننا المعروفۃ والصحیح ما قال مولانا ثناء اللہ الفانی وغیرھم من علماء دیو بند فانظر الی حاشیۃ عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ لمولانا عبدالحی رحمہ اللہ بنظر عمیق** . فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳ ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ

کیا بعض لوگوں کا یہ خیال درست ہے کہ ۷½ تولے سونا میں زکوٰۃ ہے پھر ۱۵ تولہ تک کچھ نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام سونے اور چاندی کے نصاب میں کہ کتنی مقدار سونے میں زکوٰۃ دینی پڑتی
ہے۔ بعض علماء تو کہتے ہیں کہ ۲/۱ ۷ سے لیکر ۱۵ تولہ سے کم پر زکوٰۃ وہی ۲/۱ ۷ والا نصاب ہے۔ اور ۱۵ تولہ میں

دو گنا بڑھتا ہے۔ اور کئی صاحبان فرماتے ہیں کہ ۲/۱ ۷ تولہ سے لیکر ۸۔۹۔۱۰ وغیرہ سونا کی قیمت لگا کر زکوٰۃ دینی پڑتی ہے۔ از روئے شریعت اپنے فتویٰ سے مشکور فرماویں۔

﴿ج﴾

ساڑھے سات تولے سونا اگر کسی شخص کے پاس موجود ہو اور اس کے پاس کوئی پیسہ ٹکہ روپیہ اور چاندی کم از کم چاہے ایک چھلہ کی مقدار ہو موجود نہیں۔ نیز مال تجارت بھی اس کے پاس موجود نہ ہو تو اس شخص پر چونکہ سونا نصاب ساڑھے سات تولہ سے کم ہے۔ اس لیے زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور اگر اس شخص کے پاس کوئی رقم ہو۔ یا کم سے کم مقدار میں چاندی ہو۔ یا مال تجارت ہو تو اس رقم کو قیمۃً اس سونے سے ملایا جائے گا۔ تو اگر سونے اور رقم سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہو۔ تو زکوٰۃ چالیسواں حصہ واجب ہے۔ یا اگر چاندی کم سے کم میں ہو تو اس سونے کو قیمۃً اس چاندی سے ملانے کے بعد اگر مجموعہ سے ساڑھے باون کو پہنچے تو اس میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ واجب ہے۔ اور اگر صرف مال تجارت ہو اور کوئی رقم یا چاندی اس کے پاس نہ ہو تو مال تجارت کو قیمت کے لحاظ سے سونے کے ساتھ ملایا جائے گا۔ اور مجموعہ سونا اگر ساڑھے سات تولہ کو پہنچے تو اس مجموعہ میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ دینا ہوگی اور اگر رقم اور چاندی مال تجارت تینوں یا ان میں سے دو چیزیں اس کے پاس موجود ہوں۔ تو مذکورہ بالا تفصیل کے ساتھ رقم یا چاندی بنا کر بلکہ جو انفع للفقراء ہو وہ بنا کر چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرے۔ امام اعظمؒ اور ان کے شاگردوں میں آپس میں اختلاف ہے نصاب پر زیادتی جب اس کے پانچویں حصے کو پہنچ جاتی ہے تب اس زیادتی میں چالیسواں حصہ واجب ہے اور امام صاحب کے دو شاگردوں کے نزدیک یعنی امام ابو یوسف و امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک نصاب پر چاہے کم مقدار کی زیادتی ہو پھر بھی اس میں چالیسواں حصہ واجب یعنی نصاب سونے کا ساڑھے سات تولہ اور چاندی کا ساڑھے باون تولہ ہے۔ اس پر جتنی زیادتی ہو جائے کم ہو یا زیادہ ہو تمام کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ دینا واجب ہوگا۔ احتیاط چونکہ امام اعظمؒ صاحب کی اس روایت میں ہے۔ جس کو شاگردوں نے ترجیح دی ہے۔ فتویٰ اسی پر دیا جاتا ہے۔ یعنی نصاب پر جتنی بھی زیادتی ہو اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

صرف چھ تولہ سونا پر زکوٰۃ لازم نہیں ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص کے پاس صرف چھ تولہ سونا ہے یا ساڑھے چھ تولے سونا ہے اور چاندی یا نقدی بالکل نہیں ہے۔ اور یہ شخص اکثر ۵۰۰ روپے کا مقروض بھی رہتا ہے۔ کیا ایسی صورت میں ۶ تولے سونا موجود ہے زکوٰۃ دینی فرض ہے یا نہ۔

﴿ج﴾

اس ۶ تولہ سونے کی زکوٰۃ اس پر لازم نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۲ رجب ۱۳۹۷ھ

الجواب صحیح محمد انور شاہ غفرلہ ۲۲ رجب ۱۳۹۷ھ

یتیموں کے مال میں زکوٰۃ اور ایصال ثواب کے لیے خرچ کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی فوت ہوا اس کی اولاد نابالغ ہے۔ اور کافی جائیداد چھوڑ کر گیا ہے۔ کیا از روئے شریعت متوفی کے مال سے خیرات مثلاً جمعرات قل خوانی کی جاسکتی ہے۔ یا نہیں اور اس کا مال جو کہ اب یتیموں کا ہے۔ اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

ورثاء اپنے حصہ سے خیرات کر سکتے ہیں۔ نابالغوں کے حصہ سے خیرات کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح یتیموں کے حصہ میں جو جائیداد آ گئی ہے۔ اس سے اور متوفی کے ذمہ جو زکوٰۃ واجب ہوگئی تھی۔ اور اس نے اپنی زندگی میں ادا نہیں کی اور وصیت بھی نہیں کی۔ ادا کرنا جائز نہیں اور بالغ ہونے تک ان کے اس مال پر زکوٰۃ نہیں آئیگی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

یتیم بچوں کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں
ڈاکخانہ میں جمع شدہ رقم میں زکوٰۃ واجب ہے

﴿س﴾

بخدمت عالی جناب مفتیان دین مدرسہ قاسم العلوم ملتان

السلام علیکم۔ بعد از خیریت بندہ کے دو سوال روانہ ہیں جواب سے مشکور فرماویں۔

(۱) یتیم بچوں پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں جبکہ وہ تقریباً ۷۰۰ روپیہ کے مالک جائیداد ہوں اور نابالغ بھی ہیں اور ان کی پرورش بڑے بھائی کے ذمہ ہے۔

(۲) جو رقم ڈاکخانہ میں محفوظ ہو۔ آیا اس کی زکوٰۃ دینا واجب ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

(۱) یتیم بچوں پر زکوٰۃ واجب نہیں البتہ زمین کی پیداوار کا عشر واجب ہے۔

(۲) جمع شدہ رقم کی زکوٰۃ واجب ہے۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ عربیہ قاسم العلوم ملتان

مہمان کو زکوٰۃ کی مد میں سے کھانا کھلانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید کے گھر میں بطور مہمان کے ایک لڑکی رہتی ہے۔ یقیناً وہ کافی
ت تک ان کے گھر میں رہے گی۔ زید نے پہلے دن ہی کہہ دیا تھا کہ اس کا کھانا مد زکوٰۃ سے دیا کرو۔ لیکن آٹا وغیرہ
لک کر کے نہیں رکھا گیا۔ مد زکوٰۃ سے کبھی اسے کپڑے بھی دیے جاتے ہیں۔ گھر کے کاروبار میں بھی شریک ہو جاتی
ہے۔ لیکن وہ اس حیثیت سے نہیں کہ روٹی کھاتی ہے۔ بلکہ ماحول کے تاثر سے کام بھی کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ
س کا کھانا مد زکوٰۃ سے شمار ہوگا یا نہ۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح رہے کہ زکوٰۃ دینے کے وقت زکوٰۃ کی نیت کرنا یا زکوٰۃ کا مال علیحدہ کرنے
وقت یہ نیت کرنا کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے۔ ادائیگی زکوٰۃ کے لیے شرط ہے۔ اسی طرح تملیک بھی زکوٰۃ میں شرط
۔ صورت مسئولہ میں چونکہ نہ تو مال زکوٰۃ مثلاً آٹا علیحدہ کیا ہے۔ اور نہ ہر روز روٹی دینے کے وقت زکوٰۃ کی
ت ہوتی ہے۔ اور نہ لڑکی کی ملک کی جاتی ہے۔ اس لیے یہ کھانا زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگا۔ چنانچہ مولانا اشرف علی
حب تھانویؒ امداد الفتاویٰ۔ ج/۱ ص۳۴۳ پر لکھتے ہیں۔ یہ بھی شرط ہے کہ کھانا ان بچوں کی ملک کیا جاوے۔
اگر بٹھا کر کھلاوے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اھ ولا یجوز اداء الزکوۃ الا بنیة مقارنة للاداء او
ارنة لعزل مقدار الواجب لان الزکوۃ عبادة وکان من شرطها النیة والاصل فیها
تران الا ان الدفع یتفرق فاکتفی بوجودها حالة العزل تیسیرًا الخ
ایة. ج ۱/ص ۱۶۸)

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۳ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۴ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ

ادائیگی زکوٰۃ میں نقدی کے بجائے دیگر اشیاء دینے کا حکم؟

﴿س﴾

اس رقم سے کچھ رقم دو تین بیوہ عورتوں کو ہر ماہ دینے کے لیے رکھ لی ہے۔ کچھ دوائیاں خرید لی ہیں یہ ان پر استعمال کر رہا ہوں۔ گاہے گاہے جب ان کو ضرورت ہو۔ اور خرید کر دوں گا۔ کیا یہ شرعاً درست ہے۔

﴿ج﴾

یہ قاعدہ ہر وقت ملحوظ رہے کہ زکوٰۃ میں ایک شخص کو جو مالک نصاب نہ ہو مالک بنانا ضروری ہے۔ پس اگر دوائی خرید کر اس کی ملکیت کر دی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

کسی مستحق کو زکوٰۃ کی مد میں مشین دینا

ایک شخص کو زکوٰۃ کی کتنی رقم دی جائے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مد زکوٰۃ میں سے کسی کو مشین لے کر دیدیتا ہے۔ آیا اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی (۲) اور کتنی رقم مد زکوٰۃ سے ایک شخص کو دی جاسکتی ہے۔

عبدالرشید چشتی ہوشیارپوری

﴿ج﴾

(۱) زکوٰۃ میں مشین لے کر دینا صحیح ہے۔ اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ (۲) جس شخص کے ضروریات خانگی اور دیگر ضروریات کے علاوہ ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کی چیزیں فارغ از حاجت موجود ہوں۔ اس کو زکوٰۃ دینی سرے سے جائز نہیں۔ اور جو مندرجہ بالا حیثیت کا نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا اس حد تک جائز ہے۔ کہ مندرجہ بالا حیثیت تک نہ پہنچے ورنہ نہیں۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳۸۵ھ

درمیان سال اگر نصاب مکمل نہ بھی ہو تو احتیاطاً زکوٰۃ واجب ہوگی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید شروع سال مبلغ ایک سو بیس روپے اپنے پاس موجود رکھتا ہے۔

پھر شروع سال کے پہلے ماہ میں گھر کی ضروریات پر ایک سو دس روپے خرچ کر جاتا ہے۔ پھر دوسرے ماہ ایک سو بیس روپے آمدنی ہوتی ہے پھر خرچ کرتا ہے۔ روپیہ بچ جاتا ہے۔ علی ہذا القیاس سال کے بعد ایک سو بیس روپے بچ جاتے ہیں تو اس میں زکوٰۃ نکالی جائیگی یا نہیں۔

﴿ج﴾

احتیاطاً اس شخص کو زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

سال کے درمیان میں حاصل ہونے والے مال میں زکوٰۃ کا حکم

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کی مختلف صورتیں، جو رقم قرض دی ہے اس کی زکوٰۃ کس کے ذمہ ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین بیچ ان مسائل کے کہ ایک شخص بنک میں کچھ رقم مثلاً بارہ سو ۱۲۰۰ روپے داخل کرواتا ہے اور جب مذکورہ رقم پر نو ماہ گزرتے ہیں تو تین سو روپے مزید داخل کرواتا ہے۔ اسی طرح پہلی رقم پر جب بارہ ماہ گزرتے ہیں اور ان پر حولان سال کے اطلاق کے بموجب زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ تو تین سو روپے کو ابھی تین ماہ گزر رہے ہوتے ہیں۔ کیا وہ شخص پہلی رقم بارہ سو روپے کے ساتھ تین سو روپے کی زکوٰۃ ادا کرے یا رقم آخر یعنی تین سو روپے کی زکوٰۃ نو ماہ بعد دے یاد رہے کہ رقم آخر یعنی ۳۰۰ روپے کو اس کی ملکیت میں آئے ہوئے ابھی صرف تین ماہ گزر رہے ہیں۔ اور ان کا پہلی رقم ۱۲۰۰ روپے سے کسی قسم کا کچھ تعلق نہیں ہے (ب) اگر ۳۰۰ روپے کا پہلی رقم ۱۲۰۰ سے کچھ تعلق ہو۔ مثلاً دوکان میں ۱۲۰۰ روپے سے کاروبار ہو رہا ہے۔ اور سال گزرنے پر وہ پندرہ سو روپے ہو جائے تو پھر زکوٰۃ کتنی رقم پر ادا کرنی ہوگی۔ جنرل پراویڈنٹ فنڈ کی مندرجہ ذیل صورتوں میں کس طرح زکوٰۃ کی ادائیگی کی جائیگی۔ (۱) ایک سرکاری سکول ماسٹر کی تنخواہ میں سے مبلغ دس روپے نکال کر ادارہ میں بطور قرض رکھ لیے جاتے ہیں اور ان کا اندراج سکول ماسٹر کے نام کی مذکورہ فنڈ بک میں کر دیا جاتا ہے۔ نوکری کی میعاد ختم ہونے پر تنخواہ میں جتنی رقم کٹ کر فنڈ بک میں لکھی جا چکی ہے۔ اس سے ایک گنا مزید رقم دے دی جاتی ہے۔ مثلاً اندراج شدہ رقم اگر چالیس روپے ہو تو اسی روپے دے دیے جاتے ہیں۔ اس فنڈ پر زکوٰۃ اندراج کے وقت سے فرض ہوگی یا رقم ملنے کے وقت سے (ب) ایک غیر سرکاری سکول ماسٹر کی تنخواہ میں بھی اسی طرح فنڈ کی رقم کاٹی جاتی ہے۔ لیکن فنڈ بک میں اس رقم کا اندراج نہیں ہوتا بدیں صورۃ اس سکول ماسٹر کو فنڈ کے ملنے یا نہ ملنے کا

خدشہ رہتا ہے۔ اثر و رسوخ یا کوئی اور حربہ استعمال کر کے ایک سکول ماسٹر اپنا فنڈ لے لیتا ہے۔ اور دوسرا سکول ماسٹر ایسا کوئی ذریعہ استعمال نہیں کر سکتا۔ لہٰذا فنڈ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اس (ب) صورت میں دونوں سکول ماسٹر زکوٰۃ ادا کریں یا نہ کریں۔ اگر کریں تو اس کی صورت تحریر کریں۔ دوسرے سوال کے حصہ (ب) کی مندرجہ ذیل ممکنہ صورتوں کی وضاحت فرما دیں۔ (۱) اہل ادارہ سکول ماسٹر کو فنڈ دینے کا ارادہ نہیں رکھتے اور سکول ماسٹر بھی لینا نہیں چاہتا مگر نوکری کی میعاد ختم ہونے پر سکول ماسٹر ضرورت کی بناء پر فنڈ لے لیتا ہے۔ جو اس نے واپس نہیں دینا (۲) اہل ادارہ دینا چاہتے ہیں اور سکول ماسٹر نہیں لیتا۔ اس طرح وہ رقم ادارہ اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔ (۳) اہل ادارہ غصب کر لیتے ہیں چنانچہ مندرجہ بالا تینوں صورتوں میں زکوٰۃ کون ادا کرے اور کس طرح ادا کرے۔

(۳) الف۔ زید نے بکر کو چار سو روپیہ قرض پر دیے۔ بکر کا دیوالہ نکل گیا اور بکر کچھ رقم بھی زید کو نہیں دیتا۔ اور زید بکر سے ہر طرح مایوس ہو چکا ہے۔ اس مسئلہ کے مندرجہ ذیل صورتوں میں زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے اس مجبوری کی بنا پر زید صبر کر کے بیٹھ رہتا ہے۔ اور مزید تقاضا کرنا بے سود سمجھتا ہے۔ (ب) زید بکر کو اپنا قرضہ معاف کر دیتا ہے۔ (ج) بکر قرض ادا کرنے کے کچھ عرصہ بعد اگر بکر باوجود استطاعت کے کئی سالوں تک ادا تو کرے اور چار سو روپیہ کی زکوٰۃ اس طرح ادا کرتا رہے کہ مذکورہ کئی سالوں کی زکوٰۃ چار سو روپیہ ہو جائے یا کچھ کم رہ جائے۔ صورت (ب) میں بکر کئی سالوں سے قرض بھی نہ دے اور زکوٰۃ بھی ادا نہ کرے تو زکوٰۃ کون ادا کرے اور کس طرح ادا کرے۔

﴿ج﴾

(۱) الف۔ صورت مسئولہ میں پہلے رقم بارہ سو روپیہ کے ساتھ ہی تین سو روپیہ کی زکوٰۃ ادا کریں۔ اس لیے کہ شرعاً مالک نصاب بن جانے کی تاریخ جب دوسرے سال آئے تو اس تاریخ تک جتنا مال زکوٰۃ اس شخص کے ملک میں ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی سال کے اول و آخر میں صاحب نصاب ہونا ضروری ہے۔ درمیان سال میں کمی زیادتی کا اعتبار نہیں چاہے۔ مقدار نصاب سے بھی وہ رقم وغیرہ کم کیوں نہ پڑ جائے پھر بھی آخر سال میں مقدار نصاب کو پہنچ جانے پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور کتنی ہی زیادہ رقم وغیرہ اس کی ملک میں آ جائے اس تمام پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۲) رقم ملنے کے وقت سال گذرنے کے بعد اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور اگر اس کے پاس اس کے علاوہ نقد روپیہ ہے اور اس میں زکوٰۃ ادا کرتا چلا آ رہا ہے۔ تو رقم اس دوسری رقم سے ملائی جائے گی۔ چاہے اس

روپیہ پر سال نہ بھی گذرا ہو سابقہ نقد روپیہ کے ساتھ اس رقم میں بھی زکوٰۃ ادا کرے گا۔ (ب) جس سکول ماسٹر نے فنڈ حاصل نہیں کیا اس پر تو زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور جس نے حاصل کرلیا ہے اس پر حصول کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر پہلے کچھ نقدی ہو۔ تو اس کے ساتھ حولان حول پر۔ اور اگر پہلے نقد نہ ہو تو اس رقم کے حاصل ہونے کے بعد سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی دوسرے سوال کے حصہ (ب) کی ممکنہ صورتیں (۱) جب فنڈ حاصل کرلے اس وقت سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔ پہلے کی کچھ نہیں (۲) اگر سکول ماسٹر نہیں لیتا تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے (۳) اہل ادارہ غصب کرلیں تب بھی نہیں ہے۔ (۳) ا۔ بکر کے دیوالہ ہو جانے کی صورت میں کچھ نہیں ہے۔ یعنی مالک پر زکوٰۃ نہیں ہے (ب) پر بھی کچھ نہیں ہے (ج) اگر بکر ادا کرنے کے قابل ہو جاوے اور قرض خواہ نے اسے معاف بھی نہ کیا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ جس تاریخ سے بکر ادائیگی کے قابل ہوا ہے (ب) چار سو روپے کی زکوٰۃ ادا کرتے ہوئے چار سو روپے زکوٰۃ بن نہیں سکتے جب ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت سے وہ روپیہ کم رہ جائیگا تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ (ب) اگر بکر ادا کرنے کے قابل ہے اور ادا نہیں کرتا تو زکوٰۃ مالک پر واجب ہو گی۔ اور اس وقت سے واجب ہوگی جب سے کہ ادائیگی کے قابل ہوا ہے۔ اور اگر ادا کرنے کے قابل نہیں تو زید بکر کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

بوقت ادائیگی زکوٰۃ نفع شامل کیا جائے یا نہ؟

﴿س﴾

(۲) ایک شخص کا مختلف دوکانوں میں تجارت کے کاروبار میں روپیہ لگا ہوا ہے۔ بعض دوکاندار ماہواری حساب کر کے نفع دیتے ہیں۔ بعض دوکاندار سالانہ حساب کر کے نفع تقسیم کرتے ہیں۔ یہ نفع کی رقومات خرچ ہوتی رہتی ہیں صرف اصل سرمایہ دوکانوں میں موجود رہتا ہے۔ زکوٰۃ اصل سرمایہ پر دینی فرض ہے۔ یا نفع ملا کر دینی چاہیے۔

﴿ج﴾

سال کے بعد ادا کرتے وقت اگر نفع میں سے کچھ بقایا موجود ہو۔ تو اسے اصل سرمایہ کے ساتھ ملا کر سب کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ ورنہ نہیں۔

مختلف اوقات میں ملنے والی رقوم پر زکوٰۃ کا حکم؟

﴿س﴾

(۳) سال کے دوران میں مختلف رقومات مختلف وقتوں یعنی مہینوں میں کسی شخص کو از قسم تنخواہ یا پنشن ملتی ہیں اور ساتھ ہی خرچ ہوتی رہتی ہیں۔ سال کے آخر میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا کیا حکم ہے۔ اور کچھ رقم بچ جائے۔ اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کس ماہ کی آمدنی سے یہ رقم بچت ہوئی ہے۔

﴿ج﴾

اگر سال کے آخر میں بقدر نصاب مال ہے تو زکوٰۃ واجب ہے خواہ مال کسی بھی آمدنی کا ہو۔ فقط واللہ اعلم

مال مضاربت میں زکوٰۃ کا حکم، زکوٰۃ دیتے وقت صراحتہً زکوٰۃ کا ذکر کرنا ضروری نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں

ا۔ کہ میں اپنا کاروبار پارٹنرشپ میں کرتا ہوں یعنی رقم دوسرے کی ہے اور کام میں کرتا ہوں۔ خرچہ نکال کر منافع برابر ہے۔ کیا اس میں زکوٰۃ ادا کرنی ہے یا نہیں؟ واضح لکھیں۔

۲۔ میں چونکہ خود یتیم ہوں اور جیسا اوپر لکھا ہے کہ ساجے کا کاروبار ہے میرے تقریباً تین تولے سونے کے زیورات ہیں ان کی زکوٰۃ میں اپنے بہن بھائی والدہ کو بطور امداد دے سکتا ہوں جبکہ میں بطور لفظ زکوٰۃ انھیں نہیں دینا چاہتا۔ تاکہ والدہ اور بہن کے جذبات کو دکھ نہ پہنچے بلکہ ایک قسم کی مالی امداد کے طور پر دینا چاہتا ہوں۔ کیا فطرانہ بھی اسیطرح دے سکتا ہوں۔

نوٹ:- میں کسی نہ کسی طرح امداد کرتا رہتا ہوں۔

﴿ج﴾

ا۔ منافع میں سے آپ کا حصہ اگر بقدر نصاب ہے۔ اور اس پر سال گزر جائے۔ تو آپ کو اپنے حصہ کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔

۲۔ یہ بتانا ضروری نہیں ہے کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے۔ البتہ والدہ کو زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ بہن بھائی کو دے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ مسکین ہوں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

کمپنی میں لگائی گئی رقم میں منافع سمیت زکوٰۃ فرض ہوگی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے اپنی رقم مبلغ چالیس ہزار روپے بطور کاروبار کسی فیکٹری
ں صرف کیے ہیں۔ جس سے مبلغ دس ہزار روپے سالانہ آمدنی حاصل کرتا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس مسئلہ کی
ضاحت فرماویں۔ کہ زکوٰۃ اس کی صرف شدہ (جو اس نے فیکٹری میں صرف کی) رقم پر ضروری ہوگی یا اس رقم پر جو
ہ سالانہ آمدنی کے طور پر حاصل کرتا ہے۔

﴿ج﴾

احتیاطاً ضروری ہے کہ آپ کل رقم مع منافع کے زکوٰۃ ادا فرماویں صرف جو رقم خانگی ضروریات میں صرف
وجائے۔ اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۶ ر رجب ۱۳۹۴ھ

سال مکمل ہونے سے پہلے زکوٰۃ کی ادائیگی درست ہے؟

س رقم سے گزشتہ سال زکوٰۃ دی ہو اور وہ رقم اسی طرح پڑی ہو کیا اگلے سال دوبارہ زکوٰۃ دی جائے گی؟

سی کمپنی یا سیونگ یونٹ میں لگی ہوئی رقم کی زکوٰۃ صرف اصل رقم پر ہے یا منافع سمیت دی جائے؟

جس کو زکوٰۃ دی جائے اگر وہ کوئی خدمت کرے تو کیا حکم ہے

اپنے ملازم کو تنخواہ کے علاوہ زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

صاحب نصاب کے پاس سونا نصاب سے کم بھی ہو تب بھی زکوٰۃ واجب ہے؟

﴿س﴾

محترمی مولانا مفتی محمد انور شاہ صاحب زاد عنایتکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

پچھلے سال آپ کے فتویٰ کے مطابق ماہ رمضان المبارک تک زکوٰۃ کا حساب کر کے رکھ لیا تھا۔ اور سارا
ل ماہ بماہ وہ آپ کے فتویٰ کے مطابق مستحق لوگوں میں تقسیم کرتا رہا۔ اس ماہ بفضلہ تعالیٰ وہ ساری رقم ختم ہوگئی
ے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور پر مزید فتویٰ دے کر مشکور فرمائیں۔

(۱) کیا رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ تک کی رقوم پر ابھی زکوٰۃ کی رقم نکال کر پچھلے سال کی طرح مستحق لوگوں کو ماہ بماہ ادا کرنی شروع کردوں۔

(۲) جن رقوم پر پچھلے سال زکوٰۃ ادا کی گئی۔ ان میں سے کچھ خاص مقصد جیسے بیٹی کی شادی وغیرہ کے لیے رکھی ہیں۔ جو ابھی تک من وعن پڑی ہیں۔ کیا ان رقوم پر دوبارہ زکوٰۃ دینی ہے یا انھیں کل رقم جمع کرتے وقت چھوڑ دیا جاوے۔

(۳) کچھ رقمیں لمیٹڈ کمپنی کے حصوں اور سیونگ یونٹ میں لگا رکھی ہیں۔ ان حصوں اور یونٹ کی قیمت مارکیٹ میں گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ پچھلے سال ان کی اصل قیمت پر زکوٰۃ دی تھی اور ان کی مارکیٹ کی قیمت کا دھیان نہیں رکھا گیا تھا۔ کیا یہ طریق درست ہے یا کیا ان کی موجودہ مارکیٹ قیمت کو حساب میں نہیں لینا چاہیے۔ خواہ وہ اصل قیمت سے کم ہو یا زیادہ ہو۔

(۴) گو میں نے کبھی اس نیت سے رقم کسی کو نہیں دی۔ مگر پھر بھی ایک عورت کو میں رقم دیتا ہوں وہ کبھی کبھار آکر گھر میں کام کرنے لگ جاتی ہے۔ اس کو چائے وغیرہ تو دے دیتے ہیں۔ مگر اس کے اس طریق سے از خود کام کرنے سے میری زکوٰۃ کی ادائیگی میں تو فرق نہیں آتا۔

(۵) میرے گھر میں جو ملازمہ کام کرتی ہے۔ بہت غریب اور عیال دار ہے۔ اکثر خاوند کی کمائی سے گذر نہیں ہوتی۔ یا تنگ دستی آجاتی ہے۔ پچھلے سال زکوٰۃ میں سے ایک دفعہ رقم دی تھی۔ اور بتا دیا تھا کہ یہ زکوٰۃ ہے۔ کیا اسے بھی تنخواہ کے علاوہ ماہ بماہ کچھ رقم زکوٰۃ کی دے سکتا ہوں۔ اگر دے سکتا ہوں تو کیا وہ تنخواہ کے ساتھ دی جائے یا علاوہ دی جائے۔ اور کیا ہر بار اسے بتا دیا جائے کہ یہ زکوٰۃ ہے یا ویسے ہی نیت کر کے دی جائے۔

(۶) میرے پاس نصاب سے کم سونا ہے۔ یعنی ساڑھے سات تولے سے کم ہے۔ اس لیے غالباً اس کو کل رقم میں جمع نہیں کیا کہ اس پر زکوٰۃ واجب نہیں اس سلسلہ میں بھی احکام سے مستفید فرماویں۔

﴿ج﴾

(۱) بطریق مذکور سال گزرنے سے پہلے صاحب نصاب کے لیے زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے۔ **ولو عجل ذو نصاب زکوة لسنین او لنصب صح لوجود السبب (درمختار باب زکوة الغنم. ج ۲/ص ۲۹)**

(۲) بعد سال گزرنے کے اس پر دوبارہ بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ یعنی کل رقم کے ساتھ دوبارہ اس کا جمع کرنا ضروری ہے۔ (شامی۔ ج ۲/ص ۱۳)

(۳) بوقت زکوٰۃ دینے کے جو قیمت مارکیٹ میں ہے۔ اسی قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کریں خواہ وہ اصل قیمت سے کم ہو یا زیادہ۔ گزشتہ سال اگر مارکیٹ کی قیمت سے کم کی زکوٰۃ ادا کی ہو۔ تو بقیہ رقم کی زکوٰۃ واجب ہے۔ (وعنده) تعتبر قيمة يوم الوجوب وقالا يوم الاداء الخ. الدر المختار ص ۲۴ ج ۲ وفی المحيط يعتبر يوم الاداء بالاجماع وهو الاصح (شامی ص ۲۴ ج ۲)

(۴) زکوٰۃ جبکہ کام کے عوض میں نہیں دی جاتی۔ تو زکوٰۃ کی ادائیگی میں فرق نہیں پڑتا۔

(۵) تنخواہ میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ البتہ تنخواہ کے علاوہ ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ تنخواہ سے علیحدہ کر کے دیا جاوے زکوٰۃ دیتے وقت ان کو بتلانا ضروری نہیں صرف نیت کافی ہے۔

(۶) اس صورت میں سونے کی قیمت کا حساب لگا کر نقد کے ساتھ جمع کر کے کل مجموعہ پر زکوٰۃ ادا کریں۔ اگرچہ سونے کا علیحدہ نصاب پورا نہیں۔ لیکن نقد کے نصاب سے اس کی قیمت کا ملانا ضروری ہے۔ اور تمام پر زکوٰۃ لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۶ جمادی الاخری ۱۳۹۴ھ

پیشگی زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص صاحب نصاب ہے مال اس کی ملک میں اتنا موجود ہے۔ جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے لیکن ابھی تک سال پورا نہیں گزرا اور کوئی ضرورت مند یا مستحق آجاتا ہے تو آیا وہ صاحب نصاب آدمی ایک مسلمان کی حاجت براری کے لیے پیشگی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ ثواب میں کمی تو نہیں آئیگی۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

پیشگی زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اور سال پورا ہونے پر اس کو محسوب کر لیا جاوے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان ۲۶ شوال ۱۳۸۶ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۵ ذوالقعدہ ۱۳۸۶ھ

سال کے درمیان حاصل ہونے والے مال کی زکوٰۃ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ۱۹۵۵ء کے ماہ دسمبر کی ۲۹ تاریخ کو مبلغ تین صد روپے کے بدلہ اپنی اراضی ایک سال کے لیے ٹھیکہ پر دی اور یہ تین سو روپیہ جو اراضی کے ٹھیکہ کے سلسلہ میں ۲۹ دسمبر ۱۹۵۷ء کو زید کو ملا ہے۔ اس میں سے زید نے ایک سو روپیہ خرچ کیا۔ اور دو سو روپیہ زید کے پاس اس طرح موجود ہے۔ کہ نوے روپیہ تو زید کے پاس ہیں اور ایک سو دس روپیہ عمرو بکر کے ذمہ قرض ہیں۔ اور زید نے سال بھر میں مختلف طور پر ستر روپیہ اور اس دو سو روپے کے ساتھ ملا لیے۔ اب زید کی کل رقم دو سو ستر روپے ہے۔ جس میں سے دو سو روپیہ تو وہ ہے۔ جو ٹھیکے کی رقم سے بقایا ہے۔ جس میں سے ایک سو دس روپیہ عمرو بکر کے ذمہ قرض ہیں اور نوے روپے زید کے پاس اور ان نوے روپے کے ساتھ مزید وہ ستر روپیہ ہیں جو زید نے مختلف طور پر جمع کیے اس حساب سے زید کی کل رقم دو سو ستر اور اس میں سے ایک سو ساٹھ پاس موجود ہیں۔ اور ایک سو دس روپیہ قرض۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۵۷ء سے ۲۹ دسمبر ۱۹۵۸ء تک اس رقم پر سال پورا ہو جاتا ہے۔ سال کے پورا ہونے پر دوسری دفعہ زید ۲۹ دسمبر ۱۹۵۸ء کو اپنی اراضی مبلغ تین سو روپے کے بدلہ ایک سال کے ٹھیکے پر دیتا ہے۔ اور یہ سال ۲۹ دسمبر ۱۹۵۸ء سے ۲۹ دسمبر ۱۹۵۹ء تک پورا ہوگا اور اسی وقت یعنی ۲۹ دسمبر ۱۹۵۹ء کو زید کو یہ تین سو روپیہ دوسری دفعہ اراضی کے ٹھیکہ پر دینے پر ٹھیکہ لینے والے سے وصول ہوگا۔ اس سے پہلے نہیں وصول ہوتا۔ اب قابل تحقیق یہ امر ہے کہ زید پر صرف اس رقم کی زکوٰۃ فرض ہے۔ جس پر ۲۹ دسمبر ۱۹۵۷ء سے لیکر ۱۹۵۸ء تک سال پورا ہو جاتا ہے۔ جس کی تعداد دو سو ستر ہے۔ یا اس تین سو روپیہ کی بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ جو دوسری دفعہ اراضی ٹھیکے دینے پر زید کا ٹھیکہ لینے والے کے ذمہ قرض ہو گیا ہے۔ جس کا معاملہ ۲۹ دسمبر ۱۹۵۸ء کو ہوا۔ اور ۲۹ دسمبر ۱۹۵۹ء کو یہ رقم زید کو ملے گی۔ اگر مؤخر الذکر رقم میں زکوٰۃ فرض ہے۔ تو کس طرح تینوں قرضوں میں سے یعنی قرض قوی اور قرض متوسط۔ اور قرض ضعیف میں سے کس قرض میں اس کو داخل کیا جاتا ہے۔ بینوا توجروا۔

مولوی محمد صدیق مدرس مدرسہ عربیہ دار العلوم نعمانیہ کمالیہ ضلع لائل پور تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ

﴿ج﴾

دو سو ستر روپے کی زکوٰۃ تو ادا کرنی ہوگی اگرچہ اس میں سے بعض روپے قرض ہیں لیکن موجودہ روپے کی اب نکالنی ضروری ہے۔ اور ایک سو دس ۱۱۰ کی بعد وصول ہونے کے گذشتہ سال کی ادا کرنی ہوگی۔ البتہ تین صد روپے

جو زمین کے ٹھیکے کے عوض اسے دسمبر ۵۹ء میں وصول ہوں گے۔ وہ علے الاختلاف یا دین متوسط میں داخل ہے۔ یا دین ضعیف میں اور دین متوسط میں وجوب زکوۃ سالہائے گذشتہ قبل الوصول میں اختلاف ہے۔ بعض مطلقاً واجب کہتے ہیں۔ بعض بعد الوصول زکوۃ واجب کرتے ہیں۔ لیکن یہاں دین متوسط بدل منافع ارض کا ہے اور منافع ارض میں زکوۃ واجب نہیں۔ تو یہ دین متوسط بدل ہے۔ عما لا زکوۃ فیہ اور اس میں مذہب اصح یہ ہے کہ زکوۃ ما مضی کی واجب نہیں ہوتی۔ اور اگر دین ضعیف ہے۔ تو اس میں تو ما مضی کی زکوۃ واجب ہوتی ہی نہیں۔ اس لیے تین صد کی رقم جس وقت وصول ہوگی۔ اس وقت اگر اس کے پاس نصاب کامل پہلے سے موجود ہے۔ تو اس میں شامل ہو کر مال مستفاد کے حکم میں ہوگا۔ اور جب نصاب کا سال پورا ہوگا۔ تو تین صد کی زکوۃ بھی ساتھ دی جائے گی۔ اگرچہ تین صد پر بعد از وصول سال نہ گذرا ہو۔ اور اگر پہلے اس کے پاس نصاب نہ ہو۔ تو پھر بعد الوصول سال گذر کر زکوۃ ادا کی جائے گی۔ گزشتہ کی نہیں۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

جہیز پر جو رقم خرچ کرنی ہو وہ مال سے منہا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

نصاب کے ساتھ درمیان سال میں ملنے والے مال کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے پاس کچھ روپیہ ہے اور وہ ہمیشہ زکوۃ دیتا ہے۔ آج سے یا ۲ ماہ میں لڑکی کی شادی کے سلسلہ میں کچھ روپیہ جہیز پر خرچ کرنا ہے۔ آیا جو روپیہ لڑکی کے جہیز پر خرچ کرنا ہے اس کی زکوۃ دے گا یا نہیں۔ کیونکہ جو روپیہ موجود ہے۔ اسی میں سے جہیز تیار ہونا ہے۔ کیا رائے ہے۔ (۲) کچھ روپیہ ہے گھر کچھ روپیہ کلیم کا آجاتا ہے مگر جہیز کے خرید و فروخت کے لیے کلیم کا جو روپیہ آتا ہے۔ وہ چند یوم میں جہیز کی خرید و فروخت میں ختم ہوتا ہے۔ جو روپیہ پہلے کا جمع ہے۔ جو کلیم کا ہے۔ آیا اس کو وضع کر کے زکوۃ دیں یا نہیں۔ کیا جمع میں اس روپیہ کو منہا کر دیں۔

﴿ج﴾

(۱) اگر یہ شخص صاحب نصاب رہتا ہے۔ اور ہر سال زکوۃ ادا کرتا ہے۔ تو اس سال بھی اگر اس روپیہ پر سال گذر گیا ہے۔ یا دوسرا نصاب اس کے پاس موجود ہو مثلاً سونا چاندی و مال تجارت وغیرہ اور اس پر حولان حول گذر گیا ہو۔ تو اس شخص پر زکوۃ اس روپے کی ادا کرنی واجب ہے۔ البتہ اگر وہ سارا مال اپنے ملک سے خارج کر کے کسی کو بخش دے اور اس کے بعد اس کے جہیز پر خرچ کرے تو زکوۃ معاف ہو جائے گی۔ (۲) اگر شخص مذکور صاحب نصاب ہے۔ نصاب اس کے پاس موجود ہے۔ جس پر حولان حول ہوا ہے۔ تو کلیم کا جو روپیہ وصول ہو گیا ہو۔ یا درمیانی سال میں وہ وصول کر لیں۔ تو وہ وصول شدہ روپیہ بھی نصاب کے ساتھ ضم ہو کر سب میں زکوۃ واجب ہوگی۔ جب روپیہ اس کے ملک میں ہو اور ملک سے خارج نہ کیا ہو۔ تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

بینک سے سود پر لیے گئے سرمایہ میں زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص تجارت کرتا ہے۔ اسے کاروبار کو چلانے کے لیے سرمایہ کی ضرورت پڑتی ہے جو بینک سے ادھار لیتا ہے۔ جس پر اسے سود دینا پڑتا ہے۔ کیا ایسے سرمایہ اور مالی تجارت پر زکوۃ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

زکوۃ تو اس پر واجب ہے۔ البتہ سود پر قرضہ لینے کا گناہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۱ ذوالقعدہ ۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۱ ذوالقعدہ ۱۳۹۶ھ

اگر کسی خریدی ہوئی چیز کی رقم ذمہ میں قرض ہو تو زکوۃ سے قبل اسے منہا کیا جائے یا نہیں؟

اگر کوئی ادارہ بوقت بیع تصریح کیے بغیر قسطوں والی رقم پر اضافی رقم مانگے تو یہ جائز نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک قطعہ زمین امپرومنٹ ٹرسٹ سے ہم نے خرید کی تھی۔ اس زمین کی رقم کا ۱/۴ حصہ اسی وقت موقع پر ادا کر دیا تھا۔ باقی رقم (کل کا ۳/۴ حصہ) چار قسطوں میں ادا کرنے کی سہولت انھوں نے ہمیں دی۔ اور عرصہ دو سال کے اندر ادا کرنا طے پایا تھا۔ اب ہمارے سامنے دو مسائل درپیش ہیں۔ پہلا مسئلہ تو زکوۃ کا ہے۔ میں لوہے کا کاروبار کرتا ہوں۔ اور صاحب نصاب ہوں اور جب میں نے زکوۃ ادا کرنی ہے تو زمین کی قیمت کا ۳/۴ حصہ جو مجھ پر ابھی واجب الادا ہے۔ اس کی زکوۃ بھی ہے یا وہ رقم اپنے سرمایہ سے جو اس وقت کاروبار میں لگا ہوا ہے منفی کر کے بقایا رقم کی زکوۃ ادا کروں۔ کیونکہ وہ رقم مجھ پر ابھی قرض ہے۔ یہ تو ہوگئی زکوۃ کی بات اب تقریباً نو ماہ گزرے ہیں۔ اور ہمیں اب امپرومنٹ کی جانب سے ایک نوٹس ملا ہے۔ جو رقم ہمارے ذمہ بقایا ہے۔ اس کا

یعنی زمین کی کل قیمت کا ۴/۳ حصہ جو ہم نے ان کو دو سال میں ادا کرنی ہے اس کے ساتھ 9% زائد ادا کرنا ہوگا۔ اب جبکہ ان کو دوسری قسط ادا کرنی تھی تو انھوں نے ۹ فیصد کے حساب سے ہم سے زائد رقم وصول کرنی ہے اور آئندہ بھی اسی حساب سے مانگ رہے ہیں۔ آپ کو یاد ہے کہ جب ہم نے زمین لی تھی اور اس کا ۴/۱ حصہ ادا کیا تھا تو انھوں نے اس شرط کی کوئی وضاحت نہیں کی تھی۔ بلکہ اس کی کوئی شرط بتائی بھی نہیں تھی۔ اب میں نے زمین کی تقریباً ۲/۱ حصہ رقم ادا کر دی ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ کیا یہ ۹ فیصد جو زائد مانگ رہے ہیں۔ وہ سود تو تصور نہیں ہوتا۔ اور شروع میں حساب جائز ہے۔ اور یہ بات مزید یاد رہے کہ انکاری صورت میں جو رقم ہم نے ابھی تک اسی سلسلہ میں ادا کی ہے۔ (کل رقم کا ۲/۱ حصہ) وہ پھر واپس نہیں ہوگی۔ اگر ہم نے ان سے واپسی کا مطالبہ کیا تو بقایا رقم ہی ادا کرنی ہوگی۔ اور دی ہوئی رقم ہرگز واپس نہ ہوگی۔ مہربانی فرما کر ان مسائل کے متعلق جواب کو وضاحت سے لکھیں۔

﴿ج﴾

(۱) صحیح یہ ہے کہ دین مؤجل مانع زکوٰۃ سے نہیں۔ کما فی الشامی تحت قولہ او مؤجلاً والصحیح انہ غیر مانع (شامی ص ۱۲\ ج ۲) لہٰذا زمین کی ۴/۳ حصہ کی قیمت نفی کیے بغیر تمام مال کی زکوٰۃ سال گزرنے کے بعد لازم ہے۔

(۲) مسئولہ صورت میں نو فیصد زائد رقم ادا کرنا آپ کے لیے شرعاً جائز ہے۔ تاکہ ادا کردہ رقم ضائع نہ ہو جائے۔ اور ابتداء عقد میں اگر اس کا ذکر نہیں کیا گیا تو امپرومنٹ ٹرسٹ والوں کو لینا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۹ ذوالحج ۱۳۹۱ھ

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں ا۔ پراویڈنٹ فنڈ میں یعنی وہ رقم جو کہ محکمہ اپنے ملازمین کی تنخواہوں سے مقدار معین کاٹ لیتا ہے۔ اس کے ریٹائرڈ ہو جانے کے بعد اسے واپس کرتا ہے۔ یا اس کی فوتگی کے بعد پسماندگان کو دیتا ہے۔ زکوٰۃ واجب ہے یا نہ یعنی اس جمع شدہ رقم کی زکوٰۃ ہر سال نکالنی چاہیے۔ یا جب ملکیت میں آئے تب زکوٰۃ واجب ہوگی ۲۔ ڈاکخانہ اور بنک میں جمع کردہ رقم پر جو سود ڈاک خانہ یا بنک دیتا ہے۔ اس کا لینا جائز ہے یا نہ۔ سائل نور احمد عربی ماسٹر کوٹ ادو گورنمنٹ سکول۔

﴿ج﴾

پہلے جاننا چاہیے کہ دین کی تین قسمیں ہیں (۱) دین قوی (۲) دین ضعیف (۳) دین متوسط۔ دین قوی وہ ہوتا ہے جو تجارتی مال فروخت کرنے سے کسی کے ذمہ واجب ہوا' ضعیف وہ ہوتا ہے جو غیر مال کے بدلہ میں واجب ہو۔ جیسے دین مہر نکاح کے بدلہ میں واجب ہوا۔ متوسط وہ ہے جو مال کے بدلہ میں ہو۔ لیکن تجارتی مال کے عوض کا نہ ہو۔ جیسے گھریلو سامان فروخت کر کے کسی پر دین واجب ہو جاوے۔ بدائع میں ہے۔ وجملة الكلام فی الديون انها على ثلث مراتب فی قول ابی حنيفة دين قوی و دين ضعيف و دين وسط كذا قال عامة المشائخ اما القوی فهو الذی وجب بدلا عن مال التجارة كثمن عرض التجارة من ثياب التجارة وعبيد التجارة ولا خلاف فی وجوب الزكوة فيه الا انه لا يخاطب باداء شئ من زكوته مما يقبض اربعين درهما (الی ان قال) واما دين الضعيف فهو الذی وجب بدلاً عن شئ سواء وجب له بغير صنعه كالميراث او بصنعه كما بوصية او وجب بدلاً عما ليس بمال كا لمهر وبدل الخلع والصلح عن القصاص وبدل الكتابة ولا زكوة فيه مالم يقبض كله ويحول عليه الحول بعد القبض واما الدين الوسط فما وجب له بدلاً عن مال ليس للتجارة كثمن عبدالخدمة وثمن ثياب البذلة والمهنة وفيه روايتان عنه ذكر فی الاصل انه تجب فيه زكوة قبل القبض لكن لا يخاطب بالاداء مالم يقبض مائتی درهم فاذا قبض مائتی درهم زكی لما مضی وروی ابن سماعه عن ابی يوسفؒ وابی حنيفة رحمه الله انه لا زكوة فيه حتی يقبض المأتين ويحول عليه الحول من وقت القبض وهو اصح الروايتين عنه انتهی ۔ نیز بدائع میں صاحبین کے قول کو اس طرح نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک مطلقاً تمام دیون برابر ہیں۔ وقال ابو يوسفؒ و محمدؒ الديون كلها سواء و كلها قوية تجب الزكوة فيها قبل القبض بدائع (ج ۲ صفحه ۱۰)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دین قوی میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بعد الوصول تمام گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ علی الحساب واجب الادا ہے۔ اور دین متوسط میں دو روایتیں ہیں۔ اصح روایت یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی فقط اس سال کا ادا کر دیا جاوے گزشتہ کا نہیں اور دین ضعیف میں بعد اختلاف آئندہ کا ادا کیا جاوے گا۔ گزشتہ کا نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ میں جمع شدہ رقم کونسے دین میں شمار کی جاوے گی۔ تاکہ وہی حکم اس پر

ی کر دیا جاوے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی تجارتی مال کا بدل نہیں بلکہ اجرت ملازمت وحق الخدمت
۔ جو درحقیقت ملازم کے منافع کا بدل ہے۔ اور ملازم کے منافع یقیناً مال نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے بدل کو دین
ں میں داخل سمجھا جاوے۔ بلکہ متوسط میں بھی شامل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ متوسط میں بھی بدل
ہونا ضروری تھا۔ صرف وہاں بدل مال تجارت کا نہیں ہوتا اور یہاں بالکلیہ بدل مال ہی نہیں ہے۔ اس لیے یہ
ضعیف میں داخل ہے۔ جس پر زکوٰۃ گزشتہ سال کی واجب نہیں ہے۔ البتہ وصول کرنے کے بعد جب سال
ر جاوے تو ادا کرنا لازم ہوگا۔ ہاں صاحبین کے نزدیک وصول کردہ تمام گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ علی الحساب دینی
م ہے۔ لیکن ان کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں پر کسی صورت میں بھی لازم نہیں ہے۔ اب خلاصہ یہ ہوا کہ
ہ خود زندہ ہے اور وصول کر لیتا ہے۔ تو فتویٰ یہ ہے کہ گزشتہ سالوں کا ادا کرنا واجب نہیں۔ البتہ بنابر احتیاط و
ی اگر صاحبین کے قول کے مطابق ادا کر دے تو اچھی بات ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں پر ادا
قطعاً واجب نہیں۔

نمبر۲۔ تنخواہ کا کوئی جز جب اس طرح ملازم کو ملے بغیر کاٹ لیا جاوے تو وہ جز تنخواہ کا ملازم کے ملک میں
ں نہیں ہوا۔ اب وہ زائد رقم علاوہ اس جز کے جو کاٹ دیا گیا تھا۔ اگرچہ بظاہر سود کے نام سے مل رہی ہے۔ لیکن
وہ سود نہیں ہے۔ سود تو جب ہوتا۔ اگر وہ اس کے مملوک روپے کا نفع کی صورت میں اس کو ملتا۔ صورت مسئولہ
یہ تبرع ہے۔ البتہ جو شخص رقم مملوکہ بینک میں داخل کر کے پھر زائد مع سود نکالتا ہے۔ تو چونکہ وہ اس کے مملوکہ
نفع ہے۔ جائز نہیں اور حرام ہے۔ دونوں کا فرق آپ سمجھ لیں۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ ۴ رجب ۱۳۸۵ھ

سرکاری ملازم کو ریٹائرمنٹ کے وقت جو رقم ملتی ہے اس کی زکوٰۃ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ میں فوج میں ہوں فوج میں ہوتے ہوئے میری تنخواہ سے ہر ماہ کچھ رقم
اٹ لی جاتی تھی۔ اور میرے حساب میں جمع ہوتی رہی اس غرض سے کہ میں جب پنشن جاؤں تو کل رقم جمع
ل جائے۔ یہ رقم ۱۹۵۳ء شروع سال سے جمع ہونی شروع ہوئی تھی۔ اور جون ۱۹۶۴ء تک جمع ہوتی رہیگی۔
ں ماہ یعنی جون یا اگست ۱۹۶۴ء تک کل رقم جو میری تنخواہ سے ۱۹۵۳ء سے کاٹی جا رہی ہے۔ اکٹھی مل جائے گی
ست ۱۹۶۳ء سے مجھ کو فوج سے پنشن ہو جائے گی۔ قسمت سے جو رقم میری تنخواہ سے کاٹی جاتی رہی ہے اور پھر

میرے نام جمع ہوتی رہی۔ اس کی ابتک میں نے زکوٰۃ نہیں دی ہے اور ساتھ ہی کل رقم پر گورنمنٹ جمع سود بھی دے
رہی ہے۔ زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ یہ تھی۔ کہ میرے پاس جو تنخواہ ہر ماہ بچ جاتی تھی وہ بڑی مشکل سے گھریلو اخراجات
کے لیے کافی ہوتی تھی اور پھر دینی سستی کے سبب بھی زکوٰۃ دینے کی ہمت پیدا نہ ہوئی۔ جتنی رقم بھی میرے نام پر
جمع ہوتی رہی۔ وہ ابھی تک گورنمنٹ کے خزانہ میں ہے۔ اور وہ مجھے صرف اس وقت مل سکے گی جب پنشن ہوگی یعنی

اگست ۱۹۶۳ء تک

سال	سالانہ رقم جو جمع کی گئی		
1953-1954	830.00	کل رقم آخر 53-54 سال پر	836.00
1954-1955	1740.00	کل رقم آخر 54-55 سال پر	2570.00
1955-1956	1800.00	کل رقم آخر 55-56 سال پر	4370.00
1956-1957	2000.00	کل رقم آخر 56-57 سال پر	6170.00
1957-1958	2400.00	کل رقم آخر 57-58 سال پر	82570.0
1958-1959	3750.00	کل رقم آخر 58-59 سال پر	2320.00
1959-1960	3000.00	کل رقم آخر 59-60 سال پر	320.00
1960-1961	3000.00	کل رقم آخر 60-61 سال پر	8320.00
1961-1962	3000.00	کل رقم آخر 61-62 سال پر	1320.00
1962-1963	3000.00	کل رقم آخر 62-63 سال پر	1320.00
1963-1964	3000.00	کل رقم آخر 63-64 سال پر	1320.00
	27320.00		**7320.00**

اب جمع اس رقم پر زکوٰۃ دینے کا طریق معلوم کرنا ہے۔ رقم میں کسی طرح کا سود وغیرہ شامل نہیں۔ (۱) جمع
زکوٰۃ کس حساب سے دینا لازمی ہے۔ یعنی چالیسواں حصہ سے یا اور کسی حساب سے۔ (۲) کیا جمع کل رقم یعنی
= ۲۷۳۲۰/ روپے پر ہی زکوٰۃ دینی ہے۔ یا
(۱) ہر سال میں جو رقم جمع ہوتی رہی ہے۔ اس پر زکوٰۃ دے دوں یا

(ب) پھر زکوٰۃ اسی طرح دینی ہے۔ کہ پہلے مبلغ =/۸۳۰ روپے کا حساب کروں پھر مبلغ =/۲۵۷۰ کا پھر
=/۴۳۷۰ کا پھر =/۶۱۷۰ پھر =/۸۵۷۰ کا علی ہذا القیاس اسی طرح حساب کرتے کرتے آخری رقم
۲۷۳۲ کا حساب نکالوں۔ اور پھر کل رقم یا زکوٰۃ کے حساب سے ہر رقم پر واجب آتی رہی ہوں۔ ان کو جمع
ں وہ کل زکوٰۃ ہوگی۔ نوٹ۔ میں نے ۵۴-۱۹۵۳ سال سے زکوٰۃ نہیں دی ہے اور میں اس شرعی پہلو سے
صاب ہوں گو میرے پاس یہ رقم موجود نہ تھی نہ اب ہے۔ جو کہ اگلے سال جون۔ اگست ۱۹۶۴ء تک مل
ہ گی۔

(۳) کل رقم پر جو جمع گورنمنٹ سود دے رہی ہے۔ اس کا کیا کروں۔

(۴) جتنی رقم زکوٰۃ کی واجب الادا ہو اس کو کس طرح تقسیم کروں اور کن میں۔ کیا اس طرح شرعاً جائز ہوگا۔
رقم کو میں حسب ذیل طریقہ سے تقسیم کروں نصف حصہ غریب رشتہ داروں میں باقی نصف حصہ غریب محلے
ں میں بقایا غرباء اور مساکین میں۔ مندرجہ بالا سوالات کے جوابات سے مطلع فرمائیں۔

﴿ج﴾

(۱) زکوٰۃ میں ۴۰/۱ حصہ دینا لازم ہے۔ (۲) افضل اور اولیٰ یہ ہے جو آپ نے شق نمبر ۳ میں تحریر فرمایا ہے
لے میں ۸۳۰ کا حساب کر کے زکوٰۃ دوں پھر =/۲۵۷۰ کا الخ۔ اور جواز اس کا بھی ہے۔ کہ جب رقم ملے تو
ت اپنے سابقہ مال کے ساتھ حولان حول کے وقت پورے مال کی زکوٰۃ نکالیں۔ بس۔ (۳) سود والی رقم
ٹ سے وصول کر کے فقراء اور مساکین پر صرف کر دیں۔ (۴) زکوٰۃ کی تقسیم کا جو طریقہ آپ نے تحریر
ہے۔ صحیح ہے۔ لیکن یہ فقراء اور غریب رشتہ داروں اور اہل محلہ اور اہل شہر کا حق ہے اغنیاء کو نہ دیں۔ اور
کے بجائے نقد رقم یا غلہ لیکر یا کپڑا لے کر دیں نقد کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ روپے کے رقم میں زکوٰۃ دیں
ی شکل میں نہ دیں۔ فقط واللہ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

پراویڈنٹ فنڈ میں زکوٰۃ کا حکم

﴿س﴾

یا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ دو گورنمنٹ کے ملازم ہیں۔ ان کی تنخواہ سے ماہانہ کچھ نہ کچھ کٹوتی
۔ جس کو جنرل پراویڈنٹ فنڈ کہتے ہیں یہ رقم ان ملازموں کو اب نہیں ملتی لیکن جب یہ ملازم اپنی ملازمت

سے ریٹائرڈ ہوتے ہیں تو یہ رقم اس وقت ان کو ملتی ہے۔ اور اگر ریٹائرڈ ہونے سے پہلے ضرورت ہو تو اس رقم کا
آدھا اس ملازم کو دیتے ہیں۔ بطور قرضہ پھر یہ رقم قسطوں میں واپس وصول کر کے جمع کرتے ہیں۔ اس فنڈ میں۔
اور اگر یہ ملازم دوران ملازمت مر جائے تو یہ رقم اس کے وارثوں کو دیدی جاتی ہے۔ اب گزارش یہ ہے کہ اس بالا
مذکورہ صورت میں مذکورہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

ملازم کی تنخواہ میں سے جو کچھ روپیہ وضع ہوتا ہے۔ اور پھر اس میں کچھ رقم ملا کر بوقت اختتام ملازمت ملازم کو
ملتا ہے۔ اس کی زکوٰۃ گزشتہ برسوں کی واجب نہیں ہوتی۔ آئندہ کو بعد وصول کے جب سال بھر نصاب پر گزر
جاوے گا۔ اس وقت زکوٰۃ دینا لازم ہوگا۔ نیز وضع شدہ رقم تنخواہ کے ساتھ گورنمنٹ جو کچھ رقم ملا کر بوقت ختم
ملازمت ملازموں کو دیتی ہے۔ یہ سود نہیں۔ اگرچہ گورنمنٹ اس کا نام سود ہی رکھے۔ شرعاً یہ ایک انعام ہے۔ اس کا
لینا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۱ رجب ۱۳۹۱ھ

پراویڈنٹ فنڈ میں زکوٰۃ کا حکم

مذکورہ فنڈ سے بطور قرضہ لی گئی رقم میں زکوٰۃ کا حکم

مذکورہ فنڈ پر گورنمنٹ جو منافع دیتی ہے وہ حلال ہے یا حرام؟

﴿س﴾

بندہ کی تنخواہ ۲۷۵ روپیہ ہے۔ اور اس میں سے کچھ رقم کاٹ کر بقایا رقم تنخواہ میں دیتے ہیں کٹوتی ریٹائرڈ
ہونے کے بعد ملے گی۔ کیا اس جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ ہے یا نہ۔

(۲) اس جمع شدہ رقم سے بطور قرض حسنہ کچھ رقم لی گئی۔ اور اس کی ادائیگی ماہانہ ہوگی۔ اس رقم کو کسی کاروبار
میں لگایا گیا ہے۔ کیا اس کی زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی۔

(۳) اس جمع شدہ رقم پر محکمہ سود لگاتا ہے۔ اس کا کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

(۱) اس جمع شدہ رقم کی زکوٰۃ آپ پر نہیں ہے (۲) جو رقم آپ کے استعمال میں آ گئی اور کاروبار میں لگائی

گئی۔ اگر کاروبار میں لگائے ہوئے مال میں زکوٰۃ ہے۔ تو اس کے ضمن میں مذکورہ رقم سے حاصل شدہ مال پر بھی زکوٰۃ آئیگی۔

(۳) اس زیادتی کو شرعاً سود نہیں کہا جاتا۔ اس لیے اس کا وصول کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

کسی خاص غرض کے لیے جمع شدہ رقم میں ایک بار زکوٰۃ فرض ہوگی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میرے نوکری سے سبکدوش ہونے پر مجھے کچھ رقم نقدی کی صورت
ں ملی۔ جو میں نے اپنی بچی کے نام بنک میں جمع کرا دی۔ تاکہ دو چار سال بعد جب اس کی شادی ہو تو وہ کام
سکے۔ اس کو جمع کرائے تقریباً ایک سال ہو چکا ہے۔ اس لیے میں نے زکوٰۃ نکالنے کے لیے چند ایک کتابچے
یکھے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اس رقم پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں اور اگر فرض ہے۔ تو اس کا نصاب کیا ہے۔ مگر
طلوبہ معلومات کسی جگہ سے نہ مل سکیں۔ ہاں ایک کتابچہ (جو تاج کمپنی والوں نے مولوی بدرالدین بدر صاحب سے
کھا کر چھاپا ہے) میں لکھا پایا کہ سرکاری نوٹوں کا نصاب بھی سونے چاندی کی طرح ہے۔ چونکہ یہ بھی نقدی کی ہی
ک شکل ہے۔ اس سے بھی نصاب کے متعلق ٹھیک طرح سے نہیں سمجھ سکا۔ چونکہ آج کل ساڑھے سات تولہ سونا کی
ت تو =/۱۳۳۵ روپے ہے اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت =/۳۴۲ روپے ہے۔ اس لیے یہ واضح نہیں ہو سکا
نصاب سونے کا لیا جاوے یا چاندی کا۔ اس کے لیے مشکور رہوں گا اگر مندرجہ ذیل امور کی وضاحت فرماویں۔

(۱) عام طور پر زکوٰۃ ماہ رجب المرجب میں ادا کی جاتی ہے۔ مگر کسی بھی کتاب میں یہ لکھا ہوا نہیں ملا۔ تقریباً
ب میں یہی لکھا ہوا ہے۔ کہ بچی ہوئی کل رقم پر اگر پورا قمری سال گذر جائے تو زکوٰۃ فرض ہے۔ اس کی ذرا
احت درکار ہے۔

(۲) کیا جو رقم میں نے اپنی بچی کی شادی کے لیے علیحدہ جمع کرا دی ہے اور باوجود اور ضرورتوں کے اسے
تعمال نہیں کرتا۔ اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

(۳) اسی طرح جو رقم میں نے کسی لمیٹڈ کمپنی کے حصے خریدنے یا نیشنل انوسٹمنٹ یونٹ کے حصے خریدنے کے
لگائی ہوئی ہے۔ جس پر مجھے موقع آنے پر نفع میں حصہ ملے گا۔ یا نقصان کی صورت میں رقم پر برا اثر پڑے گا۔
اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے؟

(۴) نقد رقم کا نصاب کیا ہے۔ اور پہلے نصاب سے کس قدر رقم زیادہ ہو جائے تو دوسرا نصاب لازم ہو جاتا ہے۔ مثلاً دوسرے تیسرے اور چوتھے نصاب سے کچھ روپے کم ہوں تو کون سے نصاب تک زکوٰۃ فرض ہے۔ زکوٰۃ تو نصاب کی رقم کا چالیسواں حصہ ہی ہوگی۔

(۵) اگر میں زکوٰۃ کی رقم نکال کر علیحدہ رکھ لوں اور وقتاً فوقتاً فقراء و مساکین وغیرہ میں بانٹتا رہوں تو کیا جائز ہے یا کیا ساری رقم جو زکوٰۃ کے لیے نکالی جائے۔ فوراً ہی یکمشت ادا کرنا ہوتی ہے۔

(۶) یہ بھی فرماویں۔ کہ خاص موقع کے لیے جمع شدہ رقم پر ایک دفعہ ہی زکوٰۃ فرض ہے۔ یا ہر سال اس پر زکوٰۃ دی جائے گی۔ جمع شدہ رقم حج کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں اور بھی کوئی اہم بات ہو تو تحریر فرما دیں۔

﴿ج﴾

جس شخص کے پاس ساڑھے باون ½۵۲ تولہ چاندی یا ساڑھے سات ½۷ تولہ سونا ہو۔ یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت کی مقدار نقد رقم یا سامان تجارت ہو اور ایک سال تک باقی رہے۔ تو سال گذر جانے پر اس کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ دینا واجب ہے۔ اور جو نصاب سے زیادہ ہو جاوے۔ اس کا بھی اس حساب سے یعنی چالیسواں حصہ دینا واجب ہے۔ آجکل ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت =/۱۳۳۵ ہے اور ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت تقریباً =/۳۴۲ روپے ہے۔ تو اگر کسی شخص کے پاس =/۳۴۲ روپے نقد یا اتنی قیمت کا سامان تجارت ہو۔ تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر کسی کے پاس نہ پوری مقدار سونے کی ہے۔ نہ پوری مقدار چاندی کی بلکہ تھوڑا سونا ہے۔ اور تھوڑی چاندی تو اگر دونوں کی قیمت ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو جائے۔ یا ساڑھے سات تولہ سونے کے برابر ہو جاوے۔ تو زکوٰۃ واجب ہے۔

(۱) ادائے زکوٰۃ کے لیے شرعاً کوئی مہینہ یا کوئی دن مقرر نہیں۔ البتہ بعض مہینوں اور دنوں کی فضیلت کا اس میں دخل ضرور ہے۔ یعنی جو مہینہ فی نفسہ متبرک ہے۔ جیسے رمضان شریف کہ اس میں صدقات وغیرہ کی ادائیگی بھی افضل ہے۔ ہاں ضرورت اس کی ہے کہ جس مہینے میں ادائے زکوٰۃ واجب ہو چکا ہے۔ اسی مہینہ میں ادا کرے۔

(۲) بعد سال بھر کے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(۳) بعد وصولی کے گذشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ دینا لازم اور واجب ہے۔ اگر منافع جائز ہوں۔ تو اس کی

زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ اگر ناجائز منافع ہوں۔ تو کل منافع کا ردعلی المالک ضروری ہے۔ اور بصورت عدم مالک کے کل منافع کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔

(۴) آجکل ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تقریباً =/۳۴۲ روپے ہے اس لیے نقد کا نصاب ۳۴۲ روپے ہوگا۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اصل نصاب سونے اور چاندی کا ہے۔ اور ان کی قیمت کے گھٹنے بڑھنے سے روپے کا نصاب بدلتا رہے گا۔

(۵) تمام زکوٰۃ یکمشت ادا کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ مختلف فقراء و مساکین کو دینا جائز ہے۔ لیکن ادائگی میں زیادہ تاخیر نہ کرے۔ ایک فقیر کو بقدر نصاب دینا مکروہ ہے۔

(۶) ہر سال زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر چہ حج کے لیے بھی جمع کر لیے ہوں۔ یعنی بعد وصولی کے تمام سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر چہ وصولی سے قبل ادا کرنا بھی جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۸ جمادی الاخری ۱۳۹۴ھ

پراویڈنٹ فنڈ یا انشورنس کمپنی میں رکھی ہوئی رقم میں زکوٰۃ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جو رقوم ملازمین سرکار کی بطور پراویڈنٹ فنڈ زندگی بیمہ یا دیگر غیرہ جو ہر ماہ ان کی تنخواہ سے وضع کی جاتی ہے۔ ان رقوم پر فریضہ زکوٰۃ کا تفصیلی طور پر بیان واضح کر دیں۔ کہ آیا ن پر حولان حول شرط ہے۔ یا جب ان رقوم کی بازیابی ہوگی اس وقت کس حساب سے یا کل رقوم پر ایک دفعہ روئے شریعت واضح کر دیں۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں چونکہ ملازمین سرکار کا مہینہ بھر کام کرنے کے بعد پوری تنخواہ کا استحقاق ہوتا ہے۔ تو جتنی خواہ وہ وصول کر لیتا ہے۔ اتنی مقدار کے وہ مالک بن جاتے ہیں اور جو وضع کرتے ہیں۔ وہ محض استحقاق ہوتا ہے۔ اس لیے جب وصول کرینگے تب مالک بنیں گے اور اس کے بعد حولان حول ہو جائے۔ تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ از وصول جو فنڈ جمع ہے۔ اس کی زکوٰۃ واجب نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بندہ احمد غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

غائب شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں

اُدھار رقم کی زکوٰۃ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ واقعہ یہ ہے کہ میں آمد و خرچ کا حساب رکھتا ہوں۔ اس کی رو سے میری کتاب حساب میں -/۲۴۱۲ روپے بچت نکلتی ہے مگر حقیقت اسکے خلاف ہے۔ یعنی نقد ہاتھ میں کچھ بھی نہیں۔ وہ اس طرح کہ ظاہری بچت میں سے -/۱۱۵۰ روپے لوگوں کی طرف چڑھا ہوا ہے۔ اور باقی -/۱۲۶۲ روپیہ غائب ہے۔ حالانکہ یہ روپیہ موجود ہونا چاہیے تھا۔ اب بہتیرا مغز مار چکا ہوں مگر کچھ بھی تو پتہ نہیں چلتا۔ اندازہ یہی ہے کہ خرچ شدہ رقوم کے اندراج میں وقتاً فوقتاً کوتاہی اور بھول ہوتی رہی۔ اور کئی سال سے مسلسل حساب میں (کیونکہ حساب کا یہ فرق میں کئی سال سے محسوس کر رہا ہوں) اس قدر ناہمواری پیدا ہوگئی۔ اور غیر درج شدہ اخراجات کھاتہ بچت میں اضافہ کا موجب بنتے رہے۔ تو اب مسئلہ یہ ہے کہ (۱) اس غائب سرمایہ پر زکوٰۃ ہے یا نہ (۲) وہ سرمایہ جو لوگوں کے ذمہ چڑھا ہوا ہے اس کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے۔ (۳) اس طرح تجارتی کاروبار میں جو سرمایہ لوگوں کی طرف بقایا نکلتا ہو۔ اس کا کیا حکم ہوگا۔

المستفتی دوست محمد گورمانی بکھری احمد خان۔ براستہ کوٹ ادو ڈاکخانہ بیٹ دبلی تحصیل لیہ ضلع مظفر گڑھ

﴿ج﴾

(۱) غائب شدہ سرمایہ پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ (۲) دوسروں کے ذمہ چڑھی ہوئی رقم پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر اب ادا کر دی جائے تب بھی درست ہے۔ لیکن ادا کرنا واجب اس وقت ہوگا جب وہ وصول ہو جائے۔ وصول ہو جانے کے بعد گزشتہ میعاد کا بھی دینا ضروری ہے۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر کچہری روڈ ۱۳ رجب ۱۳۷۸ھ

زکوٰۃ کی رقم گم ہو جانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے عبدالرزاق کو رقم دی ایک سو روپے زکوٰۃ کی مد میں اور کہا کہ جا کر فلاں صاحب کو دے دینا۔ یہ طالب علموں کے لیے ہے۔ مگر عبدالرزاق نے راستہ میں گم کر دی یا گر گئی۔ تو کیا اس صورت میں زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہوگئی ہے یا نہ؟

﴿ج﴾

زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اس لیے کہ تملیک مستحق نہیں پائی گئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۶ جمادی الاخری ۱۳۹۶ھ

اگر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی سے قبل سارا مال ہلاک ہو گیا تو زکوٰۃ واجب نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید صاحب نصاب تھا۔ مگر سال گذر گیا تھا بعد میں ایک ہنگامے کی بنا پر قلاش اور تہی دست ہو گیا۔ کیا زید گذشتہ سال کی زکوٰۃ ادا کرنے کا شرعاً مکلف ہے؟ بینوا توجروا

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں زید پر گزشتہ سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں ہے۔ وان ھلک المال بعد جوب الزکوۃ (ھدایہ ج ۱/ص ۱۹۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۹ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ

زکوٰۃ فرض ہے یا واجب

﴿س﴾

مولانا صاحب! آپ نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ اتنے نصاب پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ خط میں واجب کا کرار دو تین دفعہ ہوا کیا زکوٰۃ فرض نہیں۔

﴿ج﴾

زکوٰۃ کا حکم قرآن مجید میں نماز کے ساتھ ۳۲ جگہ آیا ہے۔ زکوٰۃ فرض ہے۔ اور اس کی فرضیت ہجرت کے سرے سال ہوئی۔ عمل میں فرض اور واجب دونوں برابر ہیں۔ اور دونوں کا کرنا ضروری ہے۔ اس لیے سوالات ے جوابات میں فرض کے لیے عام طور پر واجب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سے فرضیت میں شبہ نہ کیا ے۔

محمد انور شاہ غفرلہ

زکوٰۃ کی نیت کا وقت

﴿س﴾

آپ کے فتویٰ کے مطابق میں نے اپنے کل روپیہ کا حساب رمضان المبارک تک کر کے زکوٰۃ کی رقم کا تعین کر لیا ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ امور پر روشنی ڈال کر مجھے شکریہ کا موقع دیں۔

(۱) جس رقم کا تعین میں نے کر لیا ہے۔ کیا وہ بنک میں پڑی رہے اور میں وقتاً فوقتاً چیک سے نکال کر خرچ کروں۔ حتیٰ کہ کل رقم بانٹ دی جائے۔ یا ضروری ہے کہ ساری رقم علیحدہ نکال کر رکھ لی جائے۔ اس رقم کی زکوٰۃ کی نیت کر لی ہے۔

﴿ج﴾

زکوٰۃ میں تملیک فقیر ضروری ہے۔ یعنی مالک بنانا ایسے شخص کو جو مالک نصاب نہ ہو لازم ہے۔ بینک میں تعین کافی نہیں۔ نکالنے کے بعد بوقت ادائیگی نیت زکوٰۃ ضروری ہے۔ لیکن اگر بینک سے نکال کر علیحدہ زکوٰۃ کی رقم رکھ دی۔ تو پھر بوقت ادائیگی نیت کرنا ضروری نہ ہوگا۔

زکوٰۃ کے صحیح مصارف

﴿س﴾

تھوڑی تھوڑی رقم مندرجہ ذیل جگہوں پر بھیجنا چاہتا ہوں۔

(۱) ہمارے محلے میں ایک دلعزیز سوسائٹی ہے۔ جو ایک ہسپتال چلا رہی ہے۔ جہاں غربا کو مفت یا کم قیمت پر دوا دی جاتی ہے۔ (ب) انجمن حمایت اسلام لاہور (ج) کسی دینی مدرسہ میں جہاں دینی تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم ہوں۔ (د) جماعت اسلامی ایک گشتی شفا خانہ چلا رہی ہے۔ اس کو زکوٰۃ بھیجنا مناسب ہے یا نہیں۔ یہ اس لیے پوچھا ہے کہ جماعت اسلامی ایک سیاسی جماعت ہے۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ زکوٰۃ کا مال محتاجوں کی ملک میں بلا کسی معاوضہ کے جانا ضروری ہے۔ پس جو سوسائٹی یا انجمن یا جماعت والے اس کا اہتمام کریں کہ مال زکوٰۃ کو اس کے صحیح مصرف میں خرچ کرے۔ تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ لیکن اگر اس کا اہتمام نہ ہو جیسے عام طور پر ایسی سوسائٹیوں کے گشتی شفا خانوں میں اس کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

بلکہ ملازمین کی تنخواہیں' اور دیگر متفرق اخراجات بھی زکوٰۃ کے مال سے پورے کرتے ہیں' ان کو زکوٰۃ دینا درست نہیں۔ اس لیے کہ تنخواہوں' کرایوں اور متفرق اخراجات میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرنے سے سب زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ مدارس اسلامیہ میں جو زکوٰۃ کا روپیہ آتا ہے۔ وہ خاص طلبہ مساکین کی خوراک و پوشاک میں صرف ہوتا ہے۔ کسی مدرس و ملازم کی تنخواہ میں دینا یا تعمیر وغیرہ میں صرف کرنا اس کا درست نہیں ہے۔ اس کلی قاعدہ سے سوال (۳۔ کے ذیلی نمبر ا سے ح تک کے جوابات سمجھ میں آ گئے ہوں گے)

جو رقم ضرورت کے لیے رکھی گئی ہو نصاب پورا ہو لیکن ضرورت کے لیے ناکافی ہو اس کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

بھائی، بھائی کو اپنا حصہ رقم کی زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بندہ معمولی تنخواہ کا ملازم ہے۔ یعنی ۴۰ روپے کے قریب دستیاب ہوتی ہے۔ عمر ۵۰ سال ہے' بچے بہت معصوم ہیں۔ ایک بچہ شش ماہہ دوسرا ۱/۲ ۳ سالہ تیسرا بچہ ۶ سالہ جماعت اول میں ہے۔ چوتھا بچہ ۱۳ سالہ ہے۔ سب سے بڑی ۱۶ سالہ بچی ہے۔ بڑا بھائی ہے وہ مدرس ہے۔ اس کی عمر ۵۶ سال ہے۔ اس کی ابتداء ملازمت ۵۶ء سے ہے۔ وہ میری مدد کرتا ہے۔ جس سے کچھ گذر بسر ہو رہی ہے۔ اگر کبھی دونوں کی تنخواہ سے کچھ بچ جائے تو اس خیال سے ڈاکخانہ میں جمع کرتے ہیں شاید کبھی کوئی صورت دو چار مرلے زمین برائے مکان کی نکل آئے زرعی زمین تو درکنار رہائشی مکان بھی کوئی نہیں۔ پھر دونوں بھائی بوڑھے مگر اولاد بے حد معصوم چند ایک معزز امیروں اور دوستوں نے بھی کچھ نقد پیسے سے امداد کی ہے۔ مگر تا حال دو چار مرلے زمین خریدنے کے لیے ناکافی ہے۔ بچی کی شادی کی بھی فکر ہے۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس جمع شدہ رقم پر (جو فاضل تو کیا ابھی ضرورت کو بھی ناکافی ہے) زکوٰۃ واجب ہے؟ (۲) یہ پیسہ بڑے بھائی کی تحویل میں ہے جس کی کوئی بیوی بچہ نہیں ہے۔ مجرد ہے۔ اگر زکوٰۃ واجب ہو تو کیا بڑا بھائی مجھے یا میرے بچوں کو بطور زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ نوٹ۔ بڑا بھائی جدا رہتا ہے' مگر اپنا خرچ روٹی وغیرہ کا مجھے دیتا ہے۔ فقط

﴿ج﴾

آپ کے بڑے بھائی کی تحویل میں جو رقم ہے۔ وہ اگر صرف اس کی ہی ملک ہے۔ اور وہ نصاب بنتا ہے۔ یعنی کم از کم اتنی رقم ہے۔ جس سے ساڑھے باون تولے چاندی خریدی جا سکتی ہے۔ اور اس کے اوپر کوئی قرضہ نہیں رہتا ہے۔ کہ قرضہ کو نکال کر پھر نصاب نہ بچے۔ تو آپ کے بھائی پر سال کے گزرنے سے زکوٰۃ واجب ہے۔ کیونکہ جب اس نصاب پر سال گذر گیا ہے۔ اور سال کے اندر وہ اسے مکان کی خرید میں نہیں لا چکا ہے۔ تو زکوٰۃ

دینی واجب ہوگی۔ باقی اگر آپ اور آپ کی اولاد نصاب یا قدر نصاب کے مالک نہیں ہیں۔ تو آپ کا بھائی آپ کو اور آپ کی اولاد کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبد اللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۵ رجب ۱۳۸۵ھ

بغیر بتائے مستحق کو زکوٰۃ دینے کا حکم

﴿س﴾

کیا یہ ضروری ہے کہ جس کو رقم دی جائے اسے بتایا جائے کہ یہ زکوٰۃ کی ہے۔ یا کیا بغیر بتائے بھی دی جا سکتی ہے۔ چونکہ بعض لوگ خوددار اور صابر ہوتے ہیں۔ اور باوجود تنگی کے زکوٰۃ شاید قبول نہ کریں۔ مثلاً ہماری مسجد کے مولانا صاحب کو بہت قلیل تنخواہ ملتی ہے۔ مگر صابر قسم کے آدمی ہیں۔ ان کو نقد یا کپڑے لے کر دیں۔ یہ بتائے بغیر کہ یہ زکوٰۃ کے ہیں تو کیسا رہے گا۔

﴿ج﴾

زکوٰۃ کی اطلاع فقیر مسکین کو دینا ضروری نہیں۔

زکوٰۃ میں نقدی دینے کا حکم

﴿س﴾

زکوٰۃ کی رقم نقد دینا احسن ہے یا کوئی چیز لے کر دینا جیسے کپڑے دوائیاں وغیرہ یا پھر عید پر بچوں کو کپڑے وغیرہ۔

﴿ج﴾

نقد رقم دینا اولیٰ ہے۔ اس لیے کہ اس سے محتاج ہر قسم کی حاجت پوری کر سکتا ہے۔ ویسے حسب حال کپڑے یا رضائی خرید کر دینا بھی احسن ہے۔

نوٹ خود مال ہیں یا مال کی رسید ہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ نوٹ مال ہے۔ یا مال کی رسید ہے۔ صورت اولیٰ میں اور صورت ثانیہ میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں کچھ فرق پڑتا ہے یا نہیں۔ اگر ایک آدمی نے مثلاً نوٹ کے ساتھ زکوٰۃ ادا کی اور لینے والے نے وہ نوٹ اپنے قرض کی ادائیگی میں دے دیا۔ تو کیا اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہیں۔

ایک آدمی نے دوسرے کو نوٹ دیا کہ میری طرف سے زکوٰۃ دے دینا۔ کیا اس دوسرے کے لیے گنجائش ہے کہ اپنے پاس سے کوئی نوٹ زکوٰۃ میں دے دے۔

﴿ج﴾

حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق نوٹ خود مال نہیں ہے۔ بلکہ رسید ہے۔اس کے ادا
کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔البتہ اگر اس فقیر نے اس نوٹ سے کوئی مال بدلہ میں خریدا۔مثلاً کپڑا گندم وغیرہ تو
کپڑا اور گندم قبض کرنے سے ادا کرنے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔گویا یہ شخص ادا کرنے والے کی طرف سے
وکیل تھا اور یہ کپڑا گندم وغیرہ اس کے لیے خریدا اور اس کے لیے قبض کیا اور اس کی طرف سے زکوٰۃ میں لے لیا۔
ان تمام تصرفات کا وہ دینے والے کی طرف سے مجاز قرار دیا گیا اور اگر قرض اس سے ادا کیا۔یا اس سے بجائے
کسی مال خریدنے کے اور فائدہ اٹھایا۔مثلاً گاڑی کے کرایہ میں دے دیا۔تو چونکہ اس نے مال کو قبض نہیں کیا۔زکوٰۃ
ادا نہ ہوگی۔تبدیلی نوٹ اجازت سے جائز ہے۔بغیر اجازت جائز نہیں ہے۔لیکن موجودہ زمانہ میں عام طور پر
نوٹ سے عام لین دین ہوتا ہے۔اس کو رسید نہیں سمجھا جاتا۔حتیٰ کہ اگر ایک شخص نے سودا کر کے نوٹ سے قیمت
ادا کردی۔تو عرف عام میں یہ کہا جاتا ہے کہ نقد سودا ہوگیا۔اور نقد قیمت ادا کردی۔اس لیے اگر کوئی شخص نوٹ کو
زکوٰۃ میں ادا کردے تو اگرچہ احتیاط کی صورت نہیں ہے۔لیکن عموم بلویٰ اور عرف عام کے تقاضا کے تحت اس کی
زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔وھو الاسھل۔واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶ صفر ۱۳۸۸ھ

نوٹوں پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید کے پاس پانچ صد روپیہ کے پانچ نوٹ موجود ہیں۔جن پر حولان
ل بھی ہو چکا ہے۔زید کہتا ہے۔کہ ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔کیونکہ نوٹوں پر زکوٰۃ اس وقت ہوتی ہے۔جب ان سے
۵۲ تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا خریدا جاسکے۔لیکن عمر کہتا ہے۔کہ ان نوٹوں پر زکوٰۃ ہوگی۔کیونکہ کتابوں
جو سونا چاندی کی تعیین کی گئی ہے۔یہ اس وقت کے ساتھ مخصوص تھی۔جبکہ درہم و دنانیر رائج تھے۔اس زمانہ میں
یں تھے اس لیے اس زمانہ کے لحاظ سے ان نوٹوں پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔تو کیا زید کی بات درست ہے یا عمر کی؟

﴿ج﴾

نوٹوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔لیکن اس وقت جبکہ ½۵۲ تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو۔اس وقت بحساب
روپے فی تولہ اس کی قیمت =/۹۴۵ روپے ہے لہٰذا نصاب روپے کا یہی ہوگا۔ =/۵۰۰ روپے میں زکوٰۃ
ب نہیں۔اگر چاندی اور گراں ہوگی تو اسی اعتبار سے روپے کا نصاب بڑھتا چلا جائے گا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۷ شوال ۱۳۹۸ھ

نوٹ کے متعلق حضرت مفتی صاحبؒ کی تحقیق

﴿س﴾

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ادائے زکوٰۃ بذریعہ نوٹ سے متعلق تحریر ھذا پر اظہار رائے فرمادیں۔
رشید احمد عفی عنہ۔رسیدی نوٹ جب فقیر کو دیا گیا تو یہ حکومت پر حوالہ ہوا اگر فقیر نے حکومت سے اس نوٹ کی رقم
وصول کی تو اس وقت زکوٰۃ ادا ہو جائے گی قال فی الشامیة وفی صورتین لا یجوز الاولی اداء
الدین عن العین کجعله ما فی ذمة مدیونه زکوة لماله الحاضر بخلاف ما اذا امر فقیرا
بقبض دین له علی اخر عن زکوة عین عنده فانه یجوز لانه عند قبض الفقیر یصیر عیناً
فکان عیناً عن عین (رد المحتار ج ۲/ص ۱۳) اور اگر حکومت سے وصول کرنے کے بجائے کسی اور
سے نوٹ کی رقم یا مال خریدا تو اگرچہ فقیر کا دین پر قبض نہیں ہوا مگر دین کے عوض پر قبض ہو چکا ہے۔وللعوض
حکم المعوض لہٰذا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔اس پر اشکال ہو سکتا ہے۔کہ فقیر نے دین علے الحکومت کے عوض
میں اگر کچھ خریدا ہے تو یہ تصرف تملیک الدین من غیر من علیه الدین بالعوض ہونے کی وجہ سے صحیح نہ ہوگا۔اس کا
جواب یہ ہے کہ بیع وشراء بعوض الدین علے الحکومۃ نہیں ہوئی۔بلکہ عوض تو مکلف ہوتا ہے۔مگر بعد میں نوٹ دے
کر ثمن کا حوالہ حکومت پر کر دیا جاتا ہے۔پس نوٹ سے خریدا ہوا مال اگرچہ ابتداءً تو دین کا عوض نہیں مگر انتہاءً
عوض دین ہونے کی وجہ سے اس کو للعوض حکم المعوض کے جگہ میں داخل کیا جا سکتا ہے اور اگر فقیر نے یہ نوٹ کسی کو
ھبہ یا اجرت یا ادائے دین کے طور پر دیا۔تو اس نے دین زکوٰۃ حکومت سے خود وصول کرنے کے بجائے
دوسرے کے حوالے کر کے اسے مسلط علی القبض کر دیا ہے۔پس اگر اس دوسرے شخص نے حکومت سے دین
وصول کیا تو گویا فقیر کی طرف سے وکالۃً اس پر قبض کیا بعدہ اپنے لیے قبض کیا قال فی الشامیة والحیلة اذا
خاف ذلک (ای منع الفقیر علی اخذ الدین) ما فی الاشباه وھو ان یوکل المدیون خادم
الدائن بقبض الزکاة ثم بقضاء دینه فقبض الوکیل صار ملکا للموکل ولا یسلم المال
للوکیل الا فی غیبة المدیون لاحتمال ان یعزله عن وکالة قضاء دینه حال القبض قبل
الدفع رد المحتار ج ۲/ص ۱۳ وایضافی بیوع الشامیة (قوله لا یجوز عن غیره) ای لا
یجوز تملیک الدین من غیر من علیه الدین الا اذا سلطه علیه واستثنی فی الاشباه من
ذلک ثلث صور الاولی اذا سلطه علی قبضه فیکون وکیلا قابضا للموکل ثم لنفسه

لثانیہ الحوالۃ الثالثۃ الوصیۃ (رد المحتار. ج ۴/ص ۱۸۵) اور اگر حکومت سے نوٹ نہیں بھنوایا
بلکہ کسی اور سے بھنوایا کچھ خریدا تو بقاعدہ للعوض حکم المعوض اس صورت میں بھی زکوٰۃ ادا ہوجائے
گی۔ کمامر۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اثمان دو قسم پر ہیں۔ ایک وہ جو خلقۃً ثمن ہوں جیسے کہ سونا چاندی۔ دوسرا وہ جو ثمن
اصطلاحاً ہو جیسا کہ فلوس' دراھم عدالی دراھم غطارفۃ وغیرہ یعنی وہ غالب الغش دراہم جن میں چاندی اتنی قلیل
مقدار میں شامل کی گئی ہو جو قلت کی وجہ سے کھوٹ سے علیحدہ نہ ہوسکے۔ آجکل کا پاکستانی روپیہ جس دھات کا بنا
ہے۔ وہ بھی اسی قسم کا ثمن ہے۔ جس میں چاندی اتنی قلیل مقدار میں شامل کی گئی ہے۔ جو کھوٹ سے علیحدہ نہیں
کی جاسکتی۔ اس لیے اس روپیہ میں موجود چاندی کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں اور بناء بر مذہب سلف و فتویٰ مشائخ
ماوراء النہر اس میں تفاضل جائز نہیں ہے۔ اگرچہ چاندی کالعدم ہونے کی وجہ سے یہ فلوس فی الواقع کہلا سکے ہیں
اور فلوس باعیا نہا میں تفاضل عند الامام جائز ہے۔ لیکن چونکہ ہمارے ہاں یہ روپیہ ہی ان اموال میں
سے ہے۔ فلوس جیسے حقیر مال نہیں ہے۔ اس لیے اس میں تفاضل کو مشائخ نے ربوا ہی قرار دیا ہے۔ باقی نوٹ بھی
ثمن اصطلاحی ہی ہے۔ ثمن ہونے کے لیے کسی دھات سے ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ وہ کاغذ چمڑے' پلاسٹک'
وغیرہ چیزوں کا بھی بن سکتا ہے۔ نوٹ کے ساتھ تمام معاملہ قانوناً و عرفاً روپیہ کا کیا جاسکتا ہے۔ کوئی تفاوت بیع
وشراء اور دیگر معاملات میں ان کے مابین قانوناً و عرفاً نہیں ہے۔

باقی یہ اشکال کہ نوٹ پر یہ الفاظ تحریر ہیں۔ ''کہ حامل ہذا کو عند الطلب جس دار الاجراء سے وہ چاہے مبلغ
... روپے ادا کرونگا'' اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ قانون کی نگاہ میں مال نہیں ہے۔ بلکہ یہ رسید و حوالہ ہے۔ تو
اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ الفاظ تو ایک روپیہ کے نوٹ پر تحریر نہیں ہیں۔ تو کیا ایک روپے کے نوٹ میں اور پانچ
روپے کے نوٹ میں شرعاً کوئی فرق ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ قانوناً ایک روپے کے نوٹ کے حامل کو بھی بنک ایک
روپیہ ادا کرتا ہے۔ اسی طرح یہ وعدہ تو روپیہ نقد دھاتی کے متعلق بھی ہے۔ حامل ھذا کو بھی بنک بصورت کھوٹا
ہونے پر نیز ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی صورت میں مبلغ ایک روپیہ ادا کرتا ہے۔ جیسا کہ ماھرین اس فن سے معلوم
ہوا ہے۔ باقی یہ اشکال کہ ایک روپیہ دھاتی کے بالکل ضائع ہوجانے کی صورت میں تو بنک ایک روپیہ ادا نہیں
کرتا۔ اور نوٹ کے بالکل ضائع ہونے مثلاً جل جانے کی صورت میں بشرطیکہ نمبر وغیرہ اس کا معلوم ہو بنک اس

کی قیمت ادا کرتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ روپیہ دھاتی مال ہے۔ اور نوٹ مال نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہوسکتا
ہے۔ کہ پہلے تو دھاتی روپیہ کی یہ قسم ھلاکت جو بالکل فانی ہوجائے۔ ایک امر نادر ہے والنادر کالمعدوم برخلاف
کاغذ کے کہ اس کی ھلاکت کی صورتیں نادر نہیں ہیں۔ دوسرے یہ چونکہ دھاتی روپیہ پر نمبر تحریر نہیں ہوتا ہے۔ اس
لیے اس کا ثبوت فراھم کرنا بڑا مشکل امر ہے۔ برخلاف نوٹ کے چونکہ اس پر نمبر تحریر ہوتا ہے۔ اس لیے اس نمبر
پر اس کی ہلاکت کے دعویٰ کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا نوٹ و دھاتی روپیہ میں یہ تفاوت عدم مال و مال ہونے پر
مبنی نہیں ہے۔ بہرحال ثابت ہوا کہ پاکستان میں موجودہ نوٹ اور دھاتی روپیہ کا شرعاً کوئی فرق نہیں ہے۔ باقی
یہ اعتراض کہ ہمارے علماء دیوبند تو نوٹ کو حوالہ کہتے چلے آئے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ پہلے تو ان اکابر
علماء میں اس مسئلہ پر اتفاق نہیں ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی اس رائے سے اختلاف رکھتے ہیں۔
اور وہ نوٹ کو مال قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ فتاویٰ عبدالحی میں مذکور ہے فلینظر ثمہ دوسرے یہ کہ اکابر کے
زمانے میں دھاتی روپیہ چاندی کا ہوا کرتا تھا۔ یا کم از کم چاندی اس مقدار میں اس کے اندر شامل ہوا کرتی تھی۔
جسے کالعدم شرعاً قرار نہیں دیا جاتا۔ اس لیے ان میں تفاوت کا قول کیا گیا۔ پاکستانی دھاتی روپیہ میں چونکہ چاندی
کالعدم ہے۔ اس لیے دھاتی اور نوٹ میں کوئی فرق نہ ہوگا اور جب ان میں فرق نہ ہو تو فلوس اور دھاتی روپیہ کو تو
تمام حضرات علماء سلف و خلف مال قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا لامحالہ نوٹ بھی مال ہی شمار ہوگا۔ ویسے اگر مطالبہ پر پانچ
روپے کی ادائیگی کا وعدہ پانچ روپے کے نوٹ کے حامل کے لیے ہے۔ اسی طرح یہ وعدہ دھاتی روپے کے حامل
کے لیے بھی ہے۔

آخری اشکال یہ ہوتا ہے کہ اگر دھاتی اور نوٹ کو مال قرار دیا جائے۔ تو اس کے ٹوٹ جانے اور پھٹ
جانے کی صورت میں بینک کیونکر سالم دھاتی اور سالم نوٹ یا دھاتی ادا کرتا ہے۔ تو اگر یہ مال ہوا کرتے تو
حکومت یا بینک اس کے عوض صحیح سالم روپے کیوں ادا کرتی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ دھاتی بھی اور نوٹ بھی ہر دونوں
مال نہیں بلکہ حوالہ ہیں اور یہ اشکال ہر دو فریقین پر وارد ہوسکتا ہے۔ اس کا حل یہ ہے۔ کہ حکومت کی طرف سے
اس ادائیگی کو عوض و ضمان شمار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اسے صلہ بمد ابتدائی تعاون صاحب خسارہ شمار کیا جائے گا۔
اور اگر اس کو عوض بھی شمار کیا جائے۔ تب تو اس بنا پر ہمارے ملک میں کوئی بھی ثمن مال نہ ہوگا۔ نہ فلوس نہ دھاتی
اور نہ نوٹ۔ حالانکہ یہ قول بڑا بعید ہے۔ اور اگر ان تمام باتوں سے صرف نظر بھی کی جائے تب بھی نوٹ کو مال
شمار کرنا شرعاً ضروری ہوگا۔ بچند وجوہ (۱) ان اشکالات سے بچنا جو نوٹ کو سند مال قرار دینے کی صورت میں زکاۃ
ربوا صرف وغیرہ معاملات میں پیش آئے ہیں جیسا کہ ماہرین فن فقہ پر واضح ہے۔ نوٹ کو مال قرار دیے بغیر بڑا

مشکل ہے۔ اور تکلیف مالا یطاق یا تکلیف ما یتعسر ہے جو شرعاً مدفوع ہے۔ (۲) شریعت کے مسائل کا مدار فلسفی تدقیقات پر نہیں ہے۔ بلکہ ظاہری اور سطحی نظر پر ہے۔ جیسا کہ اہل فن پر واضح ہے۔ چونکہ عوام بلکہ خواص نوٹوں کے ساتھ مال والا معاملہ کرتے ہیں۔ کسی کا گمان تک اس کے سند ہونے کی طرف نہیں جاتا۔ اس لیے مال ہی قرار دیا جائے گا۔

قال ابن عابدین فی رد المحتار نقلا عن الفتح. ج ۴/ص ۲۶۵ (کتاب الصرف) اما اذا كانت بحيث لا تتخلص لقلتهابل تحترق لا عبرة بها اصلابل تكون كالمموهة لا تعتبر لا تراعى فيها شرائط الصرف وانما هو كاللون وقد كان فى اوائل سبعمأة فى فضة مشق قريب من ذلك قال المصنف اى صاحب الهداية و مشائخنا يعنى مشائخ ماوراء نهر من بخارى و سمرقند لم يفتوا بجواز ذلك اى بيعها بجنسها متفاضلا فى العدالى العظارفة مع ان الغش فيها اكثر من الفضة لانها اغر الاموال فى ديارنا فلو ابيح التفاضل ها ينفتح باب الربا الصريح فان الناس حينئذ يعتادون فى الاموال النفيسة فيتدرجون ك فى النقود الخالصة فمنع حسما لمادة الفساد اه وفى البزازية والصواب انه لا تى بالجواز فى العظارفة لانها انمر الاموال وعليه صاحب الهداية والفضلى . وقال عابدين. ج ۲ ص ۳۵ مطبوعه (فرع) فى الشر نبلالية الفلوس أن كانت اثما نا رائجة او لعا للتجارة تجب الزكاة فى قيمتها والا فلا اه. هذا ما عندى و لعل عند غيرى احسن هذا. ولعل الله يحدث بعد ذلك امرا . فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۹ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

نوٹ کو وثیقۂ دین قرار دینے میں بہت اشکال تھے۔ بیع سلم میں ثمن کا مجلس عقد میں قبض کرنا ضروری ہے۔ میں قبض ثمن کا فقدان نیز بیع صرف کا نوٹ کے ذریعہ سے جائز نہ ہونا یداً بید کا فقدان اور پھر اس کے جواز لیے حیلے تلاش کرنا۔ اور کسی حیلے کا مطمئن نہ کرنا۔ نیز ادائے دین میں نوٹ کا ادا کرنا اور اس کو محض حوالہ کہلانا ں بھی اشکالات مثلاً کسی کو دین کے بدل میں نوٹ دیا۔ وہ اس کو کسی کام میں نہ لایا اور ضائع ہو گیا۔ اب اس پہنچتا ہے کہ عند التویٰ رجوع علے المحیل کرے۔ لیکن محیل پر رجوع کرنا اور اس سے دوبارہ وصول کرنا نہ تو کے لیے قابل تسلیم ہے اور نہ محتال کا یہ حق کوئی تسلیم کر سکتا ہے۔

دائے صدقات میں جہاں تملیک عین شرط ہو (بالخصوص زکوٰۃ میں) کافی سے زیادہ اشکال ہیں ان کو رفع

کرنے کے لیے طرح طرح کے حیلے تراشنا طبیعت کے بالکل خلاف تھا۔ نیز سب سے بڑی بات یہ تھی کہ نوٹوں کے مالک لکھ پتی پر وجوب اداء زکوٰۃ کس طرح ہوگا۔ نفس وجوب مسلم لیکن باجماع فقہاء وجوب اداء بعد قبض الدین ہی ہوگا۔ اب ایک شخص عمر بھر نوٹ ہی استعمال میں لاتا ہے۔ اثمان کو عمر بھر اس نے وصول نہیں کیا۔ اب سوائے اس مال کے جو مال تجارت کہلائے۔ بحیثیت نقود کے نہ تو عمر بھر اس پر زکوٰۃ کی ادا واجب ہوگی اور اس پر اس کی وصیت لازم ہے۔ لعدم وجوب الاداء اور نہ اس کے وارثوں پر اس کے وقت کا اداء زکوٰۃ واجب ہے۔ وہ وصول کر کے وصول الی النقد کی صورت میں صرف مستقبل میں اپنے دین وصول شدہ کی زکوٰۃ ادا کریں گے۔ مورث کے زمانہ کی زکوٰۃ ادائیگی ان پر واجب نہیں۔ تو اب کوئی شخص موجودہ زمانہ میں جب کہ نقود کے وصول کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ نقود کی زکوٰۃ کیونکر ادا کرے۔ جبکہ ادا کرنا واجب بھی نہ ہو۔

كما قال فى الشامية. ج ۲/ص ۳۹ مقتضى مامرّ من ان الدين القوى والمتوسط لا يجب اداء زكاته الا بعد القبض ان المورث لومات بعد سنين قبل قبضه لا يلزمه الايصاء باخراج زكاته عند قبضه لانه لم يجب عليه الاداء فى حياته ولا على الوارث ايضا لانه لم يملكه الابعد موت مورثه فابتداء حوله من وقت الموت. ان تمام قسم کے فقہی اشکالات سے طبیعت میں اختلاج تھا۔ جی چاہتا ہے۔ کہ نوٹ کے خود مال ہونے کو ترجیح ہو اور ہر طرح کے اشکالات کا خاتمہ ہو جاوے۔ لیکن اپنے اکابر بالخصوص فقیہ وقت مجتہد روزگار حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے مبارک کے مقابلہ میں ہمت نہیں ہوتی تھی۔ کہ کچھ سوچا جا سکے۔ میں نوٹ سے ادا زکوٰۃ کا فتویٰ تو نہیں دیتا تھا۔ لیکن اگر کوئی ادا کر چکا ہوتا اور بعد میں مسئلہ پوچھتا تو اسے صحیح مسئلہ بتلانے کے باوجود اعادہ زکوٰۃ کا حکم کبھی نہیں دیا۔ بلکہ یہ کہتا کہ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ادا ہو جائے گی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا۔ کہ اگر اکثر لوگوں کو نوٹ سے زکوٰۃ ادا نہ ہونے کا فتویٰ دیا جائے تو اس زمانہ میں یہ مسئلہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں مانع ہوگا۔ نقود کو تلاش کرنا یا زکوٰۃ کو جنس کی شکل میں ادا کرنا محال نہیں تو متعذر ضرور ہے۔ عام لوگ بالخصوص سرمایہ دار عوام سب نوٹ سے عملاً زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔ عموم بلویٰ کا تقاضہ بھی تھا کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دلائل کی قوت کے باوجود نوٹ سے ادائے زکوٰۃ کے جواز کا حکم لعموم البلویٰ دیا جاتا۔ دراصل حضرات اکابر کے عہد میں نوٹ کا استعمال قلیل تھا۔ اور نقود کا زیادہ اور نقود بھی چاندی کے تھے۔ لیکن اب جبکہ دھاتی نقود کا رواج بھی نوٹ کے مقابلہ میں اقل قلیل ہے اور چاندی کے نقود کا تو وجود ہی نہ رہا اور لوگ نوٹ کو بالکل کالنقد سمجھ کر دنیا بھر کے معاملات اس سے کرتے ہیں اور نوٹ کی ادائیگی کو عرف عام میں بالکل نقد کی ادائیگی سمجھتے ہیں۔ دوسری رائے کا تو نقود بھی نہیں ہو سکتا۔

اس لیے علماء کے سامنے یہ مسئلہ درپیش ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تمام اشکالات کو دور کرنے اور عرف عام کے عین مطابق اور عموم بلویٰ کے پیش نظر نوٹ کو عین مال قرار دیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۴ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ

قرضہ یا حج کے لیے جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندہ کا ارادہ حج کرنے کا ہے۔ بندہ کا سالہ سعودی عرب جدہ میں ملازم ہے۔ وہ یہاں پاکستان میں آ گیا ہے۔ اس نے مجھے کہا کہ میں اپنے ماتحت عملہ کو ٹیلیگراف کر دیتا ہوں۔ بندہ کے سامنے ٹیلیگراف جدہ کر دیا۔ میرے بہنوئی کے نام ویزہ روانہ کر دیں۔ بندہ کے سالے نے کہا ۔ اگر تیرا ویزہ آخری ہفتہ رمضان المبارک میں نہ آیا۔ تو میں آخری رمضان المبارک میں جدہ جاؤں گا اور میں خود جا کر تیرا ویزہ روانہ کر دوں گا۔ وہ شوال کے پہلے یا دوسرے ہفتے ہی آ جائے گا۔ اگر ان دونوں صورتوں میں ویزہ نہ آ سکا۔ تو بندہ ویزہ کے بغیر حج پر نہیں جائے گا۔ بندہ نے مبلغ اکیس صد ۲۱۰۰ روپیہ سالہ کو بطور قرضہ دیا ہوا ہے۔ س نے کہا۔ یہ رقم وہاں سعودی عرب دے دوں گا۔ اس رقم کے علاوہ مبلغ چار ہزار روپیہ نقد اور ہیں اور وہ زادراہ سفر حج کا ہے۔ اب جناب فرمائیں کہ ان دونوں رقومات کی زکوٰۃ معاف ہے یا دینی پڑے گی۔

﴿ج﴾

(۱) اکیس صد ۲۱۰۰ روپیہ جو آپ نے اپنے سالے کو بطور قرضہ کے دیا ہوا ہے۔ اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر ایک سال کے بعد یا دو تین برس کے بعد وصول ہو تو اگر اتنی مقدار میں وصول ہو جتنی پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو ان سب برسوں کی زکوٰۃ دینا واجب ہے اور اگر یکمشت نہ وصول ہو تو جب اس میں سے گیارہ تولہ چاندی کی ت وصول ہو تب اتنے کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔ اور گیارہ تولے چاندی کی قیمت بھی متفرق ہی ہو کر ملے تو ب بھی یہ مقدار پوری ہو جائے۔ اتنی مقدار کی زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ اور جب دیوے تو سب برس کی ں۔ (۲) مبلغ چار ہزار ۴۰۰۰ روپیہ نقد جو آپ نے بارادہ سفر حج جمع رکھے ہوئے ہیں۔ اگر ان پر ایک سال کا عرصہ ر چکا ہے۔ اور اپنی اصل ضرورتوں اور قرض سے بچے ہوئے ہیں تو بلاشبہ ان پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ واللہ لیٰ اعلم۔

حررہ محمد طاہر رحیمی استاذ القرآن والحدیث مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۸ رمضان ۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۹ رمضان ۱۳۹۵ھ

قرض کی جو رقم ۴ سال بعد مل جائے اس کی زکوٰۃ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے بکر کو مثلاً پانچ سو روپیہ رقم بطور قرض حسنہ کے دے دی۔ اور بکر نے یہ رقم چار سال کے بعد واپس کر دی تو کیا یہ درمیانی مدت چار سال کی زکوٰۃ لازماً دینی ہوگی۔ نیز اگر لازماً ادا کرنی ہوئی تو زکوٰۃ کون ادا کرے گا۔ کیا زید کے ذمہ میں ہے یا کہ بکر زکوٰۃ ادا کرے گا۔ حالانکہ زید نے اس مدت چار سالہ کے اندر اس رقم مذکورہ سے استفادہ کچھ بھی نہیں کیا۔ آیا پھر بھی زید کو زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں گذشتہ چار سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی زید کے ذمہ لازم ہے۔ **ولو كان الدين على مقر ملئ الخ. فوصل الى ملكه لزم زكوة مامضى (الدر المختار على هامش رد المحتار كتاب الزكاة ص ۱۰ ج ۲)** فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۶ محرم ۱۳۹۰ھ

جو قرض کہ ابھی وصول نہیں ہوا اس کی زکوٰۃ کا حکم؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں

(۱) کہ ایک شخص کا مختلف آدمیوں کے پاس قرضہ ہے۔ وہ انکار نہیں کرتے قرضہ کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اپنی غربت وافلاس یا کسی اور وجہ سے قرضہ ادا نہیں کرتے۔ کئی سال گذر جاتے ہیں۔ ان کو قرضہ ادا کرنے کا خیال بھی نہیں آتا۔ کیا ان رقوم پر زکوٰۃ دینی فرض ہے۔

﴿ج﴾

ان رقوم کی زکوٰۃ دینی فرض ہے۔

مسافر خانہ' ریسٹورنٹ سے وصول ہونے والے روپیہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی
لوگوں کے ذمہ جو ادھار ہے اس کی زکوٰۃ کا حکم
رشتہ دار کو زکوٰۃ دینے کا زیادہ ثواب ہے

﴿س﴾

محترم المقام حضرت مفتی صاحب زید مجدکم ۔ السلام علیکم ۔

ہمارا رہائشی ہوٹل ہے مسافر ٹھہرتے ہیں ہماری ذاتی چارپائیاں' بسترے' بجلی کے پنکھے اور دیگر فرنیچر کام میں
تا ہے کیا ان تمام چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہے ۔ (۲) کیا ان سب چیزوں کی قیمت لگا کر فیصد کے حساب سے
کوٰۃ نکال دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ۔ (۳) جو رقم ادھار میں ہے کیا اس کی زکوٰۃ واجب ہے ۔ اس کے اصلی
لک کے ذمہ ۔ (۴) زکوٰۃ کہاں کہاں دینا چاہیے افضل اور زیادہ ثواب کے مقامات کیا ہیں ۔ (۵) ہمارے ایک
یز جو کام سیکھ رہے ہیں کارخانہ میں ابھی تنخواہ وغیرہ کچھ نہیں ۔ ان کے بچے عدمِ روزگاری کی وجہ سے اپنے
دین کے یہاں پڑے ہیں اور بے چین ہیں مالی ذریعہ کچھ نہیں ہے ۔ بلکہ مقروض ہیں کیا ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی
ے؟

﴿ج﴾

نہیں ۔ جب ان چیزوں پر زکوٰۃ واجب نہیں تو قیمت لگانے کی کیا ضرورت ہے ۔ (۳) ہاں ۔ اگر وصول
نے کی کوئی امید ہو (۴) جس شہر میں مال ہیں اس میں صرف کی جائے لیکن زیادہ ثواب اس میں ہے کہ اپنے
اء کو دی جائے ۔ (۵) جائز ہے ۔ بلکہ افضل ہے ۔ واللہ اعلم

عبدالرحمٰن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

کیا مدرسہ کے کتب خانہ کے لیے حیلہ کرنا جائز ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت میں کہ مدارس عربیہ میں جو زکوٰۃ کی رقوم دی جاتی ہیں ۔ اگر منتظمین
کسی طالب علم کی تملیک کر کے اس رقم سے مدرسہ کے لیے کتب خریدیں یا مدرسہ کی کسی اور ضرورت پر خرچ
تو جائز ہے یا نہیں اور اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں نیز یہ بھی بیان فرمایا جاوے کہ کیا تملیک

کے بعد اس رقم سے صرف وہی کتابیں خریدنا جائز ہیں ۔ جن کو طلبہ مدرسہ میں پڑھتے ہیں یا ان سے کوئی تفسیر یا
حدیث یا فتاوٰی کی غرض ایسی کتب جو طلبہ کے پڑھنے کی نہ ہوں بلکہ مدرسین اس سے استفادہ کرتے ہوں بھی
خریدی جاسکتی ہیں ۔ اگر ایسا کیا گیا ہو تو زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں ۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

تملیک کرنے کے بعد وہ مالک جب اپنی مرضی سے مدرسہ فنڈ میں داخل کر دے تو اس کی مرضی اور اجازت
لے کر ضرورت میں صرف ہو سکتی ہے ۔ اگر وہ عام اجازت دے تو عام صرف ہوگی اگر خاص مد میں اجازت دے تو
اسی خاص مد میں صرف ہوگی ۔ زکوٰۃ تو اس کی تملیک کرتے وقت ہی ادا ہوگئی ۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

کیا مدرسین کی تنخواہوں کے لیے یا مسجد پر خرچنے کے لیے حیلہ تملیک کرنا جائز ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ علماء کرام تعلیم مدرسہ عربیہ کو جاری رکھنے کے لیے بسبب
بے اعتنائی اکثر عوام وخواص کے تعلیم قرآن وحدیث سے وگرویدگی وعظمت وجاہت سکول مڈل ایف اے وایم
اے تحصیل ملازمت ومعاش کے لیے زکوٰۃ وفطر وچرمِ قربانی کو کہیں طلباء مسافرین کی روٹی وپارچہ جات وکتابیں و
تیل وصابن ولحاف وغیرہ کے مصارف میں بلا کسی حیلہ کرنے کے صرف کرتے ہیں ۔ اور کہیں معلمین مدرسین کی
تنخواہ میں صحیح حیلہ کی رو سے جو کتب شرعیہ جس کی اجازۃ دیویں مصرف میں لاتے ہیں ۔ وہ حیلہ بھی اس لیے کہ بعض
عام وبعض خواص حکام وزمیندار بجز زکوٰۃ وفطر وقربانی کے اور خیراتیں کم کرتے ہیں اور جو مدارس میں دیتے ہیں
اکثر فرض واجب زکوٰۃ وغیرہ کا ہوتا ہے اور مدرسہ عربیہ کو کوئی اور آمدنی ہوتی نہیں ۔ اگر صدقات بھی نہ ہوویں تو
مدرسہ جاری نہیں رہتا ۔ تعلیم وتعلم قرآن وحدیث فقہ اصول وغیرہ کی نہ رہے گی یا بہت کم ہو جاوے گی ۔ اور تعلیم میں
نقصان آنا دین کا بڑا نقصان ہے ۔ اس مجبوری کے باعث صحیح شرعی حیلہ سے کام چلاتے ہیں ۔ پھر اگر کوئی زید عمرو
بکر مسجد بناوے یا مسجد مکمل ہے ۔ اس کی نقش ونگار کے لیے یا فرش مسجد کے لیے یا چونا وپختگی کے لیے لوگوں کی قربانی
کے چمڑے اس حیلہ کی رو سے مسجد یا نقش وفرش مسجد میں خرچ کرے شرعاً اجازت ہے یا نہیں ۔ یا نقش وزیب مسجد کے
لیے چندہ میں یہ مال آوے ۔ اس کا لینا اور صرف کرنا درست ہے یا نہ ۔ اور معلمین ومہتممین مدرسہ عربیہ کے بوجہ
ضرورت تعلیم وتعلم طلباء وعلماء کے حیلہ کرنا درست ہے یا نہ ۔ بینوا توجروا ۔ سائل محمد ہاشم عفا اللہ عنہ مدرسہ بہلی ۔

﴿ج﴾

حیلہ تملیک کر لینے کے بعد صدقہ، قیمت چرم قربانی وغیرہ تو متصدق کی طرف سے ہوگئیں اب اس کے بعد وہ فقیر جس کو وہ زکوٰۃ یا صدقہ ادا کیا گیا ہے۔ اس کی مرضی پر ہے۔ کہ وہ کون سی مد میں دینا چاہتا ہے۔ اس کا دینا ایسا نہیں ہے جس کے لیے شرعاً مصرف متعین ہو۔ لہٰذا وہ معلّمین کی تنخواہوں کی مد میں۔ مسجد کی تعمیر کی مد میں۔ نقش نگار کی مد میں۔ جس میں چاہے دے سکتا ہے۔ اور اس میں خرچ کر سکتا ہے۔ نیز وہ اگر مہتمم مدرسہ یا متولی مسجد کو عمومی اختیار دیتا ہے کہ آپ میری طرف سے جہاں چاہیں خرچ کر سکتے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

تملیک زکوٰۃ کے متعلق حضرت مفتی عبداللہ صاحب کے خدشات اور حضرت مفتی محمودؒ کا ازالہ

﴿س﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ زکوٰۃ وعشر کی فوری تملیک نہ کرنے میں شبہات وخدشات

نمبر ۱۔ اگر زکوٰۃ وعشر کی مالیات کو فوری طور سے تملیک کرایا جائے جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے۔ کہ کوئی مستحق قرضہ لیکر مدرسہ میں ایک رقم داخل کرے۔ پھر اس کو زکوٰۃ دی جائے اور وہ قرضہ ادا کرے۔ تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ وہ مسخر نہیں ہے۔ بلکہ صحیح معنی کے اندر مملک ہے۔ اور اس سے قرضہ وصول کرنے میں جبر بھی جائز ہے۔ اگر قرضہ فوری ادا نہ کرے تب بھی اس کا ذمہ مشغول بالدین ہے۔ ہر صورت میں ادا کریگا۔ دارالعلوم دیوبند سے لیکر تمام مدارس عربیہ میں یہی معمول ہے۔ اس صورت کو ترک کر کے نئی صورت جو اختیار کی گئی ہے۔ کہ طلبہ کو وظیفہ دیا جائے۔ پھر ان سے بطور فیس رہائش وبجلی وطعام سو روپیہ میں نوے واپس لیا جائے۔ اس میں یہ قباحت ہے نمبر ۱۔ اگر کوئی طالب علم مثلاً ایک ہفتہ غیر حاضر رہا۔ یا رخصت پر چلا گیا تو اس سے ایک ہفتہ کا خرچ نہیں لے سکتے۔ اس کا حساب رکھنا لازم ہوگا۔

نمبر ۲۔ جس شخص نے زکوٰۃ دی وہ اس وقت تک امانت رہیگی جب تک طلباء کرام کو وظائف میں نہ دی جائے اگر اس اثناء میں وہ شخص مر گیا تو امانت کے مستحق وارث ہوں گے۔ اور وہ رقم واجب الادا ہوگی اگر فوری تملیک ہو جائے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ مہتمم کا ذمہ بری ہوگیا۔ ورنہ مہتمم امین ہے۔

نمبر ۳۔ اگر زکوٰۃ مدرسہ میں کسی شخص کی جمع ہے۔ اور تملیک نہیں ہوئی۔ کیونکہ طلباء کو وظیفہ میں تقسیم کرنے کا نمبر ابھی تک نہیں آیا۔ اسی اثناء میں حولان حول ہوگیا۔ تو اس پر مزید زکوٰۃ کا وجوب گیا۔ یہ مزید زکوٰۃ کون ادا کرے گا۔ اگر فوری تملیک ہو جائے۔ تو یہ پریشانی لاحق نہیں ہوسکتی۔ وما علینا الا البلاغ۔

نیاز مند محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ یکم ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ المعروض اینکہ۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب مدظلہم کے اشکالات کے علاوہ مجھے خود اشکال تھا وہ یہ کہ کھانے کے عوض جو رقم وصول ہوگی۔ یہ بیع ہے اور تعلیم رہائش کی تمام سہولتوں بجلی لحاف وغیرہ وغیرہ کے عوض میں رقم لینا عقد اجارہ ہے اور بیع واجارہ دونوں کو ایک عقد میں جمع کرنا اور ایک دوسرے کے ساتھ مشروط کرنا جمع الصفقتین یا صفقۃ فی صفقۃ یا بیع فی اجارۃ یا اجارۃ فی بیع کی کوئی تعبیر بھی ہو۔ عقد فاسد ہے۔ اس لیے اس کو رفع کرنے کی تجویز یہ سوچی کہ کھانے کا کوئی عوض نہ لیا جائے اور کھانا انہیں مفت دیا جاوے۔ حتیٰ کہ عشر کی گندم کا وظیفہ بھی تملیک کی صورت میں ادا ہو جائے گا۔ معاوضہ صرف تعلیم اور جملہ سہولات ممکنہ مہیا کرنے کا بصورت عقد اجارہ وصول کیا جاوے رہا یہ اشکال کہ قبل از ادا اگر مزکی فوت ہو جائے تو زکوٰۃ واجب الادا ہوگی درست ہے۔ جہاں علم موت مزکی کا ہو جاوے۔ وہاں ہی تو ہم مکلف ہیں۔ یا وارثوں کی اجازت حاصل کی جائے یا رد کر دی جاوے۔ اور یہ تو حیلہ تملیک کے معروف طریقہ میں بھی ہوسکتا ہے۔

نیز حولان حول کا اشکال بھی ایک خدشہ سے زیادہ نہیں ہے۔ پہلے تو یہ رقم سال سے زیادہ دیر تک بچتی نہیں اور اگر بچے تو ہمیں اہل مدرسہ کو حولان حول اور جدید وجوب کا علم نہیں ہوتا۔ انسان علم کی حد تک مکلّف ہوتا ہے۔ لاعلمی میں اگر زکوٰۃ رہ جائے تو باوجود وجوب کے اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں فرماتے۔ اور پھر عام طور پر مدارس میں بھی یہ اشکال ہوسکتا ہے۔ فوری طور پر تملیک وہاں بھی ضروری نہیں خیال کی جاتی۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ ۳ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ

وکیل اگر زکوٰۃ بے جا صرف کرے تو موکّل کے لیے رقم کا ذمہ دار ہوگا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے زکوٰۃ کی رقم عمر کے حوالہ کر دی کہ تم مناسب جگہ صرف کر دو ایک مسجد کے امام نے جو مدرس اعلیٰ ایک مدرسہ کا بھی ہے۔ عمر سے آکر درخواست کی کہ ہمارے مدرسہ کو کچھ کتابیں چاہئیں۔ عمر نے وہ زکوٰۃ کی رقم اس کے حوالے کر دی۔ کیا امام مسجد یا مدرس اعلیٰ ان کتابوں کو اپنی ملکیت بنا سکتا ہے۔ ادھر اس مدرس وامام مسجد کی کتابیں اپنی ملکیت بنانے پر عمر کو یہ کتابیں واپس لینے کی اجازۃ شریعت دیتی ہے اور عمر کو اس زکوٰۃ کی رقم سے خریدی ہوئی کتابیں واپس نہ ملنے کی صورت میں اتنی رقم زکوٰۃ کی ادا کرنی ہوگی جبکہ امام مسجد جس کو کتابوں کے لیے رقم دی گئی اس زکوٰۃ لینے کا مستحق نہیں ہے۔

فقط سائل محمد اکرام

﴿ج﴾

خود امام مذکور کو چونکہ کتابیں تملیک نہیں کی گئیں اس لیے اس پر لازم ہے کہ کتابوں کو مدرسہ میں داخل کرے۔ اس پر ملک کے دیگر اوقاف کے مطابق حکم نافذ ہوگا۔ عمر کو واپس نہ کرے۔ عمر نے چونکہ صحیح مصرف پر وہ رقم خرچ نہ کی۔ مدرسہ میں کتب داخل کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے اور کتب کو مدرسہ میں وقف کرنے سے تملیک نہیں ہوتی۔ اس لیے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور چونکہ عمر صحیح مصرف پر خرچ کرنے کا ذمہ دار تھا۔ اس لیے کتب تو اس کی جانب سے وقف ہوئیں اور وہ زید کی رقم زکوٰۃ کا ضامن ہوگیا۔ اس پر لازم ہے کہ اتنی رقم زید کو واپس کردے اور زید پر واجب ہے کہ وہ زکوٰۃ صحیح طریقہ پر ادا کردے۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ نکالنے کے لیے سونے کی کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟

قرض رقم ملنے کے بعد اگر یکمشت زکوٰۃ ادا نہ ہوسکے تو کیا کیا جائے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ مجھ پر تقریباً تین سال بیشتر زکوٰۃ واجب تھی مگر بوجہ مجبوریوں کے زکوٰۃ وقت کے مطابق ادا نہ کرسکا۔ جس وقت زکوٰۃ واجب تھی۔ اس وقت سونے کا ریٹ تقریباً ۱۱۵ روپیہ فی تولہ تھا۔ مگر آج تقریباً ۱۳۵ روپیہ فی تولہ ہے یہ بھاؤ ہر سال زیادہ ہوتا گیا ہے بموجب احکام شریعت مجھ پر کس وقت کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۲) فرض کرو کہ مجھ پر کل زکوٰۃ ایک صد ۱۰۰ روپیہ واجب تھی۔ مگر بموجب وقت میرے پاس پورے پیسے نہیں ہیں۔ بقایا رقم سے انکار نہیں جیسے جیسے آتے گئے دیتا جاؤں گا۔ اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے۔

عبدالرشید ولد حاجی عبدالقادر گلی امام دین بیرون لوہاری گیٹ ملتان

﴿ج﴾

(۱) بھاؤ کا اعتبار نہیں جس وقت زکوٰۃ دینے لگا تو جملہ مال کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ کی نیت سے دے گا یا اس کی قیمت چاہے قیمت گذشتہ کی نسبت کم پڑتی ہو یا زیادہ۔ ادا کرنے کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

(۲) یکمشت دینا چاہیے لیکن اگر یکمشت نہ بھی دیا تب بھی جب اپنے تمام زکوٰۃ کسی وقت ادا کردی اس کا ذمہ فارغ ہوجائے گا۔ واللہ اعلم۔

عبدالرحمن نائب مفتی

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

جس رقم پر سال گذر جائے اور نصاب سے کم نہ ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی؟

﴿س﴾

ایک شخص کے پاس مبلغ تین صد روپیہ نقد جس کو سال ختم ہوچکا ہے اس شخص کے گھریلو اخراجات کے لیے گندم خریدنے کا مکمل ارادہ ہے لیکن ابھی تک خرچ نہیں کی کیونکہ ابھی ایام باقی ہیں کیا اس رقم کی اس پر زکوٰۃ ادا کرنی واجب ہے۔ سال ختم ہوچکا اور گندم خریدنے کا بھی مصمم ارادہ ہے مبلغات گندم خریدنے کے لیے رکھے ہوئے ہیں۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

چونکہ سال گذر چکا زکوٰۃ واجب الذمہ ہوگئی لہٰذا گذشتہ سال کی زکوٰۃ ادا کرے۔ فقط

علی محمد مدرس مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

مختلف قسم کے جانور ہیں لیکن کسی ایک جنس کا نصاب مکمل نہیں تو کیا کیا جائے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بہت سی زمینیں ہیں جن کی قیمت ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ لیکن وہ سال کے گزارے جتنا غلہ پیدا نہیں کرسکتیں۔ نیز اس کی بکریاں اونٹ بیل بھی ہیں جن میں نصاب کامل نہیں۔ یعنی شمار کے لحاظ سے ہر ایک مقرر کردہ شرعی حساب سے کم ہیں۔ یعنی بکری وغیرہ چالیس سے کم ہیں اور بیل تیس سے کم ہیں۔ اور اونٹ پانچ سے کم ہیں۔ ان تمام مال میں نر مادہ موجود ہیں۔ مگر اموال مذکورہ بغرض تجارت نہیں۔ بلکہ بغرض شیر نوشی و توالد و تناسل اور برآمدگی کھاد کے ہیں۔ یعنی ان کی مینگنی وغیرہ زمین میں ڈالی جاتی ہے۔ بغیر کھاد ڈالنے کے وہ زمین کوئی پیداوار نہیں دیتی اور خصوصاً کچھ بیل اور اونٹ باربرداری کے لیے ہیں۔ بقایا مال ربل (کھاد)، و شیر نوشی کے لیے ہیں۔ نیز مذکورہ اموال کے گھی و دودھ بیچ کر حوائج ضروریہ پورے کیے جاتے ہیں۔ اگر منافع وغیرہ سے ضروریات پوری نہ ہوں تو مال کو بیچ کے ضرورت پوری کی جاتی ہے۔ اگر مذکورہ اموال کی قیمت لگائی جائے تو ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ لیکن زید کا گزارہ معاش ان کے منافع سے بصد مشکل ہو رہا ہے۔ اس کے تمام حوائج ضروریہ صحیح طور پر ان کے اموال کے منافع سے پوری نہیں ہوتیں اور وہ کسی سے سوال بھی نہیں کرتا۔ کیا شرعاً یہ اراضی و مال وغیرہ حوائج اصلیہ میں داخل ہیں یا نہ اور زید کے لیے اخذ صدقات جائز ہے یا نہ اور اس پر صدقہ فطر و قربانی واجب ہے یا نہ یعنی زید مصرف زکوٰۃ ہے یا نہ اگر اموال مذکورہ کی قیمت لگا کر زید کو قیمت کے لحاظ سے غنی تصور کیا جاوے تو کیا یہ حکم شرعاً جائز ہے یا نہ۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں جب زید کے پاس کوئی نصاب کامل موجود نہیں اور جو مختلف قسم کے اموال اس کے پاس موجود ہیں۔ان سے اس کی ضروریات بمشکل پوری ہوتی ہیں۔ بلکہ اس کے حوائج ضروریہ صحیح طور پر ان اموال کے منافع سے پورے نہیں ہوتے۔تو یہ اموال اس کے حوائج اصلیہ میں داخل ہیں۔حوائج اصلیہ سے فارغ نہیں کہ ان کے جمع کرنے پر نصاب کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہو لہٰذا زید پر زکوٰۃ واجب نہیں اور جبکہ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے نصاب فارغ عن حوائجہ الاصلیہ شرعاً ہونا ضروری ہے۔لہٰذا صدقہ فطر اور قربانی اس پر واجب نہیں اور اس صورت میں زید غنی نہیں ہوگا۔لہٰذا وہ صدقہ فطر و زکوٰۃ وغیرہ لے سکتا ہے۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۳ جمادی الاخری ۱۳۸۶ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ

سونا، چاندی، اور نوٹ کی زکوٰۃ کا بیان

نوٹ زکوٰۃ میں دینے سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت مسئلہ میں کہ زکوٰۃ ادا کرے۔موجودہ نوٹ یک روپیہ سے لے کر یک صد تک حکومت کے جاری ہیں مثل نقود کے چل رہے ہیں بلکہ نوٹ مجریہ وصول کرنے میں جو شق ہوتے ہیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔اگر نہیں ہوتی تو وجہ بحوالہ قرآن و حدیث و کتب فقہ سے نوازش فرما کر مطمئن فرمایا جائے۔قبل ازیں جو نوٹوں کے ذریعے زکوٰۃ ادا کر چکے ہیں ان کا کیا حکم ہے۔نیز کیا اس میں اختلاف ہے بینوا توجروا

الراقم اللہ بخش طالب علم معرفت قاضی صاحب تحصیل و ضلع ملتان

﴿ج﴾

نوٹ چونکہ خود مال نہیں ہے بلکہ رسید ہے ان روپوں کی جو صاحب نوٹ کا بذمہ خزانہ سرکار قرضہ ہیں چنانچہ نوٹ کی پشت پر یہ بات مصرح ہوتی ہے عام کاروبار میں بصورت عقد حوالہ کے چلتے ہیں آپ نے اگر بازار سے کپڑا خریدا تو کپڑے والے کے جتنے روپے آپ کے ذمہ ہوئے آپ نے اس کو رسید قرضہ بذمہ سرکار یعنی نوٹ دیکر اس کو سرکار کے خزانہ پر حوالہ کر دیا اب زکوٰۃ کی ادائیگی میں چونکہ مال کا دینا ضروری ہے۔حوالہ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اس لیے نوٹ کے ادا کرنے سے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی لیکن اگر اس شخص مستحق زکوٰۃ نے آپ کے

نوٹ سے کوئی مال مثلاً گندم وغیرہ خرید کی دوسرے کے حوالہ کیے تو گویا تمھاری طرف سے وکیل بالشراء بن کر وہ گندم کپڑا تمھارے لیے خریدتا ہے اور پھر وہ چونکہ مال ہے اس نے قبضہ کرنے کے بعد اس لیے مملوک مال کو زکوٰۃ میں قبض کیا اور آپ نے اس کو نوٹ دیکر شراء مال اور قبض مال پر مسلط کر دیا تھا۔اس لیے آپ کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔اور اگر اس سے وہ نوٹ گم ہو گیا یا اس نے اس کے بدلہ میں مال نہیں خریدا بلکہ کرایہ مکان یا کرایہ گاڑی وغیرہ میں ادا کیا تو آپ کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی یہ بات اصول شرع کے موافق ہے۔اس لیے کہ زکوٰۃ میں مال ہی ادا ہوتا ہے۔**خذ من اموالهم صدقة الاية وقال النبی صلی الله علیه وسلم ان الله افترض علیهم صدقة توخذ عن اغنیائهم و ترد فی فقرائهم.** قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ زکوٰۃ میں مال ہی لیا جاتا ہے تو نوٹ بوجہ غیر مال ہونے جو فقط رسید مال ہے اس قابل نہیں کہ اس سے زکوٰۃ ادا ہو۔واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ

سونا چاندی کی زکوٰۃ سالہائے گزشتہ کی کس طرح ادا کی جائے؟

﴿س﴾

مکرمی و معظمی جناب مفتی صاحب مدرسہ عربیہ اسلامیہ قاسم العلوم کچہری روڈ ملتان شہر۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک شخص کے پاس پچاسی تولے چاندی اور سترہ تولے ایک ماشہ چار رتی سونا موجود ہے۔لیکن ۱۹۶۰ء میں اس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی اس عرصے میں جو قیمت ان اشیاء کی رہی۔وہ بھی معلوم نہیں ہے، بازار سے قیمت پوچھی گئی جو کہ اوسطاً ۱۶ روپے دو تولہ چاندی اور سونا ۸۵ روپے تولہ برائے پہلے چھ سال (۱۹۴۵تا۱۹۴۰) (۱۹۴۶تا۱۹۴۹) ۱۰۰ روپے تولہ اور ۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۲ء ۹۰ روپے تولہ بتلائی گئی ہے لہٰذا مسئلہ درپیش یہ ہے کہ اگر ۱۹۴۰ء سے تا حال زکوٰۃ لگے گی تو کس حساب سے اور کتنی مکمل وضاحت سے سرفراز فرمائیں یہ اشیاء بصورت زیورات ہیں جو کہ استعمال کر رہے ہیں۔والسلام

احقر العباد ا۔ع۔ح حضرت مدنی کتب خانہ کچہری روڈ ملتان شہر ۱۹۵۲/۸/۴

﴿ج﴾

ہر سال کا اوپر کے حساب کے مطابق زر زکوٰۃ کا چالیسواں کاٹ کر زکوٰۃ کے حساب سے رکھ لیں اور پھر باقی کا اگلے سال کے حساب زکوٰۃ میں درج کر لیں۔پھر اس سے جو باقی رہ جاوے۔اس کا ۱/۴۰ آئندہ سال کے

ٰوۃ میں علے ہذا القیاس کاٹتے جاویں جتنی رقم مجموعہ سالوں کی زکوٰۃ کی جمع ہو جاوے۔ اس کو آج ادا کر لیں لیکن
ضح رہے کہ نوٹ کے ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی احتیاط ضروری ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے کوئی اور جنس مثلاً کپڑا
برہ خرید کر مساکین کو دیا جاوے اس میں کوئی شبہ ادائے زکوٰۃ میں نہ ہوگا۔ حساب خود کر لیں۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۷۱ھ

کیا ساڑھے تین تولے سونا سے سال کے بعد زکوٰۃ نکالی جائے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ (۱) ایک شخص زید کے پاس ساڑھے تین تولے سونا موجود ہے اور
ا پر ایک سال بھی گذر چکا ہے۔ اور اس کے پاس نقد رقم بھی موجود نہیں ہے جس پر ایک سال گذرا ہو۔ کیا ایسے
ں پر سونے کی زکوٰۃ نکالنا لازم ہے۔ (۲) سونے اور چاندی کی زکوٰت نکالنے کے لیے کتنا نصاب ہونا ضروری
؟

﴿ج﴾

(۱) اگر زید کے پاس ساڑھے تین تولے سونے کے علاوہ چاندی یا نقدی بالکل نہیں ہے۔ تو اس پر زکوٰۃ
ب نہیں۔ کیونکہ سونے کا نصاب ۷ ۱/۲ تولے سونا ہے۔ اگر ۳ ۱/۲ تولے سونے کے علاوہ ان کے پاس نقد یا کسی
ار میں چاندی موجود ہے تو پھر سونا چاندی دونوں کی قیمت لگائی جائے گی۔ اگر دونوں کی مجموعی قیمت یا سونے
قیمت اور نقد کو ملا کر مجموعی قیمت ۵۲ ۱/۲ تولے چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔
سونے کا نصاب ۷ ۱/۲ اور چاندی کا نصاب ۵۲ ۱/۲ تولہ ہے۔ اگر دونوں موجود ہیں۔ اور نصاب کی مقدار سے کم
۔ تو پھر مجموعی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ جس کی تفصیل اوپر درج ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۸ جمادی الاولی ۱۴۰۰ھ

۱۰۰ تولے چاندی اور ۳ تولہ سونا کی زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ سونے کا نصاب کم ہے چاندی کا زیادہ۔ چاندی ۱۰۰ تولہ ہے اور
ں تولہ اب زکوٰۃ نکالنے کا کیا طریقہ ہے؟

﴿ج﴾

مذکورہ صورت میں سونے کا ضم کرنا طرف چاندی کے کیا جائے گا اور دونوں کی زکوٰۃ حساب کر کے دی جائے گی۔ واللہ اعلم

کیا ۵۲ ۱/۲ تولے چاندی اور ۷ ۱/۲ تولہ سونا سے کم چاندی یا سونا پر زکوٰۃ نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے اپنی زندگی میں سونا طلائی وزنی ۲۹ ۱/۲ تولہ بصورت زیورات اپنے تین پوتے اور سات پوتیوں میں اس طرح تقسیم کر دیا ہے کہ فی پوتی ۲ ۱/۴ تولہ اور پوتا ۲ ۱/۴ تولہ بعد فوتگی اب سونا اس شخص کی بہو کے پاس بطور امانت ہے۔ شادی غمی پر پوتیاں پہنتی بھی ہیں۔ نابالغہ ہیں۔ اور دیگر جائیداد نہیں ہے۔ کیا ان تقسیم شدہ زیورات پر زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ اس کی مکمل تشریح فرما کر مشکور فرمادیں۔

﴿ج﴾

واضح رہے۔ کہ نصاب چاندی کا ساڑھے باون تولے یا اس کی قیمت ہے اور نصاب سونے کا ساڑھے سات تولہ ہے۔ اگر زیور دونوں طرح کا ہو تو سونے کی قیمت کر کے چاندی کی قیمت میں شامل کرنا ضروری ہے۔ یعنی اگر دونوں کی مجموعی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو نصاب شمار ہوگا۔ اور زکوٰۃ واجب ہوگی۔ پس صورت مسئولہ میں اگر ان پوتوں اور پوتیوں کے پاس اس سونے کے علاوہ اور کوئی چاندی یا نقدی نہ ہو تو وہ صاحب نصاب نہیں اور زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اور اگر سونے کے علاوہ چاندی یا نقدی بھی ان کی ملکیت ہے۔ تو پھر اگر مجموعی قیمت ۵۲ ۱/۲ تولہ چاندی کے برابر ہو تو زکوٰۃ ادا کی جائے۔ نیز واضح رہے کہ نابالغ شرعی کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

اگر عورت کے پاس سونا چاندی اور نقدی ہو تو زکوٰۃ کس طرح ادا کرے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کے پاس ساڑھے سات تولے سونا ہے۔

ر چھبیس تولہ چاندی ہے۔ اور پانچ سو روپیہ مہر کا خاوند پر قرضہ واجب ہے۔ تو اس صورت میں عورت کس طرح وٰۃ ادا کرے اور کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی جو مہر کا روپیہ خاوند پر قرضہ ہے۔ اس میں بھی شرعاً زکوٰۃ واجب ہے یا ں۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں چونکہ سونے کا نصاب پورا ہے اور چاندی نصاب سے کم ہے۔ اس لیے چاندی کی قیمت نے کے ساتھ مل کر مجموعہ سونے کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ اس عورت پر واجب ہوگی۔ پانچ سو روپیہ مہر کا جو کہ خاوند رضہ ہے۔ وہ خاوند پر وجوب زکوٰۃ سے مانع نہیں۔ یعنی اگر خاوند کے پاس نصاب جتنا مال ساڑھے باون تولے دی کی مالیت ضروریات اصلیہ سے فارغ مال تجارت سونا' چاندی وغیرہ موجود ہوں اس پر زکوٰۃ ہے وہ یہ نہیں گا کہ چونکہ میرے اوپر عورت کے مہر کا قرضہ ہے۔ نصاب تو اس میں منہا ہو جائے گا لہٰذا میرے اوپر زکوٰۃ نہیں ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ عربیہ قاسم العلوم ملتان شہر

عورت کو اگر مہر میں بقدر نصاب سونا دیا جائے تو زکوٰۃ عورت پر ہی واجب ہوگی؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مثلاً بکر ہے۔ اس نے شادی کی ہے۔ مہر میں دس ۱۰ تولہ سونا دیتا سونا جو ہے۔ وہ عورت کے پاس ہے۔ عورت کبھی خاوند کے گھر آ جاتی ہے۔ کبھی والدین کے ہاں رہتی ہے۔ باہر پڑھتا ہے۔ حولان حول کے بعد اس سونے پر جو زکوٰۃ آوے گی وہ کون ادا کرے گا۔ اگر عورت پر آئی ہے تو ت کہاں سے ادا کرے اس کے پاس کوئی آمدنی وغیرہ نہیں ہے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں سونا چونکہ عورت کی ملکیت ہے۔ اس لیے زکوٰۃ کی ادائیگی بھی عورت کے ذمہ ہے۔ تو جنس سے ادا کرے۔ اور اس وقت وزن کا اعتبار ہوگا۔ قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا یا سونے کا کچھ حصہ بیچ کر کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرے۔ بہرحال زکوٰۃ کی ادائیگی عورت کے ذمہ واجب ہے۔ لما روی الترمذی مر وابن شعيب عن ابيه عن جده ان امرأة اتت رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي ما سواران من ذهب فقال لهما تؤديان زكوته قالتالا فقال لهما رسول الله صلى الله عليه

وسلم اتحبان ان يسور كما الله بسوارين من نار قالتا لا قال فاديا زكوته . وفي الطحاوي ص ۲۱ وصح دفع عرض ومكيل و موزون عن زكوة النقدين بالقيمة وان ادى عن عين النقدين فالمعتبر وزنهما اداء كما اعتبر وجوبا الخ۔ واللہ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۸ھ

اگر کسی کے پاس سونا' چاندی دونوں کے زیورات ہوں تو زکوٰۃ کی کیا صورت ہوگی؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زیورات میں زکوٰۃ ہے یا نہیں۔ زیورات چاندی کے بھی ہیں۔ اور سونے کے بھی۔ اور سلائی والی مشین بھی ہے۔ اب زکوٰۃ ہے یا نہیں۔ حوالہ جات کتب سے مزین جواب عنایت فرمادیں۔

﴿ج﴾

بوجہ عموم قول اللہ تعالیٰ کے والذين يكنزون الذهب والفضة۔ سونے و چاندی کے زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے۔ ولما روى الترمذي عن عمر وابن شعيب عن ابيه عن جده ان امرأتين اتيا رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي ايديهما سواران من ذهب فقال لهما تؤديان زكوته قالتا لا فقال لهما رسول الله صلى الله عليه وسلم اتحبان ان يسور كما الله بسوارين من نار قالتا لا قال فاديا زكوته وغيرها من الاحاديث. هداية. ج ۱ /ص ۱۷۵ وفي تبر الذهب والفضة و حليهما واوانيهما الزكوة كذا في كتب الفقه. سلائی والی مشین اگر تجارت کے لیے نہیں ہے۔ تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ هدايه. ج ۲ /ص ۱۴۴ وليس في دور السكنى وثياب البدن واثاث المنزل ودواب الركوب و عبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكوة لانها مشغولة بالحاجة الاصلية وليست بنامية ايضاً الخ . فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

عورت کے زیورات اگر نصاب کو پہنچیں اور شوہر صاحب نصاب نہ ہو تو عورت پر زکوٰۃ لازم ہوگی

روزوں سے عاجز عورت کا فدیہ عورت کے ذمہ ہے یا شوہر کے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں (۱) ایک عورت جس کو اپنے والدین سے کچھ زیورات ملے اور کچھ
ں کے مرد نے اپنی طرف سے اس کو زیورات کا مالک بنا دیا۔ اب اس عورت کے پاس نصاب کی مقدار زیور
جود ہے اور اس کے علاوہ اس کے قبضہ میں کچھ نہیں۔ اور اس کے مرد کے پاس کچھ نصاب نہیں۔ کیا یہ عورت
لے زیورات پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں۔ اگر ہوگی تو عورت پر یا مرد پر۔

(۲) مذکورہ عورت کے ماہ رمضان کے روزے قضا ہیں اور اب ٹی بی کی مریضہ ہے تو اس عورت کے روزہ
متعلق کیا حکم ہے۔ کیا معاف ہیں۔ یا اس کا معاوضہ مرد (خاوند) پر ہے یا عورت پر ہے۔

﴿ج﴾

جس عورت کی ملک میں بقدر نصاب زیور موجود ہے۔ سال گزرنے پر اس عورت کے ذمہ زکوٰۃ کی ادائیگی
ب ہے۔ مرد پر عورت کے مالک نصاب ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہیں۔ رمضان کے روزوں کی قضا خود
ت کے ذمہ واجب ہے۔ اگر اب قضا کرنے کی توفیق ہو تو کردے۔ ورنہ صحت کا انتظار کرلے۔ اگر اسی مرض
وت کا خطرہ ہو تو کفارہ کی ادائیگی کے لیے وصیت کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۶ ذی قعدہ ۱۳۹۰ھ

عورت کے پاس سونا اگر نصاب کے بقدر ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے خواہ اس کے پاس دینے کے لیے روپے نہ ہوں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مثلاً بکر ہے۔ اس نے شادی کی ہے۔ مہر میں دس تولہ سونا دیتا ہے۔
د ہے۔ وہ عورت کے پاس ہے۔ عورت کبھی خاوند کے گھر آ جاتی ہے۔ کبھی والدین کے ہاں رہتی ہے۔ خاوند
ھتا ہے۔ حولان حول کے بعد اس سونے پر جو زکوٰۃ آ وے گی وہ کون ادا کرے گا۔ اگر عورت پر آتی ہے۔ تو
کہاں سے ادا کرے اس کے پاس کوئی آمدنی یا رقم وغیرہ نہیں ہے۔

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں سونا چونکہ عورت کی ملکیت ہے۔ اس لیے زکوٰۃ کی ادائیگی بھی عورت کے ذمہ ہے۔
چاہے توڑ کے ادا کرے۔ اور اس وقت وزن کا اعتبار ہوگا۔ قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ یا سونے کا کچھ حصہ بیچ کر
قیمت کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرے۔ بہرحال زکوٰۃ کی ادائیگی عورت کے ذمہ واجب ہے۔ کما روی
الترمذی عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان امرأتین اتتا رسول الله صلی الله علیه
وسلم وفی ایدیهما سواران من ذهب فقال لهما تؤدیان زکوته قالتالا فقال لهما رسول
الله صلی الله علیه وسلم اتحبان ان یسورکما الله بسوارین من نار قالتا لا قال فادیا
زکوته. وفی الطحطاوی ص ۲۱۰ وصح دفع عرض ومکیل و موذون عن زکوة النقدین
بالقیمة وان ادی عن عین النقدین فالمعتبر وزنهما اداء کما اعتبر وجوبا الخ. واللہ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶ جمادی الاخری ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶ جمادی الاخری ۱۳۸۸ھ

خاص موقعوں میں استعمال کیے جانے والے زیور کا حکم؟

﴿س﴾

(۴) ایک شخص کے پاس کچھ زیورات ہیں۔ اس کی بیوی خاص خاص موقعوں پر ان کو استعمال کر لیتی ہے۔ اس
کا خیال یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ زیورات میں اپنے فلاں لڑکے کو بوقت شادی دوں گی۔ کیا ان زیورات پر زکوٰۃ فرض ہے۔

﴿ج﴾

زیورات کی زکوٰۃ بہرحال مالک پر واجب ہوگی خواہ استعمال ہو یا نہ ہو خواہ کسی کو دینے کی نیت ہو یا نہ ہو۔

ادائیگی زکوٰۃ میں نرخ کا اعتبار کیا جائے یا وزن کا؟

﴿س﴾

(۵) ہر سال سونے چاندی کے نرخ بدلتے رہتے ہیں۔ کیا ہر سال ان کی مالیت کا اندازہ کیا جاوے؟

﴿ج﴾

سونے اور چاندی کا ۴۰/۱ حصہ زکوٰۃ میں دینا واجب ہوتا ہے۔ چاندی سونے کی قیمت زیادہ ہوتی رہے یا کم

سونے اور چاندی دونوں کے ہونے کی صورت میں زکوٰۃ کا حکم؟

﴿س﴾

(۲) اگر کسی شخص کے پاس سونا نصاب سے کم ہو۔ اور چاندی کے زیورات بھی ہوں۔ کیا ان دونوں کو ملا کر
ٰوۃ دینی فرض ہے۔ یا سونے کو چھوڑ کر صرف چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ دینی ہے۔

﴿ج﴾

ملانا ضروری ہے۔ اور سب کا ۴۰/۱ حصہ زکوٰۃ میں دینا ہوگا۔

عورت کو جو زیور والدین یا شوہر کی طرف سے دیے جائیں ان کی زکوٰۃ عورت پر ہوگی؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بیوی کے پاس زیور بقدر نصاب جو کہ حق مہر میں خاوند کی طرف سے
ہیں۔ اگر لڑکی کے والدین کی طرف سے بطور ہبہ ملے ہیں۔ وہ کس کی ملکیت ہے۔ بیوی یا خاوند۔ اس کی زکوٰۃ
ب ہوتی ہے۔ وہ خاوند پر واجب ہے یا بیوی پر۔ اگر بیوی پر واجب ہے۔ تو وہ کہاں سے ادا کرے۔

﴿ج﴾

جو زیور خاوند کی طرف سے مہر میں بیوی کو ادا کیا جاتا ہے وہ بیوی کی ملکیت ہے۔ اور اس کی زکوٰۃ بیوی کے ذمہ
۔ اور والدین کی طرف سے جو زیور بطور ہبہ اور عرفاً تملیک کے طور پر دلہن کو دیتے ہیں۔ اس کی زکوٰۃ بھی دلہن کے
ہے۔ اگر بیوی کے پاس نقدی ہو تو اس سے ادا کرے اگر نقدی سے ادائیگی زکوٰۃ کی صورت میں میسر نہ ہو تو زیور کا
صہ بقدر زکوٰۃ، زکوٰۃ میں دے دے۔ الحاصل یہ فرض ہے اور وہ زیور جبکہ ملک زوجہ ہے تو اسی کے ذمہ ادائے زکوٰۃ
ہے۔ وہ زیور بیچ کر ادا کرے یا شوہر سے لیکر ادا کرے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ

کیا نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ نوٹ سے زکوٰۃ ادا کی جائے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا
۔ اور جس کو زکوٰۃ ادا کی ہے۔ وہ نوٹ لے کر اپنے کسی قرض خواہ کو دے دے۔ یا اس کے پاس نوٹ گم ہو

جائیں۔ تو اس صورت میں بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں۔ اس کو بالتفصیل تحریر فرماویں۔ کیونکہ اس دور میں نوٹ
ہی کا رواج زیادہ ہے۔ اکثر و بیشتر نوٹ ہی سے زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائیں۔

مولوی اللہ یار خطیب موضع جلال پور تحصیل شجاع آباد

﴿ج﴾

نوٹ حقیقت میں خود مال نہیں ہے۔ بلکہ سرکاری خزانہ کے ذمہ واجب الادا رقم کی رسید ہے۔ اس لیے
قانون فقہ کے تحت اس کے ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ جبکہ اس صورت میں تو صرف فقیر کو سرکاری خزانہ
پر حوالہ کر دیا گیا ہے۔ البتہ اگر وہ مسکین اس نوٹ سے کوئی مال مثلاً کپڑا وغیرہ خرید لے گا۔ تو بمنزلہ وکیل من
المعطی گویا معطی کے لیے کپڑا خرید رہا ہے اور اس کے لیے قبض کر رہا ہے۔ بعد قبض کر لینے کے اس کپڑے کا مالک
معطی بنا پھر اسی کپڑے کو وہ فقیر زکوٰۃ میں قبض کرے تو زکوٰۃ معطی کی ادا ہو جائے گی۔ گویا اس کا فقیر کو نوٹ
دینا بمنزلہ توکیل علی الشراء ثم الاخذ فی الزکوٰۃ کے حکم میں ہے۔ اگرچہ تصریح نہ کی ہو۔ اب
اگر وہ نوٹ اس سے گم ہو جائے یا اس کو غیر مال میں صرف کر دے تو زکوٰۃ مزکی کی ادا نہ ہوگی اس لیے احتیاط اسی
میں ہے۔ کہ نوٹ سے زکوٰۃ ادا نہ کی جائے البتہ گذشتہ زمانہ میں ادا کی ہوئی زکوٰۃ کے متعلق بوجہ عموم بلوٰی اور
بوجہ عرف عام کے (کہ نوٹ کو عین روپے شمار کیا جاتا ہے) یہ فتویٰ دیا جائے گا کہ زکوٰۃ ادا ہو گئی ورنہ بہت بڑا
اشکال پیدا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶/رمضان ۱۳۷۷ھ

سامان تجارت کی زکوٰۃ کا بیان

مال تجارت میں زکوٰۃ کی صورت میں قیمت خرید کا اعتبار ہوگا یا بازار کے بھاؤ کا؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک دوکاندار کے پاس دوکان میں مال تجارت موجود ہے۔ سال
کے بعد اب زکوٰۃ دینا چاہتا ہے۔ تو اس مال کی قیمت خرید کا اعتبار ہوگا۔ یا بازار کے بھاؤ کا لحاظ ہوگا۔ یا منافع لگا کر
جو قیمت رکھی گئی ہے۔ اس حساب سے زکوٰۃ دی جائے۔ جبکہ مجھے وثوق نہیں کہ ماحصل کیا اور کب ہوگا۔

﴿ج﴾

مال تجارت کی جو قیمت بازار میں بوقت زکوٰۃ دینے کے ہے۔ اسی قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کی

جاوے۔ خواہ قیمت خرید سے زیادہ ہو یا کم۔ وعندہٗ تعبر قیمة یوم الوجوب وقالا یوم الاداء الخ ویقوم فی البلد الذی المال فیه (درمختار) وفی المحیط یعتبر یوم الاداء بالاجماع وهو الاصح (رد المحتار باب زکوة الغنم. ج ۲/ص ۲۳) فقط واللہ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی قاسم العلوم ملتان ۲۰ رجب ۱۳۹۰ھ

مال تجارت میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا اور بار برداری کا کرایہ منہا کیا جائے گا یا نہیں؟

﴿س﴾

زکوٰۃ واجب ہونے یا ادا کرنے میں تجارتی سامان کا وہ رقم نرخ جس کے ساتھ اس نے خرید کیا ہے۔ اعتبار کیا جائے۔ یا اس بھاؤ کا اعتبار کیا جائے جس کے ماتحت وہ خریداروں کو دے رہا ہے۔ شق اول میں بار برداری کا کرایہ بھی ساتھ ملایا جائے۔ کہ نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ زکاۃ کی ادائیگی کے لیے مال تجارت کی جو قیمت بازاری ہو حولان حول کے بعد اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ قیمت خرید کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ جس دن اس مال پر سال گذر جائے۔ اور وجوب زکاۃ ہو جائے۔ تو اس دن اس مال کی بازار میں جو عام قیمت ہو اس کا اعتبار کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے۔

اور وجوب زکاۃ کے لیے یعنی نصاب بننے کے لیے ضروری ہے کہ ابتداء حول میں اس کی بازاری قیمت کم از کم دوسو درھم شرعی کے برابر بنے تو اس پر بعد حولان حول زکاۃ واجب ہوگی۔ وجوب زکاۃ کے لیے بھی قیمت خرید کا اعتبار نہیں ہے۔ کما قال فی العالمگیریة. ج ۱/ص ۱۹۱ و تعتبر القیمة عند حولان الحول بعد ان تکون قیمتها فی ابتداء الحول مأتی درهم من الدراهم الغالب علیها الفضة کذا فی المضمرات وفیها ایضا بعدسطرین . اذا کان له مأتا قفیز حنطة للتجارة تساوی مأتی درهم فتم الحول ثم زاد السعر او انتقص فان ادی من عینها ادی خمسة اقفزة وان ادی القیمة تعتبر قیمتها یوم الوجوب لان الواجب احدهما ولهذا یجبر المصدق علی قبوله وعندهما یوم الاداء الخ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳ شوال ۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳ شوال ۱۳۸۷ھ

پرچون کی دوکان میں رکھی ہوئی اشیاء کی مالیت کیسے معلوم کیجائے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین۔

(۱) ہماری چھوٹی سی پرچون کی دوکان ہے۔ جس میں چیزیں بازار سے پانچ سیر یا ۲/۱ ۲ سیر خرید کر کے لا کر بیچتے ہیں۔

(۲) یہ چیزیں ہفتہ میں ختم ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح لا کر بیچتے رہتے ہیں۔

(۳) کوئی ایسی چیز موجود ہی نہیں رہتی جس کو ایک سال گذر گیا ہو۔

(۴) سوڈے کی خالی بوتلیں سٹاک میں رہ جاتی ہیں۔ جن کا استعمال بھی صرف چھ ماہ ہوتا ہے۔ اور چھ ماہ وہ کوئی آمدنی نہیں دیتیں۔

(۵) اس دوکان سے گذر بسر کرنے کے بعد جو بچت ہوتی ہے اس پر زکوٰۃ ادا کر دیتے ہیں۔

﴿ج﴾

بر تقدیر صحت واقعہ دوکان میں جو اشیاء تجارت کی موجود ہیں۔ ان کی مالیت کا اندازہ لگا کر اگر وہ مالیت نصاب کو پہنچ جاتی ہے۔ تو اس پر زکوٰۃ آئیگی۔ یہ نصاب کو پہنچ جانا سال کے ابتداء اور انتہا میں لازم ہے۔ سال کے درمیان میں زیادتی اور نقصان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

آرا مشین، ٹرک، بس وغیرہ کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ جو شخص آرا مشین یا ٹرک یا بس خرید لے۔ تو کیا اس پر ان کی قیمتوں کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔ یا نہیں۔

﴿ج﴾

مشین، ٹرک، بس وغیرہ کی قیمتوں پر زکوٰۃ نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۹ صفر ۱۳۹۸ھ

موٹر لاری، آٹا مشین وغیرہ کی آمدن پر زکوٰۃ ہوگی؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ آیا موٹر ولاری وآٹا مشین کی اصل قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے یا منافع پر یا ہر دونوں پر بینوا بالادلۃ الشرعیۃ وتوجروا عند اللہ اجرا عظیما۔

از عبدالحق خطیب جامع مسجد [illegible]

﴿ج﴾

تمام کتب فقہ میں مصرح ہے کہ زکوٰۃ صرف سونے چاندی میں یا اموال تجارت میں (یعنی جن اشیاء کو بغرض فروخت خرید کیا گیا ہو۔ یا ان مویشی جانوروں پر جو اکثر سال باہر چرتے ہوں۔ ان کے علاوہ کسی چیز پر زکوٰۃ واجب نہیں اس لیے موٹر لاری کارخانہ وغیرہ اشیاء جن کی اصل برائے فروخت نہیں ہے۔ انکی اصل پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶ رمضان ۱۳۷۷ھ

دوکانوں اور ٹریکٹر کی آمدن پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا قیمت پر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص کی زمین ہے۔ جس میں نصف حصہ پر رہائشی مکان ہے۔ اور نصف حصہ پر دوکانیں ہیں۔ جو کرایہ پر چلتی ہیں۔ اسی طرح دو ٹریکٹر ہیں۔ وہ بھی کرایہ پر چلتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنے کی کیا صورت ہوگی۔ کیا وہ ان دوکانوں اور ٹریکٹر کی مالیت کا اندازہ کر کے زکوٰۃ دے گا۔ یا آمدنی میں سے۔ اسی طرح اگر آمدنی میں سے کچھ رقم اس کی مرمت پر خرچ کرتا ہے۔ تو کیا اس رقم کی بھی زکوٰۃ ہوگی۔ یا وہ اس سے علیحدہ ہوگی۔

﴿ج﴾

دکانوں اور ٹریکٹر کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں آئے گی۔ زکوٰۃ ان کی آمدنی میں سے ادا کرے۔ آمدنی میں سے اگر کچھ رقم دوکانوں وغیرہ کی مرمت پر سال گذرنے سے پہلے خرچ ہو چکی ہے۔ تو اس خرچ شدہ رقم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ۲۳ شعبان ۱۳۹۸ھ

جانوروں کی زکوٰۃ کا بیان

دو بھائیوں کے مشترک جانور اگر انفرادی طور پر نصاب کو نہ پہنچیں تو زکوٰۃ واجب نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ مثلاً زید وبکر چند دنبہ وبکریوں میں شریک ہیں جو کہ نصاب تک پہنچ جاتے ہیں اگر الگ الگ اعتبار کریں تو نصاب پورا نہیں ہو سکتا ہے۔ اب قابل دریافت بات یہ ہے کہ آیا زید وبکر دونوں مل کر زکوٰۃ دیں تو نصاب پورا ہے یا کہ جب تک دونوں کا نصاب پورا نہ ہو تو زکوٰۃ نہ دیں لہٰذا اس مسئلہ کو مبین مبرھن فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

﴿ج﴾

زید وبکر دونوں میں سے اگر کسی کے حصہ میں علیحدہ بقدر نصاب نہیں آتا تو کسی پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں اس لیے کہ وجوب زکوٰۃ کے لیے کامل نصاب نامی شرط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۶ جمادی الاخری ۱۳۹۱ھ

چھوٹے جانوروں سے حاصل شدہ رقم کا بڑے جانوروں کی زکوٰۃ میں دینا

﴿س﴾

ایک شخص کے پاس کچھ دنبہ بکری وغیرہ تھے۔ جن سے دو نصاب پورے ہو سکتے تھے۔ اور ان میں کچھ چھوٹے بڑے دو دنبے زکوٰۃ میں دے دیتے تھے۔ مگر اس نے دو درمیانی دنبے متعین کرنے کے بعد دو بڑوں کی قیمت کا اندازہ لگا کر فقیروں کی حاجت براری کے لیے تین چھوٹے بچے دیے۔ آیا اس آدمی کا اس طرح کرنا جائز ہے۔ اور زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ادا ہو جائے گی یا نہ۔

﴿ج﴾

اس طرح زکوٰۃ کا ادا کرنا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم [illegible] ۱۳۹[illegible]ھ

اونٹوں کی زکوٰۃ درج ذیل طریقہ پر دی جائے

﴿س﴾

اونٹوں کی تعداد ۱۰ سے لے کر ۱۰۰ اور ۱۵۰ تک پر کس نصاب سے زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور زکوٰۃ اونٹ کی صورت میں اور بھیڑ بکری کی صورت میں اور نقدی کی صورت میں کس انداز ہ سے ادا کرنی ہوگی۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اونٹوں کے نصاب اور مقدار زکوٰۃ کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۵ اونٹوں سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

۵ تا ۹ پر = ۱ بھیڑ یا بکری جس کی عمر ایک سال پوری ہو چکی ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو۔

۱۰ تا ۱۴ پر = ۲ بھیڑ یا بکری جس کی عمر ایک سال پوری ہو چکی ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو۔

۱۵ تا ۱۹ پر = ۳ بھیڑ یا بکری جس کی عمر ایک سال پوری ہو چکی ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو۔

۲۰ تا ۲۴ پر = ۴ بھیڑ یا بکری جس کی عمر ایک سال پوری ہو چکی ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو۔

۲۵ تا ۳۵ پر = ایک بنت مخاض یعنی وہ اونٹ کی بچی جس کی عمر ایک سال پوری ہو چکی ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو۔

۳۶ تا ۴۵ پر = ایک بنت لبون یعنی دو سالہ اونٹ کی بچی

۴۶ تا ۶۰ پر = ایک حقہ یعنی ۳ سالہ اونٹ کی بچی

۶۱ تا ۷۵ پر = ایک جذعہ یعنی چار سالہ اونٹنی

۷۶ تا ۹۰ پر = ۲ بنت لبون یعنی دو سالہ اونٹ کی بچیاں

۹۱ تا ۱۲۴ پر = ۲ حقہ یعنی دو سالہ اونٹنیاں

۱۲۵ تا ۱۲۹ پر = ۲ حقہ اور ایک بھیڑ یا بکری

۱۳۰ تا ۱۳۴ پر = ۲ حقہ اور دو بھیڑیں یا بکری

۱۳۵ تا ۱۳۹ پر = ۲ حقہ اور تین بھیڑیں یا بکریاں

۱۴۰ تا ۱۴۴ پر = ۲ حقہ اور ۴ بھیڑیں یا بکریاں

۱۴۵ تا ۱۴۹ پر = ۲ حقہ اور ایک بنت مخاض یعنی یک سالہ اونٹ کی بچی

۱۵۰ تا ۱۵۴ پر = تین حقہ

اگر کوئی شخص نقدی کی صورت میں ادا کرنا چاہتا ہے۔ تو ادا کر سکتا ہے۔ جہاں ایک بکری واجب ہوتی ہے۔ وہاں ایک بکری کی قیمت ادا کرے گا۔ اور جہاں ایک سالہ اونٹ کی بچی واجب ہوتی ہے۔ وہاں اس کی قیمت ادا کرے گا۔ علیٰ ھذا القیاس۔ **کما قال فی العالمگیریہ. ج ۱/ص ۱۸۸ ویجب فیما دون خمس وعشرین فی کل خمس شاة هكذا فی العینی شرح الکنز والشاة من الغنم مالها سنة وطعنت فی الثانیة کذا فی الجوهرة النیرة فاذا بلغت خمسا وعشرین ففیها بنت مخاض الخ.** فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبد اللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۱ ذوالقعدہ ۱۳۸۶ھ

کیا گائے اور بھینس کا ایک ہی حکم ہے، کاشت کاری میں استعمال ہونے والے بیلوں پر زکوٰۃ کا حکم زکوٰۃ میں نر یا مادہ دینے سے کوئی فرق پڑتا ہے یا نہیں؟ کتنی عمر کے جانوروں پر زکوٰۃ واجب ہے؟ کیا جانوروں کی زکوٰۃ نقدی کی شکل میں ادا کی جا سکتی ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ میرے پاس چند بھینسیں، گائے اور بیل وغیرہ ہیں۔ جن کی مجھے زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔ لیکن کچھ باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق صاف طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ صحیح حکم کیا ہے اس لیے گذارش ہے کہ مندرجہ ذیل امور پر اپنی اولین فرصت میں روشنی ڈال کر ممنون فرمائیں۔ (۱) گائے اور بھینس کا شمار ایک ساتھ ہوتا ہے یا الگ الگ (۲) کاشتکاری میں کام آنے والے بیلوں پر زکوٰۃ واجب ہے کہ نہیں (۳) زکوٰۃ کس شکل میں ادا کی جائے۔ زکوٰۃ دیتے وقت نر اور مادہ کی شرط ہے یا نہیں (۴) کم سے کم کتنی عمر کے جانور پر زکوٰۃ واجب ہے (۵) زکوٰۃ نقدی کی صورت میں ادا کی جا سکتی ہے کہ نہیں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ گائے اور بھینسوں کا شمار ایک ساتھ ہوتا ہے اگر دونوں کی تعداد کم از کم تیس بنے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کے وجوب کے کچھ شرائط ہیں۔ ایک یہ کہ ان جانوروں کو نسل دودھ اور موٹا کرنے کے لیے رکھتا ہو اگر بار برداری کے لیے یا کاشتکاری کے لیے رکھتا ہو تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ان کو سال کا اکثر حصہ جنگل میں چرایا جائے اور مباح مفت گھاس چارے پر پورے سال یا اکثر حصہ سال

ان کی گذر ہوا گر اکثر حصہ سال گھر پر ان کو چارہ دیا جائے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی تیسری شرط یہ ہے کہ کم از کم گائے بیل اور بھینسوں کی مشترکہ تعداد تیس ہو۔ جب تیس ہو اور اس میں تمام شرائط پائی جائیں اور سال ان پر گزر جائے تو ان پر ایک سال کا بچہ مذکر ہو یا مؤنث دینا واجب ہوگا۔ اور اگر گائے اور بھینسیں مخلوط ہوں تو جنکی تعداد زیادہ ہو تو اس جنس میں سے دیا جائے گا۔ اور جب چالیس ہوں تو دو سالہ بچہ واجب ہوگا۔ اور اس سے زیادہ میں ساٹھ تک ایک دو سالہ اور کچھ زائد رقم علے الحساب واجب ہوگی اور ساٹھ میں دو یک سالے اور ستر میں ایک یک سالہ اور ایک دو سالہ واجب ہوگا یعنی ہر تیس میں ایک یک سالہ اور ہر چالیس پر ایک دو سالہ واجب ہوگا۔ باقی عمر کی کوئی قید نہیں چھوٹے بچّے بڑوں کے ساتھ شمار کیے جائیں گے جب تیس بڑوں پر سال گزر جائے زکوٰۃ کی ادائیگی میں آپکو اختیار ہے آپ یک سالہ یا دو سالہ بچہ ادا کر دیں جس کی تفصیل اوپر گزر گئی اور یا آپ اس کی قیمت فقیر کو ادا کر دیں ھکذا فی کتب الفقہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۹ رجب ۱۳۸۷ھ

زمین کی پیداوار میں عشر' نصف عشر' خراج کا بیان

بارش سے سیراب ہونے والی زمین سے اگر گورنمنٹ ٹیکس وصول کرے تو پھر بھی عشر واجب ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس زمین کے متعلق جس کو پانی بارش سے ملتا ہے۔ اور ہمیشہ سے مسلمانوں کے قبضہ میں چلی آ رہی ہے۔ وہ مسلمان اس کے خارج کا عشر بھی نکالتے چلے آ رہے ہیں۔ اب چند عرصہ سے حکومت نے ٹیکس یا خراج وصول کرنا شروع کیا ہے۔ اب دریافت اس امر کی ہے کیا از روئے شرع محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ان زمینداروں پر باوجود اس کے ٹیکس یا خراج کے عشر مقررہ از شرع ادا کرنا واجب ہوگا یا نہیں۔ بینوا بالدلیل وتوجروا عند الجلیل۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح رہے کہ زکوٰۃ عشر عبادات مالیہ میں سے ہیں۔ ٹیکس نہیں ہیں۔ زکوٰۃ و عشر کی فرضیت اور اس کا عبادت ہونا کتاب اللہ' سنت رسول' اجماع اور قیاس سے ثابت ہے۔ قال اللہ تعالی اقیموا الصلوة واتوا الزكاة. اسی طرح متعدد آیات میں زکوٰۃ کی فرضیت کو نماز کی فرضیت کے ساتھ متصلا ذکر کیا گیا ہے۔ قال تعالی والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها في سبيل الله فبشرهم بعذاب اليم. حدیث شریف میں آیت کی تفسیر بایں الفاظ ہے۔ كل مال اديت الزكاة عنه فليس بكنز. یعنی ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔ وہ کنز نہیں ہے۔ اب دیکھیے زکوٰۃ کی عدم ادائیگی پر اللہ تعالیٰ نے کتنی زبردست وعید کی ہے۔ اتنی زبردست وعید اللہ تعالیٰ کے ایک فریضہ کے عدم ادائیگی پر ہو سکتی ہے۔ ٹیکس پر نہیں۔ اور حدیث شریف میں جو بخاری و مسلم کی ہے۔ زکوٰۃ کو ارکان اسلام میں شمار کیا گیا ہے۔ كما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم قال بني الاسلام على خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله. واقام الصلوة وايتاء الزكاة وصوم رمضان و حج البيت من استطاع اليه سبيلا. اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جب بعض قبیلوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کیا۔ اور زکوٰۃ کو ایک ٹیکس کی سی حیثیت دینے لگے۔ تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

عنہ نے ان کے ساتھ جہاد کرنے کا اعلان فرمادیا اور صاف طور پر فرمادیا۔ واللہ لا قاتلن من فرق بين الصلوة والزكاة فان الزكاة حق المال الخ. اور تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہوگیا۔ کہ منکر فرضیت زکوٰۃ کافر ہے۔ غرضیکہ زکوٰۃ اور عشر عبادت ہے اور ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے اور ٹیکس ہرگز اسلام کے ارکان میں سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو حکومت کی ضروریات کو پوری کرنے کے لیے وقتی طور پر حکومت عائد کرتی ہے۔ جس کو اسلام کی رکنیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اس لیے سرکاری ٹیکس یا خراج سے زکوٰۃ اور عشر ساقط نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ زکوٰۃ وعشر جو کہ عبادت مالیہ ہے۔ دینا لازمی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۵ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۵ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ

حضور علیہ السلام اور خلفاء راشدین کے دور میں سونا چاندی کی زکوٰۃ اور عشر کس طرح دی جاتی تھی؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یا حضرت فاروق اعظمؓ کے دور میں سونا چاندی مال تجارت کی زکوٰۃ کس طرح دی جاتی تھی۔ اور عشر مذکورہ تینوں زمانوں میں کس طرح نکالا جاتا تھا۔ کیا عشری زمین معاملہ کا آبیانہ یا کسی قسم کا مالک خرچہ نکال کر عشر نکالتے تھے۔ یا پیداوار اترنے کے بعد عشر نکال کر یا معاملہ وغیرہ یا اور کوئی خرچ کرتے تھے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کے دور میں سونے چاندی اور مال تجارت کی زکوٰۃ بعد از حولان حول بمعہ دیگر شرائط کے چالیسواں حصہ نکالا جاتا تھا۔

قال فی الهداية فاذا كانت مأتين وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم لانه عليه السلام كتب الى معاذؓ ان خذ من كل مأتى درهم خمسة دراهم ومن كل عشرين مثقالاً من ذهب نصف مثقال. عشری زمین میں جتنی پیداوار اتر جائے۔ اس پوری پیداوار کا عشر نکالا جائے گا۔

اخراجات وغیرہ منہا نہ کیے جائیں گے۔ کل پیداوار کے حساب سے عشر نکالنا ہوگا۔ قال فی الهداية وكل شيئ اخرجته الارض مما فيه العشر لا يحتسب فيه اجر العمال ونفقة البقر لان النبي عليه السلام حكم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة فلا معنى لرفعها. اس کی مزید تفصیل فتح القدیر وغیرہ کتب میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۵ جمادی الاخری ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۵ جمادی الاخری ۱۳۸۵ھ

کیا سالانہ گھریلو خرچہ منہا کر کے عشر نکالا جائے؟

﴿س﴾

(۷) عشر سرکاری مطالبہ اور سال کا خانگی خرچ نکال کر ادا کرنا پڑتا ہے۔ یا ڈھیری کی پیداوار سے شمار ہوتا ہے؟

﴿ج﴾

سب پیداوار کا عشر واجب ہے۔ معاملہ سرکاری اور خرچہ وغیرہ نکالنے نہیں دیں گے۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۸۶ھ

اجارہ پر دی گئی زمین کا عشر کس کے ذمہ ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ جو رقبہ زرعی اجارہ پر لیا جائے۔ اس رقبہ کا عشر کس کو ادا کرنا ہوگا۔ جس نے اجارہ لیا یا دیا ہے۔ یا معاف ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت فرماویں۔

﴿ج﴾

قول صاحبین کے موافق زمین عشر کا عشر بذمہ متاجر ہے۔ فی الدر المختار. ج ۲/ص ۲۰ وقالا على المستاجر (كمستعير) مسلم وفي الحاوى وبقولهما نأخذ وفي الشامية فلا ينبغي العدول عن الافتاء بقولهما فى ذلك. موجودہ زمانہ میں عموماً اجرت کم لی جاتی ہے۔ متاجر کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے عشر متاجر پر ہوگا۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۵۹ پر لکھتے ہیں۔ زمین جو کرایہ پر دی۔ اس کے عشر میں خلاف ہوگا۔ امام صاحب مالک سے سب دلا دیں گے۔ صاحبین متاجر سے سب دلا دیں گے۔ یہ ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

کپاس کے تنکوں پر عشر واجب ہے یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کپاس کی لکڑیاں جو کہ ایندھن کے کام میں بہت اہمیت رکھتی ہیں اور دیہات میں ان ہی پر اکثر ایندھن کا دارومدار ہوتا ہے۔ کیا ان لکڑیوں کا بھی گھاس بھوسہ وغیرہ کی طرح شرعاً عشر ادا کرنا ہوگا یا نہیں۔ بینوا من الکتاب وتوجروا یوم الحساب ۔

﴿ج﴾

کپاس میں عشر واجب ہے۔ لیکن کپاس کی لکڑیوں میں (کہ زمین سے ان کا حصول مقصود نہیں) عشر واجب نہیں۔ قال فی شرح التنویر ویجب العشر فی عسل وان قل (الی ان قال) الا فیما لا یقصد بہ استغلال الارض نحو حطب و قصب فارسی وحشیش وتبن وسعف وصمغ وقطران وخطمی واشنان وشجر قطن الخ وفی الشامیۃ (قولہ الافیما لا یقصد الخ) اشار الی ان ما اقتصر علیہ المصنف کالکنز وغیرہ لیس المراد بہ ذاتہ بل لکونہ من جنس مالا یقصد بہ استغلال الارض غالباً وان المدار علی القصد حتی لو قصد بہ ذلک وجب العشر کما صرح بہ بعدہ (شامی۔ ج ۲/ص ۵۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۷ محرم ۱۳۹۴ھ

پاکستان میں کونسی زمینیں عشری اور کونسی خراجی ہیں؟' مزارعت صحیحہ میں عشر مزارع و مالک دونوں پر واجب ہوگا' حکومت کے ٹیکس یا آبیانہ وصول کرنے سے عشر ساقط نہ ہوگا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ

(۱) جو رقبہ مسلمانوں نے ہندوستان میں غیر مسلموں سے خرید کیا تھا۔ بعد ہجرت کے وہ جب پاکستان میں آ گئے تو انھیں اپنا عوض مل گیا۔ یا انصار مسلمانوں نے جو رقبہ ہندوؤں سے خرید کیا۔ جو کہ جدی وراثت نہیں۔ کیا ان دو طرح کے رقبوں میں عشر عائد ہوگا کہ نہیں۔

(۲) کیا عشر یا نصف عشر زمیندار و مزارع دونوں پر ہوگا۔ یا کسی ایک پر۔

(۳) جو ٹھیکہ یا آبیانہ حکومت کاشتکاروں سے وصول کرتی ہے کیا اس سے عشر ادا ہو جاتا ہے۔

(۴) کیا کوئی حصہ زمین کا پاکستان میں غیر عشری ہے اگر ہے تو اس زمین کا وصف کیا ہے۔ بینوا توجروا عند اللہ اجرکم عظیم۔

﴿ج﴾

ا۔ہ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کے ملک میں ہیں۔ اوران کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی ہیں۔ ارثاً اور شراءً وہلم جرا۔ وہ زمینیں عشری ہیں اور جو درمیان میں کوئی کافر مالک ہوگیا تھا۔ وہ عشری نہ رہی۔ اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے۔ یوں سمجھا جائے گا کہ مسلمانوں ہی سے حاصل ہوئی ہے۔ بدلیل الاصحاب۔ پس وہ بھی عشری ہوگی۔ (امداد الفتاویٰ۔ ج ۲/ص ۵۲) مگر یہ حکم ان زمینوں کا ہے۔ جو عرصہ دراز سے نسلاً بعد نسل مملوکہ چلی آئی ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اور اقسام کی اراضی بھی ہیں۔

(۱) پاکستان میں غیر مسلموں کی مملوکہ اراضی جو مسلمانوں کو دی گئیں۔

(۲) حکومت پاکستان کی طرف سے نہروں کے ذریعہ نوآباد اراضی جو مسلمانوں کو ملیں۔

(۳) حکومت برطانیہ کے وقت میں مسلمان ریاستوں کی طرف سے مسلمانوں کو ملنے والی اراضی یہ تینوں قسمیں عشری ہیں۔

(۴) حکومت پاکستان کی طرف سے غیر مسلمین کی متروکہ یا نوآباد اراضی جو کسی مسلمان کو عاریت یا اجارہ کے طور پر دی گئی ہوں۔ بطور تملیک نہ ہو۔ یہ نہ عشری ہیں نا خراجی کیونکہ یہ اراضی سلطانیہ ہیں۔

(۵) قیام پاکستان سے قبل یا بعد مسلمانوں نے حکومت پاکستان کی اجازۃ سے بذات خود ذرائع آبپاشی مہیا کر کے جو اراضی آباد کیں یہ عشری یا خراجی ہونے میں قرب و جوار کی اراضی کے تابع ہونگی۔ اگر قرب و جوار میں دونوں قسم کی اراضی ہوں تو یہ نوآباد اراضی عشری ہوں گی۔

(۶) حکومت برطانیہ نے نہروں کے ذریعہ جو زمین آباد کی اور (۷) حکومت ہند کی طرف سے مسلمانوں کی متروکہ یا نوآباد اراضی جو مسلمانوں کو ملیں۔ یہ دونوں قسمیں استیلاء کافر کی وجہ سے خراجی ہیں۔

(۲) مزارعت صحیحہ میں عشر زمیندار اور مزارع دونوں پر بقدر حصص ہے۔ اور مزارعت فاسدہ میں تفصیل ہے۔ علیحدہ علیحدہ پوچھ لیا جاوے۔

(۳) سرکاری ٹیکس' آبیانہ' مالیہ وغیرہ ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۶ جمادی الاولی ۱۳۹۳ھ

جو ہندو پاکستان سے چلے گئے ہیں کوئی مسلمان ان کا حق دینا چاہتا ہو تو کیا کیا جائے؟
پاکستان میں عشری و خراجی زمینوں کی تفصیل

﴿س﴾

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کسی آدمی نے ہندو مشرک یا کافر شخص کا حق بذریعہ چوری یا خیانت دبایا ہوا ہے۔ وہ لوگ بوجہ ترک سکونت چلے گئے ہیں۔ ان کی زندگی یا رہائش معلوم نہیں ہو سکی۔ اندریں حالات وہ شخص ادائیگی حقوق العباد کیونکر بجالائے۔ مفصل تحریر فرماویں۔ کہ کوئی بخشش کی صورت ہو سکے۔

(۲) کیا پاکستانی زمین عشری ہیں۔ یا خراجی بموجب فقہ حنفیہ واضح فرمایا جاوے۔

﴿ج﴾

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پہلے تو ضروری ہے کہ صاحب حق کو تلاش کرے اور جہاں جہاں سے اس کے معلوم ہونے کی توقع ہو سکے۔ وہاں سے اس کا اس کے وارثوں کا پتہ لگا لیا جائے۔ اگر کوئی پتہ چل گیا۔ تو صاحب حق کو اس کا حق پہنچا دیوے۔ یا اس سے معاف کرالیوے۔ اور اگر اس کے ملنے سے مایوسی ہو جائے۔ تو اسے بیت المال (سرکاری خزانہ) میں داخل کر دیا جائے۔ جس کو حکومت مسلمانوں کے رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کردے۔ اور اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگے۔ اور توبہ و استغفار بھی کرے۔ كما قال فى العالمگيريه.

ج ۲/ص ۳۱۵ (كتاب اللقطة) كل لقطة يعلم انها كانت لذمى لا ينبغى ان يتصدق ولكن يصرف الى بيت المال لنوائب المسلمين كذا فى السراجية وكذا فى العالمگيريه ايضا.

ج ۲/ص ۲۶۴ (الفصل الثانى فى دخول الحربى فى دار الاسلام) فان رجع الحربى المستامن الى دار الحرب و ترك وديعة عند مسلم او ذمى او دينا عليهما حل دمه بالعود الى دار الحرب وما كان فى ايدى المسلمين او الذميين من ماله فهو باق على ما كان عليه حرام التناول فان اسر او ظهر عليهم فقاتل سقط دينه وصارت وديعته فيأ ولو كان له رهن فعند ابى يوسف رحمه الله تعالى يأخذه المرتهن بدينه وقال محمد رحمه الله تعالى يباع ويوفى بثمنه الدين والفاضل لبيت المال كذا فى التبيين وان قتل ولم يظهر على الدار فالقرض والوديعة لورثته وكذالك اذا مات الخ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) پاکستان کی وہ زمینیں جو اس وقت مسلمانوں کی ملک ہیں۔ اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی

ہیں۔ ارثاً او شراءً و ہلم جرا وہ زمینیں عشری ہیں اور جو درمیان میں کوئی کافر مالک ہو گیا تھا۔ وہ عشری نہ رہی۔ اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو۔ اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے۔ سمجھا جائے گا کہ مسلمانوں ہی سے حاصل ہوئی ہے۔ بدلیل الاستصحاب پس وہ بھی عشری ہوگی۔ (امداد الفتاویٰ مبوب ج ۲ ص ۵۲) مگر یہ حکم ان زمینوں کا ہے۔ جو عرصہ دراز سے نسلاً بعد نسل مملوکہ چلی آتی ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اور اقسام کی اراضی بھی ہیں۔

(۱) پاکستان میں غیر مسلموں کی اراضی جو مسلمانوں کو دی گئیں۔ (۲) حکومت پاکستان کی طرف سے نہروں کے ذریعہ نو آباد اراضی جو مسلمانوں کو ملیں۔ (۳) حکومت برطانیہ کے وقت میں مسلمان ریاستوں کی طرف سے مسلمانوں کو ملنے والی اراضی۔ یہ تینوں قسمیں عشری ہیں۔

(۴) قیام پاکستان سے قبل یا بعد مسلمانوں نے حکومت پاکستان کی اجازت سے بذات خود ذرائع آبپاشی مہیا کر کے جو اراضی آباد کیں یہ عشری یا خراجی ہونے میں قرب و جوار کی اراضی کے تابع ہوں گی۔ اگر قرب و جوار میں دونوں قسم کی اراضی ہوں تو یہ نو آباد اراضی عشری ہوں گی۔ الخ۔ (احسن الفتاویٰ ص ۳۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۸ ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۴ محرم ۱۳۸۸ھ

عشر کن اجناس سے دینا واجب ہے؟ بارش یا کنواں سے سیراب ہونے والی زمین کا حکم
مزارعت میں عشر مالک و مزارع دونوں پر اپنے اپنے حصے کا واجب ہوگا
اگر ٹھیکہ دار بہت زیادہ رقم مالک کو ادا کرے تو عشر مالک پر ہوگا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں۔

(۱) کہ عشر کن کن اجناس میں دینا چاہیے۔ (۲) عشر کی مقدار کتنی ہے۔ (۳) بارانی اور چاہی میں کتنا حصہ ادا کرنا چاہیے۔ (۴) اراضی جو بطور مزارعت کاشت کی جاتی ہے۔ اس کا عشر مزارع دے یا اس کے مالک زمین کو دینا چاہیے یا مشترکہ۔ (۵) جو اراضی ٹھیکہ پر غلہ یا نقد پر دی جاتی ہیں۔ اس کا عشر مالک زمین کو دینا چاہیے یا ٹھیکہ پر لینے والے کو یا مشترکہ۔ (۶) عشر بصورت قیمت جنس ادا ہو جاتا ہے یا نہ۔

﴿ج﴾

(۱) عشر پیداوار کے تمام اجناس میں ادا کرنا واجب ہے۔ (۲، ۳) بارانی میں دسواں اور چاہی میں بیسواں

حصہ ادا کرنا لازم ہے۔(۴) ہرایک اپنے اپنے حصہ میں سے عشر ادا کرے۔(۵) ٹھیکہ دار پر علی القول المفتی بہ عشر لازم ہے۔اور یہ کہ ٹھیکیدار نے ٹھیکہ (اجرت) اتنی زیادہ ادا کی۔کہ اس کے پاس بہت کم بچت ہوتی ہے۔اور اس میں عشر ادا نہیں کرسکتا۔تو اس صورت میں مالک زمین پر عشر واجب ہوگا۔(۶) عشر بصورت قیمت ادا ہوجاتا ہے۔واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ

نہری زمینوں میں عشر واجب ہوگا یا نصف عشر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے علاقہ میں نہر جاری ہے۔اور لوگ نہر سے اپنی زمینوں کو سیراب کرتے ہیں اور حکومت عوام سے آبیانہ (ٹیکس) بھی لیتی ہے۔لہٰذا اس میں عشر ہے یا نصف عشر اور اگر حکومت آبیانہ نہ لے۔تو پھر کیا حکم ہے۔بینوا توجروا

﴿ج﴾

نہری زمینوں میں جن میں پانی کا محصول دیا جاتا ہے۔نصف عشر واجب ہوتا ہے۔کما فی در المختار ویجب نصفه فی مسقی غرب ودالیة الخ ...... وفی کتب الشافعیة او سقاه بماء اشتراه وقواعدنا لاتأباه الخ. (الدر المختار علی هامش ردالمحتار باب العشر. ج ۲/ص ۵۵) لیکن اگر پانی کا محصول نہ دیا جاتا ہو یا پہاڑی نہروں سے سیراب کیا ہو تو اس میں عشر واجب ہوتا ہے۔ کذا فی الشامیة .فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ

درج ذیل صورتوں میں کونسی زمین عشری و کونسی خراجی ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے علاقہ کی زمینیں (ضلع مظفر گڑھ۔ملتان۔ڈیرہ غازی خان) عشری ہیں یا خراجی یہ زمینیں کئی طریقوں سے مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔

(۱) بعض زمینیں ایسی ہیں۔جو جدامجد سے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں۔یہ برطانیہ کے زمانے میں ان کی انہار سے سیراب ہوتی تھیں اور اب پاکستانی انہار سے سیراب ہوتی ہیں۔

(۲) بعض زمینیں ایسی ہیں۔جو مسلمانوں نے غیر مسلموں سے خریدی تھیں۔ان کے سیراب ہونے کا طریقہ بھی سابقہ ہے۔

(۳) بعض وہ ہیں جو مسلمانوں نے سرکار سے خریدی تھیں۔

(۴) بعض وہ ہیں جو اب زرعی اصلاح کے تحت حکومت نے بڑے زمینداروں سے چھین کر چھوٹے کاشتکار مزارعین پر ارزاں قیمت وصول کر کے تقسیم کردی ہیں اور یہ قیمت بطور اقساط وصول کی گئی ہے۔

(۵) وہ زمینیں جو حکومت آبادکاری کی بنا پر لوگوں کو بطور اقساط قیمت وصول کر کے دے رہی ہے۔مندرجہ بالا اراضی میں سے کون کون سی زمینیں خراجی اور کون سی عشری ہیں۔جو خراجی ہیں ان کا خراج کتنا ہے۔مفصل تحریر فرماویں۔یہ خراج حکومت کے وصول کردہ ٹھیکہ آبیانہ میں وضع ہوسکتا ہے یا نہیں۔

(۶)۔وہ زمینیں جن کے مالک نے مستاجر سے دس یا پانچ سال کی مستاجری کی مدت مقرر کر کے نقدی رقم وصول کرلی ہے۔اس زمین کا عشر مالک پر ہے یا مستاجر پر ہے۔یا دونوں پر عائد ہوگا۔کون ادا کرے گا۔

بینوا توجروا

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔واضح رہے کہ پاکستان کی وہ زمینیں جو اس وقت مسلمانوں کی ملک ہیں۔اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی ہیں۔ارثاً و شراءً وھلم جراً وہ زمینیں عشری ہیں اور جو درمیان میں کوئی کافر مالک ہوگیا تھا۔وہ عشری نہ رہیں۔اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہیں۔تو سمجھا جائے گا۔کہ مسلمانوں ہی سے حاصل ہوئی ہیں۔بدلیل الاستصحاب۔پس وہ بھی عشری ہوں گی۔(امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۲) مگر یہ حکم ان زمینوں کا ہے۔جو عرصہ دراز سے نسلاً بعد نسل مملوکہ چلی آتی ہیں۔اور اس کے علاوہ کچھ اور قسم کی اراضی بھی ہیں۔(۱) پاکستان میں غیر مسلموں کی اراضی جو مسلمانوں کو دی گئیں۔(۲) حکومت پاکستان کی طرف سے نہروں کے ذریعہ نو آباد اراضی جو مسلمانوں کو ملیں۔(۳) حکومت برطانیہ کے وقت میں مسلمان ریاستوں کی طرف سے مسلمانوں کو ملنے والی اراضی۔یہ تینوں قسمیں عشری ہیں۔(۴) قیام پاکستان سے قبل یا بعد مسلمانوں نے حکومت پاکستان کی اجازت سے بذات خود ذرائع آبپاشی مہیا کر کے جو اراضی آباد کیں۔یہ عشری یا خراجی ہونے میں قرب و جوار کی اراضی کے تابع ہیں۔اگر قرب و جوار میں دونوں قسم کی اراضی ہوں۔تو یہ نو آباد اراضی عشری ہوں گی الخ۔(احسن الفتاویٰ ص ۳۱۹)

بنابریں صورت مسئولہ میں تمام قسم کی زمینیں عشری ہیں۔

(۲) اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں مفتی رشید احمد صاحب احسن الفتاویٰ ص ۳۱۵ پر لکھتے ہیں۔ اجارہ صحیحہ اور فاسدہ میں خراج مؤظف بہر کیف زمیندار پر ہے۔ اور عشر و خراج مقاسمہ میں یہ تفصیل ہے۔ کہ اگر زمیندار اجرت بہت زیادہ لیتا ہے اور مستاجر کے پاس بہت کم بچتا ہے۔ تو عشر اور خراج مقاسمہ زمیندار پر ہے۔ اور اگر اجرت کم لیتا ہے۔ مستاجر کو بچت زیادہ ہوتی ہے۔ تو عشر اور خراج مقاسمہ مستاجر پر ہے۔ موجودہ زمانہ میں عموماً اجرت کم لی جاتی ہے۔ مستاجر کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے عشر اور خراج مقاسمہ مستاجر پر ہوگا۔ قال فی شرح التنویر والعشر علی الموجر کخراج مؤظف وقالا علی المستاجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولهما نأخذ وفی الشامية قلت ولکن افتی بقول الامام جماعة من المتاخرين (الی ان قال)لکن فی زماننا عامة الاوقاف من القری و المزارع لرضا المستاجر بتحمل غراماتها و مؤنها یستاجرها بدون اجر المثل بحیث لا تفی الاجرة ولا اضعافها بالعشر او خراج المقاسمة فلا ینبغی العدول عن الافتاء بقولهما فی ذلک لا نهم فی زماننا یقدرون اجرة المثل بناءً علی ان الاجرة سالمة لجهة الوقف ولا شئ علیه من عشر وغیره اما لو اعتبر دفع العشر من جهة الوقف وان المستاجر لیس علیه سوی الاجرة فان اجرة المثل تزید اضعافا کثیرة کمالا یخفی فان امکن اخذ الاجرة کاملة یفتی بقول الامام والا فبقولهما لما یلزم علیه من الضرر الواضح الذی لا یقول به احد (الدر المختار ج ۲ ص ۲۰) واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ

گورنمنٹ کے ٹیکس یا خراج وصول کرنے سے عشر ادا نہیں ہوگا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین [illegible] ہمارے علاقہ بلوچستان میں ہر سال بطور ٹیکس اور بٹائی کے بیسواں حصہ وصول کیا جاتا ہے۔ جبکہ [illegible] ہے۔ لیکن ہر تحصیل دار اندازاً من یا دو من ہر مربع کے لحاظ سے ٹیکس عائد کر دیتا ہے۔ حالانکہ اصل [illegible] حصہ ہے۔ اسی بنا پر بعض مفتیان دین نے فتویٰ دیا ہے کہ ان علاقوں کی زمین اب خراجی شمار ہوگی۔ حالانکہ فرض تو ان پر عشر تھا۔ اب انھی فتاویٰ پر عمل ہو

رہا ہے۔ فقہ حنفی کی رو سے مطلع فرماویں کہ ان صوبوں کی اراضی کو عند الشرع خراجی قرار دیا جا سکے گا۔ یا عشری قرار دیا جاوے گا۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

وباللہ التوفیق۔ زمین عشری میں اگر حکومت خراج وصول کرتی ہے۔ تو دیانۃً عشر ادا کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ نص قرآن مجید سے عشر کا وجوب ثابت ہے۔ واتوا حقه یوم حصاده الأیه .تو زمین عشری کا حق خراج یا ظالمانہ ٹیکس نہیں ہیں۔ فتاویٰ دار العلوم دیوبند۔ ج ۴/ ص ۱۸۔ فتاویٰ رشیدیہ للعلامۃ الگنگوہی ص ۳۶ مطبوعہ کراچی

الاحقر عبد الرحمن عفا اللہ عنہ مفتی دار العلوم عیدگاہ تحصیل کبیر والا ضلع ملتان ۲۹ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۸۸ء

ہندوؤں کی متروکہ زمین جو مسلمانوں کو الاٹ کی گئی یا ہندوؤں سے خریدی گئی زمین کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہنود کی متروکہ اراضی تقسیم کے بعد مسلمانوں کو الاٹ کی گئی ہیں۔ کیا وہ اراضی عشری بن سکتی ہیں یا نہیں۔ اہل ہنود کی دو قسم کی اراضی ہیں۔ پہلی تو ان کی اپنی ہی ملکیت ہے۔ دوسری مسلمانوں سے خریدی ہوئی ہے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں جن زمینوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ عشری ہیں۔ واضح رہے کہ پاکستان کی وہ زمینیں جو اس وقت مسلمانوں کی ملک ہیں اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی ہیں ارثاً وشراءً وہلم جرا وہ زمینیں عشری ہیں اور جو درمیان میں کوئی کافر مالک ہو گیا تھا۔ وہ عشری نہ رہی اور جن کا حال کچھ معلوم نہ ہو۔ اس وقت مسلمانوں کے پاس ہیں تو سمجھا جائے گا کہ مسلمانوں ہی سے حاصل ہوئی ہیں۔ بدلیل الاستصحاب۔ پس وہ بھی عشری ہوں گی۔ (امداد الفتاویٰ مبوب ج ۲ ص ۵۲) مگر یہ حکم ان زمینوں کا ہے۔ جو عرصہ سے نسلاً بعد نسل مملوکہ چلی آتی ہیں۔ اور اس کے علاوہ کچھ اور قسم کی اراضی بھی ہیں۔ (۱) پاکستان میں غیر مسلموں کی اراضی جو مسلمانوں کو دی گئیں۔ (۲) حکومت پاکستان کی طرف سے نہروں کے ذریعہ نو آباد اراضی جو مسلمانوں کو ملیں۔ (۳) حکومت برطانیہ کے وقت میں مسلمان ریاستوں کی طرف سے مسلمانوں کو ملنے والی اراضی۔ یہ تینوں قسمیں عشری ہیں۔ (۴) قیام پاکستان سے قبل یا بعد مسلمانوں نے حکومت پاکستان کی اجازۃ سے بذات خود ذرائع آبپاشی مہیا کر کے جو اراضی

آباد کیں۔ یہ عشری یا خراجی ہونے میں قرب وجوار کی اراضی کے تابع ہوں گی۔ اگر قرب وجوار میں دونوں قسم کی اراضی ہوں تو یہ نوآباد اراضی عشری ہوں گی الخ۔ (احسن الفتاویٰ ص ۳۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۹ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

ایک ہزار ٹھیکہ پر زمین لینے والے کا اگر -/۲۰۰۰ نقصان ہوجائے تو اس پر کتنی رقم کی زکوٰۃ آئے گی؟ اگر غلے کو عشر کی ادائیگی سے قبل فروخت کردیا تو عشر وزکوٰۃ کی کیا صورت ہوگی؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کا زمین کا ٹھیکہ ایک ہزار روپے ہوگیا اس میں بجائے اضافہ کے ۲۰۰۰ ہزار نقصان رہا۔ اس آدمی نے زکوٰۃ کی کتنی رقم دینی ہے۔ (۲) زمین کا ٹھیکہ ۱۰۰۰ ہزار روپے کا لیا اور ۲۰۰۰ ہزار اضافہ رہا کل رقم ۱۲۰۰۰ جو دو ہزار روپیہ اضافہ کے ہوگئے۔ اس پر زکوٰۃ ہوگی یا عشر ہوگا۔

﴿ج﴾

(۱) جتنی رقم اس شخص کے پاس ہو سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہے۔

(۲) ٹھیکہ والی زمین سے جو غلہ حاصل ہوا ہے۔ اگر زمین بارانی ہے۔ تو اس میں عشر اور اگر نہری ہے۔ تو نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہے۔ اگر اس غلہ کو عشر ادا کیے بغیر فروخت کرلیا۔ تو فروخت کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔ بلکہ عشر بھی واجب ہے۔ اور فروخت کرنے کے بعد جتنی رقم اس کے پاس آئی ہے۔ تو اگر یہ شخص پہلے سے صاحب نصاب ہے۔ تو سابقہ نصاب پر جب سال گذر جائے گا تو اس رقم کو بھی سابقہ نصاب کے ساتھ ملا کر تمام میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور اگر اس کے علاوہ اور کوئی نصاب اس شخص کے پاس نہیں تو پھر اس آمد پر جب سال گذر جائے گا۔ تو اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ لما فی البدائع ولو کان له طعام فادی عشرہ او کان له ارض فادی خراجها ثم باعها یضم ثمنها الی اصل النصاب (بدائع صنائع۔ ج ۲/ص ۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ

پاکستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟ کیا زمین پر دو مؤنتیں لاگو ہوسکتی ہیں؟ عشر اور نصف عشر کی کیا صورت ہوگی؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے ملک پاکستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی اور عشری ہیں تو حکومت خراج لیتی ہے۔ اگر اب عشر بھی واجب ہو۔ تو پھر ایک زمین پر دو مؤنتیں لازم ہونگی۔ اور یہ ناجائز ہے۔ اگر زمین خراجی بتائی جائے۔ تو پھر یہ خرابی لازم آئے گی۔ کہ خراج ٹیکس ہوتا ہے۔ یہ عبادت نہ ہوگی۔ اور عشر وعشرین کی کیا صورت ہے۔ بتفصیل بحوالہ کتب وفقہ تحریر فرماویں۔

﴿ج﴾

پاکستان کی وہ زمین جو اس وقت مسلمانوں کی ملک ہیں۔ اور ان کے پاس مسلمانوں سے پہنچی ہیں۔ ارثاً وشراءً وھلم جرا وہ زمینیں عشری ہیں۔ اور جو درمیان میں کوئی کافر مالک ہوگیا تھا۔ وہ عشری نہ رہی اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہوا اور اس وقت مسلمانوں کی ہے۔ تو سمجھا جائے گا کہ مسلمانوں ہی سے حاصل ہوئی ہے۔ بدلیل الاستصحاب پس وہ بھی عشری ہوگی۔ (امداد الفتاویٰ مبوب) ج ۲ ص ۵۲)

مگر یہ حکم ان زمینوں کا ہے۔ جو عرصہ دراز سے نسلاً بعد نسل مملوکہ چلی آتی ہیں اور اس کے علاوہ کچھ اور قسم کی اراضی بھی ہیں۔ (۱) پاکستان میں غیر مسلموں کی اراضی جو مسلمانوں کو دی گئیں۔

(۲) حکومت پاکستان کی طرف سے نہروں کے ذریعہ نوآباد اراضی جو مسلمانوں کو ملیں۔ (۳) حکومت برطانیہ کے وقت میں مسلمان ریاستوں کی طرف سے مسلمانوں کو ملنے والی اراضی۔ یہ تینوں قسمیں عشری ہیں۔

(۴) قیام پاکستان سے قبل یا بعد مسلمانوں نے حکومت پاکستان کی اجازت سے بذات خود ذرائع آبپاشی مہیا کرکے جو اراضی آباد کیں۔ یہ عشری یا خراجی ہونے میں قرب وجوار کی اراضی کے تابع ہوں گی۔ اگر قرب وجوار میں دونوں قسم کی اراضی ہوں گی۔ تو یہ نوآباد اراضی عشری ہوں گی۔ الخ۔ (احسن الفتاویٰ ص ۳۱۹)

(۲) خراج یعنی سرکاری ٹیکس سے عشر ساقط نہیں ہوگا۔ کتب فقہ کی عبارت (ولا یجتمع العشر مع الخراج) سے بعض کو اشتباہ ہوگیا ہے۔ کہ سرکاری مالگزاری ادا کرنے سے عشر ساقط ہوجائے گا۔ حالانکہ اس جزئیہ سے مقصد یہ ہے کہ زمین خراجی سے باوجود خراج کے عشر لینا یا زمین عشری سے عشر کے ساتھ خراج بھی لینا جائز نہیں۔ یہ مطلب نہیں۔ کہ عشری زمین سے خراج ادا کرنے سے عشر ساقط ہوجائے گا۔ قال فی شرح

التنویر و لا یوخذ العشر من الخارج من ارض الخراج لانهما لا یجتمعان خلافا للشافعی وفی الشامیة ای لو کان له ارض خراجها موظف لا یو خذ منها عشر الخارج وکذا لو کان خراجها مقاسمة من النصف ونحوه وکذا لو کانت عشریة لا یوخذ منها خراج لانهما لا یجتمعان ولذا لم یفعله احد من الخلفاء الراشدین والا النقل وتمامه فی الفتح(رد المحتار ج۳ص ۲۸۹)

غرضیکہ عشر عبادت ہے۔جس کا ادا کرنا لازمی ہے۔جس طرح کہ حکومت کی جانب سے انکم ٹیکس وغیرہ وصول کرنے سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی۔(کمافی احسن الفتاویٰ ص ۳۱۶)

(۳)ویجب (العشر)فی مسقی سماء و سیح کنهر. الی قوله ویجب نصفه فی مسقی غرب ای دلو کبیر ودالیة ای دولاب لکثرة المؤنة وفی کتب الشافعیة او سقاه بماء اشتراه وقواعد نالا تأباه ولو سقي سيحا وبالة اعتبر الغالب ولو استو يا فنصفه وقیل ثلثة ارباعه (در مختار ص ۱۵۳ ج ۲)اس سے معلوم ہوا کہ بارانی زمین میں عشر ہے اور آبپاشی چاہ و نالہ تالاب میں نصف عشر اور جس زمین کی آبپاشی دونوں طرح ہو تو اس میں غالب کا اعتبار ہے۔اور اگر دونوں برابر ہوں۔تو نصف پیداوار میں عشر اور نصف میں نصف عشر (یعنی کل پیداوار کا ۳/۴۰ واجب ہوگا)ومثلہ فی امداد الفتاویٰ مبوب ج ۲ص ۵۳ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۶ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ

کیا ٹھیکہ کی اجرت عشر کی ادائیگی سے پہلے منہا کی جاسکتی ہے؟ محکمہ مال کا لگان عشر کے بعد دیا جائے جو رقم زمین ہموار کرنے پر خرچ کی گئی ہو کیا کل پیداوار سے منہا کرنا جائز ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں۔

(۱) زید نے کچھ زمین بکر سے ٹھیکہ (اجرت) پر لی مثلاً فی ایکڑ ۸۰ اسی روپیہ یا چھ من گندم یا ایسی کوئی اور جنس غلہ اجرت مقرر ہوئی کیا عشر ٹھیکہ (اجرت) ادا کرنے کے بعد نکالا جائے یا قبل۔(۲) کیا محکمہ مال کا معاملہ (لگان) جملہ پیداوار سے وضع کر کے باقی غلہ سے عشر ادا کرنا چاہیے یا قبل۔(۳) اگر زمیندار کاشتکاری کے لیے مزدوروں کو زمین پر لگائے مثلاً مستقل تنخواہ خوار ہوں۔یا ترکھان لوہار یا زمین کو آباد اور درست (ہموار) کرنے کے لیے مزارع لگائے تو کیا ان مزدوروں کی اجرت نکالنے کے بعد عشر دیا جاوے یا قبل نیز کاشتکاری کے دیگر متفرق اخراجات مثلاً گہائی اور غلہ کی صفائی یا فصل کی کٹائی اور فصل کی حفاظت کی اجرت وضع کرنے کا حکم بیان فرماویں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ابتداء جتنی پیداوار ہو۔کل پیداوار میں بلا وضع مصارف عشر واجب ہے۔سرکاری ٹیکس یا دیگر متفرق اخراجات کر کے باقی سے نہیں۔قال فی شرح التنویر بلا رفع مؤن ای کلف الزرع بلا اخراج البذر لتصریحهم بالعشر فی کل الخارج (ج ۲/ص ۵۶)

یہ تینوں سوالوں کا جواب ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۹ جمادی الاخری ۱۳۸۸ھ
الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مقروض شخص زمین کی پیداوار سے قرضہ کی رقم منہا نہیں کرسکتا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید ۸۰۰ روپے کا مقروض ہے اور اس کی زمین سے ایک ہزار روپے کی گندم ہوئی ہے۔اب وہ عشر نکالنا چاہتا ہے۔آیا عشر بعد ادائے قرض باقی ماندہ گندم پر واجب ہے۔یا کل جنس پر کیا مثل زکوٰۃ قرضہ عشر کو بھی مانع ہے یا نہیں۔بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

عشر ادا کرنے میں زمین کی پیداوار کا اعتبار کیا جائے گا۔یہاں تک کہ کھیتی اور نگرانی کرنیوالے کے مصارف بھی اس پیداوار سے نہیں نکالے جائیں گے۔شرائط زکوٰۃ اور ہیں اور شرائط عشر اور لہٰذا ایک ہزار روپے کی گندم سے عشر نکالا جائے گا۔قرض اس میں سے نہ نکالا جائے گا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سید مسعود علی قادری مفتی مدرسہ انوار العلوم ملتان
الجواب صحیح عبداللہ عفا اللہ عنہ

عشر دیتے وقت زمین کے اخراجات کا منہا کرنا جائز نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ عشر نکالتے وقت جو خرچہ ہوا ہے۔ وہ نکال کر عشر نکالے یا خرچہ نکالے بغیر ادا کرے۔ تفصیل کے ساتھ تحریر فرماویں اور اس کے ساتھ کتاب کا حوالہ بھی ہونا چاہیے۔

﴿ج﴾

بلا وضع مصارف کل پیداوار میں عشر واجب ہے۔ قال فی شرح التنویر بلا رفع مؤن ای کلف الزرع و بلا اخراج البذر لتصریحهم بالعشر فی کل الخارج . (الدر المختار علی هامش رد المحتار ص ۱۵۶ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۰ جمادی الاولی ۱۳۹۴ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۱ جمادی الاولی ۱۳۹۴ھ

زمین کی اجرت سے حاصل ہونے والی رقم پر زکوۃ ہوگی یا عشر؟
اجرت پر دی گئی زمین کا عشر مالک پر ہوگا یا مستاجر پر؟

﴿س﴾

ایک شخص نے اپنی سفید زرعی زمین یا باغ اجرت پر دے دی ہے اور رقم وصول کر لی ہے۔ اب اس شخص کی اس آمدنی پر عشر واجب ہوگا یا زکوۃ اور کیا فوری طور پر واجب ہوگا یا کہ سال گذرنے کے بعد نیز اگر اجرت دینے والے پر عشر واجب نہیں ہوتا تو کیا مستاجر پر واجب ہوگا یا نہیں۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اس شخص کو جو رقم حاصل ہوئی ہے۔ اس رقم کو سابقہ نقد کے ساتھ ملا لیا جائے گا۔ اور جب سابقہ رقم پر سال گذرے گا تو اس کے ساتھ اس پر بھی زکوۃ واجب ہو جائے گی۔ (۲) عشر کے بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ علامہ شامی کی تحقیق یہ ہے کہ اگر زمین کی اجرت کامل وصول ہو۔ مطابق عرف کے تو مالک زمین پر عشر ہوگا اور اجارہ معمولی رقم پر ہوا ہے اور پوری اجرت نہیں ملی تو مستاجر پر ہے۔ فقط واللہ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

باغ یا کھیت فروخت کرنے کے بعد عشر کس پر ہوگا
پکے پھل یا کچے پھل، پکی یا کچی فصل کے متعلق مفصل تحقیق

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ یہاں کے لوگ اکثر زمینوں پر سیب کے باغات لگاتے ہیں۔ جب ثمر کا ظہور ہو جاتا ہے تو فروخت کرتے ہیں۔ (قبل الادراک) جس پر ہر ایک آدمی ہزار ہا روپے وصول کرتا ہے۔ اس سے پہلے تو بائعین عشر ادا کیا کرتے تھے۔ لیکن اب ایک پیر صاحب نے یہ حکم دیا کہ یہ عشر مشتریوں پر ہے۔ کیونکہ عند الادراک ان کے ملک میں ہیں۔ اب چونکہ بسا اوقات مشتری کو معمولی نفع حاصل ہوتا ہے۔ کبھی نقصان کبھی اپنا راس المال فقط حاصل ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ عشر ادا کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہے۔ نتیجہ یہ کہ عشر کوئی بھی نہیں دیتا اور فقہاء کی عبارات ذیل بھی سمجھ نہیں آتی ہیں۔

(۱) امداد الفتاویٰ۔ ج ۲/ص ۱۵۰ ایسے ہی سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ میرے نزدیک قول ابی یوسف اعدل ہے۔ اس بنا پر پختگی ثمرہ کے وقت جس کے پاس وہ باغ ہے۔ اس پر عشر واجب ہوگا۔ الخ۔ اور فتح القدیر ج ۲/ص ۸ پر ہے۔ واشتری زرعا وترکه باذن البائع فادرک الخ. آگے لکھتے ہیں۔ وعند ابی یوسف عشر قیمة القصیل علی البائع والباقی علی المشتری الخ.

بدائع الصنائع ج ۲/ص ۵۷ وعن ابی یوسف انه قال عشر قدر البقل علی البائع وعشر الزیادة علی المشتری وکذلک حکم الثمار علی هذا التفصیل الخ. ایسے ہی شامی ج ۲/ص ۶۰ پر ہے۔ امام ابو یوسف کے مذہب کے بارے میں امداد الفتاویٰ کی عبارت سمجھ میں نہیں آتی۔

(۲) امام ابو حنیفہؒ کا مذہب وقت وجوب عشر کے بارے میں عند ظہور الثمرۃ والزرع ہے جس کی بنا پر عشر مذکورہ سوال میں بائع پر ہونا چاہیے اور صاحب بدائع نے اپنی عادت کے موافق قول ابو حنیفہ کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ دلیل امام ابو حنیفہ کو مؤخر کیا ہے۔ دیکھو۔ ج ۲/ص ۶۶ بدائع اور صاحب بدائع کی اس عادت پر رسائل ابن عابدین (رسم المفتی) میں تصریح کی ہے۔

ویضمن عشر ما اکل واطعم عند ابی حنیفةؒ شامی ج ۲/ص ۵۸ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ پھر شامی ج ۲ ص ۶۰ ثم هذا اذا باع الزرع وحده وشمل ما اذا باعه وترکه المشتری باذن البائع حتی ادرک فعندهما عشره علی المشتری الخ. اس کی علت لتحول العشر من

الساق الی الحب الخ . ایسے ہی بدائع ۔ ج ۲/ص ۵۷ اور فتح القدیر ج ۲/ص ۸ پر ہے۔

اب حسب ذیل باتوں کی وضاحت مطلوب ہے۔

(۱) مذکورہ مسئلہ میں امام ابو یوسف کا مذہب کیا ہے۔ (۲) امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کی بنا پر عشر کس پر واجب ہے۔ (۳) کیا بیع قبل الادراک کی صورت میں ثمار اور زرع میں فرق ہے۔ جیسے کہ لفظ لتحول العشر سے معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر فرق نہیں تو جب بصورت اکل یا اطعام ثمر قبل الادراک ضمان عشر مالک پر ہے۔ تو بیع کی صورت میں ضمان ہونا چاہیے۔ (۴) جب صاحب بدائع نے امام ابو حنیفہؒ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ تو اب کس قول کو معمول بنایا جائے خاص کر ہمارے ماحول میں۔ نیز اگر پھول نکلنے کے بعد اور پھل سے پہلے فروخت کی جائے تب عشر کس پر ہوگا۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جوابات بالترتیب درج ذیل ہیں۔ (۱) اگر بعد از ادراک بیع ہو چکی ہو تب تو بالاتفاق عشر بائع پر ہے۔ اسی طرح اگر قبل از ادراک بیع ہو چکی ہو اور مشتری نے سبز کھیتی اور کچے پھلوں کو کاٹ دیا ہو تب بھی بالاتفاق عشر بائع پر ہے اور اگر بیع قبل الادراک ہو اور مشتری اس کو بعد الادراک کاٹ لے تو اس صورت میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک قبل از ادراک اس کچے پھل کی جو قیمت ہوگی۔ اس کا عشر بائع پر واجب ہو گا اور جو ادراک سے قیمت میں زیادتی ہوگئی ہے۔ اس قدر زائد کا عشر نہ کل قیمت کا عشر مشتری کے ذمہ ہوگا۔

(۲) اور امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس صورت میں کل پھلوں کا عشر مشتری کے ذمہ ہوگا، کما قال فی الدر المختار علی هامش رد المحتار . ج ۲ /ص ۶۰ ولو باع الزرع ان قبل ادراکه فالعشر علی المشتری ولو بعده فعلی البائع. اور درج بالا مسئلہ کی تفصیل بدائع۔ ج ۲/ص ۵۸ پر موجود ہے۔

(۳) ثمار اور زرع کے مابین کوئی فرق نہیں ہے اور بصورت اکل یا اطعام زرع وثمر قبل از ادراک اس قدر مستہلک کا عشر مالک پر واجب ہوتا ہے اور بیع کی صورت میں قدر مبیع کا عشر بائع کے ذمہ واجب نہیں ہوتا ہے بلکہ بعد از ادراک قطع مشتری کی صورت میں کل عشر مشتری کے ذمہ واجب ہوتا ہے اور فرق بالکل واضح ہے۔ وہ یہ کہ صورت بیع اور قطع مشتری بعد از ادراک میں تو وجوب عشر از ذمہ بائع مشتری کی طرف منتقل ہو گیا ہے اور بصورت اکل چونکہ استہلاک آ گیا ہے۔ لہٰذا انتقال وتحول نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا اس کا عشر بائع کے ذمہ ہوتا ہے۔

لعدم التحول والانتقال کما فی البدائع. ج ۲/ص ۵۷.

(۴) قول امام اعظم مفتی بہ ہے۔ اور اس کو ہی معمول بنایا جائے۔ اگر پھل پکنے سے قبل فروخت کرے تو چونکہ یہ بیع باطل ہے۔ لہٰذا پیدا ہونے والا پھل بائع کی ملک سے خارج ہی نہ ہوا لہٰذا اس کا عشر بائع کے ذمہ ہی ہو گا۔ ھکذا فی امداد الفتاوی. ج ۲ /ص ۵۰ امام ابو یوسف کے مذہب کی تشریح اوپر کر دی گئی ہے باقی صاحب امداد الفتاوی کو اس مسئلہ میں تسامح ہو گیا ہے لہٰذا کوئی اشکال نہ رہا۔ باقی وجوب عشر عند ظهور الثمرة یا عند الحصاد یا عند فی الجرین یہ دوسرا مسئلہ ہے۔ اور بیع کی صورت میں وجوب عشر برذمہ بائع ہو یا مشتری یہ مسئلہ دیگر ہے۔ اس کی تشریح آپ بدائع۔ ج ۲/ص ۶۳ (فصل) واما وقت الوجوب میں دیکھ لیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

عشر کے متعلق حضرت تھانوی کی ایک عبارت پر شبہ اور اس کا ازالہ

﴿س﴾

ابھی تک ہمارا خیال یہ تھا کہ زمین کی پیداوار سے عشر (۱/۱۰) حصہ مالک کے ذمہ ادائیگی ہوتی ہے۔ حضرت مولانا تھانوی صاحب کی تفسیر سے یہ معلوم ہوا کہ عشر کی ادائیگی بذمہ مزارع ہے۔ چونکہ ہم عام آدمی ہیں۔ شاید صحیح مطلب نہ سمجھ سکے ہوں مہربانی فرما کر اپنی رائے عالی سے مطلع فرمائیں۔ فقط واللہ اعلم

﴿ج﴾

مزارعت۔ یعنی بٹائی کی صورت میں عشر دونوں پر ہے۔ یعنی جس قدر غلہ مالک زمین کے حصہ میں آوے اس کا عشر وہ دے اور جس قدر کاشتکار کے حصہ میں آئے اس کا عشر وہ دے۔ وفی المزارعة ان کان البذر من رب الارض فعلیه ولو من العامل فعلیهما بالحصة (درمختار) ان العشر علی رب الارض عنده علیهما عندهما الخ. وهو الظاهر لما فی البدائع من ان المزارعة جائزة عندهما والعشر یجب فی الخارج والخارج بینهما فیجب العشر علیهما (رد المحتار باب العشر . ص ۱۶۱ ج ۲) مولانا تھانوی صاحب بہشتی زیور میں لکھتے ہیں۔ مسئلہ۔ یہ بات کہ یہ دسواں یا بیسواں حصہ کس کے ذمہ ہے۔ یعنی زمین کے مالک پر ہے یا پیداوار کے مالک پر ہے۔ اس میں بڑا عالموں کا اختلاف ہے۔ مگر ہم آسانی کے واسطے یہی بتلایا کرتے ہیں کہ پیداوار والے کے ذمہ ہے۔ سو اگر کھیت ٹھیکہ پر ہو

خواہ نقدی یا غلہ پر تو کسان کے ذمہ ہوگا۔ اور اگر کھیت بٹائی پر ہو تو زمیندار اور کسان دونوں اپنے اپنے حصہ کا دیں۔ (بہشتی زیور ص ۳۹ حصہ ثالث) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۴ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ

سندھ کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟' عشری ہونے کی صورت میں عشر مالک پر ہوگا یا مزارع پر؟ اجرت پر دی گئی زمین کے عشر کا حکم' عشر آبیانہ وغیرہ کے ادا کرنے سے ادا نہیں ہوتا کیا عشر کی رقم امام مسجد کو تنخواہ میں دی جا سکتی ہے؟' شیعہ وسنیوں کا نمازِ جنازہ میں مخلوط کھڑا ہونا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسائل (۱) کہ علاقہ سندھ کی زمینیں جو کہ انگریز عملداری میں یا بعدہ حکومت پاکستان سے خریدی گئی ہیں۔ ان زمینوں کی پیداوار میں شرعی طور پر عشر واجب ہے۔ یا نہ۔ کیونکہ قدیم تاریخی واقعات سے سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ زمین عشری ہیں یا خراجی۔ (۲) اگر یہ زمینیں عشری ہیں تو کیا مالک اور مزارع دونوں پر عشر ہے یا صرف مالک پر۔ (۳) اگر مالک زمین اپنی زمین کسی دوسرے آدمی کو مبلغ پچاس روپے یا کم و بیش فی ایکڑ کے حساب سے زمین ٹھیکہ پر دے دیتا ہے اور اپنی مجموعہ رقم یکمشت یا بصورت قسط وصول کر لیتا ہے۔ اس ٹھیکے والی زمین کا عشر مالک زمین پر ہے یا ٹھیکہ لینے والے پر ہے۔ حالانکہ ٹھیکہ لینے والا سرکاری معاملہ اور آبیانہ اور پانی کے کم و بیش کا تاوان بھی ادا کرتا ہے۔ کیا یہ سرکاری معاملہ اور آبیانہ وغیرہ ٹھیکہ لینے والے پر ہے یا مالک زمین پر۔ (۴) جن زمینوں میں عشر ہے۔ ان کا سرکاری طور پر معاملہ اور آبیانہ ادا کرنے پر عشر ادا ہو جاتا ہے اور فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔ یا الگ عشر وغیرہ ادا کرنا پڑے گا۔ (۵) عشر کی رقم وغیرہ بصورت تنخواہ امام مسجد وغیرہ ادا ہو سکتی ہے یا نہ۔ اگر عشر واجب ہے تو کیا معاملہ و آبیانہ ادا کرنے کے بعد کی آمدنی میں عشر ہوگا یا مجموعہ آمدنی پر۔ (۶) نیز سنی یا شیعہ میت کا مخلوط جنازہ جائز ہے یا نہ۔ یا یکے بعد دیگرے الگ الگ فریقین اپنے اپنے امام کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کر سکتے ہیں یا نہ۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح رہے کہ پاکستان کی وہ زمینیں جو اس وقت مسلمانوں کی ملک ہیں اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی ہیں۔ ارثاً و شراءً و ھلم جراً وہ زمینیں عشری ہیں۔ اور جو درمیان میں کوئی کافر مالک ہو گیا تھا۔ وہ عشری نہ رہی۔ اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہوا نہ اس وقت مسلمانوں کے پاس ہیں۔ تو سمجھا جائے گا کہ

مسلمانوں سے حاصل ہوئی ہیں۔ بدلیل الاستصحاب پس وہ بھی عشری ہوں گی۔ (امداد الفتاویٰ مبوب ج ۲ ص ۵۲) مگر یہ حکم ان زمینوں کا ہے جو عرصہ دراز سے نسلاً بعد نسل مملوکہ چلی آتی ہیں اور اس کے علاوہ کچھ اور قسم کی اراضی بھی ہیں۔ (۱) پاکستان میں غیر مسلموں کی اراضی جو مسلمانوں کو دی گئیں۔ (۲) حکومت پاکستان کی طرف سے نہروں کے ذریعے نو آباد اراضی جو مسلمانوں کو ملیں۔ (۳) حکومت برطانیہ کے وقت مسلمان ریاستوں کی طرف سے مسلمانوں کو ملنے والی اراضی۔ یہ تینوں قسمیں عشری ہیں۔

(۴) قیام پاکستان سے قبل یا بعد مسلمانوں نے حکومت پاکستان کی اجازۃ سے بذات خود ذرائع آبپاشی مہیا کر کے جو اراضی آباد کیں یہ عشری یا خراجی ہونے میں قرب و جوار کی اراضی کے تابع ہوں گی۔ اگر قرب و جوار میں دونوں قسم کی اراضی ہوں تو یہ نو آباد اراضی عشری ہوں گی (احسن الفتاوی ص ۳۱۹)

(۲) والعشر على الموجر كخراج موظف وقالا على المستاجر كمستعير مسلم وفي الحاوي وبقولهما نأخذ وفي المزارعة ان كان البذر من رب الارض فعليه ولو من العامل فعليهما بالحصة (در مختار. ص ۱۶۰ ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ اگر زمین کرایہ پر ہے تو بہ قول مفتی بہ کاشتکار پر ہے اور اگر بٹائی پر ہے اور تخم بھی کاشتکار کا ہے۔ تو زمیندار اور کاشتکار دونوں پر اپنے حصہ کے بقدر ہے۔

(۳) معلوم ہو کہ اگر موجر پوری اجرت لے اور مستاجر کے پاس بہت کم بچے تو عشر موجر کے ذمہ ہوگا اور اگر موجر کم اجرت لے اور مستاجر کے پاس زیادہ بچے تو مستاجر کے ذمہ ہے۔ موجودہ زمانہ میں عموماً اجرت کم لی جاتی ہے۔ مستاجر کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے وجوب عشر مستاجر پر ہوگا۔ ہاں اگر کسی جگہ پوری اجرت لی جائے۔ جس میں زمیندار عشر بخوبی ادا کر سکتا ہو۔ تو اس وقت وجوب عشر علے الموجر پر فتویٰ ہوگا۔ (درمختار) صورت مسئولہ میں اجرت اور پیداوار کی نسبت معلوم نہیں اس لیے حکم میں تعیین نہیں کی جا سکتی۔

(۴) سرکاری ٹیکس سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔ جس طرح کہ حکومت کی جانب سے انکم ٹیکس وغیرہ وصول کرنے سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی۔ عشر عبادت ہے۔ جس کا ادا کرنا لازمی ہے۔

(۵) بلا وضع مصارف کل پیداوار پر عشر واجب ہے۔ قال في شرح التنوير بلا رفع مؤن اى كلف الزرع وبلا اخراج البذر لتصريحهم بالعشر في كل الخارج. (ص ۱۵۶ ج ۲) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ابتداء جتنی پیداوار ہو اس میں سے عشر واجب ہے۔ ٹیکس وضع کر کے باقی سے نہیں۔ امام مسجد یا معلم وغیرہ اگرچہ مسکین ہو۔ تب بھی اسے تنخواہ میں زکوٰۃ کا مال دینا جائز نہیں۔ قال في الهنديه ولو

نوی الزکوة بما یدفع المعلم ای الخلیفة ولم یستاجره ان کان الخلیفة بحال لولم یدفعه لیعلم الصبیان ایضا اجزأه والا فلا. وکذا ما یدفع الی الخدم عن الرجال او النساء فی الاعیاد وغیرها بنیة الزکوة کذا فی معراج الدرایة . وفی الکنز الزکوة هی تملیک المال بغیر عوض الخ.

(۲) شیعہ کا وہ فرقہ جو سب شیخین نہ کرے اور اصحاب کو برا نہ کہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے افک کا قائل نہ ہو اور کوئی عقیدہ کفریہ نہ رکھتا ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اگر اہل سنت و جماعت بھی ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں یا پڑھائیں تو کچھ حرج نہیں ہے۔ لیکن پاکستان کے شیعہ ایسے نہیں ہیں۔ اس لیے مطلقاً سنی اور شیعہ کا جنازہ ضروری ہے کہ علیحدہ علیحدہ پڑھے۔ واللہ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۸ جمادی الاخری ۱۳۸۸ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۴ جمادی الاخری ۱۳۸۸ھ

نہری زمین میں نصف عشر واجب ہوگا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ نہری زمین یعنی وہ زمین جو نہر پر آبیانی ہوتی ہیں اور حکومت مالیہ وصول کرتی رہی۔ دسواں حصہ یا بیسواں حصہ زکوۃ ادا کرنا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

نہری زمینوں میں جن میں پانی کا محصول (آبیانہ) دیا جاتا ہے۔ نصف عشر (بیسواں حصہ) واجب ہوتا ہے۔ کما فی الدر المختار ویجب نصفه فی مسقی غرب ودالیة الخ. وفی کتب الشافعیة اوسقاه بماء اشتراه وقواعد نالاتاباه الخ (الدر المختار علی هامش رد المحتار باب العشر ص ۱۵۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۴ رجب ۱۳۹۰ھ

دریائی پانی سے سیراب ہونے والی زمین کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ جو زمین حکومت سے قیمۃً خریدی گئی ہو اور وہ زمین دریائی پانی [بذ]ریعہ نہر سیراب ہوتی ہو اور اس زمین پر حکومت کی طرف سے عائد شدہ مالیہ لگان ونیکس وغیرہ بھی ادا کیا جاتا ہو تو [مال]ک اس زمین پر عشر واجب ہوتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں عشر واجب ہے۔ کیونکہ سقی سماء وسیح میں عشر واجب ہوتا ہے۔ کما فی الدر المختار باب العشر وتجب فی مسقی سماء ای مطر وسیح کنهر بلاشرط نصاب الخ. (ص ۱۵۳ ج ۲) سرکاری ٹیکس وغیرہ سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔ عشر عبادت ہے۔ جس کا ادا کرنا لازمی ہے۔ جس طرح کہ حکومت کی جانب سے انکم ٹیکس وغیرہ وصول کرنے سے زکوۃ ساقط نہیں ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۳ شعبان ۱۳۸۸ھ

مزارعت پر دی گئی زمین میں عشر کس پر ہوگا؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء حضرات اس مسئلہ میں کہ زمیندار اپنی زمین دوسرے آدمی کو برائے کاشتکاری دیتا ہے۔ اب آمدنی زمین میں سے زمیندار اپنا حصہ لے لیتا ہے۔ کاشتکار بھی لے لیتا ہے۔ اب عشر دونوں پر ہے۔ یا فقط زمیندار پر۔

﴿ج﴾

مزارعت صحیحہ میں عشر زمیندار اور مزارع دونوں پر بقدر حصص ہے۔ یعنی عشر مشترک ادا کرنے کے بعد تقسیم کریں گے۔ قال فی الشامیة ولو دفع الارض العشریة مزارعة ان البذر من قبل العامل فعلی رب الارض فی قیاس قوله لفسادها وقالا فی الزرع لصحتها وقد اشتهر ان الفتوی علی الصحة وان من قبل رب الارض کان علیه اجماعا و مثله فی الخانیة. ص ۶۱ ج ۲ فقط واللہ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ

کاشتکار پر کھاد پانی وغیرہ کا بوجھ ہونے کے باوجود عشر واجب ہوگا؟
اگر کاشتکار کو کچھ بھی نہ بچا پھر بھی عشر واجب ہوگا؟
۴ من گندم بوئی گئی مگر حاصل ۳ من ہوئی تو عشر کا کیا حکم ہوگا؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں۔ (۱) ایک کسان نصفی بٹائی پر ایک زمیندار کی زمین کاشت کرتا ہے۔ جس میں ساری محنت مشقت کھاد تخم سب یہی کسان برداشت کرتا ہے۔ مالک زمین کو صافی

نصف محصول پہنچا دیتا ہے۔اب اس کسان پر اس زمین سے جو کچھ محنت مزدوری کے سبب حاصل ہوا۔اب اس میں یہی کسان عشر ادا کرے گا۔یا نہیں۔

(۲) اب اسی نصف بٹائی والے کسان نے زمین میں محنت مزدوری کر کے بوجہ غربت مالک زمین سے بطور قرضہ مثلاً چار من گندم برائے تخم ریزی لے لیا۔تخم ریزی کر کے فصل اگ گئی۔قحط سالی کی وجہ سے فصل اٹھانے کے موقع پر ساری زمین سے ۸ من گندم حاصل ہوئی۔جو ۴ من مالک زمین کا حصہ ہوا اور ۴ من اس مزدور کسان کو ملا۔مزدور کسان سے ڈھیری کے موقع پر مالک زمین نے اپنے تخم ریزی والے قرضہ میں وہ کسان کا حصہ بھی لے لیا۔کسان کو ڈھیری کے موقع پر کچھ نہ ملا۔کیا اب بھی کسان اپنے ۴ من حصے کا عشر ادا کرے گا۔اس غریب کسان کو خالی ہاتھ چھوڑنا کیسا ہے۔اس کے متعلق ذرا تفصیل سے مطلع فرمادیں۔

(۳) ایک مالک زمین نے بذات خود اپنی زمین میں محنت مزدوری کر کے ۴ من گندم تخم ریزی میں خرچ کیے۔فصل اٹھانے کے موقع پر زمین سے یعنی ڈھیری سے ۳ من گندم حاصل ہوئی یعنی جو تخم بویا تھا۔وہ بھی وصول نہ ہوا۔مزدوری تو چلی گئی۔کیا اب بھی اس ۳ من غلہ جو زمین سے وصول ہوا۔اس میں عشر ادا کرے گا۔یا نہیں۔

﴿ج﴾

(۱) اس صورت میں کاشتکار پر بقدر حصہ عشر نکالنا واجب ہے۔وفی المزارعة ان کان البذر من رب الارض فعليه ولو من العامل فعليهما بالحصة (الدر المختار علی هامش رد المحتار باب العشر ص ۱۲۱ ج ۲)

(۲) اس صورت میں بھی چار من کا عشر واجب ہے۔کما فی الدر المختار بلا رفع مؤن الزرع.

(۳) اس تین من غلہ کا عشر ادا کرنا واجب ہے۔حوالہ بالا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۴ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

نہری زمین سے اگر ٹیکس وصول کیا جائے تو نصف عشر ہے ورنہ عشر واجب ہوگا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے علاقے میں نہر جاری ہے اور لوگ نہر سے اپنی زمینوں کو سیراب کرتے ہیں اور حکومت عوام سے آبیانہ (ٹیکس) بھی لیتی ہے۔لہٰذا اس میں عشر ہے یا نصف عشر اور اگر حکومت آبیانہ نہ لے۔تو پھر کیا حکم ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

﴿ج﴾

نہری زمینوں میں جن میں پانی کا محصول دیا جاتا ہے۔نصف عشر واجب ہوتا ہے۔کما فی الدر المختار ویجب نصفه فی مسقی غرب و دالية الخ. وفی کتب الشافعية او سقاه بماء اشتراه وقواعدنا لاتاباه الخ. (الدر المختار علی هامش رد المحتار باب العشر ج ۲/ص ۵۵) لیکن اگر پانی کا محصول نہ دیا جاتا ہو یا پہاڑی نہروں سے سیراب کیا ہو تو اس میں عشر واجب ہوتا ہے۔هكذا فی الشامية.

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ

حکومت جو ٹیکس وغیرہ وصول کرتی ہے وہ عشر کا قائم مقام نہیں

﴿س﴾

السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ آپ کا رسالہ جو زکوٰۃ وعشر کے ضروری مسائل پر مشتمل ہے مطالعہ سے گذرا۔چند باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق آپ کی طرف سے قطعی فیصلہ دیا جانا ضروری ہے۔ملتمس ہوں کہ مہربانی فرما کر ان پر روشنی ڈالتے ہوئے جواب سے جلدی مشکور فرمائیں۔زمین عشری ہو خراجی نہ ہو۔تفصیل درکار ہے کہ موجودہ حالات میں ہم جو آبیانہ ومعاملہ اپنی حکومت کو ہر ششماہی ادا کرتے ہیں کیا عشر کی جگہ لے سکتے ہیں یا عشر میں مجری کیے جاسکتے ہیں۔جبکہ ہماری حکومت اگرچہ حکومت صحیح اسلامی نہ سہی۔مگر ان کے مسلمان ہونے میں تو کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

﴿ج﴾

حکومت جو معاوضہ پانی کا لیتی ہے۔آبیانہ وغیرہ کے نام سے۔نہ تو یہ عشر ہے اور نہ ہی عشر کے بدل یا عوض میں شمار کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی عشر میں اسے مجرا کر سکتے ہیں اور نہ ہی حکومت اسے عشر کے مصارف میں صرف کرتی ہے۔اس کے ہوتے ہوئے عشر نکالنا لازم ہے۔البتہ جس زمین کے پانی کا معاوضہ دیا گیا ہو اس میں یہ تخفیف ضرور ہو جائے گی کہ بجائے عشر کے نصف العشر (بیسواں حصہ) دینا لازم ہوگا۔(عشری زمین کی تفصیل بہشتی زیور حصہ سوم کے اندر مطالعہ فرمائیں) تھوڑی سی درج ذیل ہے۔عشری زمین ان مسلمانوں کی ہے جو کافروں سے بادشاہ اسلام فتح کر کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیتا ہے یا کافر خوشی سے اسلام قبول کرلیں تو ان کی زمین پر بھی عشر لازم آجاتا ہے۔مسلمان کافر سے زمین خرید کرے تو وہ عشری نہیں ہوتی۔پاکستان کی اکثر اراضی عشری ہیں اور عشر کے ادا کرنے میں ہی احتیاط ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبداللہ عفا اللہ عنہ

عشر کل پیداوار سے ادا کرنا واجب ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عشری زمین سے کتنا حصہ واجب ہے۔ اور ہمارے علاقہ جات کی زمینیں کیا عشری ہیں یا نہیں۔ نہری پانی والی زمینوں کا کتنا عشر دینا ضروری ہے۔ اور عشر نکالنے کے وقت اخراجات جو زمین کی کاشت پر لگائے جاتے ہیں از قسم اجرت ملازمین وغیرہ نکال کر عشر واجب ہے۔ یا سالم ڈھیری سے عشر واجب ہوتا ہے۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں زمین کی مجموعی پیداوار یعنی سالم ڈھیری سے (بغیر ملازمین وغیرہ کے اخراجات نکالنے کے) بیسواں حصہ نکالا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احمد عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

۱۲ من گندم دے کر اگر پانی خریدا جائے تو ۱۲ من گندم کا عشر کس پر واجب ہوگا؟

جس زمین کے لیے پانی خریدا گیا ہو اس کی پیداوار میں عشر ہوگا یا نصف عشر؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ۔

(۱) ہمارے بعض علاقے میں پانی کی کمی ہے۔ بعض لوگ پانی کے مالک سے بطور ٹھیکہ مثلاً ماہ کاتک سے لے کر ماہ ھاڑ تک ۱۲ من مثلاً گندم پر لیتے ہیں۔ جب قلت پوری ہو جائے۔ تو پانی کے مالک زمین کے مالک سے ٹھیکہ وصول کر لیں اور پانی اپنا مالک کورہ گیا۔ تو اس استفتاء میں میرے دو سوال ہیں۔

(۱) یہ کہ ٹھیکہ والی گندم کا یعنی ۱۲ من گندم کا عشر پانی کے مالک پر ہے۔ یا زمین کے مالک پر ہے۔ کیونکہ ۱۲ من گندم زمین کے مالک سے گیا ہے۔

(۲) جب وہ زمین اس پانی پر یعنی اس ٹھیکہ والے پانی پر سیراب ہو جائے اپنی میعاد تک یعنی فصل کاٹنے تک اس پانی مذکور پر وہ زمین سیراب ہو سکے گی۔ تو سوال یہ ہے کہ اس ساری گندم میں عشر دسواں حصہ ہے۔ یا بیسواں حصہ ہے۔ جناب یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ اگر بیسواں حصہ ہے تو ہمارے نصف علاقے میں بیسواں حصہ مقرر ہو

جائے گا۔ کیونکہ حکومت میں پانی معتبر و ملک پر لکھا گیا اور اکثر لوگوں کی زمین ہے اور پانی نہیں ہے اور مالک پانی کے بعض لوگ بطور بیع بالوفاء ۲۰۰ روپیہ یا تین سو روپیہ خرید لیتے ہیں۔ تو بس عشر کا یعنی دسواں کا سوال برخاست ہو گیا۔ اور بیسواں کا چرچا ہو گیا۔ بعض علماء کا قول اس زمین مذکورہ میں بیسواں حصہ عوام نے سنا ہے۔ یہاں بڑی خرابی پھیل گئی۔ لہٰذا آپ جناب مع حوالہ کتاب و مع تحقیق شق متعین کرا دیں۔ بڑی مہربانی ہوگی۔

﴿ج﴾

(۱) خریدے ہوئے پانی سے اگر زمین کو سیراب کیا جائے تو اس میں بیسواں حصہ دینا ہی واجب ہے۔ كما قال في الدر المختار على هامش رد المحتار. ج ۲/ص ۵۵ (و) يجب (نصفه في مسقى غرب) اى دلو كبير (ودالية) اى دولاب لكثرة المؤنة وفي كتب الشافعية اوسقاه بماء اشتراه وقواعدنا لاتأباه وقال في الشامية تحت (قوله وقواعدنا لاتأباه) كذا نقله الباقاني في شرح الملتقى عن شيخه البهنسي لان العلة في العدول عن العشر الى نصفه في مسقى غرب ودالية هي زيادة الكلفة كما علمت وهي موجودة في شراء الماء ولعلهم لم يذكروا ذلك لان المعتمد عندنا ان شراء الشرب لا يصح وقيل ان تعارفوه صح وهل يقال عدم شرائه يوجب عدم اعتباره ام لا تأمل نعم لو كان محرزا باناء فانه يملك الخ.

(۱) ٹھیکہ والی گندم کا عشر جو اس صورت میں بیسواں حصہ ہے۔ مالک زمین پر واجب ہے۔ یعنی ٹھیکہ والی گندم پر نیز دیگر اخراجات کے نکالنے کے بغیر اس گندم کا بیسواں حصہ دینا ضروری ہے۔ كما قال في الدر المختار على هامش رد المحتار. ج ۲/ص ۵۶ (بلا رفع مؤن) اى كلف (الزرع) وبلا اخراج البذر لتصريحهم بالعشر في كل الخارج ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبد اللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۹ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ

جس زمین کے پانی کا محصول ادا کیا جائے اس پر بیسواں حصہ واجب ہوگا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے بعض علاقوں کو نہر کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور ان مزارعین اور مالکان اراضی پر آبیانہ خاص مقدار میں آتا ہے۔ سالانہ مالیہ کے علاوہ کیا اس آبیانہ کا عشر پر اثر پڑے گا۔ یا نہیں۔ نیز عشر واجب ہوگا یا نصف عشر۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ جس پانی کی قیمت یعنی آبیانہ ادا کیا جائے اور اس سے زمین کو سیراب کیا جائے تو اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) واجب ہوگا ۔ کما قال فی الدر المختار علی ھامش رد المحتار . ج ۲/ص ۵۵ (و) یجب (نصفه فی مسقی غرب) ای دلو کبیر (ودالیة) ای دولاب لکثرة المؤنة وفی کتب الشافعیة او سقاه بماء اشتراه وقواعدنا لاتأباه وقال الشامی تحته (قوله وقواعدنا لاتأباه) کذا نقله الباقانی فی شرح الملتقی عن شیخه البھنسی لان العلة فی العدول عن العشر الی نصفه فی مسقی غرب ودالیة ھی زیادة الکلفة کما علمت وھی موجودة فی شراء الماء ولعلھم لم یذکروا ذلک لان المعتمد عندنا ان شراء الشرب لا یصح وقیل ان تعارفوه صح الخ. اور امداد الفتاوی ۔ ج ۲/ص ۵۴ پر ہے ۔ کچھ تعارض نہیں جس نہری میں دسواں لکھا ہے وہ وہ ہے جس میں سینچنا یعنی آبپاشی کرنا اور قیمت دینا نہ پڑے ۔ چنانچہ بہشتی زیور کی پہلی عبارت میں اس کی تصریح ہے اور جس نہری میں بیسواں حصہ لکھا مراد اس سے جس میں آبپاشی کرنا پڑے یا پانی کی قیمت دینا پڑے ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۸ ذوالحجہ ۱۳۸۵ھ

تعمیر میں استعمال ہونے والے درختوں میں عشر ہے یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں ۔ ہمارے ملک میں پہاڑ ہیں جس میں عمارتی لکڑی کی بہتات ہے اور ان پہاڑوں پر گذشتہ ۱۵ یا ۲۰ سال قوموں اور قبیلوں کے مابین جھگڑے قتل رہے اور کافی نقصانات انکو حاصل کرنے کے لیے ہوئے ہیں اور اس وقت ان پہاڑوں کو بانٹ کر اور حدود مقرر کر کے ہر شخص کو اپنا حصہ کم و بیش ملا ہے ۔ جس کی عمارتی لکڑی بیچ رہے ہیں کیا اس پر عشر ہے یا نہیں لہٰذا برائے مہربانی مدلل و مفصل جواب سے مشکور فرمائیں ۔

لعل محمد وزیرستان اڈہ معتل خیل داناساوتھ وزیرستان

﴿ج﴾

تعمیری لکڑی جبکہ وہ مقصود بالذات ہو زمین میں اور اسی سے استغلال الارض ہو جائے تو اس میں عشر واجب ہے تمام فقہاء احناف نے اس میں عشر کے وجوب کا قول کیا ہے ۔ صرف بحر الرائق میں امام ابو یوسف کا ایک قول منقول ہے ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ اس میں عشر واجب نہ ہو ۔ لیکن چونکہ امام صاحب و امام محمدؒ کے مذھب کے مطابق فتویٰ موجود ہے ۔ لہٰذا اس ایک روایت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا ۔ حتیٰ کہ علامہ شامی نے خاص انھی کے قول کو غیر مقبول ٹھہرایا ہے ۔ (الجرج ص ۲۳۷)

سب سے مفصل بیان اس مسئلہ کا فتاویٰ عالمگیریہ میں مرقوم ہے کیونکہ اس میں ان لکڑیوں کا نام لے کر عشر کے وجوب کا قول کیا گیا ہے ۔ فلا عشر فی الحطب والحشیش والقصب . والسعف لانّ الارض لا تستنمی بھذه الاشیاء بل تفسدھا حتی لو استنمی بقوائم الخلاف والحشیش والقصب وغصون النخل او فیھا دلب او صنوبر ونحوھا وکان یقطعه ویبیعه یجب فیه العشر. ج اول/ص ۱۹۷ خلاف بالکسر درخت بید فخلفه بیدستان کذا فی الصراح جلد دوم ص ۷۵ دلب بالضم درخت چنار دلبة یکے درلبته چنار ستان. کذا فی الصراح جلد اول ص. ۴۸ صنوبر درخت مانند کنار کذا فی الصراح. ج ۱/ص ۳۳۸ یہ ہیں آپ کی تعمیری لکڑیاں جس میں عشر کے وجوب کا قول احناف کے تمام فقہاء نے کیا ہے ۔ جنھوں نے پہلی تین چیزوں کے متعلق لکھا ہے کہ لا عشر فی الحطب والحشیش والقصب یہاں ہر ایک نے یہ وجہ بیان کر دی ہے ۔ چونکہ یہ اشیاء مقصود بالذات نہیں ہیں ۔ اس لیے ان میں عشر نہیں ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں کہیں ان اشیاء کو بالذات مقصود گردانا جائے اور استغلال کی عرض سے زمین میں چھوڑ دیا ہو وہاں پر عشر کے وجوب کا حکم ہوگا ۔ جیسا کہ صاحب ھدایہ نے صاف کہا ہے ۔ نیز صاحب بحر نے بھی اگلے صفحہ پر لکھا ہے ۔ وانما استثنی الثلاثة لانه لایقصد بھا استغلال الارض غالبا حتی لواستغل بھا ارضه وجب العشر البحر الرائق جلد ثانی ص ۲۳۸.

عبدالرحمٰن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۲۴ رجب ۱۳۸۹ھ

دار الاسلام ہو یا دار الکفر مسلمانوں کی مملوکہ زمین میں عشر ہی واجب ہوگا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اس زمانہ میں عشر واجب ہے یا مستحب چونکہ یہاں دار الحرب ہے بعضوں کے نزدیک ۔ بعض فرماتے ہیں ۔ اب بھی ہر مسلمان پر ہر آبادی کا عشر ین ساگ گھاس باغ و ہر سبزی پر

واجب ہے۔ بعض فرماتے ہیں۔ اب عشری زمین نہیں رہی اگر کوئی عشرین یا اربعین حصہ آبادی کا فی سبیل اللہ دے
بھی تو نفلی صدقہ ہوگا۔ چونکہ اب نہ عشری زمینیں ہیں نہ عشر نہ عشرین واجب ہے اور نہ بھی دے تو مجرم نہیں۔ بعض
فرماتے ہیں گو عشری زمینیں نہیں چاہے دار الحرب ہی کیوں نہ تصور کیا جائے۔ لیکن عشرین بہر صورت واجب ہے۔
دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ دین کی اشاعت واجب ہے۔ حکومت بے دین اور غدار ہے۔ بیت المال خزانے بنا
دیے گئے اور عشر کی بجائے ٹھیکہ مالیانہ مقرر کر کے حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ لہٰذا دین کی اشاعت
مسلمانوں پر بدستور واجب ہے۔ اس لیے اب عشر کی جگہ عشرین متاخرین نے مقرر کر دیا۔ جن کے ذریعہ درس و
تدریس دینی چل رہی ہے۔ اور زکوۃ فطرانہ قربانی عشر وغیرہ سے مساکین اور طلبا وغیرہ کی اعانت ہو رہی ہے۔ اس
لیے واجب ہے۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

مسلمان ملک میں اگر زمین عشری ہے تو اس کی پیداوار میں عشر ہے۔ حکومت خواہ اسلامی ہو یا کافر کی۔ عشر
کے وجوب و عدم وجوب میں حکومت کا کوئی دخل نہیں۔ قرآن پاک میں ہے۔ واتوا حقه يوم حصاده الأية۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۸ شوال ۱۳۹۶ھ

میراث میں سے عشر کی ادائیگی کیسے ہو؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص فوت ہوا اس کے باغ کے بادام پڑے تھے۔ وہ فروخت
کیے گئے تو تین ہزار کی مالیت کے ہوئے۔ اس سے تین سو روپے عشر کے ہوتے ہیں۔ اب تقسیم میراث سے عشر کی
رقم مستثنیٰ ہو کر یا چگونہ۔ جبکہ میراث میں حقدار نابالغ بھی ہیں۔ یا عشر کی رقم صرف بالغوں کے ذمہ ہوگی۔ فقط

﴿ج﴾

اگر یہ بادام متوفی مذکور کی زندگی میں حاصل کیے گئے تھے۔ اور عشر ادا نہیں کیا بلکہ وصیت کی تو پہلے کل پیداوار
سے عشر نکال کر بقایا کو شرعی طور پر تقسیم کیا جائے اور اگر وصیت نہیں کی تو بالغ افراد اپنے حصہ سے تبرع کے طور پر عشر
نکالیں نابالغ بچوں کے حصہ سے نہیں دے سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳ جمادی الاخری ۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۳ جمادی الاخری ۱۳۹۶ھ

تمام اخراجات سے پہلے عشر دیا جائے گا

کیا آئندہ آنے والی فصل کا عشر دینا اب جائز ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع شریف کہ حسب ذیل خرچ و اخراجات جو فصل پر ہوتے ہیں وہ
خرچ و اخراجات نکال کر پھر بقیہ خرمن سے دسواں یا بیسواں حصہ دیا جاوے گا یا ان خرچ و اخراجات کی قیمت اس
سے نہیں نکالیں گے بلکہ تمام خرمن سے عشر نکال دیا جاوے یا کچھ تفصیل ہے صحیح جواب سے مطلع فرما کر ثواب دارین
حاصل فرماویں۔

نمبرا۔ چاہ پر لوہے لکڑی رسے خرچ ہوتے ہیں (۲) لوہار، درکھان و دیگر خدمت گاران کو رکھا جاتا ہے ان کا
غلہ شروع زراعت سے تصور ہوتا ہے یا ان کی اشیاء کی قیمت دی جاتی ہے۔ نمبر ۳۔ کٹائی گندم پر اور برداشتی گندم پر
اور بیل سے کوفتہ ہونے پر اور صفائی غلہ پر خرچ و اخراجات ہوتے ہیں یا کچھ غلہ مقرر کیا جاتا ہے۔ (۴) بڑے
بڑے زمیندار ڈیبر رکھتے ہیں کہ جو غلہ کو وزن کر کے مزارع زمین کو تقسیم کر دیتے ہیں اسی طرح منشی رکھتے ہیں جو غلہ
کا وزن اور حساب کرتے ہیں اور زراعت کے خورد برد ہونے سے حفاظت کرتے ہیں اور کارمختار رکھتے ہیں جو
مزارعین کو کام بتلاتے ہیں اور مزارعین کا ردوبدل وغیرہ کرتے ہیں۔ ان کو کلی اختیار ہوتے ہیں۔ (۵) نیز جب
زراعت پختہ ہو جاوے یا قریب پختہ ہونے کے ہو تو سابقہ گندم سے یا قیمت کی صورت آئندہ فصل کا عشر دینا جائز
ہے یا نہ۔

السائل حافظ فتح اللہ خا کوانی بذریعہ مولوی محمد ابراہیم مدرسہ قاسم العلوم

﴿ج﴾

سب سے پہلے عشر کا نکالنا واجب ہے اس کے بعد جملہ اخراجات از قسم آلات و اجرت مزدور کارمختار دبیر
منشی وغیرہ جو بالتفصیل سوال میں مذکور ہیں ادا کرنا چاہیے۔ مندرجہ ذیل عبارت درمختار سے تقریباً تمام اشیاء کا حکم
مستفاد ہوتا ہے۔ حيث قال صاحب الدر بلا رفع مؤن اى كلف الزرع وبلا اخراج البذر
لتصريحهم بالعشر فى كل الخارج درمختار جلد ثانى۔ اس کی تشریح علامہ شامی نے یوں فرمائی
ہے۔ (قوله بلا رفع مؤن) اى يجب العشر فى الاول ونصفه فى الثانى بلا رفع اجرة

العمال ونفقة البقر وكرى الانهار واجرة الحافظ ونحو ذلك . قال فى الفتح يعنى لايقال بعدم وجوب العشر فى قدر الخارج الذى بمقابلة المؤنة بل يجب العشر فى الكل الخ. شامى. ج ۲ /ص ۵۶ عبارت مذکورہ بالا سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جتنا غلہ فصل سے حاصل ہو جائے اس تمام غلہ سے عشر نکالے بعد از عشر جتنا غلہ باقی رہ جائے۔ اس میں سے مذکورہ فی السوال اشیاء کا خرچ و اخراجات ادا کرے یا باقی ماندہ غلّہ سے بجائے غلہ کے قیمت دے دے۔ بہر حال عشر ان اشیاء کے خرچ و اخراجات سے پہلے نکالنا چاہیے۔ علامہ شامی نے جو تشریح کی ہے ان سے چاروں سوالات کے جوابات معلوم ہو گئے۔ نمبر ۵ کا جواب قواعد کی رو سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب فصل پختہ ہو تو چونکہ اس میں عشر واجب ہے لہٰذا اس سے غلہ حاصل کرنے سے پہلے اگر عشر دے دیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ لیکن ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ فصل کٹائی سے قبل اس میں یہ احتمال ہے کہ فصل ہلاک ہو جائے نیز غلہ حاصل کرنے سے پہلے اس کی مقدار بھی مجہول ہوتی ہے تو عشر کا اندازہ لگانا بھی دشوار ہوگا۔ البتہ اگر بالکل ہری فصل کو کاٹنا چاہے تو اس میں ہری فصل کا عشر دینا ہوگا اس وقت یہی ہری فصل جسے خوید کہتے ہیں مقصود بالذات ہے. كما قال العلامة الشامى غير انه لو فصله قبل انعقاد الحب وجب العشر فيه لانه صار هو المقصود (شامى. ج ۲ /ص ۵۵) تخمینہ لگا کر بعد از حصول غلہ وہ تخمینہ ٹھیک نکلا تو جتنی کمی باقی رہ گئی ہو اس کو پورا کر دیں۔ واللہ اعلم

عبداللہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

سرکاری ٹیکس ادا کرنے سے عشر ادا نہیں ہوتا، آزاد کی بیع حرام ہے منعقد ہی نہیں ہوتی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ۔ (۱) ایک علاقہ کی زمین جس کی آبادی محض بارش و برسات کے تحت ہے۔ جس طرح بلوچستان میں پہاڑی علاقہ کی زمین ہے۔ اور حکومت پاکستان اس سے مقرر کردہ ٹھیکہ لیتی ہے۔ کیا اس ٹھیکہ لینے سے زمین کی پیداوار کا عشر ساقط ہوتا ہے۔ یا نہیں۔ برائے مہربانی سقوط و عدم سقوط کے دلائل وضاحت سے تحریر فرما دیں۔

(۲) زید اپنی لڑکی ہندہ کو عمرو کے نکاح میں دیتا ہے۔ بایں شرط کہ عمرو دس ہزار روپیہ زید کو اس کی لڑکی کے بدلہ میں دے گا۔ اور زید بجائے اس کے کہ اس رقم کو اپنی لڑکی کے حق مہر کے نام سے لے کر اس لڑکی کے قبضہ میں دلائے، خود لے کر رکھا جاتا ہے۔ آیا یہ رقم زید پر حلال ہے یا نہیں۔ اگر کسی صورت میں حلال ہے تو کونسی ہے۔ اور

اس رقم سے بالفرض زمین لی گئی ہو۔ تو زکوٰۃ و عشر نکالا جائے گا یا نہیں۔ نیز کسی اور رشتہ دار یا مزدور یا مسافر یا نا معلوم یا قرض خواہ یا غریب کے لیے حلال ہے یا نہیں۔ بہر حال حلت و حرمت کی تمام مختلف و متفق صورتوں سے بالوضاحت مطلع فرماویں۔

﴿ج﴾

(۱) سرکاری ٹیکس سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔ عشر ایک عبادت ہے۔ جس کا ادا کرنا لازمی ہے۔ جس طرح کہ حکومت کی جانب سے انکم ٹیکس وغیرہ وصول کرنے سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔ اخذ البغاة والسلاطين الجائرة زكوة الاموال الظاهر كالسوائم والعشر والخراج لا اعادة على اربابها ان صرف الماخوذ فى محله الأتى ذكره ولا يصرف فيه فعليهم فيما بينهم وبين الله اعادة غير الخراج (الدر المختار على هامش رد المحتار باب زكوة الغنم. ج ۲/ص ۲۶)

(۲) حر مرد اور عورت کی بیع ناجائز اور اس کے عوض میں رقم حاصل کرنا حرام ہے۔ قال فى الشامية و شرط المعقود عليه ستة كونه موجود امالا متقوما مملوكا فى نفسه وكون الملك للبائع فيما يبيعه لنفسه وكونه مقدور التسليم فلم ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم كالحمل واللبن فى الضرع والثمر قبل ظهوره وهذا العبد فاذا هو جارية ولابيع الحر والمدبر وام الولد والمكاتب ومعتق البعض الخ (رد المحتار مطبوعه مصر. ج ۴/ص ۵۰۵) وايضا فيه ومن السحت ما يأخذه لصهر من الختن بسبب بنته بطيب نفسه حتى لو كان بطلبه يرجع الختن به مجتبى (رد المحتار ص ۱۳۰۱ ج ۵) وقال النبى صلى الله عليه وسلم ثلاثة انا خصمهم يوم القيمة رجل اعطى ثم غدر ورجل باع حرا فاكل ثمنه ورجل استأجرا جيرا فاستوفى منه ولم يعط اجره (البخارى) پس مسئولہ صورت میں زید پر دس ہزار روپیہ مالک رقم عمرو کو واپس کرنا واجب ہے۔ حرام رقم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ بلکہ تمام رقم کا رد علی المالک واجب ہے۔ اگر مالک معلوم نہ ہو تو تصدق علی الفقراء واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ یکم ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ

مقروض پہ بھی عشر واجب ہے‘ نابالغ کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی‘ عشر واجب ہوتا ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ (۱) قرض دار پر عشر زمین ادا کرنا واجب ہے یا نہیں۔ (۲) یتیم کی میراث سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا نہیں جبکہ اس کے بچے نادار اور غریب ہوں۔

﴿ج﴾

(۱) عشر واجب ہے۔ اگر قرضدار ہو۔ (۲) نابالغ کے مال میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی عشر واجب ہے۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۷ شعبان ۱۳۸۶ھ

جس فصل کے بیج ادھار لیے گئے ہوں اس کے عشر کا حکم‘ اگر ہری فصل کاٹی گئی اس میں عشر ہوگا یا نہیں؟ گورنمنٹ جو لگان وصول کرتی ہے کیا وہ عشر کی جگہ نا کافی ہے؟‘ مہاجرین کو دی گئی زمین پر عشر واجب نہیں عشری اور خراجی زمین میں کیا فرق ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ (۱) مثلاً زید نے بکر کو گندم یا نخود کی کاشت کے لیے تخم دیا۔ بکر نے اسے کاشت کیا اب فصل تیار ہوگئی ہے۔ کیا اب زید تخم کو الگ کر کے بقیہ آمدنی سے عشر ادا کرے۔ یا کہ سالم آمدنی سے (ب) نیز بکر جو کہ مزارع ہے۔ اس کا حصہ الگ کر کے عشر ادا کرے یا کہ پہلے۔ (۲) کسی شخص نے گندم اور نخود وغیرہ بہت سے کاشت کیے۔ جب فصل تیار ہوگئی۔ کچھ بغیر کٹائے کے فروخت کر دے اور کچھ ابھی سبز ہے کہ مال مویشی کو کاٹ کر کھلا دے کیا ان سے بھی عشر نکالنا ضروری ہے۔ یا کہ معاف۔ (۳) موجودہ حکومت جو معاملہ و لگان وصول کرتی ہے۔ کیا عشر کے قائم مقام ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اگر ہو جاتا ہے۔ تو کیا وہ لگان وضع کر کے بقیہ عشر نکالا جائے یا نہ۔ (۴) مہاجرین کو جو غیر مسلموں کی اراضی دی گئی ہیں۔ اس سے حکومت چھ گنا معاملہ وصول کرتی ہے۔ کیا اس اراضی پر بھی عشر ہے۔ (۵) عشری اور خراجی زمین میں کیا فرق ہے۔ ہماری زمین عشری ہیں یا خراجی۔

﴿ج﴾

زید پر واجب ہے کہ کامل آمدنی سے بغیر تخم کے الگ کرنے کے عشر ادا کرے۔ (وفی الدر المختار)

تحت قوله و بلا رفع مؤن ای کلف الزرع وبلا اخراج البذر لتصریحهم بالعشر فی کل الخارج. (ب) جو حصہ بکر کا ہے اس کا عشر بکر پر جو مزارع ہے۔ واجب ہوتا ہے۔ نہ زید پر جو مالک زمین ہے۔ وقال العلامة الشامی. ناقلاً عن البحر والمجتبی والمعراج والسراج والحقائق والظهیریه وغیرها ان العشر علی رب الارض عندہٗ و علیهما عندهما ص ۱۲۱ ج ۲. اب اس عبارت سے معلوم ہوگیا کہ صاحبین کے نزدیک عشر مزارع اور صاحب زمین دونوں پر ہے۔ ان کے حصوں کے مطابق واجب ہوتا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے فصل میں سے جو بغیر کٹائی کے فروخت کیا ہے اور جو کاٹ کر اپنے مال مویشی کو کھلایا ہے۔ دونوں پر عشر واجب ہوتا ہے۔ فی الشامی ج ۲ صفحہ ۵۵ فلو استنمیٰ ارضه بقوائم الخلاف وما اشبهه او بالقصب والحشیش وکان یقطع ذالک ویبیعه کان فیه العشر. غایة البیان ومثله فی البدائع وغیرها قال فی الشرنبلالیه وبیع ما یقطعه لیس بقید ولذا اطلقه قاضیخان انتهی ما فی الشامی.

(۳) موجودہ حکومت جو محصول وصول کرتی ہے۔ وہ عشر کے قائم مقام نہیں ہوتا ہے۔ جب تک حکومت کی جانب سے بیت المال قائم ہو کر مصارف پر صحیح طور پر خرچ کرنے کی ذمہ داری نہیں لی جاتی۔ اس وقت تک حکومت کو ادا کیے گئے محصول کو عشر و زکوٰۃ وغیرہ صدقات میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اور جملہ غلہ زمین کا عشر نکالنا واجب ہوگا۔

(۴) مہاجرین کو دی ہوئی اراضی میں عشر واجب نہ ہوگا۔ چونکہ ان اراضی پر کافر کی ملکیت تھی یا اب بھی ہے۔ جب تک حکومت جائیداد متروکہ کا مستقل فیصلہ نہ کر دے۔ اس لیے یہ زمین عشری نہیں ہے اور نہ اس پر عشر واجب ہے۔

(۵) جو زمین کفار کی ہو۔ اور اسے قہراً فتح کر کے مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر لیا ہو۔ یا مسلمان نے اسے آباد کیا لیکن کفار کی نہروں کے پانی سے آباد کیا۔ تو یہ خراجی ہیں اور جو زمین مسلمان نے کنویں‘ چشموں‘ بارانی پانی‘ مسلمانوں کی کھودی ہوئی نہروں سے آباد کی ہو۔ وہ عشری ہے۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۸۶ھ

عشر فرض ہے یا واجب؟‘ عشر کا نصاب اور مصرف کیا ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل مندرجہ ذیل کے بارے میں۔

(۱) عشر فرض ہے یا واجب۔ (۲) فی زمانہ جبکہ موجودہ مسلمان حکومت زمیندار سے زمینی ہر قسم کی پیداوار پر

معاملہ اور آبیانہ بطور نقدی وصول کرتی ہے۔ کیا اس صورت میں زمیندار پر عشر عائد ہوتا ہے۔ (۳) اگر عشر عائد ہوتا ہے۔ تو اس کے نصاب اور مصرف کے متعلق مفصل طور پر آگاہی بخشی جائے۔

﴿ج﴾

(۱) عشر فرض ہے۔ قال جل مجدہ واتوا حقہ یوم حصادہ الأیہ وغیر ذالک من لنصوص. (۲) اگر زمین عشری ہے تو سرکاری محصول دینے سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔ فیما بینہ وبین اللہ قراء کو دسواں اگر زمین بارانی یا سیلابی ہے یا بیسواں اگر چاہی ہے یا نہری دینا چاہیے۔ ھذا ما اجاب بہ لمفتی عزیز الرحمن علیہ الرحمہ فی فتاوی دار العلوم. ج ۱/ص ۸۰.

(۳) عشر کے وجوب کے لیے کوئی نصاب نہیں ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔ ما اخرجتہ لارض ففیہ العشر. جتنا بھی زمین سے پیدا ہو جائے۔ اس میں عشر واجب ہے۔ اور مصرف عشر کا وہی ہے۔ و زکوٰۃ کا مصرف ہے فقراء مساکین ابن سبیل وغیرہ۔ جن کی تفصیل بہشتی زیور میں دیکھ لیں یا مقامی علماء سے ریافت کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم

الجواب صحیح بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۷۶ھ

اگر سرکاری ٹیکس سے عشر وزکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی تو ''ولا یجتمع العشر مع الخراج'' کا کیا مطلب ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ سرکاری مالگزاری' آبیانہ' مالیہ ٹیکس وغیرہ ادا کرنے سے عشر وزکوٰۃ اقط ہوتی ہے یا نہ؟ اور اس فقہی جزئیہ ولا یجتمع العشر مع الخراج کا کیا مطلب ہے؟

﴿ج﴾

سرکاری ٹیکس مالیہ' آبیانہ وغیرہ ادا کرنے سے عشر وزکوٰۃ وغیرہ ساقط نہیں ہوتی۔ زکوٰۃ وعشر عبادت مالیہ میں ے ہیں۔ ان کی فرضیت اور ان کا عبادت ہونا کتاب اللہ' سنت رسول اللہ اجماع اور قیاس سے ثابت ہے۔ ل اللہ تعالی اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ الأیہ. اس طرح متعدد آیات میں زکوٰۃ کی فرضیت کو نماز فرضیت کے ساتھ متصلا ذکر کیا گیا ہے اور حدیث شریف میں جو بخاری ومسلم کی ہے۔ زکوٰۃ کو ارکان اسلام

میں سے شمار کیا گیا ہے۔ کما قال بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله واقام الصلوة وایتاء الزکوة وصوم رمضان وحج البیت من استطاع الیه سبیلا. اور زکوٰۃ وعشر کے لیے اللہ تعالیٰ نے خاص مصارف فقراء ومساکین وغیرہ کو مقرر فرمایا ہے۔ کما قال الله تعالی انما الصدقات للفقراء والمساکین الأیه. سرکاری ٹیکس کے مصارف فقراء وغیرہ نہیں۔ بلکہ وہ تو حکومت کی ضروریات پوری کرنے کے لیے وقتی طور پر حکومت عائد کیا کرتی ہے۔ جس کا نہ تو اسلام کی رکنیت سے کوئی واسطہ ہے۔ اور نہ اس کے ادا کرنے سے زکوٰۃ وعشر ساقط ہوتی ہے۔ کما فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ص ۲۶ ج ۲ باب زکوٰۃ الاموال الظاهرة کالسوائم والعشر والخراج لا اعادة علی اربابها ان صرف الماخوذ فی محله الاتی ذکره وان لا یصرف فیه فعلیهم فیما بینهم وبین الله اعادة غیر الخراج اه. کتب فقہ کی عبارت۔ ''ولا یجتمع العشر مع الخراج'' سے بعض کو اشتباہ ہو گیا ہے۔ کہ سرکاری مال گزاری ادا کرنے سے عشر ساقط ہو جائے گا۔ حالانکہ اس فقہی جزئیہ سے مقصد یہ ہے کہ خراجی زمین سے باوجود خراج کے عشر لینا یا عشری زمین سے عشر کے ساتھ خراج بھی لینا جائز نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ عشری زمین سے خراج ادا کرنے سے عشر ساقط ہو جائے گا۔ کما قال فی شرح التنویر ولا یوخذ العشر من الخارج من ارض الخراج لانهما لا یجتمعان خلافا للشافعی وفی الشامیة ای لو کان له ارض خراجها موظف لا یؤخذ منها عشر الخارج وکذا لو کان خراجها مقاسمة من النصف ونحوه وکذا لو کانت عشریة لا یوخذ منها خراج لانهما لا یجتمعان. ولذا لم یفعله احد من الخلفاء الراشدین والالنقل وتمامه فی الفتح (رد المحتار. ج ۳/ص ۲۸۹) مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ کی دوسری سالانہ کانفرنس نے جس میں متعدد اسلامی ممالک کے علماء شریک تھے۔ درج ذیل قرارداد پاس کی ہے۔ ۱۔ ان ما یفرض من الضرائب بمصلحة الدولة لا یغنی القیام به عن اداء الزکوة المفروضة یعنی حکومت کی مصلحت اور خیر خواہی کے لیے جو ٹیکس لگائے جاتے ہیں وہ زکوٰۃ کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔ فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے اور واضح ہو کہ زمین عشری سے اگر خراج لے لیا جائے تب بھی عند اللہ عشر ساقط نہیں ہوتا۔ لہٰذا صاحب زمین کو عشر نکال کر فقراء کو دینا چاہیے۔ انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۸ محرم ۱۳۹۳ھ

حکومت پاکستان نے درج ذیل شرائط کے ساتھ جو زمینیں لوگوں کو دی ہیں ان میں عشر ہے یا نہیں؟

زمیندار اور مزارع اپنے اپنے حصہ کا عشر دیں گے

زمین کی پیداوار سے قبل از عشر اخراجات منہا کرنا جائز نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل میں کہ موجودہ پاکستانی زمین میں جو زمینداروں کے پاس حسب ذیل شرطوں پر ہے (۱) ان سے ہر پانچویں سال تحریر لی جاتی ہے آپ کی جتنی زمین ہے اگر حکومت کو ضرورت پڑ گئی تو بلا معاوضہ لے سکتی ہے۔ کسی قسم کا انکار نہیں کر سکتے۔ (۲) نہری زمینوں میں سے آبیانہ اور لیہ زمینداروں سے حکو ضر وصول کرتی ہے۔ یہ زمیندار بلا دریغ دیتے ۔ (۳) مہاجر فنڈ سیلاب فنڈ غرضیکہ کئی قسم کے بہت سے ٹیکس لیتی ہے۔ کیا ان زمینداروں کو ان پاکستانی زمینوں سے جو نہری یا چاہی یا سیلابی یا بارشی عشر دینا لازم ہے یا نہیں۔ اگر لازم ہے تو کس طرح دیں۔ زمیندار اور مزارع اکٹھی پیداوار سے دیں یا فقط زمیندار دے۔ اگر زمیندار نے خود کھیتی کی مزدور رکھ کر کام کیا ہے۔ کیا یہ زمیندار اپنا خرچ نکال کر عشر دے یا مجموعہ سے عشر نکالے۔ خرچ بعد میں نکالے ان چیزوں کا جواب شافی عطا ئیں۔ جناب کی عین نوازش ہوگی۔

ج

(۱) نہری اور چاہی میں بیسواں یعنی نصف عشر دینا ہوگا اور بارشی میں عشر واجب ہوگا۔ (۲) مفتی بہ یہ ہے زمیندار اور مزارع اپنے اپنے حصص کے مطابق عشر ادا کریں۔ (۳) مشقت اور مزدوروں کے خرچ آبیانہ وغیرہ کو نکال کر نہیں۔ بلکہ کل پیداوار کا عشر یا نصف عشر ادا کرنا ہوگا۔

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان

زمین سے حاصل شدہ اُ. ت کا عشر مالک زمین پ ہوگا کاشت کار پ؟

کاشت زمین کی ا. ت کو کل پیداوار سے منہا نہیں سکتا

س

کیا ش ءدین دریں مسئلہ (۱) زید نے بکر سے ایک مربعہ اراضی مبلغ دس ہزار روپے میں لیا۔ اور زید مستاجر مذکور نے خود کاشت کیا۔ زید نے آمدنی وخت کر کے مبلغ دس ہزار روپے معاوضہ مستاجر کو ادا کر

دی۔ وہ دس ہزار روپے مذکورہ بالا جو کہ زمین سے دستیاب ہوا۔ اس کا عشر زید ادا کرے یا بکر۔ بینوا توجروا۔

(۲) اگر زید اپنی گرہ سے قبل از برداشت آمدنی دس ہزار روپیہ بکر کو ادا کر دے اور خود کاشت کر کے آمدنی اٹھالے۔ مبلغ دس ہزار روپے مذکورہ سے عشر زید ادا کرے یا بکر۔ اور زید کل آمدنی سے عشر ادا کرے یا اپنی رقم مبلغ دس ہزار روپیہ مجرا کر کے بقایا آمدنی کا عشر ادا کرے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

(۱) اگر زمیندار اجرت بہت زیادہ لیتا ہے۔ اور مستاجر کے پاس بہت کم بچتا ہے۔ تو عشر زمیندار پر ہے۔ اور اگر اجرت کم لیتا ہے۔ مستاجر کو بچت زیادہ ہوتی ہے۔ تو عشر مستاجر پر ہے۔ موجودہ زمانہ میں عموماً اجرت کم لی جاتی ہے۔ مستاجر کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے عشر مستاجر پر ہوگا۔

الحاصل۔ کل ماحصل کا عشر زید ادا کرے گا۔ دس ہزار روپیہ کی گندم کا عشر بھی زید کے ذمہ ہے۔ فی الدر المختار وقال علی المستاجر اور باب العشر میں یہ بھی ہے۔ ویجب مع الدین. ان روایات کے موافق عشر کل پیداوار کا زید پر واجب ہے۔

(۲) کل ماحصل بلا وضع مصارف یعنی جمیع پیداوار کا عشر زید کے ذمہ واجب ہے۔ دس ہزار روپے مجرا کیے بغیر جمیع پیداوار کا عشر ادا کرے گا۔ فقط واللہ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۳ رجب ۱۴۰۰ھ

اگر قرض سے کم فصل حاصل ہو جائے تو کیا مقروض پر بھی عشر واجب ہوگا؟

زمین کی کل پیداوار پر عشر واجب ہوگا

﴿س﴾

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اگر زمیندار پر قرض ہو اور فصل قرض سے کم ہو جائے یا برابر ہو جائے تو عشر دینا لازم ہے یا نہیں۔ (۲) فصل پر جو خرچہ آئے۔ مثلاً نوکر کی تنخواہ ٹریکٹر کی مزدوری پانی کا خرچہ وغیرہ اس کو کاٹ کر باقی فصل میں عشر واجب ہے۔ یا تمام فصل میں۔

﴿ج﴾

(۱) قرض وضع نہیں کیا جائے گا۔ کل پیداوار سے بیسواں حصہ یا دسواں حصہ دینا ہوگا۔ ویجب مع الدین. شرح التنویر۔

(۲) نوکر کی تنخواہ ٹریکٹر کی مزدوری اور اجرت اور تمام مصارف وضع کیے بغیر کل پیداوار پر عشر واجب

ہے۔قال فی شرح التنویر بلا رفع مؤن ای کلف الزرع. وبلا اخراج البذر لتصریحهم بالعشر فی کل الخارج ص ۱۵۶ ج ۲. فقط واللہ اعلم

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۹ شعبان ۱۳۹۵ھ

عشر زمیندار اور کاشت کار دونوں پر واجب ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء حضرات اس مسئلہ میں کہ زمیندار اپنی زمین دوسرے آدمی کو برائے کاشتکاری دیتا ہے۔ اب آمدنی زمین میں سے زمیندار اپنا حصہ لے لیتا ہے۔کاشتکاری بھی لے لیتا ہے۔اب عشر دونوں پر ہے۔یا فقط زمیندار پر۔

﴿ج﴾

مزارعت صحیحہ میں عشر زمیندار اور مزارع دونوں پر بقدر حصص ہے۔یعنی عشر مشترک ادا کرنے کے بعد تقسیم کریں گے۔قال فی الشامية ولو دفع الارض العشرية مزارعة ان البذر من قبل العامل فعلی رب الارض فی قیاس قوله لفسادها وقال فی الزرع لصحتها وقد اشتهر ان الفتوی علی الصحة وان من قبل رب الارض کان علیه اجماعا ومثله فی الخانية ص ۱۶۱ ج ۲ ۔فقط واللہ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ

پاکستانی زمینوں کے متعلق حضرت مفتی صاحبؒ کا ایک مفصل نوٹ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ پاکستان کی زمین عشری ہے یا خراجی اگر عشری ہے۔تو زمیندار اور مزارع دونوں پر اپنے اپنے حصص میں عشر واجب ہے۔یا فقط زمیندار پر اور اگر دونوں پر واجب ہے۔زمیندار معاملہ سرکاری نکال کر اور مزارع آبیانہ نکال کر باقی دے گا۔یا معاملہ یا آبیانہ نکالنا پڑے گا۔اگر نکال کر باقی دینا ہے۔اگر نہ بچے نہ دیوے یا کچھ دے۔اگر پانچ وسق سے کم ہے۔تب بھی عشر نکالے یا نہ۔اگر صاحبین کے قول پر پانچ وسق سے کم سے نہ نکالے مجرم ہے یا نہیں۔اگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہر چیز سے نکالنا ہے۔تو سبزیوں مثل کریلے وغیرہ سے کیسے نکالے۔چھوٹی بڑی قلیل کثیر کا حساب سخت مشکل ہے اور جو زمینیں نہر سرکاری یا عوام کی نہر سے سیراب ہوتی ہیں۔ان کا دسواں نکالنا ہے۔یا بیسواں۔سیلابی اور بارشی زمین کا کتنا حصہ نکالنا ہے۔عوام خواص کے شکوک وشبہات کثیر ہیں۔ہر ایک عرض کا تسلی کن جواب ہو اور با نقل ہو۔برنداز برائے دلے بارہا کشند برائے گلے کار ہا۔

﴿ج﴾

پاکستان میں کئی قسم کی زمینیں ہیں۔(۱) وہ اراضی جنھیں مسلمانوں نے کنوئیں کھود کر یا بارش اور سیلاب وغیرہ عشری پانی سے آباد کیا۔(۲) وہ جنھیں مسلمانوں نے ان نہروں سے آباد کیا۔جو ان دیار میں اسلام آنے کے بعد کھودی گئی ہیں۔(۳) وہ قدیم قبل از اسلام آباد زمینیں، جن کے مالک بخوشی مسلمان ہوئے۔(۴) وہ زمینیں جن کو اسلام آنے سے قبل غیر مسلموں نے آباد کیا اور ان کی مملوکہ ہیں۔بعدہ مسلمانوں نے ان کو قہراً فتح کیا اور ان سے زمینیں چھینیں پھر ان ہی کو ان پر برقرار رکھا اور اب کسی وجہ سے مسلمانوں کے پاس آ گئی ہیں۔(۵) اسلام آنے کے بعد مسلمانوں نے خود آباد کیں لیکن قبل از اسلام کفار کے کھودے ہوئے کنوؤں یا نہروں کے پانی سے آباد کیا پہلی اور دوسری قسم کی زمینوں کو چونکہ عشری پانی سے آباد کیا۔اس لیے یہ عشری ہوں گی۔

عشری پانی اور خراجی پانی کا فرق یہ ہے۔هو ماء السماء والبئر والعين والبحر الذی لا يدخل تحت ولاية احد كذا فی المتقی وشرحه والحاصل ان ماء الخراج ما كان للكفرة يدعليه ثم حويناه قهرًا. وما سواه عشری لعدم ثبوت اليد عليه. شامی ص ۵۷ ج ۲ دوسری جگہ ہے وماء الخراج ماء انهار حفرتها الاعاجم الخ شامی نئی آباد شدہ زمینوں کے عشری خراجی ہونے کا مدار علی قول ابی یوسفؒ وهو المرجح عند الفقهاء قرب ہے۔اگر زمین خراجی کے قریب آباد ہوئی تو خراجی ہوگی اور اگر عشری کے قریب آباد ہوئی تو عشری ہوگی اور اگر بینہما تھی تو احتیاطاً عشری ہوگی۔اور علی قول امام محمدؒ مدار اس کا پانی ہے۔اگر عشری پانی سے آباد ہوئی۔عشری ہوگی اور اگر خراجی سے آباد ہوئی تو خراجی ہوگی۔لیکن اس زمانہ میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل دشوار ہے۔اس لیے کہ خراجی بالیقین اس وقت ہمارے یہاں معلوم نہیں۔تو اس کے قرب کا اعتبار کیسے ہوگا۔لہٰذا اب عمل علی قول امام محمدؒ ہی متعین ہوگا تیسرا جب یہ معلوم ہو تو پہلی اور دوسری قسم کی زمینیں چونکہ عشری پانی سے آباد ہوئیں۔اس لیے وہ عشری ہوں گی۔تیسری قسم بھی عشری ہے سرحد اور بلوچستان کی اکثر زمینیں ایسی ہیں۔وہاں کے لوگ مسلمان ہوئے ہیں کسی لڑائی سے قہراً نہیں۔وما اسلم اهله طوعا او فتح عنوةً وقسم بين جيشنا والبصرة ايضا باجماع الصحابة عشرية (در مختار) چوتھی اور پانچویں قسم خراجی ہیں۔ فتح عنوة ولم يقسم بين جيشنا الامكة سواء اقرا هله عليه او نقل اليه كفار اخر او فتح صلحاً خراجية الخ. درمختار كتاب الجهاد باب العشر والخراج والجزية وان كانت تسقی بانهار الاعاجم فخر اجية الخ شامی باب

المذکور ص ۲۷۸ / ج ۳. لیکن اب اس زمانہ میں اگر بالیقین معلوم ہو کہ یہ زمین قسم نمبر۴، ۵ میں داخل ہے۔ پھر تو خراجی ہے۔ اور اگر بالیقین معلوم نہ ہو اور مشکوک سا معاملہ ہو گیا ہو تو اس کو اسلامی کہا جائے گا اور زمین عشری ہوگی فتح القدیر ج ۲ ص ۱۹۹ میں ایک سوال کے جواب میں تحریر ہے۔ بانہ لا یلزم ذلک فی کل عین وبئرٍ فان اکثر ماکان من حضر الکفرة قد اثر فان مانراہ منها الأن اما معلوم الحدیث بعد الاسلام واما مجهول الحال...... فیجب الحکم فی کل ما نراہ بانه اسلامی اضافة للحادث الی اقرب وقتیة الغمکین الخ. نمبر۲ امام ابوحنیفہؒ چونکہ مزارعۃ کو جائز نہیں سمجھتے اس لیے انکے یہاں بوجہ اجارہ فاسدہ ہونے کے سارا غلہ صاحب الارض کا ہے۔ اس لیے عشر بھی سب کا سب اسی پر ہے۔ مزارع کے لیے اجر مثل عمل ہی ہوگا۔ لیکن مزارعۃ کی صحت میں بالاتفاق مفتی بہ قول صاحبین کا ہے۔ لہٰذا ان ہی کے مذہب کے مطابق جواب ضروری ہے۔ وہو ہذا فقہاء میں سے بعض نے یہ تفصیل کی ہے کہ صاحبین کے نزدیک اگر تخم رب الارض کا ہے۔ یعنی عقد کے وقت اس کے ذمہ لگایا گیا ہے۔ تو رب الارض پر سب عشر لازم ہے اور اگر تخم عامل پر لگایا گیا تو عشر علے حسب الحصص تقسیم ہوگا اور بعض بلا تفصیل مطلقاً خواہ تخم رب الارض کا ہو یا عامل کا علی حسب الحصص دونوں پر عشر کو لازم کرتے ہیں علامہ شامی اسی قول کو مرجح سمجھتے ہیں کہ مطلقاً دونوں پر اپنے حصص کا عشر واجب ہے۔ تخم جس کا بھی ہو۔ ومثله فی الخانیة والفتح والحاصل ان العشر عند الامام علی رب الارض مطلقاً وعندهما کذلک لو البذر منه ولو من العامل فعلیهما (ثم قال) لکن ما ذکر من التفصیل یخالفه ما فی البحر والمجتبیٰ والمعراج والسراج والحقائق والظهیریة وغیرها من ان العشر علی رب الارض عندہٗ و علیهما عند هما من غیر ذکر هذا التفصیل وهو الظاهر لما فی البدائع من ان المزارعة جائزة عندهما والعشر یجب فی الخارج والخارج بینهما فیجب العشر علیهما اه (ثم قال) فکان ینبغی للشارح متابعة ما فی اکثر الکتب صاحب بدائع کی دلیل کے اعتبار سے بھی یہ قول کہ مطلقاً تخم جس کا بھی ہو۔ عشر علی حسب الحصص ہونا چاہیے قوی معلوم ہوتا ہے اور اسی پر عمل دونوں کے لیے سہل ہے۔ نمبر۳۔ کل غلہ یعنی خارج کا عشر ادا کرنا ہوگا۔ مالیہ آبیانہ کٹائی وغیرہ پہلے نکالا نہیں جائے گا البتہ اگر ہلاک ہو جائے یا سرقہ ہو جائے۔ تو قدر ہالک کا عشر ادا کرنا واجب نہیں۔ نیز اگر کوئی ظالم ظلماً سے نفس غلہ لے جائے مثلاً حکومت مالیہ میں غلہ لے جائے باوجودیکہ زمین عشری ہو۔ تو اس حصہ کا عشر واجب نہیں۔ لیکن حکومت کی طرف سے لگان نقد کا لگایا جاتا ہے اور وہ واجب فی الذمہ ہوتا ہے اس کے وجوب سے عشر میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ عشر بدستور واجب رہے گا۔

ویجب العشر فی الاول ونصفه فی الثانی بلا رفع اجرة العمال ونفقة البقر وکری الانهار واجرة الحافظ ونحو ذلک الخ (شامی ج ۲ کتاب الزکوة باب العشر) نمبر ۴ اس بارہ میں مفتی بہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے کہ قلیل وکثیر میں بغیر خمسۃ اوسق عشر واجب ہے۔ قال شامی (بلا شرط نصاب) وبقاء فیجب فیما دون النصاب بشرط ان یبلغ صاعاً وقیل نصفه وفی الخضراوات التی لا تبقی وهذا قول الامام وهو الصحیح کما فی التحفة اور درمختار کے مقدمہ میں رسم مفتی میں مذکور ہے۔ فعلینا اتباع ما رجحوه وما صححوه لہٰذا عمل بقول الامام واجب ہے۔ صاحبین کے قول پر عمل جائز نہیں۔ نمبر۴۔ اگر کھیت فروخت کر دیا ہو۔ اس کی رقم کا عشر روزانہ جتنی ترکاریاں نکلتی جائیں دیتے جائیں۔ اس میں کوئی اشکال نہیں۔ نمبر۵۔ سیلابی اور بارشی زمینوں میں عشر ہے۔ نیز اگر ماء مباح دریا سے نالہ بنا کر لائیں تب بھی عشر ہے۔ اور جس پانی کو رقم دے کر حاصل کیا جائے اس میں نصف عشر ہوگا جیسا کہ آج کل سرکاری نہروں میں رقم سے پانی خریدا جاتا ہے۔ ورنہ پانی نہیں مل سکتا۔ یا قناۃ وغیرہ میں حصے پانی کے خرید لیے جاتے ہیں۔ ان میں نصف عشر ہے۔ وفی کتب الشافعیة او سقاہ بماء اشتراہ وقواعدنا لاتأباہ والتفصیل فی الشامی فانظر ثمه هذا القول ج ۲ باب العشر اور یہ کہ بیع شرب اب بوجہ تعامل کے جائز ہے۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

عشر وزکوٰۃ کی رقم سے کتاب چھپوانا

یتیم بچوں کی زمین کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ۔ (۱) کہ میرے رسالے چندہ کر کے لوگ شوق سے طبع کراتے ہیں۔ اب رسالے جو کہ ۱۴ اعدد ہیں ایک بار کتابی شکل میں چھپوانا چاہتے ہیں۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ کسی طریقہ سے عشر یا زکوٰۃ کا پیسہ لگ سکتا ہے۔ (۲) اگر عشر یا زکوٰۃ سے ہم طبع کرائیں تو شرعی حیلہ کیا ہے۔ جس میں مؤاخذہ نہ ہو۔ یہ تمام رسالے ہم مفت تقسیم کرتے ہیں۔ (۳) ایک آدمی مر گیا۔ اس کے چار چھوٹے بچے اور ایک بیوہ ہے۔ زمیندار ہے۔ ان کے کھیت سے ایک صد من دانے پیدا ہوئے وہ پوچھتے ہیں کہ ان دانوں سے عشر ادا کریں یا نہیں۔ کیونکہ یتیم بچوں کا مال اور ان کی بیوہ کا مال مشترک ہے۔ اس صورت میں کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

(۲) اگران رسائل کوعشروزکوٰۃ کی رقوم کے ساتھ شائع کرایا گیا تو پھر یہ کتاب صرف فقراء اور مساکین کو تملیکاً دی جائے۔ اغنیاء وسادات کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۳) اس پیداوار میں عشر ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳ ذوالحج ۹۷ھ

باوجود بہت سے اخراجات کے زمین کی کل پیداوار سے عشر دیا جائے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک زمیندار و کاشتکار اپنے کھیت گندم وغیرہ کو مزدور سے کٹواتا ہے۔ اس طرف کی مزدوری کٹائی فصل ایک من گندم و ایک من بھوسہ ایک بنگہ یعنی چار کنال سے دینا ہوتا ہے۔ تھریشر سے گندم صاف کی جاتی ہے۔ اس کی مزدوری کہیں ۵ سیر فی من اور کہیں ۸ سیر فی من ہے۔ دیگر مزدور جو تھریشر میں کام کرتے ہیں۔ گندم کے گٹھے اٹھا کر مشین میں دیتے ہیں وہ بھی مختلف مقامات پر مختلف مزدوری لیتے ہیں۔

ان ہر سہ مزدوروں کو زمیندار کی پیداوار سے ادا کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ زمیندار کو ٹریکٹروں کی مزدوری کھاد و بیج وغیرہ و معاملہ اراضی وغیرہ بھی برداشت کرنا ہوتی ہے۔ کیا ان تمام اخراجات کو سالم پیداوار سے نکال کر عشر کی ادائیگی محسوب کی جائے گی۔ یا ان اخراجات کو سالم پیداوار میں ملا کر عشر نکالا جائے؟

﴿ج﴾

عشر میں مزدور کی مزدوری اور دیگر اخراجات کا حساب نہیں ہوتا۔ یعنی مزدوروں کی مزدوری وغیرہ کی وجہ سے عشر میں کمی نہیں ہوگی۔ لہٰذا اگر وہ زمین بارانی ہے تو اس کے کل پیداوار میں سے عشر (دسواں حصہ) دینا چاہیے اور اگر نہری یا چاہی زمین ہے۔ تو اس کی پیداوار میں نصف عشر (بیسواں حصہ) دینا ہوگا۔ درمختار میں ہے۔ **بلا رفع مؤن الی ان قال وبلا اخراج البذر لتصریحهم بالعشر فی کل الخارج** ص ۱۵۶ ج ۲. فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۶ جمادی الاخری ۱۳۹۹ھ

بورنگ مشین سے سیراب ہونے والی زمین کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بورنگ مشین کے ذریعہ اراضی سیراب کی جاتی ہیں۔ کیا اس طرح برآمدہ غلہ پر عشر واجب ہے۔ یا بیسواں حصہ زکوٰۃ جیسے کنواں چاہ وغیرہ میں۔ نوٹ۔ بورنگ خواہ بجلی کے ذریعہ چل رہا ہو۔ یا تیل کے ذریعہ۔ مہربانی فرما کر جلدی جواب سے نوازیں۔ تاکہ زکوٰۃ میں دیر نہ ہو۔

﴿ج﴾

ایسی زمین کی پیداوار پر بیسواں حصہ واجب ہے جس کو بورنگ مشین سے سیراب کیا جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

سالانہ اجرت پر لی گئی زمین کی پیداوار میں عشر کا حکم

محکمہ اوقاف کے بینک سے جاری شدہ تنخواہ حلال ہے یا حرام؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع مبین مندرجہ ذیل سوالات کے بارے میں کہ۔ (۱) زید' بکر کی جملہ زمین قابل کاشت متاجری پر پانچ ۵ سال کے لیے بعوض دس ہزار روپیہ سالانہ پر لیتا ہے اور اس کے جملہ اخراجات مثلاً سرکاری مطالبات از قسم آبیانہ۔ ٹھیکہ و دیگر ضروری اخراجات زید ہی کو ادا کرنے ہیں مالک زمین صرف اپنی رقم دس ہزار کا حقدار ہے۔ باقی کسی اخراجات کا ذمہ دار نہیں ہے اس صورت میں جو اجناس زمین مذکور سے ہوگی اس کا عشر مالک زمین پر ہوگا۔ یا متاجر پر یا جس طرح دیگر اخراجات کے لیے طے کیا جاتا ہے کہ متاجر ادا کرے گا یا مالک زمین اسی طرح عشر کے لیے بھی طے کیا جا سکتا ہے یا خود بخود دو فریق میں سے کسی ایک پر واجب ہو جاتا ہے۔ (۲) موجودہ وقت میں محکمہ اوقاف کھولا گیا ہے جو ہر قسم کی جائیداد موقوفہ پر قبضہ کر کے اس کی آمدنی اپنی تحویل میں لے لیتا ہے اور آمدنی نقد کو سرکاری بنک میں جمع کرا دیا جاتا ہے۔ ملازمین اوقاف کو اسی بنک سے تنخواہیں وغیرہ دی جاتی ہیں اندریں صورۃ ایسی ملازمت شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ ایسی تنخواہ جو کہ بنک موقوفہ آمدنی سے ادا کرتا ہے۔ اس میں شرعاً کوئی قباحت ہے یا نہیں مدلل جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ بینوا توجروا

العارض عبدالمجید

﴿ج﴾

(۱)فی الدر المختار والعشر علی الموجر کخراج موظف وقالا علی المستاجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولهما ناخذ. وفی الشامی. ج ۲ /ص ۲۰ تحت قوله وبه ولهما ناخذ قلت لکن افتی بقول الامام جماعة من المتاخرین الی ان قال لکن فی زماننا عامة الاوقاف من القری و المزارع لرضا المستاجر بتحمل غراماتها ومؤنها یستاجرها بدون اجر المثل بحیث لا تفی الاجرة ولا اضعافها بالعشر او خراج المقاسمة فلا ینبغی العدول عن الافتاء بقولهما فی ذالک لانهم فی زماننا یقدرون اجرة المثل بناء علی ان الاجرة سالمة لجهة الوقف ولا شیٔ علیه من عشر وغیره امالوا عتبر دفع العشر من جهة الوقف وان المستاجر لیس علیه سوی الاجرة فان اجرة المثل تزید اضعافا کثیرة کمالا یخفی فان امکن اخذ الاجرة کاملة یفتی بقول الامام والا فبقولهما لما یلزم علیه من الضرر الواضح الذی لا یقول به احد والله تعالی اعلم الخ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر موجر اجرت کم نہ لے پوری اجرت لے اور متاجر کے پاس بہت کم بچے تو عشر موجر کے ذمہ ہے اور اگر موجر اجرت کم لے اور متاجر کے پاس زیادہ بچے تو متاجر کے ذمہ ہے چونکہ ہمارے دیار میں اجرت کم لی جاتی ہے۔اس لیے فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے یعنی وجوب متاجر پر ہے۔البتہ اگر کسی جگہ پوری اجرت لی جائے جس میں زمیندار عشر بخوبی ادا کرسکتا ہو۔تو اس وقت وجوب عشر علی الموجر پر فتویٰ ہوگا۔دراصل بات یہ ہے کہ مسئلہ میں کئی قول ہیں چنانچہ وسعت ہے اس لیے فقہاء نے نفع وضرر موجر ومتاجر کوملحوظ رکھتے ہوئے زمانے کے مطابق ان کے نفع وضرر کی وجہ سے ایک قول کو ترجیح دے کر فتویٰ دیا ہے۔اب بھی ایسے ہوگا۔(۲)صورت مسئولہ میں ملازمت وتنخواہ لینا دونوں جائز نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۱۱ شعبان ۱۳۸۱ھ

کس قسم کی گھاس میں عشر ہے اور کس میں نہیں؟

﴿س﴾

حضرت ایک شبہ باقی ہے۔اس کا جواب مسلن قلب ارشاد ہو۔تو قدوری کے باب زکوٰۃ الزروع والثمار

ص۲۲پر ہے۔قال ابو حنیفةؒ فی قلیل ما اخرجته الارض وکثیره العشر واجب سواء سقی سیحا او سقته السماء الا الحطب والقصب والحشیش وقال ابو یوسف ومحمد رحمهما الله تعالی لا یجب العشر الافیما له ثمرة باقیة اذا بلغت خمسة او سق والوسق ستون صاعاً بصاع النبی صلی الله علیه وسلم ولیس فی الخضراوات عندهما عشر وما سقی بضرب اودالیة او سانیة ففیه نصف العشر علی القولین.

حشیش یعنی گھاس میں عشر نہیں ہے۔جوار برسیم وغیرہ بھی گھاس ہیں۔ہاں اگر جوار پکائی جائے پھر دانوں میں عشر ہوگا نہ کہ محض گھاس میں اور لیس فی الخضراوات عندهما عشر یہ صاحب درمختار کا مذہب ہے اور باقی اکثر ائمہ کرام کا مذہب ہے۔اگر کوئی اس پر عمل کرتا ہے تو مجرم نہ ہوگا۔اور صاحبین کے مذہب پر عمل کرنے سے حنفیت سے بھی خارج نہیں ہوتا اور بہت سے مسائل جیسے بٹائی پر زمین دینا حضرت امام صاحب کا مذہب نہیں ہے۔وغیر ذلک ان میں صاحبین کے اقوال پر فتویٰ ہے۔اس میں بھی ہونا چاہیے۔

﴿ج﴾

فتاویٰ شامیة کی تفصیل کا مطالعہ کرنے سے یہ تحقیق معلوم ہوئی ہے۔(۱)حشیش سے مراد عام گھاس اور چارے نہیں ہیں۔بلکہ خودرو گھاس مراد ہے جو کہ بغیر کاشت کے اراضی میں خودبخود اگ آتا ہے۔کتب لغت میں اس کی بھی تفسیر تحریر ہے۔ایسے خودرو گھاس میں عشر نہیں ہے۔(۲)جو گھاس کہ بالقصد زمین میں کاشت کیا جائے اور مقصد یہ ہو کہ چارہ حاصل کیا جائے گا۔اس میں امام اعظمؒ کے نزدیک عشر واجب ہے۔ایسے گھاس کو رطاب کہتے ہیں۔واحدہ رطبة۔اس کے بارے میں عالمگیری۔ج۱/ص۱۸۶میں ہے۔ویجب العشر عند ابی حنیفةؒ فی کل ما تخرجه الارض من الحنطة والشعیر الی ان قال والبقول والریاحین والاوراد والرطاب الخ واضح رہے کہ حشیش وغیرہ جن چیزوں میں بالاتفاق عشر نہیں ہے۔اگر زمین کو ایسے خودرو گھاس کے ساتھ مشغول رکھا جائے اور اس سے آمدنی مقصود ہو تو پھر اس میں بھی عشر واجب ہے۔کما قال فی رد المحتار. ج ۲/ص ۶۸.

(۳)جوار مکی باجرہ گیہوں وغیرہ اگر زمین میں کاشت کرے تو پکنے سے پہلے بطور چارہ کے کاٹ کر جانوروں کو کھلائے۔تو اس میں بھی عشر ہے۔شامی. ج ۲ /۵۵ قوله وتبن بالباء الموحدة قال فی الفتح غیر انه لو فصله قبل انعقاد الحب وجب العشرفیه لانه صارهوالمقصود.

تنبیہ۔ یہ سب تفصیل بنابر مذہب امام اعظم ہے۔ صاحبین کے نزدیک ان تمام مذکورات میں عشر نہیں ہے۔ مگر ارباب فتاویٰ نے اس مسئلہ میں احتیاط کے پیش نظر امام اعظم کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ اربیع الثانی ۱۳۸۵ھ

سبزیوں میں عشر ہے یا نہیں؟ بعض زمینوں سے بیج ہی واپس حاصل نہیں ہوتا تو عشر کے لیے کیا حکم ہے؟ زراعت میں عشر زمیندار پہ واجب ہوگا یا مزارع پر؟ دارالاسلام میں حاصل ہونے والا ٹیکس عشر کا قائم مقام کیوں نہیں ہوتا جوار، باجرہ وغیرہ اگر جانوروں کے لیے کاشت کیے جائیں تو عشر کی کیا صورت ہوگی؟

﴿س﴾

علماء دین عشری زمین کی پوری تشریح فرمائیں۔ (۱) سبزیاں ہر روز ہوتی ہیں۔ کریلے توری وغیرہ کا عشر کیسے ہو۔ (۲) بعض زمینیں اسقدر ناقص ہوتی ہیں کہ بیج پورا نہیں ہوتا۔ اور معاملہ آبیانہ سرکار ضرور ہی لے لیتی ہے۔ وہ گندم وغیرہ نکلی ہوئی سے دگنا یا زیادہ ہوتی ہے۔ کیا عشر بھی دے اور معاملہ آبیانہ بھی بھرے۔ کہاں سے لائے۔ (۳) کیا زمیندار یا مزارع پر بھی ہے۔ مزارع تو مزدور ہے۔ مزدور پر کیوں ہوا۔ (۴) بادشاہ مسلمان ہے۔ جو معاملہ آبیانہ لے رہا ہے۔ وہی عشر ہونا چاہیے۔ نہ کہ علاوہ معاملہ آبیانہ کے۔ (۵) جوار بریم وغیرہ جو بیلوں وغیرہ کے لیے بوئی جاتی ہے۔ جانور کھاتے ہیں۔ اس سے عشر کیسے ہو۔ اگر رقم لگائی جاوے تو زمین والے کے پاس کھانے کو نہیں رقم کہاں سے لائے۔ عشر بھی ادا کرے اور معاملہ وغیرہ بھی۔ حضرت ہم جاہلوں کی تسلی کرا دیں اور جلدی کرادیں تمام شبہات کا تسکین بخش جواب ہو جائے۔

﴿ج﴾

(۱) روزانہ حاصل شدہ سبزی کو وزن کر کے دسواں بیسواں حصہ محلہ کے فقراء پر تقسیم کر دیا جائے۔ اگر مقدار بہت قلیل ہو تو روزانہ وزن نوٹ کرتا رہے۔ جب دوسرے یا چوتھے روز اس کی مقدار پانچ دس سیر ہو جائے۔ تو دسواں بیسواں حصہ ادا کر دے۔ (۲) اول تو ایسی ناقص زمینوں کو عموماً کاشت نہیں کرتے جس سے بیج ہی پورا نہ ہو۔ اور اگر کوئی شخص ایسا گھاٹے والا کام کرتا ہے۔ اس کے باوجود گورنمنٹ کو آمد سے دگنا یا اس سے زائد خرچ دیتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے لیے دسواں یا بیسواں حصہ نہیں دے سکتا۔ جب کہ گورنمنٹ کو کل آمدنی سے دگنا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تو فقراء کی آمدنی میں دسواں یا بیسواں مقرر فرمایا ہے۔ (۳) زمیندار اپنے حصہ کا عشر نکالے اور مزارع اپنے حصہ کا۔ واضح رہے کہ مزارع جو کہ پیداوار میں شریک ہوتا ہے۔ اسے مزدور کہنا غلطی ہے۔ مزدور تو وہ ہوتا ہے جو ہل چلانے یا کسی اور کام پر یومیہ ہو۔ ڈھائی روپیہ اجرت کا وصول کرتا ہے اور پیداوار سے اس کا کوئی واسطہ و تعلق نہیں ہوتا۔ برخلاف مزارع کے جو پیداوار میں شریک ہوتا ہے۔ (۴) آبیانہ تو پانی کا معاوضہ ہے اور اس کی ادائیگی پر شریعت نے بھی بجائے عشر کے بیسواں حصہ رکھا ہے۔ جس زمین کا آبیانہ گورنمنٹ وصول کرتی ہے۔ یا کنوؤں سے پانی کھینچ کر سیراب کیا جاتا ہے۔ اس کا بجائے دسویں کے بیسواں حصہ نکالنا واجب ہے۔ پس آبیانہ کی دی ہوئی رقم عشر میں محسوب نہ کرنی چاہیے۔ آبیانہ کے علاوہ گورنمنٹ مالیہ وصول کرتی ہے۔ چونکہ انگریزی دور حکومت سے یہ مالیہ وصول کیا جاتا ہے اور اس کے مصارف ہرگز عشر کے نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی آجکل اسلامی قانون ملک میں رائج ہے اور نہ ہی ہم یہ فتویٰ دے سکتے ہیں کہ مالیہ کی اس حصہ رقم کو عشر میں محسوب کرنا جائز ہے۔ (۵) جو گھاس اور چارہ بیلوں کے لیے کاٹیں اس کو تول کر یا اندازہ سے بیسواں دسواں حصہ فقراء کو دے دیں۔ فقراء کی بکریاں وغیرہ ہوتی ہیں وہ استعمال کریں گے یا بیچیں گے۔ زمیندار کے لیے اس کو دینا مشکل نہیں ہے اور اگر کسی زمیندار کے پاس پیسے ہوں تو پیسے بھی دے سکتا ہے، شریعت میں بحمدہ تعالیٰ آسانی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ اربیع الثانی ۱۳۸۵ھ

جو رقم زمین کی اجرت کے طور پر دینی ہے، مستاجر پر اس کی زکوۃ واجب نہ ہوگی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی نے تقریباً تین ہزار روپے میں ایک زمین مستاجرالی ہے۔ اب وہ سوال یہ پوچھتا ہے آیا مجھ پر زکوۃ ہے۔ یا نہ اس زمین کی پیداوار سے عشر ادا کروں۔

﴿ج﴾

اس شخص مستاجر پر اس تین ہزار روپے کی زکوۃ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تین ہزار روپے تو اب اس کی ملک میں نہیں ہے۔ اس کے بدلے تو اس نے زمین کے منافع خرید لیے ہیں۔ لہٰذا زمین کی پیداوار میں سے نصف عشر ہی ادا کرنا اس کا ذمہ ہے۔ **قال فی الدر المختار والعشر علی الموجر کخراج موظف وقالا علی المستاجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولهما نأخذ ص ۱۶۰ ج ۲۔** فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

خشخاش کا کاشت کرنا جائز ہے یا نہیں؟' خشخاش کا عشر افیون سے دینا جائز ہے؟
گندم کے لیے اجرت پر لی گئی زمین میں افیون کاشت کرنا
زمین سے پیداشدہ افیون کو اگر فروخت کر دیا گیا تو عشر قیمت سے ادا کی جائے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ۔ (۱) ہمارے علاقہ میں عموماً خشخاش کاشت کی جاتی ہے۔ جس سے افیون کو نکالا جاتا ہے۔ اس بارے میں وضاحت فرمائیں کہ اس کی کاشت حرام ہے یا حلال؟ یہ کاشت تجارت کے لیے کی جاتی ہے۔ (۲) اگر مذکورہ جنس کی کاشت حلال یا جائز ہو تو اس کا عشر افیون سے دیا جائے گا۔ یا افیون نکالنے سے پہلے یا دونوں سے۔ (۳) اگر ایک آدمی نے کسی سے زمین ۲۰ من گندم اجارہ پر لی اور پھر اس پر افیون کی کاشت کی۔ تو جناب اس بارے میں وضاحت کریں کہ عشر زمین کا اصل مالک پر ہے یا اجارہ لینے والے پر۔ (۴) اگر عشر اجارہ لینے والے پر ہو تو ایسی زمین کی کاشت پر مزدور کا خرچ اور اجارہ کی ادائیگی پر جو اخراجات آئے ہوں۔ تو فصل سے یہ تمام اخراجات باہر کر کے عشر دیا جائے گا۔ یا تمام فصل سے عشر دینا لازمی ہوگا۔ (۶) اگر ایک آدمی نے کسی سے کھیت ۲۰ بیس من گندم اجارہ پر لیا اور پھر اس پر خشخاش کی کاشت کر کے اسے بیس ہزار روپے نقد پر فروخت کیا۔ تو عشر مذکورہ بیس ۲۰ من گندم کے حساب سے دیا جائے گا یا بیس ۲۰ ہزار روپے سے؟

﴿ج﴾

(۲،۱) افیون حرام لعینہ نہیں ہے۔ اس لیے اس کی کاشت جائز ہے۔ اور اس کی پیداوار میں سے عشر ادا کرنا لازم ہے۔ (۳) عشر اجارہ لینے والے پر ہے۔ کیونکہ پیداوار یہی حاصل کرتا ہے۔ (۴) عشر کل پیداوار سے نکالی جائے گی۔ یہ اخراجات پیداوار سے منہا نہیں ہوں گے۔ (۵) عشر اس کی قیمت سے ادا کی جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۴ جمادی الاخری ۱۳۹۸ھ

نہری زمینوں میں بیسواں حصہ واجب ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے علاقہ مروت میں جو نہر بہتی ہے۔ حکومت زمینداروں سے مالیہ کے بغیر آبیانہ وصول کرتی ہے۔ اب علاقہ کے بعض علماء کہتے ہیں کہ اس زمین کی فصل سے نصف عشر

واجب ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ عشر واجب ہے اور کہتے ہیں کہ جو آبیانہ حکومت وصول کرتی ہے۔ وہ حکومت پٹواری اور نہر کے حکومت میں حساب کرتے ہیں اور یہ زمین بارانی زمین میں حساب کرتے ہیں کیونکہ آبیانہ اور مالیہ دونوں اگر حکومت وصول کرتی ہے۔ پھر بھی عشر کو پہنچتے ہیں اور یہ زمین نہر و کنویں کے حساب میں نہیں ہے۔ جس میں فقہ حنفی کی رو سے نصف عشر قرار پایا ہے۔ مہربانی فرما کر یہ بتادیں کہ اس نہر کے سبب علاقہ مروت بارانی زمین کے مثل ہے یا کنویں کے مثل؟

﴿ج﴾

جو زمینیں اس نہر کے پانی سے سیراب کی جاتی ہیں۔ ان کی پیداوار میں نصف عشر واجب ہے۔ فتاویٰ دار العلوم۔ ج ۶/ص ۱۷۲۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۴ جمادی الاخری ۱۳۹۸ھ

قسطوں سے ٹریکٹر خریدنے والے پر عشر واجب ہوگا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ الف ایک زمیندار ہے۔ بلکہ بہت بڑا زمیندار ہے۔ اس نے زراعت کے لیے اقساط پر ٹریکٹر حکومت حاضرہ سے لے لیا ہے۔ بایں صورت وہ مقروض ہوگیا ہے۔ آمدنی سے قرضہ ادا ہوگا۔ اب وہ سائل ہو کر اپنی حالت بیان کرتا ہے کہ کیا ایسی صورت میں جبکہ میں مقروض ہوں اپنی اراضی کی پیداوار سے عشر یا زکوٰۃ ادا کرنے کا مستحق بن سکتا ہوں یا نہ۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

عشر کے لیے کوئی نصاب یا غنی ہونا شرط نہیں۔ زمین سے جو کچھ غلہ حاصل ہو اس میں عشر واجب ہے۔ بارانی زمین میں دسواں اور نہری زمین میں جس کا آبیانہ ادا کیا جاتا ہے بیسواں حصہ واجب ہے البتہ زکوٰۃ کے لیے صاحب نصاب ہونا شرط ہے۔ اگر یہ شخص مقروض ہے اور قرض ادا کرنے کے بعد اس کے پاس اتنا مال نامی نہیں بچتا جس سے وہ صاحب نصاب بنے۔ تو زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۵ شعبان ۱۳۹۸ھ

باغ اگر پھل پکنے سے پہلے فروخت کیا جائے تو عشر کس پر ہوگا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید اپنے باغ کا میوہ ایسی حالت میں فروخت کرتا ہے کہ میوہ کا ظہور ہو چکا ہے۔مگر ابھی تک پختہ نہیں ہوا۔ نیز اپنی رضا اور خوشی کے ساتھ میوہ کو پختہ ہونے تک درختوں پر چھوڑ دیتا ہے۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں عشر بائع پر ہے یا مشتری پر۔درمختار کی عبارت سے تو مشتری پر لازم معلوم ہوتا ہے۔ولو باع الزرع ان قبل ادراکه فالعشر علی المشتری ولو بعده فعلی البائع درمختار. ج ۲/ص ۲۰.

﴿ج﴾

جب بائع ثمار اور فصل کو بعد از ظہور قبل الادراک فروخت کر دیتا ہے اور مشتری بعد الادراک اسے کاٹتا ہے۔تو چونکہ عشر مشتری کے ذمہ ہوتا ہے اور وہ پورا عشر ادا کرتا ہے۔فصل اور ثمار قبل الادراک (یعنی وقت البیع) کی مقدار اس سے الگ نہیں کرتا۔ کما هو مذهب الطرفین تو گویا بائع کے ذمہ کا عشر بھی مشتری نے ادا کر دیا۔اس لیے کہ عشر بوجہ تحول کے ثمار میں ہو یا فصل میں۔اب بائع پر نہ ہوگا۔کل پھلوں کا عشر مشتری کے ذمہ ہو گا۔ کما قال فی الدر المختار علی هامش رد المحتار. ج ۲ /ص ۲۰. ولو باع الزرع ان قبل ادراکه فالعشر علی المشتری ولو بعده فعلی البائع. قول امام اعظمؒ کا مفتی بہ ہے اور اسی کو معمول بنایا جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۸ شوال ۱۳۹۸ھ

عشر کن اجناس پر واجب ہوتا ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسئلہ عشر ہمارے پاکستان میں از روئے احناف واصحاب شوافع فریق اجناس واضح فرمایا جائے۔

﴿ج﴾

عشر یا نصف عشر امام اعظمؒ کے نزدیک اس جنس کے قلیل وکثیر میں واجب ہے۔جو عشری زمین سے پیدا ہوا اور اس کی زراعت سے زمین کی استغلال کا عادۃ قصد کیا جائے۔لہٰذا خود رو گھاس عام لکڑی اور کانیوں میں عشر

واجب نہیں۔ہاں اگر کسی نے زمین پر کانیاں (قصب فارسی) ہی کاشت کیں۔اور اس کا ہی استغلال مقصود تھا۔تو اس پر بھی عشر واجب ہے اور صاحبین کے ہاں ہر اس جنس میں واجب ہے۔جو ایک سال سے دوسرے سال تک رہ سکے۔اور کم از کم پانچ وسق تقریباً ساڑھے سترہ من کی مقدار میں اس جنس کی فصل ہوئی ہو،تو ان کے نزدیک سبزیوں ،ترکاریوں اور ہر اس جنس میں عشر واجب نہیں ہے۔جو سال تک نہ رہ سکے۔اور پانچ وسق سے کم مقدار میں کچھ واجب نہیں ہے۔باقی تفصیل ان مسائل کی کتب فقہ میں بسط کے ساتھ مذکور ہے۔وہاں دیکھ لیں اور اگر خاص کسی جنس کے متعلق دریافت کرنا ہو تو لکھ دیں۔فتویٰ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

جن زمینوں کا عشری ہونا معلوم نہ ہو سکے ان میں مذکورہ تفصیل سے عشر احتیاطاً نکالنا چاہیے۔

الجواب صحیح بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

حکومت کے آبیانہ وغیرہ ٹیکس کے باوجود عشر واجب ہوگا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بے دین حکومت جس ملک میں قائم ہو۔اس جگہ زمیندار کو آبیانہ اور دیگر اخراجات بھی ادا کرنے پڑتے ہیں۔تو زمیندار کو فصل پر عشر دینا چاہیے یا نہیں۔اگر دینا چاہیے تو فصل کا ۱۰ واں حصہ یا بیسواں حصہ۔اس کے علاوہ زمیندار کے پاس اگر فصل پر عشر دینے کے بعد سال بھر تک مال بچ جائے تو اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

پاکستان میں آبیانہ وغیرہ جو حکومت وصول کرتی ہے۔اس سے عشر،نصف عشر اور زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتے۔ بارانی زمینوں میں عشر اور نہری زمینوں میں جس کا آبیانہ ادا کیا جاتا ہے۔نصف عشر (بیسواں حصہ) واجب ہے۔ سونا،چاندی،نقدی،زیورات اور دیگر اموال تجارت جب بقدر نصاب ہوں اور ان پر سال گذر جائے اور حاجت سے فارغ ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۳ رجب ۱۳۹۷ھ

الجواب صحیح محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۳ رجب ۱۳۹۷ھ

پاکستان کی موجودہ حکومت کے دور میں عشر کا کیا حکم ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ پاکستان کے موجودہ دور حکومت کے ہوتے ہوئے مسئلہ عشر کے بارے میں تشریح کریں۔ کیا بے دین حکومت کے ہوتے ہوئے بجائے عشر کے زکوٰۃ دی جائے۔

﴿ج﴾

پیداوار میں عشر ہر حال میں واجب ہے حکومت خواہ بے دینوں کے ہاتھوں میں ہو یا دیندار لوگوں کے ہاتھ یں۔ زکوٰۃ وعشر ادا کرنے کے لیے دیندار حکومت کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ نہری اور چاہی زمینوں کی پیداوار میں یسواں حصہ ادا کرنا لازم ہے اور بارانی زمینوں سے دسواں حصہ بطور عشر دے دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

بے دین حکومت کے ہوتے ہوئے عشر یا نصف عشر کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بے دین حکومت کے ہوتے ہوئے ایک زمیندار کو پورا عشر یعنی فصل کا دسواں حصہ دینا چاہیے یا بیسواں حصہ دینا چاہیے یا زکوٰۃ دینی چاہیے اور اگر ان تینوں میں سے کوئی دو کو ادا نہ کیا ائے تو کیوں؟

﴿ج﴾

بارانی زمینوں سے حاصل شدہ فصل یعنی غلہ میں عشر (دسواں حصہ) واجب ہوتا ہے۔ نہری زمین میں جن س پانی کا محصول دیا جاتا ہے۔ نصف عشر (بیسواں حصہ) واجب ہوتا ہے۔ کما فی الدر المختار ویجب صفه فی مسقی غرب ودالیة الخ. وفی کتب الشافعیة او سقاه بماء اشتراه وقواعدنا تأباه الخ ص ۱۵۵ ج ۲. دسواں حصہ یا بیسواں حصہ کل پیداوار کا دینا یہ عشر اور نصف عشر کہلاتا ہے اور سونا، ندی، نقدی اور اموال تجارت میں سال گذرنے کے بعد جو چالیسواں حصہ ادا کیا جاتا ہے زکوٰۃ کہلاتا ہے۔ داوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہوتا ہے۔ زکوٰۃ یعنی چالیسواں حصہ واجب نہیں۔ اور سونا چاندی نقد اموال ارت میں زکوٰۃ دینا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفر لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۳ رجب ۱۳۹۶ھ

وقف شدہ زمین میں عشر کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ میرے پاس کچھ جدی زمینیں اور کچھ خرید شدہ کل پندرہ مربع زمین اور ۲½ ایکڑ باغ ہے۔ اس میں سے دو مربعہ تقریباً وقف للہ کیا ہے۔ زکوٰۃ کی طرح زمین کی پیداوار کا عشر وغیرہ نکالنا ضروری ہے۔ حکومت پاکستان جو مطالبہ (علاوہ آبیانہ) کے وصول کرتی ہے۔ عشر سے زیادہ ہوتا ہے۔ بینوا توجروا

حاجی محمد عبدالوحید انسپکٹر انکم ٹیکس منٹگمری ملتان ڈویژن

﴿ج﴾

جس زمین کو وقف کیا جائے۔ اس میں بھی عشر واجب ہے۔ البتہ جدی زمین یا زرخرید اس کا عشر الگ رکھنا چاہیے۔ عشری زمین ہو تو سرکاری محصول دینے سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔ آبیانہ اور سرکاری محصول سے عشر کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ عشر بدستور ادا کرنا واجب ہے۔ واللہ اعلم

عبدالرحمن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۱۱ ذوالقعدہ ۱۳۶۱ھ

اجرت پر دی گئی زمین کا عشر زمیندار پر یا کاشت کار پر یا ھاری پر ہوگا؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ یہاں رواج ہے کہ زمیندار طے شدہ رقم لے کر معینہ مدت تک زمین کسی کو ٹھیکہ پر دیتا ہے۔ تو پھر ٹھیکیدار یا تو خود زمین کاشت کرتا ہے۔ اور تمام اخراجات برداشت کرتا ہے۔ مثلاً بیج آبیانہ وغیرہ۔ یا کسی کو ہاری بنا دیتا ہے۔ جو کہ اخراجات بھی ٹھیکیدار کے ساتھ مشترکہ طور پر برداشت کرتا ہے۔ اور فصل میں بھی حصہ دار ہوتا ہے۔ تو اس صورت میں اس زمین کا عشر کس پر واجب ہوگا۔ زمیندار پر یا ٹھیکیدار پر یا ہاری پر۔

پھل، سبزی اور گھاس میں بھی عشر ہوتا ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

ٹھیکہ والی گندم کا عشر اگر اس کا آبیانہ وغیرہ ادا کیا جاتا ہے۔ بیسواں ہے اور عشر وخراج مقاسمہ میں یہ تفصیل

ہے کہ اگر زمیندار اجرت بہت زیادہ لیتا ہے اور مستاجر کے پاس بہت کم بچتا ہے۔ تو عشر وخراج مقاسمہ زمیندار پر ہے اور اگر اجرت کم لیتا ہے۔ مستاجر کو بچت زیادہ ہوتی ہے تو عشر اور خراج مقاسمہ مستاجر پر ہے۔ موجودہ زمانہ میں عموماً اجرت کم لی جاتی ہے۔ مستاجر کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے عشر وخراج مقاسمہ مستاجر پر ہوگا۔ کذا فی احسن الفتاویٰ ص ۔۳۱۵۔

پھلوں کے عشر کا مسئلہ علیحدہ پوچھ لیا جاوے۔

مزارعت صحیحہ میں عشر زمیندار اور مزارع دونوں پر بقدر حصص ہے۔ بلا وضع مصارف کل پیداوار پر عشر واجب ہے۔ چارہ اور ترکاری جو زمین سے مقصودی طور پر حاصل کیا جاتا ہے۔ اس میں بھی عشر واجب ہے۔ فقط واللہ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۱ صفر ۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۹ صفر ۱۳۹۸ھ

والد کو اطلاع دیے بغیر عشر ادا نہ ہوگا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بابت اس مسئلہ کے کہ میں بعمر تقریباً ۳۲ سال اور میرے والد ایک ہی گھر میں ایک ساتھ رہتے ہیں۔ اور اہلیہ بھی حیات ہیں میری والدہ صاحبہ اور ایک چھوٹا بھائی جس کی اہلیہ اور بچے بھی ہیں ایک ساتھ ہم لوگ ایک ہی گھر میں رہتے ہیں اور میں اور چھوٹا بھائی ایک جنرل مرچنٹ دوکان پر کام کرتے ہیں اور زمین کا پورا کنٹرول والد صاحب کے پاس (ہاتھ) میں ہے۔ والد صاحب عشر ادا نہیں کیا کرتے تھے اس سے پہلے ایک فتویٰ آپ سے منگوایا تھا اس کے بعد والد صاحب زبانی طور پر عشر ادا کرنے کے لیے تیار ہو گئے مگر مجھے یقین ہے کہ عملی طور پر پورا عشر ادا نہیں کریں گے کیونکہ گندم کا عشر جو کہ ۳۰۰ من تھی۔ ۱۵ من یعنی ۶ بوری کی ادا کی اور ۲ بوری کو ٹالنے کی کوشش کریں گے اس کے علاوہ گھر کا نلکا، پنکھا، بجلی، سوئی گیس کا چولہا اور نیا تعمیر شدہ مکان بھی بغیر عشر گھر میں موجود ہے۔ ان سب کے عشر کے لیے والد صاحب شاید تیار نہ ہوں اس کے علاوہ ایک عدد دوکان اور اس میں سامان جس میں ہم کام کرتے ہیں وہ بھی بغیر عشر کی رقم کا ہے۔ لیکن اس دوکان کے مال کی دو سال یا تین سال سے ہم زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان حالات میں اگر والد صاحب عشر ان چیزوں کا نہ دیں تو کیا ہم تھوڑا تھوڑا کر کے والد صاحب کے لاعلم ہوتے ہوئے ادا کر دیں تو ادائیگی ہو جائے گی اور عشر ادا نہ کرنے کی صورت میں کیا ان چیزوں کا استعمال میرے لیے اور میرے چھوٹے بھائی اور ہماری بیوی اور بچوں کے لیے جائز ہے۔ واضح ہے کہ دوکان میں فی الحال اتنی آمدنی نہیں ہے۔ کہ ہم اپنا پورا خرچ برداشت کریں۔ لیکن اگر زمین کی آمدنی سے

عشر دینا ہمارے لیے جائز نہ ہو تو ہم اپنے پورے خرچ سے دینے کا اہتمام کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس کے علاوہ ابھی تک پوری جائیداد والد صاحب کے پاس ہے اور انھوں نے وراثت نہیں کی اور زمین کی پیداوار میں سے ہمیں بلا اجازت دینے کا اختیار نہیں ہے۔

﴿ج﴾

والد صاحب کی اجازت حاصل کیے بغیر تھوڑا تھوڑا کر کے عشر ادا کرنے سے ادائیگی نہیں ہوگی۔ اپنی طرف سے والد صاحب کے ادب کا خیال کرتے ہوئے انکو تمام عشر ادا کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ اس کے باوجود اگر وہ اس میں کوتاہی کرتے ہیں۔ تو اس کا گناہ آپ لوگوں پر نہیں ہے اور ان چیزوں کے استعمال کرنے میں آپ گنہگار نہیں ہوں گے۔ فقط

بندہ محمد اسحاق عفی عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۵ شعبان ۱۳۹۷ھ

صدقہ فطر کا بیان

صدقہ فطر کا نصاب کیا ہے اور ضرورۃ اصلیہ میں استعمال ہونے والی چیزوں کی وجہ سے واجب ہوگا یا نہیں؟ قربانی کے وجوب کے لیے کیسا نصاب شرط ہے؟

﴿س﴾

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ صدقۃ الفطر کا نصاب کیا ہے اور کتنی ملکیت ضروری ہے۔ نیز اگر ایک شخص کے پاس بندوق یا زیورات موجود ہیں یا چند بکریاں یا ھل چلانے کے لیے بیل وغیرہ موجود ہیں۔ کیا اس شخص پر صدقۃ الفطر واجب ہے کہ نہیں۔ (۲) اگر ایک شخص کے پاس کچھ غیر آباد زمین موجود ہے۔ مگر اس سے فائدہ زراعۃ وغیرہ نہیں اٹھا رہا ہے اور بیل ھل چلانے کے لیے موجود ہیں۔ نیز چند بکریاں جو کہ سالانہ اخراجات سے فارغ ہیں۔ کیا ان اشیاء پر قربانی واجب ہے کہ نہیں۔ اس مسئلہ کو تفصیل سے بیان کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔ فقط

﴿ج﴾

جو مسلمان اتنا مالدار ہو کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو۔ یا اس پر زکوٰۃ تو واجب نہیں لیکن ضروری اسباب سے زائد اتنی قیمت کا مال اسباب ہے۔ جتنی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ یعنی ساڑھے باون ۵۲ ۱/۲ تولے چاندی یا ساڑھے ۷ ۱/۲ تولے سونے کی قیمت کی مقدار مال ہو، تو اس پر عید کے دن صدقہ دینا واجب ہے۔ چاہے وہ سوداگری کا مال ہو یا سوداگری کا نہ ہو اور چاہے سال پورا گذر چکا ہو یا نہ گذرا ہو۔ بندوق، دودھ کے لیے چند بکریاں، ہل چلانے کے لیے چند بیل، اسباب ضروریہ اور حوائج اصلیہ میں سے ہیں۔ ان کے نصاب کا اعتبار نہیں۔ البتہ زیورات نصاب میں شمار کیے جائیں گے۔ اور جس پر صدقۃ الفطر واجب ہو اس پر اضحیہ بھی واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

نصف صاع کی مقدار کیا ہے اور صدقۃ الفطر کس حساب سے نکالا جائے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ نصف صاع کی مقدار کیا ہے۔ صدقۃ الفطر کس حساب سے نکالا جائے۔

﴿ج﴾

تین مختلف قسم کے حساب سے نصف صاع کی مقدار یہ ہے۔ (۱) بذریعہ مثقال نصف صاع ۱۳۵ تولہ۔ (۲) بذریعہ دراھم نصف صاع ۱۳۶ تولہ چھ ماشہ۔ (۳) بذریعہ مُد نصف صاع ۱۴۰ تولہ تین ماشہ گندم سے۔ صدقۃ الفطر کی مقدار واجب نصف صاع ہے۔ اور نصف صاع پہلے حساب سے اسی ۸۰ تولہ کے سیر سے ڈیڑھ سیر تین چھٹانک کا ہوا اور دوسرے حساب سے ڈیڑھ سیر تین چھٹانک ڈیڑھ تولہ اور تیسرے حساب سے پونے دو سیر تین ماشہ ہوا۔ جن میں زائد سے زائد سوا پانچ تولہ کی زیادتی ہے۔ اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ اسی تولہ کے سیر سے پونے دو سیر گندم ایک صدقۃ الفطر میں نکالے جائیں۔ کذا فی ارجح الاقاویل فی اصح الموازین والمکائیل ص ۱۲۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۹ ذوالقعدہ ۱۳۹۰ھ

صدقۃ الفطر اور قربانی کی کھالوں کی رقم کو تنخواہوں اور مدرسہ کے فرنیچر پر خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ فطرانہ و چرمہائے قربانی سے مدرسین کو تنخواہ دینا جائز ہے۔ اگر کوئی فقہی جزئیہ ہو تو مفصلاً تحریر فرمائیں اور مسلمانوں کی دینی بے حسی کا آپ کو کما حقہ علم ہے۔ پھر دریں صورت کیا کرنا چاہیے اور دینی تعلیم کو کس طرح جاری رکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ مسلمان فی زمانہ دینی علوم کی طرف مائل نہیں ہیں۔ اس وجہ سے عطیات کی کمی ہے۔ اس لیے بصورت مجبوری فطرانہ و قربانی کی کھالوں کی مد سے بصورت مسئولہ صرف کی جائیں تو جائز ہے یا نہیں؟ اور حیلہ کی جو صورت ہے وہ کس طرح پر ہے۔ تفصیل سے تحریر فرماویں اور حیلہ کرنے کے بعد کتابوں فرنیچر وغیرہ پر اس رقم کو استعمال کیا جائے۔ تو جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

فطرانہ قیمت چرم قربانی وغیرہ صدقات واجبہ کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے۔ کما فی الدر المختار باب المصرف. ص ۶۴ ج ۲ مصرف الزکوة والعشر الخ هو فقير (در المختار) وهو مصرف ايضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كما في القهستاني (رد المحتار) اور معلم کو تنخواہ میں زکوٰۃ کا روپیہ دینا درست نہیں ہے۔ زکوٰۃ بلاکسی معاوضہ تعلیم وغیرہ کے اور مساکین اور غرباء کو دینا اور ان کو مالک بنانا ضروری ہے۔ انما الصدقات للفقراء

والمساکین (هدایه. ج ۱ /ص ۱۸۶) ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحة (در المختار باب المصرف ص ۶۸\ج ۲) البتہ حیلہ تملیک کے بعد زکوٰۃ وصدقات واجبہ کا مدرسہ کے ملازمین ومعلمین کی تنخواہ میں صرف کرنا درست ہے۔ اور حیلہ جواز کا یہ ہے کہ مال زکوٰۃ وغیرہ اول کسی ایسے شخص کی ملک کر دیا جائے۔ جو مالک نصاب نہ ہو۔ پھر وہ اپنی طرف سے مدرسین کی تنخواہ میں دے دے یا مہتمم مدرسہ کو اس غرض سے دے دے۔ وحیلة التکفین التکفین بها التصدق علی فقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما وکذا فی تعمیر المسجد (الدر المختار علی هامش رد المحتار کتاب الزکوة ص ۱۳ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۶ رجب ۱۳۸۹ھ

اگر پورے ملک میں صدقہ فطر ایک جگہ جمع کر کے اس رقم سے انڈسٹری لگائی جائے اور منافع مستحق لوگوں پر خرچ کیے جائیں؟

﴿س﴾

عرض ہے کہ اگر ہر سال عید الفطر کے موقع پر پورے ملک میں سے ایک ہی جگہ فطرانے کی رقم جمع کر لی جائے اور اس سے ملک کے اندر کوئی انڈسٹری یا کوئی دوسرا کاروباری ادارہ قائم کر دیا جائے اور اس پر جتنا بھی سالانہ منافع حاصل ہو وہ غریبوں محتاجوں، یتیموں اور بیواؤں میں تقسیم کر دیا جائے اور کچھ لوگوں کے وظیفے مقرر کر دیے جائیں۔ تاکہ ملک میں بڑھتی ہوئی گداگری کو بھی ختم کیا جا سکے اور اس طرح صحیح اور مستحق لوگوں کی پریشانیوں کو دور کیا جا سکے۔ تو ہمارے مذہب اسلام کے اندر فطرانے کی رقم اس طرح جمع کرنا اور خرچ کرنا کہاں تک جائز ہے۔ برائے مہربانی واپسی ڈاک اپنے فتویٰ اور اعلیٰ خیالات سے نوازیں عین نوازش ہوگی۔ تاکہ اگر یہ اسلام میں جائز ہو۔ تو اس اسکیم کو پورے ملک کے اندر جلد از جلد جاری کر کے مستحق لوگوں کی امداد کی جا سکے۔

﴿ج﴾

صدقہ فطر کا مصرف وہی ہے۔ جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔ و صدقة الفطر کالزکوة فی المصارف وفی کل حال (الدر المختار علی هامش رد المحتار. ج ۲ /ص ۸۶) اور زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے۔ اس سے کوئی کاروباری ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس صورت میں اصل مال کی تملیک نہیں کی جاتی۔ مصرف الزکوة الخ. وهو مصرف ایضا لصدقة الفطر والکفارة والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبة الخ. ص ۶۴ ج ۲ هو فقیر وهو من له ادنی شئ ای دون نصاب الخ. ص ۶۴ ج ۲ ویشترط ان یکون الصرف تملیکا (الدر المختار باب المصرف. ج ۲/ص ۶۸)

حاصل یہ ہے کہ سوال میں جس صورت کا ذکر کیا ہے۔ اس طریقہ سے صدقہ فطر کا جمع کرنا اور خرچ کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۷ جمادی الاولی ۱۳۸۹ھ

زکوٰۃ اور صدقات کہاں کہاں خرچ کیے جائیں؟

جس کی ضرورت زمین سے پوری نہ ہوتی ہو اس کو زکوٰۃ دینا؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ ان علاقہ جات میں جہاں بارش سے پیداوار ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کی کافی مقدار میں زمین ہوتی ہے۔ مگر بارش نہ ہونے کی وجہ سے پیداوار نہیں ہوتی اور قرض لے کر کھاتے رہتے ہیں۔ جب ہوئی تو تمام لوگوں کا قرض ادا کر دیا۔ ورنہ نہ۔ تو ایسے شخص کو جس کی زمین موجود ہے۔ زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہ؟

سائل حاجی فتح محمد اوریانی تحصیل کھولو ضلع بستی بلوچستان

﴿ج﴾

ایسی زمین رکھنے والے کو زکوٰۃ دینی جائز ہے۔ زمین کی قیمت کو نہیں دیکھا جائے گا۔ بلکہ اس کی آمدنی کو دیکھا جائے گا۔ جب آمدنی اتنی نہیں آتی۔ جس سے وہ غنی ہو جائے۔ تو اسکو بلاشبہ زکوٰۃ دینی جائز ہے۔

محمود عفا اللہ عنہ ۱۹ ربیع الثانی

انتخابی فنڈ میں زکوٰۃ صرف کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میں نے جمعیۃ کے انتخابی فنڈ کے لیے جیکب آباد کے دوستوں سے اپیل کی ہے۔ لوگ آپ کی دعا سے اللہ کے فضل سے توقع سے زیادہ امداد کر رہے ہیں۔ ایک اپنا جماعتی دوست

ہے۔ جب اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ میں رقم چندہ تو نہیں دے سکتا البتہ میرے پاس زکوٰۃ کی رقم ہے۔ اگر [illegible] رقم انتخابی فنڈ میں دے سکتا ہوں تو پھر زکوٰۃ آپ کو دوں گا۔ اس لیے گزارش ہے کہ اگر زکوٰۃ کی رقم مقامی جمعیت یا مرکز خرچ کر سکتی ہے۔ تو آپ مہربانی فرما کر مجھے ایک تحریر نامہ ارسال فرمائیں تو میں وہ رقم ان سے لے لوں گا۔ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ وہ رقم آپ کے پاس مرکز میں بھیجوں یا مقامی جمعیت خرچ کر سکتی ہے۔ دعاؤں کا محتاج جمال اللہ الحسینی۔

﴿ج﴾

زکوٰۃ فقراء و مساکین کو ملک کر دینا ضروری ہے۔ اور انتخابی فنڈ میں دینے کی صورت میں تملیک متحقق نہیں ہوتی۔ اس لیے انتخابی فنڈ میں زکوٰۃ صرف کرنا درست نہیں۔ البتہ حیلہ تملیک کے بعد جس میں چاہے خرچ کیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۷ جمادی الاخری ۱۳۸۹ھ

عشر اور زکوٰۃ کو مسجد میں خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ ایک بستی میں تقریباً چالیس سال سے ایک دینی مدرسہ قائم ہے۔ جس میں تا ہنوز درجہ حفظ و ناظرہ اور عربی و فارسی مروجہ درس نظامی کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے۔ مدرسہ میں حسب ضرورت اساتذہ و طلباء مقیم و بیرونی موجود ہیں اور الحمد للہ حسب توفیق تعلیم ہو رہی ہے۔ اب تقریباً عرصہ دو سال سے بستی کے چند افراد نے اختلاف برپا کر رکھا ہے۔ محض سابقہ مدرسہ پر اور جامع مسجد کی تباہی کا ارادہ ہے۔ انھوں نے ایک مسجد اور مدرسہ برائے نام بنا رکھا ہے۔ جس میں تا وقت تحریر نہ کوئی استاذ ہے اور نہ کوئی طلباء لوگوں سے زکوٰۃ و عشر وصول کرتے ہیں۔ جو بلا امتیاز مسجد پر خرچ کر دیتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ سابقہ مدرسہ ناکام ہو جائے۔ رات دن پروپیگنڈہ اور اشتہار کی ہوا گرم کیے ہوئے ہیں۔

(۱) تو ایسی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) اور کیا ایسے لوگوں کو عشر و زکوٰۃ چندہ کے طور پر دینا جائز ہے یا نہیں۔

(۳) کیا ایسے لوگوں کی زکوٰۃ اور عشر ادا ہو جاتی ہے جبکہ ان کو معلوم ہو کہ نہ کوئی مدرسہ ہے اور نہ طلباء اور نہ اساتذہ۔ ایسے عشر و زکوٰۃ کا کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

(۱) مسجد مذکورہ کو مسجد ضرار نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے اس میں نماز با جماعت پڑھنا درست ہے۔ مسجد پر تملیک کے بغیر عشر و زکوٰۃ کی رقوم صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ (۲،۳) جو لوگ زکوٰۃ و عشر کو صحیح مصرف میں خرچ نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کو زکوٰۃ نہیں دینی چاہیے اور زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

زکوٰۃ، عشر اور تمام صدقات میں تملیک فقراء بلا عوض شرط ہے۔ مسجد اور تعمیرات مدرسہ اور ملازمین کی تنخواہوں میں جہاں تملیک متحقق نہیں ہوتی۔ زکوٰۃ صرف کرنا درست نہیں۔ البتہ حیلہ تملیک کے بعد مسجد اور مدرسہ کے تمام مصارف میں خرچ کرنا جائز ہے۔ جہاں دینی اداروں میں زکوٰۃ وغیرہ کو اپنے اپنے مصرف میں خرچ کرنے کا انتظام ہو وہاں دینا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

دیہاتوں میں مسجدوں کے ویران ہونے کے ڈر سے اماموں کو زکوٰۃ، صدقۂ فطر وغیرہ دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین متین دریں مسئلہ کہ ہمارے بعض علاقوں میں ائمہ مساجد اور خطباء حضرات کو اپنے صدقات فرضیہ دے کر مساجد کو آباد رکھا جاتا ہے۔ اگر صدقات فرضیہ ائمہ کو نہ ملیں۔ تو مساجد ویران ہو جائیں گی۔ کیونکہ یہ رسم قدیم ہے۔ تو کیا اس طریقہ سے اگر عشر زکوٰۃ صدقہ فطر وغیرہ کا مصرف مذکورہ اختیار کیا جائے تو ادائیگی فریضہ ہو جاتی ہے کہ نہیں۔

﴿ج﴾

پیش امام اگر غنی ہے تو اس کو صدقات فریضہ دینا جائز نہیں اس لیے کہ نص میں فقراء وغیرہ اصناف مذکور ہیں۔ وفی البحر الرائق. ج ۲/ص ۲۳۳ قوله (غنی یملک نصابا) ای لا یجوز الدفع له لحدیث معاذ المشهور خذها من اغنیائهم وردها فی فقرائهم . وفی الرد ص ۶۵ ج ۲ وفی جامع الفتاوی ونصه وفی المبسوط لا یجوز دفع الزکوة الی من یملک نصاباً الا الی طالب العلم والغازی ومنقطع الحج لقوله علیه السلام یجوز دفع الزکوة لطالب العلم وان کان له نفقة اربعین سنة اه وفی فتاوی دار العلوم دیوبند. ج ۳،۴/ص ۳۱) ولا یجوز

الزکوة الی الغنی لماروی عن ابی هريرة رضی الله عنه قال اخبرنی رجلان انهما اتیا النبی صلی الله علیه وسلم وهو فی حجته الوداع وهو یقسم الصدقة فسئلاه عنها فرفع فینا النظر فرانا جلدین فقال ان شئتکما اعطیتکما ولا حظ فیها لغنی ولا لقوی مکتسب رواه ابــو داؤد. اھ. اور اگر فقیر ہے تو اس کو زکوٰۃ وغیرہ صدقات فریضہ دینا جائز ہے۔ تاحد غنا جب غنی یعنی مالک نصاب مع شرائط ہوگیا۔ تو پھر اس کے لیے بھی ناجائز ہے۔ ہاں اگر ویرانی مسجد کا خطرہ ہو تو حیلہ کرلیا جائے۔ اور حیلہ کی یہ صورت ہے کہ ایک مفلس آدمی کسی غنی آدمی سے بقدر ان صدقات فریضہ جو کہ امام کو دیے جاتے ہیں۔ قرض لے لے اور پیش امام کو ھبہ کر دے اور پھر وہی صدقات خود وصول کر لے۔ واللہ اعلم

الاحقر عبدالرحمان عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ دار العلوم عیدگاہ کبیر والا ضلع ملتان ۵ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ

عشر کاشت کار پر ہی واجب ہوتا ہے، بے نمازی مستحق کو زکوٰۃ دینا
جس مدرسہ کے متعلق یہ شبہ ہو کہ چندہ صحیح جگہ خرچ نہیں ہوتا وہاں زکوٰۃ دینا
مسکین امام کو عشر دینے سے ادا ہوگا یا نہیں؟

﴿س﴾

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی مالک زمین ہے۔ اس نے دوسرے آدمی کو کاشت پر زمین دی ہے۔ دوسرے کا بیج بیل ہیں فصل سمجھانے کے بعد غلہ یہاں نصف تقسیم کرتا ہے۔ لیکن عشر کے متعلق کچھ گفت وشنید نہیں کی۔ اب یہ عشر مالک زمین پر ہوگا یا کاشت کار پر۔

(۲) اپنا رشتہ دار نماز روزہ کا پابند نہیں ہے۔ کہیں دوسرے محلے کا آدمی نماز روزہ کا پابند ہے۔ اب کون سے کو عشر دینا اچھا ہے۔

(۳) اپنے علاقے کے دینی مدارس میں چندہ صحیح طور پر استعمال نہیں ہوتا ہے۔ لیکن ضلع میں دوسرا دینی مدرسہ ہے جس کا چندہ صحیح استعمال ہوتا ہے۔ اب کونسے کو دینا چاہیے۔

(۴) امام مسجد مسکین ہے۔ ایک مقتدی نے عشر اس کو دیا تو اس مقتدی کا عشر دے دینا جائز ہوگا۔

﴿ج﴾

(۱) زمین عشری میں اگر وہ زمین زراعت پر دے دی جائے جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے۔ تو عشر

زمیندار اور کاشتکار دونوں پر بقدر اپنے حصے کے واجب ہوتا ہے۔ کما فی الشامیة ان العشر علی رب الارض عنده و علیهما عندهما الخ. وهو الظاهر لما فی البدائع من ان المزارعة جائزة عندهما والعشر یجب فی الخارج والخارج بینهما فیجب العشر علیهما (الدر المختار باب العشر. ج ۲/ص ۶۱)

(۲) اہل قرابت جو محتاج ہیں۔ ان کو زکوٰۃ دینے میں زیادہ ثواب ہے۔ کیونکہ اس میں صلہ رحمی کا بھی ثواب ملے گا اور نمازی کی ان کو نصیحت کرے۔ اگر وہ عمل نہ کرے ان پر گناہ ہے۔ قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الصدقة علی المسکین صدقة وهی علی ذی رحم ثنتان صدقة وصلة رواه احمد و الترمذی وغیرهما (مشکوة باب افضل الصدقة ص ۱۷۱)

وفی رد المحتار (قوله ولا الی من بینهما ولاد) وقید بالولاد لجوازه لبقیة الاقارب کالاخوة والاعمام والاخوال الفقراء بل هم اولی لانه صلة وصدقة وفی الظهیریه ویبدأ فی الصدقات بالاقارب ثم الموالی ثم الجیران الخ (رد المحتار باب المصرف. ج ۲/ص ۶۹)

(۳) جہاں چندہ صحیح مصرف پر خرچ کیا جاتا ہو۔ وہاں دینا چاہیے۔ جس مدرسہ میں چندہ صحیح مصرف پر خرچ نہیں کیا جاتا۔ اس کو چندہ دینا درست نہیں۔

(۴) عشر، زکوٰۃ، فطرانہ وغیرہ صدقات واجبہ بلا معاوضہ فقراء کو دینا ضروری ہیں۔ پس امام کو معاوضہ امامت اس میں سے دینا اور اس کو لینا درست نہیں۔ اگر معاوضہ مقرر ہے۔ البتہ اگر بطور معاوضہ کے نہیں۔ بلکہ الگ سے محتاج سمجھ کر دی جائے اور مستحق زکوٰۃ ہے تو درست ہے۔ والاصل فیه قوله تعالی انما الصدقات للفقراء الایه. فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۵ رجب ۱۳۸۵ھ

مقروض امام کے قرض میں عشر یا زکوٰۃ دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک امام مسجد ہے۔ اس کی تنخواہ ایک صد بیس ۱۲۰ روپے ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ تنخواہ اس کی پوری نہیں ہوتی۔ اس کے اوپر قرض ہے کسی آدمی کا۔ ایک آدمی عشر والے پیسوں سے اس امام مسجد کا قرض ادا کرسکتا ہے یا نہیں۔ جائز ہے یا ناجائز۔

﴿ج﴾

اگر امام غنی نہیں مالک نصاب نہیں۔ تو قرض کی مقدار عشر اور زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ عشر کی رقم امام مسجد کو دی جائے اور امام زکوٰۃ اور عشر وصول کر کے قرضہ ادا کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۹ جمادی الاولی ۱۳۹۵ھ

دینی تنظیموں کو زکوٰۃ اور صدقہ فطر دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اس ملک پاکستان میں مختلف جماعتیں جو کہ دینی و سیاسی خدمات انجام دے رہی ہیں۔ مثلاً جماعت احرار، تنظیم اہل سنت، مجلس ختم نبوت اور خصوصاً جمعیۃ علماء اسلام پاکستان وغیرہ۔ کیا ان جماعتوں کو صدقات واجبہ مثلاً زکوٰۃ، عشر، صدقہ فطر وغیرہ دینا جائز ہے کہ نہیں۔ جواب باصواب سے مشکور فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ زکوٰۃ میں تملیک فقراء و مساکین وغیرہما شرط ہے۔ مصرف الزکوۃ الخ. ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً. (درمختار ص ۶۸ \ ج ۲) پس جو جماعتیں زکوٰۃ کو مصرف زکوٰۃ میں صرف کرتی ہیں۔ ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ جماعت کے مختلف مصارف میں زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کرنا جائز نہیں۔ البتہ حیلہ تملیک کے بعد جماعت کے مختلف مصارف میں خرچ کرنا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۲ رجب ۱۳۹۲ھ

ڈھائی ایکڑ زمین والے کو زکوٰۃ دینے کا حکم
نقد رقم کے علاوہ کوئی چیز زکوٰۃ میں دینی جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ۔ (۱) ایک آدمی کی ڈھائی ایکڑ زمین ہے۔ اس زمین پر اس کا گزارہ نہیں ہوسکتا ہے۔ کیا ایسے آدمی کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں۔ (۲) کیا غلے کی قیمت لگا کر کسی مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ میں دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

(۱) ایسا شخص مصرف زکوٰۃ ہے اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ وذکر فی الفتاوی فیمن له حوانیت ودور للغلة لکن غلتها لا تکفیه وعیاله انه فقیر ویحل له اخذ الصدقة عند محمد وعلیه الفتوی (رد المحتار باب المصرف ص ۷۰\ ج ۲) (۲) دیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۴ رجب ۱۳۹۳ھ

مقروض کے قرض کو زکوٰۃ سے منہا کرنا

﴿س﴾

ایک شخص نے کسی شخص سے بطور قرضہ حسنہ ۱۰۰ روپے لیے۔ وعدہ صرف ایک ماہ کا تھا۔ مگر ایک ماہ کے بجائے تین ماہ کے بعد مطالبہ ۱۰۰ کا کیا۔ مگر جس نے قرض لیا تھا۔ اس نے اپنی معذوری بیان کی اور ایک اور آدمی کو ہمراہ لایا کہ ۱۰۰ روپیہ زکوٰۃ فنڈ سے دیکر حساب بے باک کرلو۔ آپ فتوی دیں کہ ایسے شخص کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر زکوٰۃ اس مقصد کے لیے دی جائے کہ میرا سو ۱۰۰ روپیہ جو ڈوب رہا ہے۔ زکوٰۃ فنڈ دے کر پورا ہو جائے گا تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں سو ۱۰۰ روپیہ زکوٰۃ کی نیت سے مدیون (مقروض) کو دے دیا جائے۔ اس کے بعد دائن اپنے قرضہ میں واپس لینے والے سے قبض کرنے کے بعد وصول کرے۔ بغیر قبض کرانے کے فقط مقروض کو بری کرانے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

نوٹ: (نوٹوں کے بجائے نقد سے اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہوگی۔ ورنہ نہیں)

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مدرسہ کے چندہ کو سکول میں خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دینی عربی مدرسہ میں مڈل سکول بھی ہے اور اب میٹرک کی تیاریاں بھی کر رہا ہے۔ ایک شخص نے اعتراض کیا ہے کہ یہ ایک دینی ادارہ ہے اس میں زکوٰۃ عشر صدقات وغیرہ آتے ہیں اور آپ حضرات اس مدرسہ کی رقومات کو ماسٹروں کی تنخواہوں میں صرف فرماتے ہیں کیا

یہ درست ہے دوسرا اگر بالفرض آپ حضرات یہ رقومات تملیک کرا کر مڈل سکول میں لاتے ہیں تو بھی اس شخص نے یہ اعتراض کیا ہے کہ تملیک کا حیلہ بہانہ کسی شرعی کام میں ہونا چاہیے۔ مڈل یا ہائی سکول کی ذمہ داری گورنمنٹ نے لی ہوتی ہے۔ وہ کروڑوں روپیہ اس مد میں خرچ کرتے ہیں لہٰذا دینی ادارہ میں اس کو شروع کر کے روپیہ ضائع نہ کیا جائے اور یہی رقم ادارہ کے کسی دینی کام میں صرف فرمائی جائے اندریں حالات درخواست ہے کہ اس کا شرعی لحاظ سے فتویٰ تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

﴿ج﴾

زکوٰۃ وفطرانہ وغیرہ صدقات واجبہ بلا معاوضہ فقراء کو دینا ضروری ہے پس زکوٰۃ کی رقم ماسٹروں کو تنخواہ میں دینا اوران کو لینا درست نہیں ہے۔ قال الاصل فیہ قولہ تعالی انما الصدقات للفقراء الآیہ وھدایہ باب من یجوز دفع الصدقات الیہ. ج ۱/ ص ۱۸٦) اس سے معلوم ہوا کہ یہ فقراء اور دوسرے مستحقین کا حق ہے لہٰذا معاوضہ میں دینا درست نہ ہوگا البتہ حیلہ تملیک کرنے کے بعد پھر مہتمم وغیرہ منتظمین کو دینی ضرورت کے تحت اختیار ہو جاتا ہے کہ جس مصرف مناسب میں چاہیں صرف کر دیں حیلہ کے بعد تنخواہ مدرسین وملازمین میں صرف کرنا بھی جائز ہے۔ یہ حیلہ تملیک فقہاء نے لکھا ہے اور شرعاً جائز ہے۔ اس لیے کہ حیلہ میں اصولی بات طے ہو جاتی ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کا مصرف فقیر ومسکین ہے وہ اس کو مل گئی اب وہ بحیثیت مالک ہونے کے جو چاہے کر سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حیلہ خواہ مخواہ کرنا مناسب نہیں ہے اس لیے کہ زکوٰۃ کے مصارف متعین ہیں۔ حیلہ کے بعد جو اصل مستحقین ہیں وہ عملاً محروم رہ جاتے ہیں اس لیے حیلہ کی صورت انتہائی مجبوری میں صرف دینی کام میں اختیار کرنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ صفر ۱۳۸۹ھ

معترض کا اعتراض صحیح ہے دینی اہم ضرورت کے بغیر حیلہ نہیں کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۷/۲/۸۹ھ

حج وعمرہ کے لیے کسی کو زکوٰۃ دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کسی مسکین شخص کو زکوٰۃ اس غرض سے دینا کہ وہ اس سے حج وعمرہ ادا کرے۔ تو کیا اس کی زکوٰۃ ادا ہوگی۔

﴿ج﴾

زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ باقی مسکین شخص پر یہ ضروری نہیں کہ وہ لازماً اس رقم سے حج یا عمرہ کرے۔ بلکہ جس ضرورت میں بھی وہ صرف کرے جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان

حج کے ارادہ سے مال زکوٰۃ جمع کرنا' کیا زکوٰۃ کے مال سے حج جائز ہے؟
مانگنے والا مال زکوٰۃ سے صاحب نصاب بننے کے بعد بھی مستحقِ زکوٰۃ رہیگا؟
حج کے نام پر جمع کردہ زکوٰۃ کو اپنی ضرورت میں صرف کرنا

﴿س﴾

زید لوگوں سے بذریعہ سوال رقم برائے حج جمع کرتا ہے اور سوال بلفظ زکوٰۃ کہتا ہے اور ثانی زکوٰۃ دینے والے کو اول کا علم ہوتا ہے کہ فلاں آدمی نے پچاس یا کم وبیش دیا ہے اور مزید رقم زکوٰۃ بارادہ حج لیتا ہے اور دینے والا بھی زکوٰۃ بنیت حج زکوٰۃ دیتا ہے۔ (۱) اب زید مصرف زکوٰۃ ہے یا نہ۔ (۲) حج زکوٰۃ کے روپیہ سے ہوتا ہے یا نہ۔ (۳) بعد نصاب زکوٰۃ اس سائل حج کو اگر کسی نے زکوٰۃ دی۔ زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہ۔ (۴) سائل بارادہ حج زکوٰۃ کو لے کر ضروریات میں صرف کر سکتا ہے یا نہ؟

سائل عبدالحمید ڈیرہ اسماعیل خان

﴿ج﴾

جس وقت اس کے پاس قدر نصاب مال جمع ہو جاتا ہے۔ یا اس سے قبل وہ صاحب نصاب ہو۔ تو اس کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں۔ یہ مصرف زکوٰۃ نہیں۔ (۱) زکوٰۃ سے لیا ہوا روپیہ حالت فقر میں لیا ہو۔ اور پھر دوسرا روپیہ اس کو مل جائے۔ تو زکوٰۃ کے روپے کو ملا کر حج کر سکتا ہے۔ (۳) اگر یہ جانتا ہے کہ یہ غنی صاحب نصاب ہے۔ اور پھر دیتا ہے تو جائز نہیں اور زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور اگر لاعلمی سے دیا تو ادا ہو جائے گی۔ (۴) جب زکوٰۃ لینا صحیح ہو تو ہر جگہ صرف کر سکتا ہے اور جب صحیح نہ ہو تو کہیں صرف نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۳ رجب المرجب ۱۳۷۵ھ

جمعیۃ علماء اسلام، جماعت اسلامی کو انتخابی مہم کے لیے زکوٰۃ دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ سیاسی جماعتیں مثلاً جماعت اسلامی، جمعیۃ علماء اسلام، مسلم لیگ وغیرہ انتخابی مہم کے لیے زکوٰۃ لینے کی مستحق ہیں یا نہ۔ بصورت اول مصرف ان کا کیا ہے۔ جس سے زکوٰۃ کا استحقاق ثابت ہو۔

﴿ج﴾

زکوٰۃ میں فقراء کو مالک بنانا ضروری ہے۔ بدون اس کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ پس اگر کسی جماعت میں محتاج لوگ موجود ہوں تو ان کو زکوٰۃ ملک کر دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لیکن بغیر تملیک کے ملازمین یا واعظین کی تنخواہ میں زکوٰۃ دینا درست نہیں۔ اسی طرح اگر بغیر تملیک کیے کوئی جماعت مختلف اخراجات میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۰ھ

عشر کی رقم سے دوائی خرید کر مریض کو دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زکوٰۃ وعشر کی رقم سے ادویہ خرید کر مریضوں میں تقسیم کرنے سے قبضہ ہو جاتا ہے اور کیا یہ مصرف بن جاتا ہے نیز کیا یہ رقم جمعیۃ کے لیے خریدی جانے والی جیپ پر خرچ ہو سکتی ہے یا نہ؟ مفتی صاحب کی عدم موجودگی میں قائم مقام مفتی قاسم العلوم جواب سے نوازیں۔

﴿ج﴾

عشر اور زکوٰۃ کی رقم سے ادویہ خرید کر مریضوں کی ملک کر دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ بشرطیکہ مریض مستحق زکوٰۃ ہوں۔

زکوٰۃ وعشر کی رقم جمعیۃ کے لیے خریدی جانے والی جیپ پر خرچ کرنا جائز نہیں۔ زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے اور جیپ کسی کی ذاتی ملکیت نہ ہوگی۔ بلکہ جمعیۃ کے لیے وقف ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۰ھ

زکوٰۃ کی رقم سے دینی رسالہ چھاپنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص تحریری، تقریری وتدبیری صورت میں دین کی خدمت کر رہا ہے اور ایک بزرگ کامل کے نام سے منسوب، ایک جماعت یا انجمن بنائی ہوئی ہے اور اس بزرگ کے نام سے منسوب ایک رسالہ ماہ بہ ماہ نکالا جاتا ہے۔ جس میں دینی مسائل اور احکام شریعت، نماز، حج، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ اور دیگر مسائل شرعی تحریر کیے جاتے ہیں۔ آیا اس رسالے کے اخراجات کے لیے زکوٰۃ کا پیسہ جائز ہے یا کہ نہیں اور ان کو پیسہ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں۔ مسئلہ سے بخوبی آگاہ کریں۔

﴿ج﴾

زکوٰۃ کی رقم میں تملیک فقراء شرط ہے اور رسالہ کے لیے زکوٰۃ کی رقم دینے سے تملیک متحقق نہیں ہوتی بلکہ یہاں تو رسالہ بھی خریداروں کو قیمۃً مہیا کیا جاتا ہے اور کاتب کی اجرت اور طباعت کے اخراجات میں بھی یہ رقم صرف ہوتی ہے اور تملیک مساکین بلاعوض نہیں ہوتی۔ اس لیے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۲ محرم ۱۳۹۵ھ

نابالغ طلبہ کو زکوٰۃ دیکر پھر واپس لینا

زکوٰۃ کی رقم بغیر حیلہ کیے مدرسین کی تنخواہوں میں خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ دینی مدارس میں دی گئی زکوٰۃ کی رقم جو غرباء، مساکین اور یتیموں کا حق ہے۔ نابالغ یتیم بچوں کو وقتی طور پر دے کر واپس لے لی جاتی ہے اور وہی رقم مدرسہ کے مدرسین کو بچوں کو پڑھانے کے صلہ میں بطور خدمت دے دی جاتی ہے۔ براہ کرم آپ جواب ارشاد فرمائیں کہ یہ عمل کن دلائل کے لحاظ سے جائز ہے۔ (۲) نیز یہ بھی فرما دیں کہ مدارس دینیہ کے مہتمم یا منتظم بغیر حیلہ کے خود مالک بن کر زکوٰۃ کی رقم جمع کر سکتے ہیں اور مدرسہ کے مدرسین کو دے سکتے ہیں۔ برائے مہربانی قرآن وحدیث یا فقہ حنفی وغیرہ سے مندرجہ بالا استفتاء کا جواب باصواب ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

﴿ج﴾

یہ حیلہ فقہاء نے لکھا ہے اور شرعاً جائز ہے۔ حیلہ میں قانونی اور اصولی بات طے ہو جاتی ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کا مصرف فقیر و مستحق ہیں۔ وہ اسے مل گئی ہے۔ اب وہ بحیثیت مالک ہونے کے جو چاہے کر سکتا ہے۔ وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما و کذا فی تعمیر المسجد (الدر المختار باب الزکاة. ج ۲ /ص ۱۶) نابالغ محتاج کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ اگر وہ قبضہ کرنے کو جانتا ہو کہ کہیں پھینک نہ دے ورنہ اس کے ولی کے سپرد کرنی چاہیے۔ دفع الزکوة الی صبیان اقاربه بوسم عید الخ جاز (درمختار) قوله الی صبیان اقاربه ای العقلاء والا فلا یصح الا بالدفع الی ولی الصغیر (رد المحتار باب المصرف. ج ۲ /ص ۷۶) مہتمم یا منتظم مدرسہ زکوٰۃ دینے والوں کی طرف سے وکیل ہوتا ہے۔ اس لیے اس حیلہ کا کر لینا ضروری ہے۔ تاکہ زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ فوراً ادا ہو جائے۔ پھر مہتمم وغیرہ منتظمین کو اختیار ہو جاتا ہے کہ جس مصرف مناسب میں چاہیں صرف کریں۔ بغیر تملیک زکوٰۃ مدرسین کو تنخواہ میں دینا جائز نہیں۔ باقی حیلہ تملیک نابالغ بچوں سے نہ کرائے۔ ورنہ ان سے دوبارہ لینا جائز نہ ہوگا۔ بلکہ کسی بالغ مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ دے دیں۔ پھر اگر وہ اپنی طرف سے مدرسہ میں دینا چاہے تو دے دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۹ جمادی الاولی ۱۳۹۰ھ

نصاب کے بقدر زکوٰۃ کی رقم کسی کو دینی مکروہ ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ ایک شخص زکوٰۃ کا مستحق ہے اور زکوٰۃ کے روپیہ سے وہ حج کرنا چاہتا ہے اگر زکوٰۃ کا روپیہ اس کو دے دیا جائے تو آیا زکوٰۃ اس کو واجب ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

اگر یہ شخص زکوٰۃ کا مصرف یعنی مالک نصاب نہیں تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے لیکن بقدر نصاب ۵۲½ تولہ چاندی کی موجودہ قیمت کی مقدار زکوٰۃ ایک شخص کو دینا مکروہ ہے۔ اگرچہ زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ

صاحب نصاب کے لیے صدقات واجبہ لینا جائز نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص جو صاحب نصاب ہے۔ یعنی مالدار ہے۔ کیا وہ صدقہ وغیرہ لینے کا حقدار ہے۔ مثلاً دیہاتوں میں جو روٹیاں وغیرہ دیتے ہیں۔ ایصال ثواب کے لیے۔ کیا ایسے شخص کو دینے سے مردہ کو ثواب پہنچتا ہے۔ یا نہ۔

﴿ج﴾

صاحب نصاب کے لیے صدقات واجبہ مثل زکوٰۃ، فطرانہ، قیمت چرم قربانی لینا جائز نہیں۔ صدقات نافلہ لے سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۴ صفر ۱۳۹۴ھ

مناسب آمدنی کے باوجود اگر گزارا نہ ہوتا ہو تو زکوٰۃ لینا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین اس مسئلہ کے بارے میں۔ (۱) اگر کسی شخص کی اچھی آمدنی ہو۔ لیکن پھر بھی خاندان بڑا ہونے کی وجہ سے یا مہنگائی زیادہ ہے۔ جس کی وجہ سے ہر ماہ قرض لینا پڑتا ہے۔ اس حال میں زکوٰۃ لینی جائز ہے یا نہیں۔ نیز یہ شخص درمیانہ رہن سہن درمیانہ کھانا پینا کرتا ہے۔

﴿ج﴾

وہ شخص مصرف زکوٰۃ ہے۔ اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ قال فی الدر المختار ولا الی غنی یملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الاصلية وفی الشامية قال فی البدائع قدر الحاجة هو ما ذكره الكرخی فی مختصره فقال لا بأس ان يعطى من الزكوة من له مسكن وما يتاثث به فی منزله وخادم و فرس وسلاح وثياب البدن وكتب العلم ان كان من اهله الخ. وذكر فی الفتاوى فيمن له حوانيت ودور للغلة لكن غلتها لا تكفيه وعياله انه فقير ويحل له اخذ الصدقة عند محمد (شامی باب المصرف ص ۱۷۰ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۹ جمادی الاخری ۱۳۹۳ھ

میراثی کوزکوۃ دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید ایک غریب آدمی ہے اور زکوۃ لینے کا مستحق ہے۔لیکن اس کا پیشہ مراثی یعنی ڈھول بجانا ہے۔بنابریں مفصل جواب مسئلہ تحریر فرمائیں اور بمعہ حوالہ لکھیں کہ مذکورہ بالا شخص کوزکوۃ دینا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

ظاہر ہے کہ صدقات وخیرات صلحاء کو دینا افضل ہے۔جیسا کہ وارد ہوا ہے۔ **ولياكل طعامكم الابرار** یعنی چاہیے کہ تمھارا کھانا نیک لوگ کھائیں۔لیکن فاسق فاجر ڈھول بجانے والا جبکہ مفلس ہے۔اس کوزکوۃ دینے سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے۔اگرچہ بہتر ہے کہ صلحاء فقراء کو دے بہرحال اداء زکوۃ میں کچھ تامل نہیں بہتر ہونا نہ ہونا الگ ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ دیکھیے **مشكوة المصابيح باب الانفاق و كراهية الامساك فصل اول عن ابی هريرة (ص. ۱۶۵ و مصرف الزكوة)هو فقير وهو من له ادنى شي اى دون نصاب درمختار.** ص۶۴ ج۲

حررہ مفتی محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳ جمادی الاولی ۱۳۹۳ھ

مدرس کی تنخواہ زکوۃ سے ادا کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک گاؤں میں ایک حافظ صاحب قرآن مجید پڑھاتا ہے۔اس کی تنخواہ مقرر نہیں۔لوگ اس کو صدقہ زکوۃ دیتے ہیں۔کیا اس کے لیے زکوۃ کا پیسہ لینا درست ہے۔یا نہیں۔

﴿ج﴾

اگر بغیر کسی عوض اور تنخواہ کے دیتے ہیں تو جائز ہے۔بشرطیکہ وہ غنی نہ ہو۔اگر تنخواہ میں صدقات وغیرہ دیتے ہیں۔تو درست نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۲ صفر ۱۳۹۱ھ

جس کی آمدنی ہو لیکن مقروض ہو تو اس کوزکوۃ دینا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا مکان ملکیت منہدمہ ہے اور قرضدار ہے۔سفید پوش۔عیالدار ہے۔آمدنی میں سے نہ مکان بنواسکتا ہے۔نہ قرضہ ادا کرسکتا ہے۔سوال یہ ہے کہ ایسے شخص کی زکوۃ یا عشر یا خیرات صدقات سے امداد کرنی جائز ہے۔یا نہ۔

﴿ج﴾

جبکہ یہ شخص مالک نصاب نہیں تو زکوۃ عشر وغیرہ اس کو دینا جائز ہے۔بشرطیکہ وہ سادات میں سے نہ ہو۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

حیلۂ تملیک کے بعد زکوۃ تنخواہ میں دینا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک گاؤں میں دینی مدرسہ ہے۔جس میں سو کے قریب بچے و بچیاں قرآن پاک حفظ و ناظرہ پڑھ رہے ہیں۔مدرسہ کی آمدنی کا ذریعہ قربانی کی کھالیں وفطرانہ اور زکوۃ اور صدقہ نافلہ ہیں۔مدرسہ کا ناظم زکوۃ وغیرہ کی تملیک کرکے اساتذہ کو تنخواہ دے سکتا ہے یا نہیں۔فقط

﴿ج﴾

زکوۃ اور دیگر صدقات واجبہ سے تملیک کرنے کے بعد اساتذہ کو تنخواہ میں دینا جائز ہے۔واللہ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۱ جمادی الاولی ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۱ جمادی الاولی ۱۳۸۸ھ

جو انجمن مندرجہ ذیل مصارف میں زکوۃ خرچ کرے اس کوزکوۃ کا مال دینا؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک برادری (قبیلہ) نے اپنی ایک ایسوسی ایشن قائم کررکھی ہے۔یہ ایسوسی ایشن برادری کے معاملات میں مداخلت کی مجاز اور انھیں سلجھانے کی بھی ذمہ دار ہوتی ہے۔لیکن ان

معاملات میں شرعی حدود کی رعایت کی کوئی پابندی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس ایسوسی ایشن کا قیام شرعی قدروں کی حفاظت واحیاء کی بنا پر ہوا۔

یہ ایسوسی ایشن ہر سال اپنے متعلقین (برادری کے متمول افراد) سے زکوٰۃ، صدقات اور چرم قربانی بڑی سختی سے وصول کرتی ہے اور اس فنڈ سے ہزاروں روپے اس کے پاس جمع (بنک بیلنس) ہیں اور اس کے مصارف مندرجہ ذیل ہیں۔ (۱) برادری کے غریب طلباء کی مدد اسکول کی فیس یا کتب کی صورت میں امداد کرنا جبکہ یہ طلباء دنیاوی تعلیم اسکول کالج وغیرہ میں حاصل کرتے ہیں۔

(۳) اس رقم سے اسکول، کالج، ڈسپنسری قائم کرنا۔

(۴) ضرورت کے وقت جسے مناسب ہو اس رقم میں سے قرض حسنہ دینا۔ وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ ایسوسی ایشن کسی غیر برادری کے مسلمان سے مندرجہ بالا مدوں میں فنڈ جمع کرنے کی مجاز ہے اور کیا زکوٰۃ، صدقہ فطر، چرم قربانی دینے والے کی ادائیگی صحیح ہو جائے گی اور اس کے ذمہ سے فریضہ اتر جائے گا۔ جبکہ ایسوسی ایشن کے عہدیداران فنڈ جمع کرنے والے خود بھی صاحب نصاب ہیں اور ایسوسی ایشن کے پاس کوئی دینی مصرف مثلاً کوئی دینی تعلیم کا ادارہ یا انتظام اور جہاد فی سبیل اللہ اور دینی فروغ کا کوئی ذریعہ نہیں۔

کیا ایسے لوگوں یا انجمنوں، ایسوسی ایشنوں کو زکوٰۃ وغیرہ دینے سے تملیک ہو جائے گی اور کیا ایسی رقومات کا ہزاروں روپے بینک میں جمع رکھ کر ہر سال مزید فنڈ وصول کر کے اس رقم کو مزید بڑھانے کی فکر کرتے رہنا۔ یہ شرعاً جائز ہے۔ یا نہ۔

جواب مفصل مدلل مرحمت فرما کر دینی فریضہ ادا فرمائیں۔

﴿ج﴾

زکوٰۃ فقراء ومساکین کو تملیک کرنا شرعاً ضروری ہے۔ بغیر تملیک کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ صورت مسئولہ میں یہ انجمن چونکہ زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ کو اپنے مصرف پر خرچ نہیں کرتی۔ جیسے کہ ڈسپنسری، سکول، کالج وغیرہ قائم کرنے یا قرضہ میں دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ اس لیے اس انجمن کو زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ دینا درست نہیں۔ اس انجمن کے عہدیداران کے ذمہ واجب ہے کہ وہ زکوٰۃ کو اس کے مصرف پر خرچ کریں۔ سکول، کالج وغیرہ کے تعمیر یا تنخواہ میں زکوٰۃ کی قیمت چرم قربانی وغیرہ صدقات واجبہ کو صرف نہ کریں۔ اگر انجمن صدقات واجبہ کو اپنے مصرف پر خرچ کریں۔ تو ان کے لیے وصول کرنا درست ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ ذوالحجہ ۱۳۹۰ھ

کسی دینی درسگاہ کی تعمیر پر زکوٰۃ کی رقم لگانا

جس مدرسہ میں تاحال رہائشی اور مسافر طلبہ نہ ہوں اس کے لیے قربانی کی کھالیں، صدقہ فطر جمع کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل سوالات میں۔ (۱) زکوٰۃ اور چرم قربانی وفطرانہ اسلامی درسگاہ جو ابھی زیر تعمیر ہے اور جس میں ابھی تک بیرونی غریب یتیم اور لاوارث طلباء جو درسگاہ میں ٹھہرائے جانے والے ہوں۔ ایک بھی داخل نہیں ہے۔ استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اگر کیا جا سکتا ہے تو اس کی کیا صورت ہے۔

﴿ج﴾

زکوٰۃ، قیمت چرم قربانی اور فطرانہ میں تملیک شرط اور ضروری ہے۔ اسے درسگاہ کی تعمیر میں صرف کرنا جائز نہیں۔ البتہ ایسی صورت میں حیلہ تملیک کر کے زکوٰۃ وغیرہ کے روپے کو جس مد میں چاہے صرف کر سکتے ہیں اور حیلہ تملیک یہ ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ کسی ایسے شخص کی ملک کر دیا جائے جو کہ مالک نصاب نہ ہو پھر اس کی طرف سے مطلوبہ مصرف میں صرف کر دے۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

زیر تعمیر درسگاہ کے لیے زکوٰۃ مانگنے کا حکم؟

﴿س﴾

ایسی درسگاہ کے لیے (جو زیر تعمیر ہو اور جس میں کوئی لاوارث طالب علم داخل نہ ہو جس کے اخراجات کا بوجھ درسگاہ کے ذمہ ہو) زکوٰۃ وچرم قربانی فطرانہ وغیرہ مانگنا جائز ہے یا نہیں جبکہ درس گاہ کے اغراض ومقاصد وقواعد کے اندر بعد تکمیل عمارت بیرونی غریب ولاوارث مقیم طلباء کو داخل کرنے کا منصوبہ شامل ہے۔

﴿ج﴾

اس کا جواب ہو چکا ہے کہ حیلہ کے بغیر تو تعمیر پر خرچ کرنا جائز نہیں اور تعمیر کے لیے کوئی اور چندہ ہو سکتا ہو تو خواہ مخواہ حیلہ کرنا بھی مناسب نہیں۔ اس لیے کہ زکوٰۃ کے مصارف متعین ہیں حیلہ کے بعد جو اصل مستحقین ہیں وہ عملاً محروم رہ جاتے ہیں اس لیے حیلہ کی صورت انتہائی مجبوری میں اختیار کرنی چاہیے۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ

امام کو زکوٰۃ،عشر،صدقہ فطر اور قربانی کی کھالیں دینے کی مفصل تحقیق

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مثلاً ہمارے علاقے بلوچستان میں یہ رسم ورواج ہے کہ اکثر دیہاتی لوگ اپنے عشر وزکوٰۃ اور چرم قربانی اور صدقہ فطران اشیاء مذکورہ کو اپنے محلہ کے امام مسجد کو دیا کرتے ہیں اور امام کے لیے تنخواہ وظیفہ کوئی نہیں۔ امام کو اجرت کے مقابلہ میں صرف یہی اشیاء مذکورہ دیا کرتے ہیں۔ اگر یہ اشیاء مذکورہ امام صاحب کو نہ ملیں تو وہ اظہار ناراضگی کرتے ہیں اور بسا اوقات امامت سے استعفاء دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا عرض یہ ہے کہ یہ اشیاء ان کو عوض امامت میں دینا جائز ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے۔ تو جواب مع حوالہ جات تفصیل سے ارسال فرمائیں۔

﴿ج﴾

اس قسم کے سوال جواب میں مولانا عبداللطیف صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ جس کی تصحیح حضرت مولانا مفتی محمود صاحب متعنا اللہ بطول حیاتہ نے کی ہے کہ امام کی کئی صورتیں ہیں۔

(۱) امام غنی یا ہاشمی ہو اس صورت میں تو اس کو زکوٰۃ اور عشر دینا جائز نہیں ہے۔

(۲) امام بنتے وقت مقتدیوں کے ساتھ طے کیا گیا ہو کہ مجھے امامت کے بدلے میں زکوٰۃ عشر اجرت میں دینا ہوگا۔

(۳) یا اجرت بصورت تنخواہ ماہانہ مقرر کر دی گئی۔ لیکن مقتدی اس امام کو اس تنخواہ میں مال زکوٰۃ یا عشر دینے لگے ان دونوں صورتوں میں لوگوں کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اگر چہ امام کے لیے لینا اجرت وتنخواہ کے طور پر جائز ہوگا۔ کیونکہ بنا بر مذہب متاخرین استیجار الامامت والاذان وتعلیم القرآن جائز ہے۔ لہٰذا جس صورت میں بطور اجارہ کے تمام شروط عقد اجارہ میں موجود ہوں گے تو اس صورت میں بطور اجر مثل کے اس مال زکوٰۃ کو لے گا۔ لیکن پہلی صورت میں اجر مثل اور دوسری صورت میں اجرت معینہ سے زائد مال زکوٰۃ دینے اور لینے کی صورت میں بقدر زائد مال کے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

(۴) نمبر۲ اور نمبر۳ کی طرح باقاعدہ عقد نہ کیا گیا ہو لیکن یہ مشہور ومعروف ہے کہ لوگ امام کو زکوٰۃ اور عشر دیا کرتے ہیں اور امام مذکور بھی اس غرض سے ان کی امامت کرتا ہے کہ یہ لوگ اسے زکوٰۃ دیا کریں گے اور اگر وہ نہ دیں تو وہ امامت چھوڑ کر ہی چلا جائے گا گویا عقد اجارہ نہ تو صحیح ہوا ہے اور نہ فاسد لیکن بہر حال کالعقد ضرور ہے۔

کیونکہ اگر یہ لوگ اسے زکوٰۃ نہ دیں تو یہ امامت چھوڑ جائے گا۔ اس صورت میں گو احتیاط اس میں ہے کہ پہلے کچھ مال بطور ہدیہ کے امام کی خدمت میں پیش کر دے اور بعد میں مال زکوٰۃ وعشر وغیرہ دے۔ کیونکہ اس صورت میں کسی قسم کا عقد نہیں ہوا ہے۔ اس لیے لوگوں کے ذمہ اسے کچھ دینا واجب نہیں۔ تو زکوٰۃ اجرت میں شمار نہ ہوگی۔ اس لیے ادائیگی صحیح ہوگی۔

قال في الدر المختار (باب المصرف قبيل باب صدقة الفطر) دفع الزكوة الى صبيان اقاربه برسم عيد او الى مبشر او مهدى الباكورة جاز الا اذا نص على التعويض وقال الشامي تحته. ج ۲ /ص ۷۶ مطبوعه ما جديه كوئٹه) (او مهدى الباكوره) هي الثمرة التي تدرك اولا (قاموس) وقيده في التتارخانيه بالتي لا تساوى شيأ ومفهومه انها لولها قيمة لم يصح عن الزكوة لان المهدى لم يدفعها الا للعوض فلا يجوز اخذها الا بدفع ما يرضى به المهدى والزائد عليه يصح عن الزكوة ثم رأيت ذكر مثله وزاد الا ان ينزل المهدى منزلة الواهب اه اى لانه لم يقصد بها اخذ العوض وانما جعلها وسيلة للصدقة فهو متبرع بما دفع ولذا لايعد ما ياخذه عوضا عنها بل صدقة لكن الأخذ لو لم يعطه شيأ لا يرضى بتركها له فلا يحل له اخذها والذى يظهر انه لونوى بما دفعه الزكوة صحت نيته ولا تبقى ذمته مشغولة بقدر قيمتها او اكثر اذا كان لها قيمة لان المهدى وصل الى غرضه من الهدية سواء كان ماخذه زكوة او صدقة نافلة ويكون حينئذ راضيا بترك الهدية فليتأ مل وفي الدر المختار ايضا (قبيل باب صدقة الفطر) ولو دفعها المعلم لخليفته ان كان بحيث يعمل له لو لم يعطه صح والالا وقال الشامي تحته. ج ۲ /ص ۷۷ مطبوعه مكتبه ما جديه كوئٹه) (قوله والالا) اى لان المدفوع يكون بمنزلة العوض وفيه ان المدفوع الى مهدى الباكورة كذلك فينبغي اعتبار النية (اقول لعله اشارة الى ما قال من قبل من قوله والذى يظهرانه لو نوى الخ) ونظيره مامر الخ.

بہر حال مسئلہ مشکل ہے۔ علامہ شامی بھی فلیتأمل کہہ رہے ہیں۔ لہٰذا دیگر علماء کرام کی رائے معلوم کر لی جائے۔

(۵) عقد کسی قسم کا نہیں ہوا ہے۔ لوگ اگر زکوٰۃ نہ دیں یا کم دیں تب بھی امامت کرتا ہے۔ صرف اس نے اس امامت کو زکوٰۃ وعشر دیے جانے کے لیے وسیلہ بنایا ہے۔ بس اتنی سی بات ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر امامت نہ

کروں گا تو لوگ زکوٰۃ وعشر نہ دیں گے۔ ایسے امام کو بلا شبہ دینا جائز ہے اور زکوٰۃ ادا بھی ہوگی۔ جس کے نظائر کتب فقہ میں بکثرت موجود ہیں۔

(٦) امامت محض للہ کرتا ہے۔ زکوٰۃ وعشر ملنے کی طمع بھی نہیں ہے۔ تو بطریق اولی دینا لینا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ٢٥ صفر ١٣٩٠ھ

سید کو صدقاتِ واجبہ دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زکوٰۃ کن کن جگہ پر خرچ کر سکتے ہیں۔ ان کے کون لوگ مستحق ہیں۔ کیا سید بھی زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔ یا نہیں لے سکتے اور عشر صدقہ فطر، نذر، کفارہ جو صدقات واجبہ ہیں۔ ان کو بھی سید لے سکتے ہیں یا نہیں۔ جو بھی صورت ہو با قاعدہ حوالہ کتب حدیث وفقہ سے واضح فرمائیں۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مفتی بہ مذہب یہی ہے کہ سادات کو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ مثل قیمت چرم قربانی و صدقہ فطر وغیرہ دینا حرام ہے اور زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذہ الصدقات انما اوساخ الناس وانما لا تحل لمحمد ولا لآل محمد (رواہ مسلم) (مشکوۃ باب من لا تحل له الصدقة فصل اول ص ١٦١) اور درمختار میں ہے ولا الی بنی ھاشم الخ. ثم ظاھر المذھب اطلاق المنع الخ ص ٧٢/ج ٢. وھکذا فی الشامی. زکوٰۃ کا مصرف فقراء، مساکین وغیرہ ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ١٩ ربیع الاول ١٣٩٠ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ١٩ ربیع الاول ١٣٩٠ھ

سید طالب علم کو زکوٰۃ، صدقاتِ واجبہ دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع مبین دریں مسئلہ کہ مدِ زکوٰۃ میں سے طالب علم مسافر کو دینا جائز ہے یا نہیں اور نیز سادات کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں ان کو مدلل اور مفصل بیان فرمائیں۔

﴿ج﴾

طالبانِ علم دین اس زمانہ میں بہترین مصارف زکوٰۃ ہیں بشرطیکہ وہ مالک نصاب نہ ہوں سید نہ ہوں اور اگر وہ طلبہ نابالغ ہوں تو ان کے والدین صاحب نصاب اور غنی نہ ہوں چنانچہ فی سبیل اللہ میں فقہاء نے طالب علم کو داخل فرمایا ہے اور طلبہ ابن سبیل میں بھی داخل ہیں۔ درمختار میں ہے۔ وفی سبیل اللہ وھو منقطع الغزاۃ وقیل الحاج وقیل طلبة العلم و فسرہ فی البدائع بجمیع القرب الخ. وابن السبیل وھو کل من له مال لا معه (درمختار باب المصرف ص ٦٧/ج ٢) حنفیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق اور ظاہر الروایۃ کے مطابق سادات کو کسی حال میں زکوٰۃ دینا درست نہیں۔ کما فی الدر المختار ثم ظاھر المذھب اطلاق المنع ص ٧٢/ج ٢. فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ٢ شعبان المعظم ١٣٨٩ھ

حقیقی بھائی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین بیچ اس مسئلہ کے کہ ایک آدمی اپنے حقیقی بھائی کو زکوٰۃ کا روپیہ دے سکتا ہے۔ فتویٰ سے مشکور فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

﴿ج﴾

حقیقی بھائی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ ولا الی من بینھما ولاد الخ درمختار وقید بالولاد لجوازہ لبقیة الاقارب کالاخوۃ والاعمام والاخوال الفقراء بل ھم اولی درمختار باب المصرف ص ٦٩/ج ٢. فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ١٥ شعبان ١٣٨٩ھ

امام کو مقررہ وظیفہ کے علاوہ کھالیں اور عشر وغیرہ دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کے ہمارے چک میں ایک مولوی صاحب امام مسجد مقرر ہیں۔ جو نہایت مفلس بہت عیالدار اور قرضدار بھی ہیں۔ پابندی وقت کا از حد محتاط ہے۔ پانچوں وقت نماز جماعت کا پابند اور ہمارے بال بچوں کو صبح وشام تعلیم قرآن شریف نہایت شوق سے دیتا ہے۔ مسجد شریف کا محافظ اور دلدادہ ہے۔

ہماری طرف سے سالانہ پچیس من گندم اور کچھ عیدین پر بھی خدمت ہو جاتی ہے اور حکومت پاکستان کی طرف سے تین ایکڑ زمین بھی ملی ہوئی ہے۔ اس کا حاصل مزارع کی طرف سے مولوی صاحب کا ہوتا ہے۔ دریافت امر یہ ہے کہ ایسے امام مسجد کو جواز حد غریب اور عیالدار اور مقروض بھی ہے۔ اس کو عشر، زکوٰۃ، صدقہ فطر اور عیدالضحیٰ کی کھالیں اور چمڑے دینے جائز ہیں۔

اور وہ لینے کا حقدار ہے اور ہماری طرف سے زکوٰۃ اور عشر اور صدقہ فطر ادا ہو جاتا ہے یا نہ۔ نیز جو غلہ گندم ہم لوگوں کیطرف سے مولوی صاحب کو ملتا ہے۔ جو کہ ناکافی ہوتا ہے۔ مولوی صاحب پر اس سے عشر لازم آتا ہے یا نہ۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اگر امام صاحب کو اس مقررہ وظیفہ کے علاوہ ویسے زکوٰۃ صدقہ فطر قربانی کی کھالیں دی جائیں تو جائز ہے اور زکوٰۃ وعشر اور صدقہ فطر لوگوں کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ بشرطیکہ وہ مستحق زکوٰۃ ہو یعنی فقیر ہو اور اس کو تنخواہ مقررہ میں زکوٰۃ وغیرہ نہ دی جائے بلکہ اس کے علاوہ دی جائے اور اگر تنخواہ مقررہ میں رقم زکوٰۃ وغیرہ کی دی جائے تو لوگوں کی زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ ہوگی۔ **دفع الزکاۃ الی صبیان اقاربہ برسم عید اوالی مبشرا و مہدی الباکورۃ جاز الا اذا نص علی التعویض** (الدر المختار علی ہامش رد المحتار. ج ۲/ ۷۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۵ ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۹ ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ

کیا داماد اپنے سسر کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ داماد اپنے سسر کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

داماد اپنے خسر کو (اگر صاحب نصاب نہ ہو) زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ جیسا کہ شامی میں آیا ہے۔ **وقید بالولاد لجوازہ لبقیۃ الاقارب کالاخوۃ والاعمام والاخوال الفقراء بل ہم اولی اھ** (رد المحتار باب المصرف. ج ۲/ص ۶۹) واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲ جمادی الاخری ۱۳۸۸ھ

جس کے پاس دو ہزار کا زیور ہو کیا وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص کی ایک سو روپیہ ماہانہ آمدنی ہے۔ اس کا گزارہ مشکل سے ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں دو ہزار کا زیور اس کے پاس اس کی بیوی کا موجود ہے اور یہی مالک زیورات ہے۔ ساتھ ہی یہ تین ہزار روپے کا مقروض ہے۔ کیا یہ آدمی زکوٰۃ کا مستحق ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کس قدر لے سکتا ہے۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

اگر یہ شخص مالک نصاب نہیں۔ تو اس شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ بیوی کے زیورات سے خاوند مالک نصاب نہیں بنتا۔ نیز خاوند جبکہ مقروض ہے۔ تو اس کے لیے بقدر قرض زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ **کما فی العالمگیریہ باب المصارف. ج ۱ /ص ۸۸ ومنہا الغارم وہو من لزمہ دین ولا یملک نصابا فاضلا عن دین او کان لہ مال علی الناس لا یمکنہ اخذہ والدفع الی من علیہ الدین اولی من الدفع الی الفقیر.** واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۳ شعبان ۱۳۸۸ھ

امام کو صدقہ فطر، عشر وغیرہ دینا' کیا اوقاف مسجد کے منافع کو امام استعمال کر سکتا ہے؟

صدقہ فطر اور عشر وغیرہ کو مدرسہ کی کتب یا مسجد پر صرف کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے علاقے میں عام عرف یہ ہے کہ پیش امام کو مقتدیان سالانہ اپنی زکوٰۃ وصدقہ فطر دے کر ان کو پیش امام رکھتے ہیں اور ان پیش اماموں کا گذرانھی زکوٰۃ وصدقات پر ہی ہوا کرتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا ناجائز ہے۔

(۲) مسجد شریف کے لیے کوئی نخل یا اور جائیداد وقف ہیں۔ ان کے ماحصل سے پیش امام کو اپنے مصرف میں لانے کا کیا حکم ہے؟

﴿ج﴾

(۱) زکوٰۃ وفطر صدقات واجبہ بلا معاوضہ فقراء کو دینا ضروری ہے۔ پس امام کو بمعاوضہ امامت اس میں سے دینا اور اس کو لینا درست نہیں ہے۔ **قال الاصل فیہ قولہ تعالی انما الصدقات للفقراء الخ.**

(ہدایہ باب من یجوز دفع الصدقات الیہ ۔ج ۱/ص ۱۸۶) یہ فقراء اور دوسرے مستحقین کا حق ہے۔ لہٰذا معاوضہ میں دینا درست نہ ہوگا۔ اگر مشاہرہ کے علاوہ الگ سے اسے محتاج سمجھ کر دی جائے اور مستحق زکوٰۃ ہے تو درست ہے۔

(۲) جو جائیداد مسجد کے لیے وقف ہے۔ اس کے ماحصل کو ضروریات مسجد پر صرف کرنا ضروری ہے اور اس سے امام کو تنخواہ دینا بھی جائز ہے۔ ضروریات مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ خرچ کرنا جائز نہیں۔ امام اپنی تنخواہ سے زائد چیز کو اپنے مصرف میں نہیں لا سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۲ شوال ۱۳۸۸ھ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہم نے اپنے گاؤں راجور میں ایک مدرسہ بنایا ہے۔ جس کا انتظام بھی ہمارے قبضہ میں ہے۔ مدرسین بھی ہم خود ہیں اور عاملین بھی۔ مگر ہمارے ہاں اب تنخواہوں کی ضرورت ہے۔ باقی جتنا چندہ وغیرہ جو باہر سے آرہا ہے۔ وہ اکثر زکوٰۃ یا عشر یا صدقۃ الفطر ہے۔ اب ہم اس مال کو مدرسہ اور کتابوں یا عمارت مسجد پر کس طرح صرف کریں۔ فتویٰ بمعہ حوالہ کتاب وصفحہ عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ صورۃ مسئولہ میں حیلہ تملیک کر کے زکوٰۃ کے روپے کو جس مد میں چاہیں صرف کر سکتے ہیں اور حیلہ تملیک یہ ہے کہ زکوٰۃ کے روپے کسی ایسے شخص کی ملک میں کر دیے جائیں جو کہ مالک نصاب نہ ہو۔ پھر وہ اپنی طرف سے ضروریات مدرسہ پر خرچ کرے۔ اس لیے کہ وہ روپیہ اب زکوٰۃ کا باقی نہ رہا۔ بلکہ کسی شخص معین کی ملکیت میں داخل ہوگیا۔ زکوٰۃ حیلہ کے وقت ادا ہو چکی۔ **حيلة التكفين بها التصدق على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذا في تعمير المسجد** (ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ ج ۲/ص ۱۳) واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان

کیا ایسا شخص مستحق زکوٰۃ ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص بال بچہ دار ہے۔ پانچ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ جو کہ کمانے کے قابل نہیں۔ ایک بیوی ہے۔ تین سال سے اس کا کام بہت کم ہے۔ قرض لے کر گزر بسر کرتا رہا۔ اڑھائی ہزار روپے اس پر قرض ہوگیا۔ قرض خواہ اسے تنگ کرتے ہیں۔ تین سال تک وہ ایک ہی رضائی میں بال

بچوں کو سلاتا رہا۔ اب رضائی بوسیدہ ہوگئی ہے۔ اتنی استطاعت نہیں کہ وہ نئی رضائی بنا سکے۔ کئی بار فاقہ کشی کی نوبت بھی آئی۔ سفید پوش ہے۔ اب اس نے کسی سے سوال نہیں کیا۔ البتہ جن کو معلوم ہوا۔ انھوں نے از خود اس کی مدد کر دی۔ کیا ایسا شخص زکوٰۃ کا مستحق ہے۔ یا قرض ادا کرنے کے لیے سوال کر سکتا ہے۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

یہ شخص زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے۔ اس کو زکوٰۃ کی رقم ضرور دی جائے۔ البتہ اگر صبح وشام کا کھانا اس کے پاس ہے۔ تو سوال نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۹ رمضان ۱۳۸۸ھ

مقروض کو قرض کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ دینا درست ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید ایک مسلمان آدمی ہے۔ پابند صوم وصلوٰۃ ہے۔ اس وقت وہ ساڑھے پانچ صد روپے کا مقروض ہے۔ اگر کوئی صاحب زکوٰۃ یا صاحب نصاب آدمی اس کا قرضہ سالم یا جزوی طور پر ادا کرے تو اس کی زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے۔

﴿ج﴾

مقروض کو بقدر قرض زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اگر مقروض اس زکوٰۃ کی رقم سے قرض ادا کر دے تو شرعاً اس شخص کی زکوٰۃ میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔ زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۱ محرم ۱۳۹۲ھ

کیا پوتے کو زکوٰۃ دینا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا یتیم اور نادار پوتے اپنے حقیقی دادا کی مال زکوٰۃ کا مصرف ہو سکتے ہیں جبکہ ان کے دادا کی اپنی اولاد ذکور واناث بھی موجود ہیں۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

اپنی اولاد اور پوتے اور پر پوتے نواسے وغیرہ جو لوگ اس کی اولاد میں داخل ہیں ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں **ولا الى من بينهما ولاد (الدر المختار) اى اصله وان علا كابويه واجداده وجداته، من قبلهما وفرعه وان سفل الخ كاولا دالا ولاد (ردالمحتار باب المصرف. ج ۲/ص ۶۹)** واللہ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۱ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ

بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ یا نہیں۔ بعض حضرات جائز قرار دیتے ہیں اور سبب جواز خمس الخمس کے نہ دیے جانے کو کہتے ہیں یہ علت ہے یا نہیں اور امام طحاویؒ نے جائز قرار دیا ہے۔ کیا یہ قول صحیح ہے۔ یا نہیں۔ بینوا توجروا

(ج)

بحرالرائق مطبوعہ ایچ ایم سعید۔ ج ۲/ص ۲۴۶ میں ہے۔ واطلق الحکم فی بنی ھاشم ولم یقیدہ بزمان ولا بشخص للاشارۃ الی رد روایۃ ابی عصمۃ عن الامام انہ یجوز الدفع الی بنی ھاشم فی زمانہ لان عوضھا وھو خمس الخمس لم یصل الیھم لاھمال الناس امر الغنائم وایصالھا الی مستحقھا واذا لم یصل الیھم العوض عادوا الی المعوض. ووجہ الرد اطلاق ماوردفیہ من المنع فی الاحادیث منھا حدیث البخاری نحن اھل بیت لا تحل لنا الصدقۃ ومنھا حدیث ابی داؤد مولی القوم من انفسھم وانا لا تحل لنا الصدقۃ ومنھا حرم علیکم اوساخ الناس حاصل کلام ہمارے نزدیک راجح قول حرمت زکوٰۃ کا ہے۔ بنی ہاشم کے لیے دلائل کی کچھ تفصیل اوپر مذکور ہے۔ اب مناسب یہ ہے کہ یا تو ہدایا کے ذریعہ بنی ہاشم کی خدمت کی جائے یا کسی مسکین کو قرضہ دے کر ترغیب دی جائے کہ تم فلاں سید صاحب کو ہدیہ دے دو۔ پھر زکوٰۃ سے اس مسکین کا قرضہ ادا کر دیا جائے یہ ایک طریقہ ہے۔ مدارس میں بھی اس طریقہ کو استعمال کرتے ہیں۔ زیادہ تفصیل حسب ضرورت دریافت کر لی جائے۔ فقط

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

زکوٰۃ اور قربانی کی کھالیں تعمیر پر یا مدرسین کی تنخواہوں میں صرف کرنا

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ نواں گوٹھ نمبر ۵ سکھر میں ایک مدرسہ تعلیم القرآن بائیس سال سے قرآن حکیم کی تعلیم سرانجام دے رہا ہے۔ اس مدرسہ میں محض قرآن مجید کے حفظ وناظرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مدرسہ ھذا میں صرف اہل محلہ کے بچے اور بچیاں قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ کوئی مسافر بچے وبچیاں اس

مدرسہ میں نہیں پڑھتے اور نہ ہی مسافروں کے لیے کوئی بندوبست مدرسہ میں کیا گیا ہے۔ اہل محلہ نواں گوٹھ نمبر ۵ کی آبادی صاحب زکوٰۃ اور مالدار لوگوں کی ہے۔ جن کے بچے وبچیاں پڑھتے ہیں۔ آج سے پہلے مخیرّین حضرات مدرسین کی تنخواہیں ادا کرتے اور مدرسہ کی عمارت ودیگر مصارف پر بھی خرچ وغیرہ بخوشی ادا کرتے رہے ہیں۔ زکوٰۃ وقربانی کی کھالوں کی رقم دوسرے دینی مدارس عربیہ وغریب مستحقین لوگوں کو بھیجی جاتی تھی۔ اب مدرسہ تعلیم القرآن نواں گوٹھ نمبر ۵ سکھر پر کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بمد زکوٰۃ وچرم قربانی کی رقم میں سے مدرسین ومعلمین کی تنخواہیں ادا کی جائیں اور مدرسہ کی نئی عمارت بھی بنوائی جائے۔ حالانکہ مدرسہ کا کام نہایت آسانی سے مخیرّین حضرات کے عطیات سے چل رہا ہے۔ زکوٰۃ وچرم قربانی کی رقم لگانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔

کیا ایسی آبادی ومحلہ میں جہاں صاحب زکوٰۃ ومالدار لوگوں کے بچے پڑھتے ہوں اور کوئی مسافر وغیرہ نہ ہو۔ اور مالدار لوگ مدرسین کی تنخواہیں اور مدرسہ کی نئی عمارت کا انتظام زکوٰۃ وچرم قربانی کی رقم کے علاوہ بڑی آسانی سے کر سکتے ہوں۔

کیا شرع محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی رو سے زکوٰۃ وچرم قربانی کے کھالوں کی رقم سے مدرسین ومعلمین کی تنخواہیں اور مدرسہ کی تعمیر پر لگا سکتے ہیں۔ یا نہیں۔ بینوا توجروا

(ج)

زکوٰۃ اور قیمت چرم قربانی بغیر حیلہ تملیک مدرسین کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں اور حیلۂ تملیک کے بعد اگرچہ تنخواہ میں دینا جائز ہے۔ لیکن اگر زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ کے علاوہ مخیرّ حضرات کی امداد سے مدرسہ کے اخراجات بڑی آسانی سے پورے ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ سوال میں درج ہے۔ تو پھر حیلہ تملیک نہ کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ حیلہ تملیک کی صورت میں اصل مستحقین عملاً محروم رہ جاتے ہیں۔ بلکہ زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ بلاعوض فقراء اور مساکین غرض مستحقین کو دینے چاہئیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ

دفاعی فنڈ میں زکوٰۃ دینا

(س)

بخدمت اقدس استاذی المکرم حضرت قبلہ مفتی صاحب مدظلہ العالی ودامت برکاتکم العالیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ خیریت طرفین مطلوب۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ اللہ آپ کا سایہ عاطفت دیر تک قائم رکھے۔

صدر کے امدادی ودفاعی فنڈ میں لوگ دریافت کرتے ہیں کہ زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے یانہیں؟ باقی یہاں پر حالات معمول پر ہیں۔شورکوٹ میں اور ماچھی وال تحصیل جھنگ میں بمباری سے کچھ نقصان ہوگیا ہے۔تمام احباب کی طرف سے سلام عرض ہو۔فقط والسلام

الحقیر محمد یسین خطیب جامع مسجد مؤمن پورہ جھنگ صدر

﴿ج﴾

جائز نہیں۔اس میں مختلف مصارف ہیں۔بعض مصارف تو زکوۃ کے ہیں اور بعض نہیں۔اس لیے زکوۃ کی رقم کا اپنے مصرف پر لگانا یقینی نہیں ہے۔اس لیے زکوۃ کی رقم فنڈ میں داخل نہ کی جائے۔البتہ مریضوں کی زخمیوں کی مرہم پٹی،دوائی وغیرہ پر خرچ کر کے ان کی ملک کر دی جائے۔واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ۲۹ ذوالقعدہ ۱۳۹۱ھ

صدقات واجبہ کو تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا، زکوۃ کی رقم کو خرچ کر کے اس کی جگہ پاس سے رقم لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک دینی مدرسہ کی آمدن صرف زکوۃ،عشر،صدقہ فطر اور قربانی کی کھالوں کی قیمت ہے۔مدرس کو تنخواہ وغیرہ بھی اسی آمدنی سے دی جاتی ہے۔مدرس زکوۃ وغیرہ کو لینے کا مستحق نہیں ہے اور کوئی صورت نہیں جو کہ دوسری آمدنی سے تنخواہ ادا کی جائے۔تو مذکورہ آمدنی کو مدرس کی تنخواہ میں کیسے صرف کیا جائے اور جو زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے۔اس کی کیا صورت ہے۔اور باقی آمدنی میں بھی تملیک کے بعد تنخواہ ادا کی جائے۔یا ویسے ہی دے سکتے ہیں۔(۲) متفرق طور پر مذکورہ زکوۃ کا پیسہ جمع ہوا اور بغیر تملیک کے مدرس اور طلباء پر خرچ کیا گیا اور خزانچی ایک دوکاندار آدمی ہے۔جو کہ اس فنڈ کو علیحدہ نہیں رکھتا اپنے کاروبار اور مدرسہ کے مصارف میں خرچ کرتا رہا ہے اور زکوۃ کا پیسہ دینے والے اب معلوم بھی ہیں۔تو کیا شرعاً زکوۃ ادا ہو گئی یا نہیں ہوئی۔اور اس پیسہ کو جمع کرنے والے پر کچھ بوجھ ہے یا نہیں۔اگر ہے تو اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے اور یہ عامل ایک غریب آدمی ہے۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔معلوم ہو کہ مال زکوۃ،عشر،صدقہ اور قربانی کی کھالوں کی قیمت کی ادائیگی میں مستحق کو تملیک کرنی ضروری ہے۔کسی کو اگر وہ فقیر ہو۔یہ اموال اجرت میں نہیں دیے جا سکتے۔مدرسین اور دیگر

ملازمین مدرسہ کی تنخواہوں میں ان اموال کے دینے کی یہ صورت ہے کہ مہتمم یا ناظم مدرسہ مال زکوۃ کو لے کر کسی غریب طالب علم یا کسی اور مستحق شخص کو تملیک کر دے اور وہ طالب علم قبض کر کے دوبارہ مدرسہ میں داخل کر دے۔یا مہتمم کسی طالب علم یا کسی اور مستحق شخص کو کہہ دے کہ آپ اتنی رقم کہیں سے لا کر کے مدرسہ کو بطور امداد کے دے دیں جب وہ یہ رقم مدرسہ کو دے دے تو مہتمم صاحب مال زکوۃ میں سے اتنی رقم اس شخص کو تملیک کر دے اور یہ شخص اس رقم سے اپنا وہ قرضہ اتار لے۔تملیک ہو جانے کے بعد مہتمم اس مال کو مدرسین کی تنخواہ وغیرہ میں صرف کر سکے گا۔باقی آمدنیوں میں تملیک کی ضرورت نہیں ہے۔ہر طرح مہتمم اس کو خرچ کر سکتا ہے۔(۲) مال زکوۃ کا حساب کر لیں کہ وہ کتنا ہے۔جتنا مال طلباء کے کھانے پینے یا ان کے کپڑوں پر (غرضیکہ جس میں مال طلبہ کی ملک کر دیا گیا ہو) پر خرچ ہوا ہو۔وہ تو صحیح ادا ہو گیا ہے۔بقایا مال زکوۃ جو اپنے مصرف پر خرچ نہیں ہوا ہے۔اگر خزانچی اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کر چکا ہے تو اتنے کا اسے ضامن ٹھہرا کر کے اگر زکوۃ کے دینے والے معلوم ہوں تو ان سے دریافت کر لے۔ورنہ ویسے ہی اس مال کو صحیح طور پر تملیک کر دیا جائے۔تب امید ہے۔ذمہ بری ہو جائے گا۔ورنہ مواخذہ کا قوی اندیشہ ہے۔کما قال فی خلاصة الفتاوی. ج ۱/۱۶۴ رجل جمع مالاً من الناس ینفق فی بناء المسجد فانفق تلک الدراهم فی حاجته ثم رد بها فی نفقة المسجد لا یسعه ان یفعل ذلک فان فعل ان عرف صاحب ذلک ردعلیه او یسال تجدید الاذن وان لم یعرف استأمر الحاکم. وان تعذر رجوت له في الاستحسان ان ینفق مثل ذلک لکن هذا والاستیمار الی الحاکم لدفع الاثم اما الضمان فواجب . فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبد اللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۵ شوال ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۵ شوال ۱۳۸۵ھ

ڈاکخانہ میں جمع شدہ رقم کا سود حاصل کیا جائے یا نہیں؟
اہل بدعت کو چندہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عبدالحمید خان نے اپنی بڑی بھاوج کے نام سے جو رشتہ میں سالی بھی ہوتی ہیں ڈاکخانہ میں مبلغ ۵۰۰۰ خرچہ برائے مستقبل داخل کیے ہیں۔ڈاکخانہ کے اس استفسار پر کہ مالک مذکور

سود لے گی یا نہ (کیا اندراج کیا جائے) یہ تشویش پیدا ہوئی کہ آیا مطابق قانون پاکستان ڈاکخانہ سے سود وصول کیا جائے یا نہ۔ چونکہ اس بات پر تو پورا یقین بلکہ عین ایمان ہے۔ کہ از روئے شریعت سود لینا بالکل حرام ہے۔ لیکن اگر ہم سود نہیں لیتے ہیں تو ڈاکخانہ یا ڈاکخانے والے اس سود کو خود ہضم کر لیتے ہیں۔ خیال کیا کہ ڈاکخانہ سے سود وصول کر کے مفلس اور نادار، مسکین اور محتاج کو کیوں نا تقسیم کر دیا جائے تا کہ کم از کم اس رقم مدخلہ کے مفاد سے حقدار مستفید ہو سکیں۔ لیکن اس فیصلہ کا مجاز میں خود کو نہیں پاتا تھا اس لیے راہنما کی ضرورت کے پیش نظر بخدمت علماء دین عرض ہے۔ (۱) کہ اس بارے میں راہنمائی فرمائیں کہ کیا مندرجہ بالا صورت میں سود لینا جائز ہے یا حرام ہے۔ (۲) یا کیا اس کے علاوہ کوئی اور صورت جواز اور تصرف کی حلال ہے۔ عام طور پر دینی مدارس کی جانب سے ایسے لوگ چندہ (عشر یا زکوٰۃ) وغیرہ وصول کرتے ہیں جو عام طور پر بدعتی مشرک قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور اپنے ہی باطل مسلک کی اشاعت کے لیے وصولی کرتے ہیں ان کا شرک مثلاً جس طرح اللہ تعالیٰ کو مشکل کشا مانتے ہیں عین اسی طرح اولیاء انبیاء کو بھی۔ (۲) اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب مانتے ہیں اور اولیاء و انبیاء کو بھی۔ (۳) اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر مانتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی و ولی اللہ کو بھی۔ (۴) قبروں، مزاروں پر سجدے کرتے ہیں اور بیٹے اور ملازمت کے لیے ان سے دعاء مانگتے ہیں۔ (اسی قسم کی دیگر خرافات بھی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ (۳) کیا مندرجہ بالا عقیدہ اور عمل کی اشاعت کے لیے ان کو چندہ، خیرات، صدقات وغیرہ دینا جائز ہے۔ جبکہ میرا مسلک بھی اس کے خلاف ہو۔ امید ہے کہ جناب والا شان پہلی فرصت میں قرآن حکیم اور احادیث کی روشنی میں اس ناچیز کی راہنمائی فرما کر شکریہ کا موقع بخشیں گے۔

﴿ج﴾

(۱) آپ نے اچھا کیا کہ راہنمائی حاصل کرنے کے لیے علماء کی طرف رجوع فرمایا۔ سود لینا حرام ہے۔ اپنے اوپر خرچ کرنے کا ارادہ ہو یا فقراء پر تقسیم کی نیت ہو۔ اس سود کے جواز کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ البتہ اس امر کی اجازت ہے کہ روپیہ مضاربت پر لگا دیا جائے اور نفع آپ کو ملے۔ مالک اپنے تصرف میں لائے یا فقراء پر خرچ کرے دونوں جائز ہیں اور ثواب ملے گا۔ (۲) اہل بدعت لوگوں کو یا ان کے مدارس میں عشر و زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ بلکہ اپنے فقراء خویش و اقارب میں یا غیر خویش و اقارب میں بشرطیکہ مستحق ہوں صرف فرمائیں۔ اس میں زیادہ اجر ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۵ رمضان ۱۳۸۲ھ

زکوٰۃ کسی ادارہ کو دی جائے یا کسی فرد کو؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں زید غنی ہے۔ حولان الحول کے بعد عمرو جو زید کا قریبی پڑوسی ہے یہ کہتا ہے چونکہ میں مسکین ہوں لہٰذا تمھاری زکوٰۃ کا مستحق میں ہی ہوں اور تمھارے لیے نقل زکوٰۃ باعث ملامت ہوگا اور زید یہ کہتا ہے کہ فلاں دینی ادارہ میں (جبکہ زید اور دینی ادارہ کے درمیان اختلاف مسلک بھی موجود ہے) مجھے زکوٰۃ داخل کرنا ہے اور عمرو کا یہ خیال ہے کہ فلاں دینی ادارہ اس زکوٰۃ کے مبلغ کے بغیر بھی چل رہا ہے اور میں قریبی پڑوسی ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت محتاج بھی ہوں۔ لہٰذا یہ مال زکوٰۃ جو نصاب شرعی سے کم ہے۔ مجھے دینا چاہیے۔ اب دریافت کرنا یہ ہے کہ یہ زکوٰۃ محتاج عمرو کو دی جائے یا ادارہ کی طرف نقل کی جائے۔ بالفرض اگر نقل بھی کی گئی تو کیا زید سے عمرو کو نہ دینے کا سوال قیامت میں کیا جائے گا۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

زید غور و فکر کرنے کے بعد اپنے خیال میں جس کو اہم سمجھے اس کو دے دے۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

جس ادارہ کے لیے رقم دی جائے اسی پر خرچ کی جائے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں حامد ایک ادارہ کا جس میں مقامی و بیرونی غریب طلبہ ہیں مہتمم تھا، اب اہتمام ساجد کو دے دیا ہے۔ بعض لوگ لاعلمی کی وجہ سے حامد کو ادارہ مذکورہ کا مہتمم سمجھ کر زکوٰۃ وغیرہ دیتے ہیں۔ حامد اس رقم کو بعض مرتبہ نہ مہتمم ادارہ ساجد کو دیتا ہے۔ نہ ہی ادارہ پر خرچ کرتا ہے۔ بلکہ کسی اور مدرسہ میں یا کسی غریب حقدار کو دے دیتا ہے یا خود اپنے مصرف میں بوجہ استحقاق لے آتا ہے۔ کیا حامد کا یہ تصرف جائز ہے۔

﴿ج﴾

اگر زکوٰۃ دہندگان حامد کو زکوٰۃ کی رقم ادارہ مذکورہ میں صرف کے لیے دے دیتے ہیں تو پھر حامد کے لیے یہ تصرف درست نہیں۔ حامد پر لازم ہے کہ اپنے موکل کے منشاء کے مطابق زکوٰۃ کی رقم صرف کرے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان

یا ان سے استفسار کرے کہ میں اب ادارہ مذکورہ کا مہتمم نہیں رہا۔ اگر مجھے اجازت دو کہ فلاں مسکین یا ادارہ کو دے دوں۔ پھر ان کی اجازت سے صرف کر سکتا ہے۔

الجواب صحیح عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ ۷ شعبان ۱۳۸۲ھ

ایک مربع زمین کا مالک اگر صاحب نصاب نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کیا زکوٰۃ میں سے ایسے شخص کی مدد کی جاسکتی ہے جو ایک مربعہ اراضی کا مالک ہے۔ مگر خود مقروض ہو اس کی پیداوار مزارع کھا گیا ہو اور اس کو شادی کرنے کے لیے رقم کی ضرورت ہو پہلی بیوی فوت ہو چکی ہے اور دکھ درد کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہے اس لیے دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔ شادی کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے۔ اگر وہ رقم حاصل نہ ہو تو ہوسکتا ہے کہ شادی نہ ہو سکے۔ نیک ہے، نماز روزہ کا پابند ہے۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اگر اس شخص کے پاس نقد مال یا کوئی دوسرا مال اپنی حاجت سے زائد ہو اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد اس کے پاس بقدر نصاب (۵۲½ تولہ چاندی) بچتا ہو تو یہ شخص غنی شمار ہوگا اور مال زکوٰۃ سے اس کی مدد جائز نہ ہوگی۔ اور اگر اس رقم کا مال اس کے پاس نہ ہو اور زمین سے اس کی ضروریات سے زائد فصل نہ آتی ہو تو اس شخص کی امداد مال زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۵ رجب ۱۳۸۴ھ

کسی مقدمہ میں پھنسے ہوئے شخص کے ساتھ مال زکوٰۃ سے تعاون کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسلمان جس نے آدھا مربع زرعی اراضی خرید کی ہے اور اس پر سابقہ انگریزی قانون کے مطابق بائعہ کے لڑکوں نے ایک سال گذرنے کے آخر پر شفعہ کر دیا ہو۔ جس کو عدالتی سماعت کے لیے عرصہ تقریباً سات آٹھ سال گزر چکے ہیں اور فیصلہ ہونا باقی ہے۔ اور اس دوران میں خرچہ بذریعہ وکلاء وغیرہ گھر کا تمام اثاثہ ختم ہو چکا ہے۔ مزید براں مقدمہ کی پیروی کرنے کے لیے تقریباً پندرہ ہزار روپیہ کا مقروض ہو چکا ہے۔ تو کیا یہ آدمی بال بچوں کے خرچہ کے لیے مکان وغیرہ کی مرمت کے لیے زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ مقروض کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ قرضہ کی ادائیگی کے بعد بھی وہ صاحب نصاب شمار ہو۔ فقط واللہ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۸ جمادی الاخری ۱۳۹۹ھ

مسجد کے غسل خانوں اور لیٹرین پر مال زکوٰۃ خرچنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زیر تعمیر مسجد کے غسل خانوں اور بیت الخلاء پر زکوٰۃ کی رقم لگائی جا سکتی ہے یا نہ۔

﴿ج﴾

زکوٰۃ میں تملیک فقراء شرط ہے۔ مسجد کے بیت الخلاء وغیرہ میں زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ البتہ اگر کسی مستحق زکوٰۃ کو حقیقۃً زکوٰۃ تملیک کر دیں اور وہ اپنی طرف سے مسجد کی ضروریات میں صرف کرنا چاہے تو یہ جائز ہے۔ واللہ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

شیخ صدیقی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس معاملہ میں۔ (۱) کیا شیخ صدیقی زکوٰۃ کا روپیہ وغیرہ لے سکتے ہیں یا نہیں۔ جبکہ وہ لینے کا حقدار و مستحق ہے۔

﴿ج﴾

شیخ صدیقی اگر غنی یعنی صاحب نصاب نہ ہو۔ اس کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی یا اتنی مالیت کا سونا زیورات، روپے، سامان تجارت وغیرہ حوائج اصلیہ سے فارغ نہ ہو۔ تو وہ زکوٰۃ کا روپیہ وغیرہ لے سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۹ رمضان ۱۳۸۴ھ

وقف ''نلکے'' میں زکوٰۃ خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی کچھ رقم دوسروں سے جمع کر کے ایک نلکا راستہ پر لگاتا ہے اور اس میں کچھ رقم کم ہو جاتی ہے۔ اور وہ کمی زکوٰۃ کی رقم سے پوری کی جاتی ہے۔ کیا اس آدمی کی زکوٰۃ ادا ہوگئی یا کہ نہیں۔ بیان فرما کر ثواب دارین حاصل فرمائیں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ زکوۃ کی رقم اس نلکے پر خرچ نہیں ہو سکتی ہے ۔ زکوۃ کی رقم مستحق فقیر کو ادا کر دی جائے ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۶ رجب ۱۳۸۷ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۶ رجب ۱۳۸۷ھ

مال زکوۃ کو مدارس عربیہ پر کس طرح خرچ کیا جائے؟
لِلَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا الخ کا مصداق کون لوگ ہیں؟
وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْهَا، میں افلاس شرط ہے یا نہیں؟ مدارس کے سفیر اس کا مصداق ہیں یا نہیں؟
حیلہ تملیک کی شرعی حیثیت' ناظم مدرسہ مال زکوۃ سے قرض لے سکتا ہے یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں مسائل ذیل میں کہ مال زکوۃ کو مدارس عربیہ میں کس کس مد پر خرچ کیا جا سکتا ہے ۔ کیا علماء کو تنخواہ میں دیا جا سکتا ہے ۔ یا نہ؟ (۲) والذین احصروا الأیہ سے کیا مراد ہے اور کون کون لوگ مصداق ہیں ۔ (۳) والعاملین علیها میں افلاس شرط ہے یا نہ؟ اور ان کا تقرر حکومت کے بغیر صحیح ہے یا نہ مثلاً جو سفیر مدارس کی طرف سے زکوۃ وصول کرتے ہیں یہ ان میں داخل ہیں یا نہ؟ اور ان کا حصہ مقرر کرنا یعنی نصف ثلث ربع وغیرہ ناظم مدرسہ کو حق ہے یا نہ؟ (۴) تملیک کے لیے کسی غریب آدمی کو مسئلہ صحیح طور پر سمجھا دیا جائے کہ یہ مال زکوۃ ہے میں نے تم کو دے دیا ہے ۔ اس کا اب مالک تو ہے ۔ اور تو مجھے دے دے کہ تیری طرف سے صدقہ ہوگا اور مدرسہ کی ضروریات کو پورا کروں گا ۔ لیکن دل میں ضرور یہ ارادہ ہے کہ یہ ہمیں واپس کر دے ۔ تاکہ میں مدرسہ کی ضروریات کو پورا کروں ۔ (۵) ناظم مدرسہ کو جو مال زکوۃ ملتا ہے ۔ وہ مدرسہ کے علاوہ اپنی ضروریات ذاتیہ میں خرچ کرے پھر بعد میں گھر سے یا تنخواہ میں سے مدرسہ کی ضروریات کو بعد تملیک کے پورا کرے جائز ہے یا نہ؟ یعنی بعینہ اس مال کو خرچ کرے یا ردوبدل کر سکتا ہے ۔

﴿ج﴾

(۱) مصارف مفروضہ کو تملیک کرانا ضروری ہے ۔ علماء کی تنخواہ میں زکوۃ صرف نہیں کی جا سکتی ۔ (۲) مجاہد، طالب علم سب اس کے مراد و مصداق ہو سکتے ہیں ۔ مفسرین نے اس میں تعمیم کی ہے ۔ (۳) سفیر مدرسہ عاملین زکوۃ

میں سے نہیں ہے اور نہ اس کو دینے سے زکوۃ ادا ہوتی ہے ۔ اجرت مقرر ہونی چاہیے ۔ ۱/۲ ۱/۳ وغیرہ کا تقرر جائز نہیں ۔ اس لیے کہ جب کل فراہم کردہ مجہول ہے ۔ تو اس کا حصہ بھی مجہول اور اجرت مجہولہ مفسد اجارہ ہے ۔ نیز یہ کہ سفیر عامل کے حکم میں ہے ۔ البتہ بعض علماء بوجہ عموم بلوی کے جواز کا قول کرتے ہیں ۔ لیکن احتیاط کے بہرحال خلاف ہے ۔ (۴) یہ حیلہ ہے ۔ قانون شرعی کے تحت تو آ جاتا ہے ۔ لیکن چونکہ قانونی روح اس میں ختم ہو جاتی ہے ۔ اس لیے کراہت سے خالی نہیں البتہ اگر مہتمم مدرسہ کسی شخص کو پہلے سے کہہ دے کہ تو از خود یا کسی سے قرضہ لے کر تبرعاً مدرسہ کی فلاں مد میں اتنے روپے داخل کر دے اور وہ اس پر عمل کر کے کسی سے قرضہ لے کر مدرسہ میں داخل کر دے ۔ پھر مہتمم وہ زکوۃ کی رقم اس کو زکوۃ میں دے دے ۔ تو اس صورت میں زکوۃ کی رقم اس سے واپس نہیں لی جائے گی ۔ بلکہ دائماً اس کی ہوگی ۔ اور وہ اس سے قرضہ ادا کرے گا ۔ (۵) دینے والے کی اجازۃ سے ایسا کر سکتا ہے ۔ ورنہ نہیں ۔ اجازت دلالۃً بھی غالباً کافی ہوگی ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۹ رجب ۱۳۸۶ھ

تعمیر مکان اور شادی کے لیے زکوۃ وصول کرنا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص مسکین جس کا کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا ۔ اس نے اس غرض سے زکوۃ و صدقات کا مال جمع کیا تھا تا کہ اپنی شادی اور رہائش کے لیے مکان تیار کرا سکے ۔ اس اثناء میں اس نے تقریباً پانچ چھ سو روپیہ تقریباً دو چار سال میں جمع کر لیا ۔ لیکن بیاہ شادی کا کوئی انتظام نہ کر سکا ۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ اس نے یہ فعل اچھا کیا یا نہ؟ اگر اچھا کیا ہے ۔ تو کیا اس رقم سے حج کر سکتا ہے یا نہ؟ اور اگر برا کیا ہے تو کیا اس رقم کو اپنے دوسرے کاروبار میں خرچ کر سکتا ہے یا نہ؟ اور اس رقم پر زکوۃ واجب ہے یا نہ؟ اور آئندہ زکوۃ لے سکتا ہے یا نہ؟

سائل احمد بخش تحصیل تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خان

﴿ج﴾

رہائشی مکان اور سلیم الطبع نوجوان کی شادی حاجات اصلیہ میں سے ہے ۔ اس لیے اس کو زکوۃ لینی جائز ہے ۔ وہ رقم جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے ۔ لیکن سب سے پہلے اس کو اپنی حاجات اصلیہ میں صرف کرنا چاہیے ۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۹ رجب ۱۳۸۶ھ

امام کو عشر اور کھالیں دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک گاؤں میں ایک مسجد ہے اس مسجد میں ایک عالم صاحب جو کہ امامت کرواتے ہیں۔ ان کی تنخواہ مقرر نہیں بلکہ برات مقرر ہے۔ فی مربع ایک من گندم ایک من باری ایک من سونی سال میں ۲ من گندم فی مربع مقرر ہے۔ زیادہ لوگ دیتے ہیں۔ اور تھوڑے ہیں جو نہیں دیتے ۱۲ ایکڑ رقبہ بھی امام صاحب کو ملا ہے۔ رقبہ ان کے قبضہ میں نہیں ہے۔ بلکہ اس کی فصل کا آدھ حصہ ان کو ملتا ہے۔ اور نکاح وعیدین کا حساب بھی ان کو دیا جاتا ہے۔ ایک آدمی ان کو عشر دیتا ہے۔ یہ مانگتے نہیں ہیں۔ وہ آدمی کہتا ہے۔ یہ آپ کی برات ہے۔ اور یہ عشر آپ کی خدمت ہے۔ یہ خوشی سے قبول کر لیتے ہیں۔ کیا امام کو عشر یا قربانی کی کھالیں دی جاسکتی ہیں یا نہیں۔

﴿ج﴾

امام مذکور ایک غریب ہے بمقدار نصاب اس کے پاس رقم نہیں ہے۔ تو عشر، زکوٰۃ، اور قربانی کی کھالیں اس کو دینا جائز ہے۔ جبکہ یہ امامت کی اجرت میں نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

یتیم لڑکوں کی فیس کے لیے زکوٰۃ کی رقم اکٹھی کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کالجوں اور سکولوں کے سربراہوں نے زکوٰۃ کی رقم جمع کرنے کی سکیم چلا رکھی ہے۔ اور اس حاصل شدہ رقم سے یتیم لڑکوں کی فیس ادا کرتے ہیں کیا یہ رقم کا استعمال درست ہے۔ اور اس صورت میں زکوٰۃ کی رقم کی تملیک ہو جاتی ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح رہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں فقیر کو تملیک کرنی ضروری ہے۔ اس طور پر کہ مال زکوٰۃ اس کو حوالہ کر کے اس کو اس مال کا واحد مالک بنایا جائے۔ کہ وہ اس مال میں اپنی مرضی سے ہر قسم کا تصرف کر سکے۔ لہٰذا اگر صورت مسئولہ میں شکل یوں ہو۔ کہ مال زکوٰۃ کو لوگوں سے وصول کرنے کے بعد فقیر و نادار مستحق

زکوٰۃ لڑکوں میں تقسیم کر دی جائے۔ اور ہر ایک لڑکے کو اس کا واحد مالک بنا دیا جائے اور پھر وہ لڑکا اس رقم کو فیس میں ادا کرے تو زکوٰۃ اس طرح ادا ہو جاتی ہے۔ اور اگر شکل یوں ہو کہ لوگوں سے لینے کے بعد ان فقیر لڑکوں کو تملیک وحوالہ کیے بغیر اس رقم سے ان کی فیس ادا کی جائے۔ تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں تملیک نہیں پائی گئی۔ جو کہ ادائے زکوٰۃ کے لیے شرط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۵ رجب ۱۳۸۶ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۵ رجب ۱۳۸۶ھ

کسی کو پختہ مکان بنانے کے لیے مال زکوٰۃ دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسکین آدمی پکا مکان پختہ اینٹ سے تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ کیا اس کے لیے پختہ مکان بنانا جائز ہے۔ کیا اسے عشر، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات یا امداد پختہ مکان بنانے کے لیے دی جاسکتی ہے۔

﴿ج﴾

مسکین جو کہ صاحب نصاب نہیں اس کو عشر، زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے۔ اور مسکین اس کو اپنی تمام ضروریات خورد و نوش پختہ مکان وغیرہ میں خرچ کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۹۸ھ

کیا عشر اور زکوٰۃ کے مصرف میں کچھ فرق ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ عشر اور زکوٰۃ کے مصارف میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔ اگر فرق ہے تو تحریر فرمائیں نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ عشر مساجد کی تعمیر ومرمت یا مساجد کے کسی اور سلسلہ میں یعنی چٹائی وغیرہ سامان کے خریدنے میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

عشر اور زکوٰۃ کے مصرف میں کوئی فرق نہیں۔ زکوٰۃ اور عشر کی رقم مسجد کی تعمیر، مرمت، چٹائی وغیرہ ایسے سامان میں صرف نہیں ہوسکتی جس میں تملیک نہ ہو۔ تملیک بہر حال شرط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم

گھر میں ساتھ رہنے والی بہو کو زکوٰۃ دینا

﴿س﴾

ماقولکم رحمکم الله دریں مسئلہ کہ عثمان نامی شخص نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا کہ میں اپنی زکوٰۃ بہو یعنی بیٹے کی بیوی کو دینا چاہتا ہوں جائز ہے یا نہ۔ مولوی نے کہا کہ بہو کو زکوٰۃ من حیث زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ پھر عثمان نے یہی مسئلہ دوسرے مولوی صاحب سے دریافت کیا۔ دوسرے مولوی صاحب نے عدم جواز کا فتویٰ دیا۔ کیونکہ انکا نفع اور نقصان مشترک ہے اسلیے ناجائز ہے۔ واضح ہو کہ عثمان مذکور کی بہو عاقلہ بالغہ ہے شوہر خود عثمان کے گھر میں سکونت پذیر ہے۔ عثمان اور اس کا بیٹا کھیتی باڑی وغیرہ کا کام کرتے ہیں اور عثمان مذکور تمام مزدوروں کو خواہ فقیر ہیں یا امیر مشترک کمائی سے خوراک و پوشاک دیتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں عثمان اپنی زکوٰۃ اپنی بہو کو شرعاً دے سکتا ہے یا نہ اور کس مولوی صاحب کا قول صحیح ہے۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

کتب فقہ میں زوجہ ابن یعنی بہو کو زکوٰۃ دینے کا جواز مصرح ہے اور کسی طرح یعنی اصول شرع کے تحت بہو کو مصرف زکوٰۃ سے خارج کرنے کی صورت نہیں نکلتی لہٰذا بہو کو زکوٰۃ دینی جائز ہے۔ اگر وہ مسکینہ ہے۔ باقی فقہاء نے باپ کی زکوٰۃ بیٹے کو یا علی العکس یا زوج کی زوجہ کو و علی العکس کے عدم جواز کے لیے بطور دلیل عقلی کے یہ دلیل پیش کی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مال سے نفع اٹھاتے ہیں۔ تو یہ زکوٰۃ گویا دوبارہ زکوٰۃ دینے والے کی ضرورت میں استعمال ہو رہی ہے۔ وغیر ذلک اس قسم کے دلائل عقلیہ جنھیں فقہاء پیش کرتے ہیں۔ مسئلہ کا مدار نہیں ہوتے۔ اس طرح کہ اگر یہ دلیل مثلاً کسی اجنبی میں پائی جائے اور کوئی شخص کسی غیر قریب کے ساتھ اسی قسم کا دوستانہ برتاؤ اور حسن تعلق رکھے کہ وہ ایک دوسرے کے مال کو آزادی سے استعمال کرے تو وہاں حکم عدم جواز کا دیا جائے یا کوئی لڑکا باپ سے اگر علیحدہ ہے اور باپ و بیٹے کا مال میں کامل انقطاع ہے کسی قسم کا نفع ایک دوسرے کے مال سے نہیں اٹھاتے تو جواز زکوٰۃ کا حکم دیا جائے اس طرح کا عمل صحیح نہیں ہے۔ دلائل عقلیہ فقہاء کو صرف تقریب الی الاذھان کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ دراصل مصرف زکوٰۃ حدیث شریف میں منصوص ہے۔ باپ کی زکوٰۃ بیٹے پر حدیث شریف میں منع ہے اب یہ مطلقاً ہوگا۔ خواہ نفع مشترک ہو یا نہ اور بہو کے لیے منع نہیں ہے۔ جواز ہے لہٰذا یہ مطلقاً ہوگا خواہ نفع مشترک ہو یا نہ۔ البتہ اگر کوئی نیت فائدہ رکھتا ہو اور بہو کو دینا فی الواقع حیلہ بنا رہا ہو اور مقصود یہ ہو کہ

اس طرح زکوٰۃ سے دوبارہ فائدہ اٹھاؤں گا۔ تو یہ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انما الاعمال بالنیات کے مصداق اگر نیت ہے تو عمل فاسد ہوگا۔ لیکن فقہی حکم کا تعلق ظاہر سے ہوتا ہے۔ باطن اور نیات سے نہیں ہوتا۔ لہٰذا فقہی حکم صرف جواز کا ہوگا۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۱۹ صفر ۱۳۸۱ھ

مال زکوٰۃ و کھالوں کی رقم سے نظریاتی پمفلٹ چھپوانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اس پرفتن دور میں جب کہ کفر کی آندھیاں ہر طرف سے منڈلا رہی ہیں۔ ردِ عیسائیت حقانیت اسلام اور قرآن نیز حضورؐ کی ختم نبوت پمفلٹ چرمہائے قربانی و صدقہ و زکوٰۃ سے چھپوا کر مسلمانوں میں تقسیم کیے جائیں۔ کیا یہ صورت دین محمدؐ کے اعتبار سے جائز ہے۔ یا کہ نہیں۔ بینوا توجروا

فقط فقیر عبدالقادر آزاد نقشبندی ثم المظفر گڑھی

﴿ج﴾

فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ جب تک کھال فروخت نہ ہو۔ ہر شخص کو اس کا دے دینا اور خود بھی اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ جب فروخت کر دی تو اس کی قیمت کا تصدق کرنا واجب ہے۔ اور تصدق کی ماہیت میں تملیک ماخوذ ہے۔ چونکہ یہ صدقہ واجبہ ہے۔ اس لیے اس کے مصارف اور زکوٰۃ کے مصارف دونوں یکساں ہوں گے۔ جیسا کہ زکوٰۃ تعمیر مسجد و تکفین میت وغیرہ میں یعنی جس میں تملیک و قبض مفقود ہو صرف کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح چرمہائے قربانی کا بھی وہی حکم ہوگا۔ **وفی الدر المختار مطبوعہ ایچ ایم سعید ص ۳۲۸ ج ۵ ویتصدق بجلدھا. الی قولہ فان بیع اللحم او الجلدبہ او بدراھم تصدق بثمنہ.**

البتہ حیلہ کرنے سے شاید جواز کی صورت نکل آئے گی۔ واللہ اعلم

حررہ عبدالرحمٰن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

حج کے لیے جانے والے کو مال زکوٰۃ سے زادِ راہ دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص حج و عمرہ کے لیے حجاز مقدس جا رہا ہے۔ مگر اس کے پاس زادِ راہ نہیں ہے اور وہ بقدر نصاب مال کا بھی مالک نہیں ہے۔ تو اگر اس کو مال زکوٰۃ یکمشت بقدر نصاب یا زائد

تملیک کر دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں اور اس کے ساتھ مال زکوٰۃ میں سے تعاون کرنا کیسا ہے۔

المستفتی عبدالرحمان بیرون دہلی گیٹ ملتان شہر

﴿ج﴾

زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اگر اس کو اتنی رقم دے دی جائے کہ اس رقم کو اس پر اور اس کے بال بچوں پر تقسیم کر دیا جائے تو ہر ایک کو بقدر نصاب حصہ نہ ملے تو بلا کراہت جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کما فی الشامیة. ج ۲/ص ۹۳

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اصاب من اجاب عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ

سفیروں کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جائے گی؟' زکوٰۃ کی رقم سے سفیروں کو تنخواہ دینا زکوٰۃ وصدقات واجبہ سے مدرسہ کے ملازمین کو تنخواہ دینا' زکوٰۃ وغیرہ کے فنڈ سے کس قسم کے طلبہ کے ساتھ تعاون جائز ہے؟' زکوٰۃ کی رقم سے طلبہ کے مطالعہ کے لیے کتابیں خریدنا، یا تعمیر پر خرچ کرنا' مدرسہ میں صدقات واجبہ کا بہترین مصرف کیا ہے؟ مدرسہ میں صدقات کی جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

﴿س﴾

(۱) کیا مدرسہ اسلامیہ کے لیے چندہ وصول کرنے والے سفیروں کو زکوٰۃ مدرسہ کے لیے دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ (۲) کیا سفیروں کو زکوٰۃ کے روپیہ یا اسی طرح عشر چرم قربانی صدقہ فطر وغیرہ سے اجرت سفارت یعنی مقررہ حصہ یا تنخواہ دینی جائز ہے۔ یا کس فنڈ سے جائز ہے اور کس فنڈ سے ناجائز ہے۔ (۳) مدرسہ کے طلباء کے طعام کتابیں قرآن مجید مدرسہ کے وظائف کے اخراجات مندرجہ بالا صدقات کے تمام فنڈوں سے کرنا بلا تمیز بالغ نابالغ مستحق غیر مستحق مسافر یا علاقائی طلباء پر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں۔ یا کس فنڈ سے جائز ہے اور کس سے ناجائز ہے۔ (۵) مندرجہ بالا صدقات واجبہ سے عوام وطلباء کے مطالعہ کے لیے ادبی و دینی کتابیں خرید کرنا جائز ہے یا نہیں، طلباء کی رہائش تدریس کے لیے تعمیر مکانات بھی کس کس صدقے سے تعمیر ہو سکتے ہیں۔ (۶) زکوٰۃ عشر، چرم قربانی، چرم عقیقہ، فطرہ منت کے روپیہ کو مدرسہ اسلامیہ میں مدرسہ کی ضروریات کے پیش نظر شرعاً کس مصرف میں لایا جا سکتا ہے۔ (۷) زکوٰۃ یا مندرجہ بالا صدقات واجبہ میں سے خیراتی شفاخانہ تبلیغ دین اور مذہبی لٹریچر کی مفت تقسیم کے اخراجات کرنا بھی جائز ہے یا نہیں۔ (۸) کسی مدرسہ کے پاس زکوٰۃ یا تعمیر یا عطیات فنڈ کا روپیہ نصاب کی مقدار سے زیادہ ایک سال سے زائد عرصہ تک رہنے پر اسی روپیہ پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

مدارس کے سفراء لوگوں سے جو زکوٰۃ وصول فرماتے ہیں۔ وہ وکیل اور نمائندے بن جاتے ہیں، جب وہ زکوٰۃ کو صحیح طریق سے اپنی ضروریات میں استعمال کرنے کے بغیر مہتمم مدرسہ کے ہاں پہنچا دیتے ہیں۔ اور مہتممین مدرسہ زکوٰۃ کو طلباء پر خرچ کر دیں۔ یا صحیح طریقہ شرعی سے تملیک کرا کے ضروریات مدرسہ پر استعمال فرمائیں تو ادا ہو جائے گی۔ اس لیے احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنی زکوٰۃ کی تملیک کر کے پھر فقیروں کے حوالے کی جائے، تاکہ ادائیگی صحیح ہو۔ (۳) صدقات نافلہ اور تبرعات سے تنخواہیں دینی جائز ہیں۔ اور زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کو تنخواہ میں صرف کرنا جائز نہیں۔ (۴) صدقات واجبہ اس طرح عمومی طور پر (گڑبڑ کے ساتھ جیسا کہ سوال میں مذکور ہے۔ خرچ کرنا جائز نہیں، بلکہ بڑی احتیاط سے مستحق طلباء پر خرچ کرنا ضروری ہے۔ (۵) اس طرح تعمیر مکانات یا خرید کتب میں بھی صدقات واجبہ خرچ کرنا جائز نہیں۔ الا بحیلة التملیک للضرورة الشدیدة. صدقات واجبہ سے کتابیں خرید کر کے مستحق کو دینی درست ہے (۶) زکوٰۃ اور صدقات واجبہ سے مستحق طلباء کو طعام و پوشاک وغیرہ کے ضروریات کے لیے نقد وظیفہ اور پارچہ جات دینا جائز ہے۔ اور دوسری جگہیں مثلاً تنخواہ مدرسین وغیرہ کو بغیر تملیک کے دینا جائز نہیں ہے۔ (۷) صدقات واجبہ سے کتابیں خرید کے مستحقین کو دینی لٹریچر دینا بھی جائز ہے اور دوائیاں خرید کر کے مستحقین کو مفت تقسیم کرنا بھی جائز ہے اور دوسرے مصارف تفصیل بیان کر کے معلوم فرمائیں۔ (۸) زکوٰۃ کا روپیہ کسی دینی مدرسہ میں ایک سال تک جونہی پڑا رہے، تو اس پر زکوٰۃ مزید لازم آئی گی اور اگر مالک فوت ہو گیا تو یہ رقم وارثوں کا حق بن جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ

چندہ کی جو رقم چندہ کنندگان کے ہاتھ میں پڑتی ہے اس کے مالک مدرسین وطلبہ ہوں گے یا انتظامیہ ہوگی؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جبکہ مدرسہ عربیہ کے مدرسین وطلباء حضرات

مدرسہ کے لیے زکوٰۃ وعشر وغیرہ مقامی و بیرونی حضرات سے وصول کریں۔ تو اس زکوٰۃ وعشر کے مدرسین وطلباء حضرات مالک ہوں گے یا کہ متولی مدرسہ کے سمجھے جائیں گے۔ پہلی صورت میں ان حضرات کے علاوہ اس مال و فنڈ جمع شدہ میں کسی اور کے تصرفات جائز ہونگے یا نہ اور دوسری صورت میں تصرفات کا حق کس کو حاصل ہوگا۔

بینوا توجروا

﴿ج﴾

چندہ کنندہ جب چندہ وصول کرتا ہے۔ تو اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

۱) چندہ دینے والے نے تصریح کی ہو۔ کہ میں یہ رقم یا غلہ مدرسہ کے لیے دے رہا ہوں۔

۲) چندہ طلب کرنے والے نے مدرسہ کے لیے طلب کیا۔ دینے والے نے خاموشی سے دے دیا اور کسی بات کی تصریح نہ کی۔

۳) مدرسہ کے لیے طلب کیا گیا اور دینے والے نے کہا کہ ہم مدرسہ کو نہیں جانتے ہم تو تمھیں دیتے ہیں۔ تمھاری مرضی جس طرح کرتے ہو۔ تمھیں اختیار ہے اور چندہ طلب کرنے والے نے مدرسہ کے فنڈ میں یا مدرسہ کے دوسرے غلہ کے ساتھ خلط کر دیا۔ پہلی صورت میں واضح ہے کہ چندہ کنندہ کو اس مال میں تصرف کا کوئی حق نہیں۔ دوسری صورت میں بھی اسے کوئی حق حاصل نہیں۔ اس لیے کہ اس نے مدرسہ کے لیے طلب کیا اور دینے والے نے اس کے حسب طلب جب دیا تو یہ قرینہ واضحہ ہے کہ اس نے مدرسہ ہی کے لیے دیا۔ تیسری صورت میں اگر چہ دینے والے نے اسے ہی تصرف کا مختار بنایا۔ لیکن اسے کامل اختیار دے کر حقیقت میں اسے صرف وکیل نہیں بنایا۔ بلکہ اس توکیل کا بھی اختیار دیا ہے۔ گویا اسے اختیار دیا کہ خود تصرف کرتے ہو اور اپنے لیے قبض کرتے ہو۔ یا وکیل بالتملیک بن کر دوسرے کو تملیک کرتے ہو۔ یا تو وکیل بالتملیک کر کے دوسرے کو تملیک لاداء الزکوٰۃ کا وکیل بناتے ہو۔ سب باتوں کا اسے اختیار مل چکا ہے۔ لیکن جب اس نے مدرسہ کے دوسرے غلہ اور رقم کے ساتھ خلط کر لیا۔ تو گویا اس نے تیسری صورت اختیار کر لی اور متولی مدرسہ کو مثل دوسرے جمع شدہ اموال کے وکیل بالتملیک لاداء الزکوٰۃ اس مال کا بھی بنا دیا اور اب اس مال کی تملیک لاداء الزکوٰۃ کا اختیار بھی مدرسہ کے باقی اموال کی طرح متولی مدرسہ کو حاصل ہوگا اور چندہ کنندہ کا اپنا اختیار سلب ہو جائے گا۔ البتہ تیسری صورت میں اگر چندہ کنندہ اس مال کو اپنے لیے قبض کر کے مدرسہ کے مال میں نہ ملاتا۔ تو اس کا اپنا مال ہوتا۔ اسے مدرسہ کا مال شمار نہ کیا جاتا۔ بہر حال اب یہ ثابت ہوا کہ تینوں صورتوں میں متولی مدرسہ مزکی کی طرف سے تملیک کا وکیل ہوگا۔ اور چندہ کنندہ کی حیثیت صرف سفیر محض کی ہوئی۔ اب یہ مدرسہ کے اموال میں جہاں تملیک شرط ہے۔ ان کی تملیک اس کے

ذمہ لازم ہے۔ اگر طلبہ کی خوراک پوشاک، نقد وظیفہ میں صرف ہوئے۔ تو یہی تملیک ہے۔ ورنہ حیلۂ معروفہ کر کے دوسری مدات میں صرف جائز ہو سکے گا۔ بغیر حیلۂ تملیک کے جائز نہ ہوگا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ مدرسہ کی طرف سے مزکی کا وکیل بالتملیک کون ہوگا۔ اگر مدرسہ کا کوئی دستور (آئین) جس میں اس اختیار کا تعین کیا گیا ہو۔ طے شدہ موجود ہے اور اس آئین کو اتنا مشتہر کر دیا گیا ہو کہ اکثر و بیشتر چندہ دہندگان کو اس کا علم ہو کہ ہمارے اموال کا اختیار بموجب دستور ہٰذا فلاں کو حاصل ہے۔ تو یہ اختیار اسی کو حاصل ہوگا۔ جسے دستور میں یہ اختیار دیا گیا ہو۔ خواہ وہ مہتمم ہو۔ کما ہو المعروف۔ یا کوئی دوسرا ہو نیز دستور میں اس اختیار کو جن جن قیود کے ساتھ مقید کیا گیا ہو۔ ان قیود کا بھی اعتبار ہوگا اور اگر دستور طے شدہ مدرسہ کا نہ ہو۔ یا اس کو مشتہر نہ کیا گیا ہو اور اس کا علم عام چندہ دہندگان کو نہیں ہوا تو ان صورتوں میں یہ اختیار مالیات کا مہتمم مدرسہ کو حاصل ہوگا۔ کما ہو المعروف۔ مہتمم کے سوا کسی کو یہ اختیار نہ ہوگا۔ جملہ مدارس عربیہ کا عرف یہی ہے۔ عام چندہ دہندگان کو بھی اس عرف کا علم ہے اور اس علم پر وہ چندہ دے کر مہتمم مدرسہ کو وکیل بناتے ہیں۔ اراکین مدرسہ ان کی دی ہوئی زکوٰۃ جب وہ اپنے اوپر صرف نہیں کرتے بلکہ طلباء کو تملیک کرتے ہیں۔ یا تملیک کا حیلہ کر کے دوسرے مدات میں صرف کرتے ہیں۔ ادا ہو جاتی ہے۔ زکوٰۃ نہ ادا ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ البتہ اختیارات کی تفصیل اس طرح ہوگی جو گزر گئی ہاں اگر اراکین مال کو قبضہ میں رکھ کر نہ تملیک الی الطلبہ کرتے ہیں۔ اور نہ حیلہ۔ تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۳۰ صفر ۱۳۸۱ھ

صاحب نصاب امام کو کھال دے سکتے ہیں قیمت نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان دین متین اس مسئلہ میں کہ ائمہ مساجد جو کہ صاحب مال ہیں جن پر خود اداء زکوٰۃ واجب ہے۔ آیا چرم قربانی و چرم صدقہ نفلیہ لے سکتے ہیں یا کہ نہیں۔ اگر چرم قربانی و چرم صدقہ ان کو نہ دیا جائے تو امامت سے انکار کرتے ہیں اور دیہات میں چرم قربانی وصدقہ ان کے شرائط میں داخل ہے۔

﴿ج﴾

نفس چرم قربانی لے سکتے ہیں۔ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت نہیں لے سکتے۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ عربیہ قاسم العلوم ملتان

مکان پر زکوٰۃ خرچ کرنے سے تعمیر کے ساتھ تملیک ہوتی رہے گی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بکر کا مکان وگھر گرا ہوا ہے۔ چند سال سے بکر بوجہ مفلسی ومسکینی کے بنانے سے عاجز ہے مستحق زکوٰۃ ہے۔ زید اس کو مال زکوٰۃ سے تعمیر کر کے ملک بکر کر دینا چاہتا ہے۔ اب قابل دریافت بات یہ ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ اس طرح لگانا جائز ہے۔ زید کی زکوٰۃ ادا ہوگی اور یہ صورت تملیک ہوگی یا نہ۔ بینوا توجروا

المستفتی غلام حسن ملتان

﴿ج﴾

زکوٰۃ کا روپیہ لگانا صورت مذکورہ فی السوال میں جائز ہے۔ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ جتنا جتنا مکان تعمیر ہوتا جائے گا اتنا اتنا تملیک ہوتا رہے گا۔

حررہ بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ مدرس مدرسہ قاسم العلوم
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ٢٦ شوال ١٣٧٦ھ

زکوٰۃ کی رقم سے راستہ میں یا سکول میں نلکا لگوانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں۔ (١) بکر زید سے کہتا ہے کہ مجھے ایک نلکے کی ضرورت ہے۔ جو میں اپنے گھر سے باہر لگاؤں گا تاکہ میرے ساتھ دوسرے لوگ بھی اس سے پانی بھرتے رہیں۔ زید یہ نلکا اپنی زکوٰۃ سے اگر لگوا دے تو کیا اس صورت میں اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ جب کہ بکر غریب اور زکوٰۃ کا مستحق بھی ہے۔ (٢) کچھ دیہات کے لوگوں نے مل کر ایک سکول کھولا ہے۔ جہاں اردو وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان لوگوں کا مطالبہ ہے کہ زید یہاں اپنی رقم سے ایک نلکا لگوا دے۔ زید اگر یہاں نلکا مد زکوٰۃ سے لگوا دے تو کیا اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح رہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں مستحق زکوٰۃ کو تملیک کر لینا یعنی مستحق زکوٰۃ کو مالک بھی بنا دیا جائے کہ اس میں ہر قسم کا تصرف کر سکے۔ صورت مسئولہ میں زید اگر مال زکوٰۃ میں سے نلکا لگوا کر دے دے اور بکر کو اس نلکے کا تنہا مالک بنا دے اور اس کو گھر سے باہر لگانے کا پابند نہ کیا جائے بلکہ مالک بنا کر اس

کے اختیار پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ اس نلکے کو گھر کے اندر لگوائے یا گھر کے باہر یا اس کو فروخت کر دے۔ یا کسی کو مفت میں دے۔ غرضیکہ اس کو مالک بنا کر اس کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ کیونکہ زکوٰۃ میں مستحق زکوٰۃ کو تملیک ضروری ہے۔ جو یہاں نہیں پائی جاتی۔ **کما قال فی الدر المختار وشرعاً (تملیک) خرج الاباحة فلو اطعم يتيما ناويا الزكوة لا يجزيه الا اذا دفع اليه المطعوم كما لو كساه بشرط ان يعقل القبض الا اذا حكم عليه بنفقتهم (جزء مال) خرج المنفعة** الخ ص ١٣ ج ٢۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفر لہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

کسی رجسٹرڈ ادارہ یا تنظیم کو صدقات دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ڈسٹرکٹ ٹی بی ایسوسی ایشن ملتان ایک رجسٹرڈ ادارہ ہے۔ جس کے تحت کئی ہسپتال چل رہے ہیں۔ جن میں ٹی بی کے مریضوں کا مفت علاج ہوتا ہے اور ادویات بھی مفت دی جاتی ہیں۔ ملازمین ہسپتال کو تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ کیا اس ادارے میں زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ زکوٰۃ اور تمام صدقات واجبہ مثلاً فطرانہ، قیمت چرم قربانی وغیرہ میں تملیک فقراء ومساکین بلا معاوضہ شرط ہے۔ یعنی مالک بنانا ایسے شخص کو جو صاحب نصاب نہ ہو بلا معاوضہ ضروری ہے۔ **لقوله تعالى انما الصدقات للفقراء والمساكين الأيه .... ويشترط ان يكون الصرف تمليكاً (درمختار)**

پس صورت مسئولہ میں اگر زکوٰۃ کی رقم سے دوائی خرید کر مریضوں کو جو صاحب نصاب نہ ہوں ملک کر دی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یعنی ادویات کا مریض کے قبضہ میں دے کر مالک بنانا ضروری ہے۔ زکوٰۃ کی رقم سے ملازمین کی تنخواہیں ادا کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کی رقم سے تعمیرات کرنا یا ایسے سامان کا خریدنا جو ہسپتال کے استعمال میں آتا ہے اور کسی مستحق زکوٰۃ کو اس کا مالک نہیں بنایا جاتا۔ جائز نہیں۔

ولا يجوز ان يبنى بالزكوة المسجد وكذا القناطير والسقايات واصلاح الطرقات وكرى الانهار والحج والجهاد وكل مالا تمليک منه (عالمگیری مصری کتاب الزکوۃ باب السابع فی المصارف۔ ج ١/ص ١٨٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفر لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ٥ ربیع الثانی ١٣٩٦ھ
الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ٦ ربیع الثانی ١٣٩٦ھ

مہاجرین کے لیے مال زکوٰۃ جمع کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ بہاری صاحبان مسلمانان جو مشرقی پاکستان سے ایک مظلومیت کی حالت میں نکالے گئے ہیں اور یہاں آ کر رہتے ہیں۔ ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے اور نہ کاروبار ہے اور نہ ان کا کوئی مستقل ٹھکانہ ہے۔ اب بہاری صاحبان کی دولڑکیوں کی شادی نہیں ہوتی ہے۔ ان کے اخراجات کے لیے اگر ان بہاری حضرات کے لیے زکوٰۃ وصدقہ وغیرہ وصول کر کے ان کو دیا جائے تو یہ شرعاً جائز ہے اور کیا وہ اس بات کے مستحق ہیں۔

﴿ج﴾

جن بہاری حضرات کے پاس نصاب (۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی یا ۲/۱ ۷ تولے سونہ) یا اس کی قیمت کا کوئی مال زائد از حاجت موجود نہ ہو۔ مثلاً برتن، کپڑے وغیرہ و نیز وہ سادات میں سے بھی نہ ہوں تو ان کے لیے زکوٰۃ و صدقات کا لینا جائز ہے بلکہ اگر یہ صاحبان دوسری جگہ کے لوگوں سے زیادہ غریب ہوں تو ان کا حق زیادہ اور مقدم ہے۔ فقط

کتبہ محمد طاہر رحیمی عفی عنہ استاذ القرآن والحدیث مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۱ رمضان ۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۲ رمضان ۱۳۹۵ھ

یونین کونسلوں کا فنڈ بیت المال کے حکم میں ہے یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ قرآن شریف میں زکوٰۃ کا مصرف بیان ہے۔ وہاں والعاملین کا لفظ موجود ہے۔ عاملین زکوٰۃ تو بیت المال میں زکوٰۃ جمع کرائیں گے پھر اجتماعی طور پر مناسب جگہ پر خرچ کرنے کا حکم ہے۔ قابل دریافت یہ چیز ہے۔ کہ موجودہ دور میں ہر جگہ یونین کونسلیں قائم ہیں۔ اور حکومت کی طرف سے بیت المال میں جمع کرنے کا حکم ہے کہ زکوٰۃ چرم قربانی علاقہ کے یونین کونسل میں جمع کی جائے۔ پھر ممبران صاحبان اس بیت المال سے علاقہ کے غرباء یتیم بیوگان میں تقسیم کرائیں گے تو اس بیت المال میں زکوٰۃ و چرم قربانی دینے سے زیادہ ثواب ہوگا۔ یا مدارس اسلامی میں اشاعت علوم دینیہ سے زیادہ ثواب ہوگا۔

﴿ج﴾

یونین کونسلوں کے فنڈ ز بیت المال کے حکم میں نہیں ہیں۔ البتہ اگر یونین کونسل کے چیئرمین دیندار زکوٰۃ کے مصارف سے واقف ہوں۔ اور پورا یقین حاصل ہو کہ وہ میری زکوٰۃ کے مال کو اس صحیح مصرف کے علاوہ جس کا ذکر قرآن حکیم میں ہے اور کسی جگہ صرف نہیں کریں گے۔ تو وہاں بھی زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ اطمینان نہ ہو تو دینا جائز نہ ہوگا۔ مدارس اسلامیہ میں مصرف شرعی کے بارہ میں بہرحال اطمینان ہوتا ہے۔ اس لیے وہاں دینا بہتر ہوگا۔ کیونکہ یہ اشاعۃ علوم دینیہ کا باعث بھی ہوگا۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

قریشی النسل کو زکوٰۃ نہ لینی چاہیے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ میں ایک غریب اور مفلس ہوں اور قریشی خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ تو کیا میرے لیے شرعاً زکوٰۃ وعشر لینا جائز ہے؟

﴿ج﴾

اگر آپ کا سلسلہ نسب ان حضرات سے ہے۔ جو زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں۔ تو پھر آپ کے لیے زکوٰۃ وعشر کا لینا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۷ جمادی الاخری ۱۳۹۸ھ

صدقات واجبہ کو حیلۂ تملیک کے بعد تنخواہ میں صرف کرنا جائز ہے

﴿س﴾

ایک دینی مدرسہ جس میں طالب علم صبح سویرے گھروں سے تعلیم قرآن کے لیے آتے ہیں اور شام یا دوپہر کو گھر واپس چلے جاتے ہیں۔ ان کی خوراک، پوشاک ہر قسم کا انتظام گھر پر ہے۔ مدرسہ کے ذمہ کوئی خرچ نہیں البتہ معلم تنخواہ لیتا ہے۔ کیا اس مدرسہ میں زکوٰۃ عشر صدقات واجبہ یعنی صدقہ فطر قربانی کی کھالیں وغیرہ دینا جائز ہے۔

رحمہ علی شاہ مہاجر بہاولپور ڈاکخانہ خاص شجاع آباد ضلع ملتان

﴿ج﴾

اس مدرسہ میں صدقات کا دینا جائز ہے۔ البتہ حیلہ تملیک کے بعد وہ تنخواہ معلمین میں یہ رقم صرف کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مدرسہ والے زکوٰۃ دینے والوں کے وکیل ہوتے ہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس معاملہ میں کہ اگر رقم زکوٰۃ کسی دینی مدرسہ کو دی جائے اور وہ جائے مصرف پر صرف نہ ہونے کی صورت میں رقم جمع رہے۔ تو معطین زکوٰۃ کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مدرسہ والے معطین زکوٰۃ کی طرف سے ادائیگی زکوٰۃ میں وکیل ہوتے ہیں۔ جب تک مال وکیل کے پاس رہے۔ زکوٰۃ ادا شمار نہ ہوگی اور جب وہ صحیح مصرف پر خرچ کر دے تو زکوٰۃ ادا شمار ہوگی۔ ہاں اگر کسی فقیر کی طرف سے زکوٰۃ کے وصول کرنے کا کوئی وکیل آپ کے پاس آ جائے اور آپ اس فقیر کے لیے اس کے وکیل کو زکوٰۃ کی رقم دے دیں تو وکیل سے وصول کرتے ہی آپ کی زکوٰۃ ادا شمار ہوگی۔ عموماً مدارس والے فقراء کے وکیل نہیں ہوا کرتے بلکہ معطین کے وکیل ہوا کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۰ جمادی الاولی ۱۳۸۷ھ

صدقات واجبہ کو حیلہ کے بعد تعمیر پر صرف کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ موجودہ دور فاسد میں جبکہ عموماً مدارس عربیہ محض عشر و زکوٰۃ اور باقی صدقات واجبہ مثلاً چرمہائے قربانی کی رقم وغیرہ پر چلائے جا رہے ہیں۔ نفلی صدقات وغیرہ بالکل نیست و نابود ہیں کہ ان پر کام چلایا جا سکے۔ تو کیا اس وقت صدقات واجبہ میں مروجہ معروف حیلہ سے تملیک کرا کرا سے مدارس وغیرہ کی تعمیروں میں خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

مسئلہ یہی ہے کہ زکوٰۃ کی رقوم تملیک کیے بغیر تنخواہوں اور تعمیرات میں صرف نہیں ہو سکتیں۔ صحیح تملیک کے بعد ان کو تعمیرات وغیرہ ضروریات میں استعمال کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۹ رجب ۱۳۹۸ھ

مدرسہ کی رقم کسی کو قرض دینا، جو مدرسہ کا قرض واپس نہ کرے اس کا کیا حکم ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں مفتی شرع از روئے شریعت کہ دینی مدرسہ کی پسماندہ رقم بطور قرض دی جا سکتی ہے اور ایسا فعل مدرسہ کے رکن یا ناظم صاحب کے مشورہ سے ہوتا ہے کیا شریعت بطور قرض دینی مدرسہ کا روپیہ دینے کی اجازت دیتی ہے یا فقہ میں کوئی گنجائش ہے کہ مدرسہ کی رقم قرض دی جا سکتی ہے۔ جو شخص مدرسہ کی رقم لیتا ہے بطور قرض اور وعدہ پر ادا نہیں کرتا، اس کے لیے کیا رویہ کرنا چاہیے۔

﴿ج﴾

(۱) مدرسہ کے چندہ سے ناظم وغیرہ کسی کو قرض نہیں دے سکتا۔ کیونکہ مدارس اسلامیہ وقف ہیں اس کی تصریح امداد الفتاویٰ و دار العلوم دیوبند۔ ج ۳/ ص ۸۲ میں ہے کہ مال وقف سے کسی کو قرض دینا جائز نہیں ہے۔ لیکن مولانا تھانویؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر معطین کی اجازت ہو تو جائز ہے۔ امداد الفتاویٰ جلد ثانی (۲) اس سے بہر تقدیر رقم لینی چاہیے۔ واللہ اعلم

عبدالرحمٰن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۸ جمادی الاولی ۱۳۷۹ھ

سید کو زکوٰۃ دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک گاؤں میں تقریباً پچاس افراد سید قوم کے رہتے ہیں۔ جن میں بیوہ اور یتیم بچے بھی ہیں۔ جو غریب اور نادار لوگ ہیں۔ جن کی آمدنی کچھ بھی نہیں۔ ان لوگوں کو ہم زکوٰۃ دیتے ہیں تو کیا ہماری زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

سید کو زکوٰۃ دینا درست نہیں۔ زکوٰۃ کے علاوہ دیگر خیرات وغیرہ سے ان کی امداد کی جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

رہن سہن کاروبار میں شریک بھتیجوں کو عشر دینا

﴿س﴾

چہ میفر مایند علمائے کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنا عشر یا زکوٰۃ اپنے بھائی کے بچوں کو جو

بالغین ہیں۔ دیتا ہے اور حال یہ ہے کہ کام کاج مشترکہ طور پر کرتے ہیں اور زمین بھی مشترکہ ہے اور مشترکہ طور پر کاشت کرتے ہیں لیکن جب حاصل وصول ہو جائے۔ تو نو حصے مشترکہ چھوڑ دیتے ہیں اور دسواں حصہ تقسیم کرتے ہیں۔ مابین اپنے کے پھر ایک بھائی کے بچے نہیں ہیں اور دوسرے کے پانچ بچے ہیں اور بالغین بھی ہیں۔ مساکین بھی اس لیے یہ دوسرا بھائی اپنی زکوٰۃ یعنی عشر بھتیجوں کو دیتا ہے اور عشر درمیان خرچ نہیں کرتے۔ بلکہ بھتیجے پر خرچ کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ عشر اس بھائی کے بچوں پر جائز ہے یا نہ اور دلیل جواز کی یہ پیش کرتا ہے کہ فتح القدیر میں باب المصرف میں آیا ہے کہ بھائی پر عشر اور زکوٰۃ جائز ہے۔ **ولو کان فی عیالہ** اور دوسری کتابوں میں بھائی اور بھتیجوں پر عشر اور زکوٰۃ اولیٰ جائز کہا ہے اور یہ نہیں بتایا ہے کہ یہ بھائی مشترکہ کام کرتے ہیں اور زمین مشترکہ ہے۔ یا نہ یعنی علیحدہ۔ بینوا توجروا

نوٹ۔ یعنی جو کتابوں میں بھائی اور بھتیجوں کو چچوں پر چچازادوں پر عشر یا زکوٰۃ کے لیے اولیٰ بتایا ہے۔ ان میں مطلقاً کہا ہے۔ یہ قید نہیں لگائی ہے کہ یہ بھائی علیحدہ علیحدہ ہوں اور مشترکہ کام نہ کرتے ہوں اور منافع مشترکہ نہ ہوں۔ جیسا کہ زوج زوجہ کے زکوٰۃ دینے پر عدم جواز کا حکم اس وجہ سے لگایا ہے کہ منافع الاملاک مشترکہ ہیں ان کے درمیان۔ کتابوں کے حوالے دے کر بیان فرمائیں۔ عنایت وشکریہ فقط والسلام

از طرف خلیل الرحمان طالب العلم

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں مذکور شخص کا اپنے بھتیجوں کو زکوٰۃ وعشر وغیرہ دینا جائز بلکہ اولیٰ باعث مزید ثواب ہے۔ اسلیے کہ اس صورت میں مسکین ومصرف ہونے کی وجہ سے ان کو دینے میں اداء واجب کے ساتھ صلہ رحمی بھی ہے۔ اس وجہ سے کتب فقہ میں رشتہ داروں کے مصرف ہونے کی صورت میں ان پر صرف کرنے کی اولیت مصرح ہے۔ دراصل مصرف زکوٰۃ حدیث شریف میں منصوص ہے۔ جو جو مصرف زکوٰۃ تھے۔ وہ بیان کر دیے گئے تھے اور جو نہ تھے ان کو نہ دینا مصرح ہے۔ باقی فقہاء کرام نے جو اشتراک منافع املاک یا عدم کو مدار جواز وعدم جواز ٹھہرایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ عموماً یہ تھا کہ جہاں جہاں احادیث میں عدم جواز ہے وہاں منافع الاملاک مشترک ہوتے تھے۔ مثلاً باپ کی زکوٰۃ بیٹے کو یا علی العکس یا زوج کی زوجہ کو یا علی العکس کہ عموماً ان کے منافع املاک مشترک ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے مال سے نفع اٹھانے میں آزاد ہوتے ہیں۔ تو یہ زکوٰۃ گویا دوبارہ زکوٰۃ دینے والے کی ضرورت میں استعمال ہو رہی ہے۔ اسلیے انھوں نے وجہ فقہی نظری عدم جواز کی اشتراک منافع املاک بیان کی۔ فی نفسہ یہ دار ومدار جواز وعدم جواز نہیں ہے۔ بلکہ نصوص ہیں۔ ورنہ اگر یہی وجہ مدار جواز وعدم جواز ہو جائے اور پھر

مثلاً کسی اجنبی میں بھی پائی جائے کہ کوئی شخص کسی غیر قریب کے ساتھ اس قسم کا دوستانہ برتاؤ اور حسن تعلق رکھے کہ ایک دوسرے کے مال کو آزادی سے استعمال کریں اور منافع مشترک ہوں تو وہاں حکم عدم جواز کا دیا جائے۔ یا کوئی لڑکا مثلاً اگر باپ سے علیحدہ ہے اور باپ بیٹے کے مال میں بالکل انقطاع ہے۔ کسی قسم کا نفع ایک دوسرے کے مال میں نہیں اٹھا سکتے۔ تو جواز زکوٰۃ کا حکم دیا جائے۔ حالانکہ اس طرح کا عمل صحیح نہیں ہے۔ نہ کسی نے اس کا حکم دیا ہے۔ دراصل فقہاء کے اس قسم کے دلائل عقلیہ تقریب الی الاذھان کے لیے ہوتے ہیں۔ لہٰذا جواز مطلقاً ہوگا چاہے منافع میں اشتراک ہو یا نہ البتہ اگر کوئی نیت فاسدہ رکھتا ہو اور بھتیجوں کو دینا فی الواقع حیلہ بنا رہا ہو اور مقصود یہ ہو کہ اسی طرح زکوٰۃ سے دوبارہ فائدہ اٹھا کر لاؤں گا۔ تو اپنے ثواب میں کمی کرے گا۔ (انما الاعمال بالنیات) یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ لیکن فقہی حکم کا تعلق ظاہر سے ہوتا ہے۔ باطن اور نیات سے نہیں۔ لہٰذا فقہی حکم صرف جواز کا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۴ رجب ۱۳۸۱ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

کسی مستحق کو تعمیر کرنے کے لیے زکوٰۃ دینا درست ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بیوہ حکیم شیر احمد چشتی مرحوم سکنہ ممتاز آباد ملتان بہت غریب عورت ہے اس کے ہاں ایک لڑکا دو لڑکیاں موجود ہیں۔ جو حکیم صاحب سے ہیں۔ حکیم صاحب ۶ مرلے رقبہ سکنہ ممتاز آباد چھوڑ گئے تھے۔ بیوہ اس پر مکان تعمیر کرنا چاہتی ہے۔ تاکہ خود اور یتیم بچے آرام سے زندگی گزار سکیں۔ اس کے پاس مکان کی تعمیر کی کوئی رقم نہیں ہے۔ سائل اس بیوہ اور یتیم بچوں کو رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ سے جو زکوٰۃ سائل پر ہوگی۔ پیشگی زکوٰۃ برائے تعمیر مکان دینا چاہتا ہے۔ کیا شرعاً دے سکتا ہے یا نہ۔ جواب سے ممنون فرمائیں۔

﴿ج﴾

زکوٰۃ میں تملیک فقیر غیر صاحب نصاب بلاعوض شرط ہے۔ پس اگر بیوہ صاحب نصاب نہیں تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اور صاحب نصاب سال گزرنے سے پہلے بھی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۶ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ

مدرسہ کے مدّات میں طلبہ کے کھانے پر کس مد سے خرچ کیا جائے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ مدرسہ میں جو مال زکوٰۃ آتا ہے اگر ان اموال کو طالب علموں کی طرف سے مطبخ میں داخل کیا جاتا ہے۔ کیا یہ قبضہ ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

جو کھانا تیار ہو کر طلباء کو دے دیتے ہیں اس کا قبض ہو جاتا ہے اور جو ادھر ادھر ہو جاتا ہے۔ اگر وہ مصرف میں صرف ہو جائے تو اس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور جو مصرف میں صرف نہیں ہوتا۔ تو اتنی مقدار کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ بہتر یہ ہے کہ ابتداء زکوٰۃ وعشر صدقات واجبہ وغیرہ میں تملیک شرعی کسی مسکین سے کرائیں اور اس کے بعد ضروریات مدرسہ میں لائیں۔ تاکہ دینے والوں کے زکوٰۃ وعشر وغیرہ مکمل ادا ہوں۔ اور جو خرابیاں تملیک شرعی نہ کرانے کی صورت میں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ نہ پائی جائیں۔ الحاصل۔ مصرف والوں کو زکوٰۃ وعشر وغیرہ کا تملیک شرعی کرانا شرط ہے۔ جتنی مقدار تملیک ہو جائے گی۔ اتنی مقدار کی ادا ہو جائے گی۔ ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ ہذا

ھنگامی طور پر بے گھر ہونے والوں پر زکوٰۃ خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو لوگ ہنگامی حالات میں بے گھر ہو چکے ہیں۔ ان پر زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کیا جا سکتا ہے۔ یا نہیں جو لوگ سرینگر سے نکالے گئے ہیں اور وہ اب پاکستان میں پہنچے ہیں۔ ان پر یہ زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہ۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ہر فقیر ومسکین کو زکوٰۃ کا روپیہ دیا جا سکتا ہے۔ جو ہاشمی سید نہ ہو۔ تملیک ضروری ہے۔ اگر تملیک کا یقین ہو تو ان کو دیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۹ رجب ۱۳۸۵ھ

عشر، زکوٰۃ وغیرہ کو تنخواہوں میں خرچ کرنا' کیا حیلہ تملیک شرعاً جائز ہے؟

اگر صدقات واجبہ کو طلبہ خود وصول کر کے مدرسہ میں جمع کر دیں تو تنخواہ میں صرف کرنا جائز ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ۔ (۱) چرم قربانی، زکوٰۃ، عشر وغیرہ مدارس عربیہ دینیہ میں دینا جائز ہے یا نہیں اور مہتمم بعد حیلہ تملیک تنخواہ مدرسین وتعمیر مدرسہ میں خرچ کر سکتا ہے یا نہیں۔

(۲) چرم قربانی، زکوٰۃ، عشر وغیرہ جو خود طلباء لوگوں سے لے کر آئیں یا لوگ خود مدرسہ میں طلباء کو دے کر جائیں اور طلبہ مدرسہ میں جمع کرا دیں۔ تو صورت حیلہ کی ضرورت باقی رہتی ہے یا نہیں۔

(۳) زید کہتا ہے کہ مدرسہ میں زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز نہیں اور حیلہ کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں۔ برائے کرم مدلل جواب عنایت فرمائیں تاکہ تسلی ہو جائے۔

﴿ج﴾

(۱) قیمت چرم قربانی، زکوٰۃ، عشر وغیرہ صدقات واجبہ میں بلاعوض تملیک فقراء ومساکین ضروری ہے۔ اہل مدارس اگر یہ خدمات واجبہ طلبہ پر صرف کریں تو جائز ہے لیکن ان صدقات کی رقم کو مدرسہ کی تعمیرات پر خرچ کرنا یا مدرسین کو تنخواہ میں دینا جائز نہیں۔ البتہ حیلہ تملیک کے بعد مدرسہ کے جملہ ضروریات میں اس رقم کو خرچ کرنا جائز ہے۔ فان بیع اللحم او الجلد به او بدراهم تصدق بثمنه الخ. درمختار مصری کتاب الاضحیه ص ۳۲۸ ج ۲ وفی باب المصرف منه ومن الشامی باب المصرف ای مصرف الزکوة والعشر الی قوله وهو فقیر الخ. قال الشامی قوله ای مصرف الزکوة والعشر وهو مصرف ایضا لصدقة الفطر والکفارة والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبة کما فی القهستانی. ج ۲/ص ۶۴ . عام طور پر طلبہ جو چرم قربانی زکوٰۃ وغیرہ لوگوں سے لے کر مدرسہ میں لے آتے ہیں وہ بطور وکیل کے ہوتے ہیں۔ طلبہ کو خود وہ لوگ بطور تملیک کے یہ صدقات نہیں دیتے بلکہ مدرسہ میں پہنچانے کے لیے حوالہ کر دیتے ہیں۔ اس لیے اس سے تملیک متحقق نہیں ہوتی۔ تملیک دوبارہ ضروری ہے لوگ خود مدرسہ میں اگر طلبہ کو تملیکاً دے دیں تو دوبارہ تملیک کی ضرورت نہیں۔ وہ طالب علم کی ملکیت ہو جائے گی۔ پھر آگے مدرسہ کو دے یا نہ دے یہ اس کی مرضی پر موقوف ہے۔ اگر مدرسہ میں دے گا تو وہ

اس کی طرف سے صدقہ شمار ہوگا۔

(۳) حیلہ شرعاً جائز ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ حیلہ میں قانونی اور اصولی بات طے ہوتی ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کا مصرف فقیر ہے۔ وہ اسے مل گئی۔ اب وہ بحیثیت مالک ہونے کے جو چاہے کر سکتا ہے۔ شامی میں ہے۔
وحيلة التكفين بها التصدق على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذا في تعمير المسجد (ردالمحتار۔ ج ۲/ص ۱۳ کتاب الزکوٰۃ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۹ ذوالقعدہ ۱۳۹۱ھ

مال زکوٰۃ سے کتب خرید کر وقف کرنا، امام کو مال زکوٰۃ سے تنخواہ دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ (۱) ایک شخص اپنی زکوٰۃ سے بخاری شریف خرید کر کے کسی مدرسہ میں وقف کرتا ہے۔ کیا یہ زکوٰۃ کے پیسوں سے خرید کر کے دینی مدرسہ میں وقف کر سکتا ہے۔ یا نہیں۔ کیا اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں۔ (۲) دوسرا یہ کہ زکوٰۃ سے امام مسجد تنخواہ لے سکتا ہے۔ اگر امام نصاب زکوٰۃ کا مالک نہیں۔ یا نہیں لے سکتا۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

(۱) زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے۔ کسی مدرسہ میں کتاب یا دوسری چیز وقف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ سوائے ان اشیاء کے جو مساکین طلباء کے ملک میں دی جاتی ہیں۔ کتاب تو ان کو بطور ملکیت کے نہیں دی جاتی۔ اس لیے یہ زکوٰۃ صحیح نہیں ہے۔ (۲) امام مسجد کی تنخواہ اگر مقرر ہے۔ تو تنخواہ میں زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ اگر مقرر نہیں ہے۔ تو اسے دی جا سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳ رجب ۱۳۷۸ھ

منتظمین مدرسہ زکوٰۃ دینے والوں کے وکیل ہوتے ہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ کا پیسہ جو مدرسہ عربیہ امدادیہ کی طرف منی آرڈر کر کے بھیجا جاتا ہے۔ یا زکوٰۃ دینے والا مدرسہ مذکورہ کے محرر یا ناظم کے حوالہ کر دیتا ہے۔ مصارف زکوٰۃ میں سے بظاہر اس سے کوئی قبض یا وصول نہیں کرتا۔ تو عند الشریعت یہ زکوٰۃ مزکی سے ادا ہو جاتی ہے اور مزکی واٰتوا الزکوة الایہ وانما الصدقات الایہ کا مصداق ہو جاتا ہے۔

نذیر احمد شاہ پور اُلگھا

﴿ج﴾

مدارس اسلامیہ کے ناظمین زکوٰۃ دینے والے کی طرف سے وکیل ہوتے ہیں۔ وہ جب طلباء و مساکین کو بطور وظیفہ، خوراک، پوشاک دیتے ہیں تو اس وقت زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اور اگر مد تعمیر، کتب خانہ، تنخواہ ملازمین، دوسری متفرق اخراجات میں صرف کریں گے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ جب تک کہ پہلے کسی مسکین نے قبض نہ کیا ہو۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

زکوٰۃ کا مصرف کیا ہے؟' قربانی کی کھالوں کی قیمت اردو مدرسہ (سکول) میں دی جا سکتی ہے یا نہیں؟
قربانی کے گوشت اور کھالوں میں کچھ فرق ہے یا دونوں کا ایک مصرف ہے؟
کسی قابل وزیرکا طالب علم کو مدرسہ کے فنڈ سے انعام یا وظیفہ دینا' خیرات اور چندہ میں کیا فرق ہے؟
صدقات سے چلنے والے ادارہ میں صاحب نصاب بچوں کا تعلیم حاصل کرنا
سکول کے استاد کی تنخواہ کے لیے دوکان پر صندوقچی رکھنا
زکوٰۃ کی رقم سے ہونے والا ولیمہ صاحب نصاب لوگ کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ از روئے شرع شریف کیا حکم ہے۔ (۱) زکوٰۃ کس کس جگہ خرچ ہو سکتی ہے کیا کوئی طریقہ ہے کہ عربی مدارس یا اردو مدارس کے مدرسین کو مد زکوٰۃ دی جا سکے۔ (۲) قربانی کی کھالیں فروخت کر کے عربی مدارس کے علاوہ اردو مدارس میں بھی لگا سکتے ہیں یا نہیں اور کس کس جگہ۔ (۳) قربانی کے گوشت اور کھالوں کے استعمال کے لیے از روئے شرع ایک ہی حکم ہے یا علیحدہ مفصل بیان فرمائیں۔ (۴) کیا دینی اور غیر دینی مسلمانی مدارس کی تقسیم قرون اولےٰ سے ہے اگر ہے تو از روئے شرع کون سے مضامین سے غیر دینی ہیں بصورت دیگر مدارس کی تقسیم (دینی اور غیر دینی) کب سے شروع ہوئی اور جائز ہے یا نا۔ (۵) ایک لڑکا زیر تعلیم ہے اور والد صاحب نصاب ہے اور وہ اپنی جماعت میں ہوشیار ہے اس کو ہوشیاری کا وظیفہ یا انعام وغیرہ کون سی مد سے دے سکتے ہیں یعنی زکوٰۃ صدقات وغیرہ یا اور کوئی۔ (۶) جس ادارہ کی مد خیرات سے ہو رہی ہو اس سکول میں صاحب نصاب کے بچے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ (۷) خیرات کی تعریف کیا

ہے اور کس کو دی جاسکتی ہے اور کسی طرح چندہ خیرات میں شامل ہے یا نہیں خیرات اور چندہ میں کیا فرق ہے۔ (۸) زید نے اپنی دوکان پر صندوقچی رکھی ہوئی ہے اور کسی پرائمری ڈل، یا ہائی سکول کے لیے اپنے گاہکوں سے صندوقچی میں کچھ نہ کچھ رقم ڈلواتا ہے وہ رقم مدرسین کی تنخواہوں میں تقسیم کی جاتی ہے یہ فعل جائز ہے یا ناجائز ہے جبکہ سکول میں صرف مسلمانوں ہی کے بچے تعلیم پاتے ہیں اور ایسے سکول میں صاحب نصاب کے بچے تعلیم پاسکتے ہیں یا نہیں۔ (۹) زید مفلس ہے اس کو اپنے لڑکے کی شادی کرنی ہے اس نے بکر وغیرہ سے زکوٰۃ و خیرات و صدقات کی رقم حاصل کر کے لڑکے کی شادی کی اور اسی رقم سے اس نے برادری کو دعوت ولیمہ دی۔ از روئے شرع کیا صاحب نصاب دعوت ولیمہ تناول کر سکتے ہیں۔

﴿ج﴾

(۱) زکوٰۃ کے مصارف اس آیت میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ **انما الصدقات للفقراء والمساکین الایہ** زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے۔ بغیر تملیک کرنے کے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ مدارس وغیرہ میں مصارف پر تملیکاً خرچ کیا جائے ورنہ حیلۂ تملیک کو کام میں لایا جا سکتا ہے اس لیے کہ گذشتہ زمانہ میں اسلامی ملک پر اشاعت کی ذمہ داری ہوتی تھی اور اب جب بدقسمتی سے مسلمان ایسی حکومت سے محروم ہیں جو اشاعت علوم دینیہ کی ذمہ دار ہو لہٰذا حیلۂ اخذ زکوٰۃ سے کام چلانا ضروری ہوا ورنہ اشاعت علوم کا انسداد لازم آئے گا اور ایسا ہونا چاہیے کہ مدرسہ کا مہتمم یا ناظم جو زکوٰۃ دینے والوں کی جانب سے وکیل ہوتا ہے وہ کسی مسکین کو کہدے کہ تم کسی سے قرض لے کر اتنے روپے مدرسہ میں داخل کر دو خواہ وہ قرض مہتمم سے یا کسی دوسرے شخص سے لے پھر جب وہ مسکین قرضہ لے کر مدرسہ کے فنڈ میں روپے داخل کر دے زکوٰۃ کے مد میں نہیں بلکہ نفلی خیرات میں پھر مہتمم مدرسہ وہ زر زکوٰۃ جس کے ادا کرنے کا وہ وکیل ہے لے کر اسی مسکین کو دینے والے کی طرف سے بطور زکوٰۃ کے دے دے اور وہ اس کو لے کر اس سے اپنا قرضہ ادا کر دے اس کے بغیر زکوٰۃ فقط مدرسہ کے فنڈ میں داخل کرنے سے ادا نہیں ہوتی فریضہ اس کے ذمہ باقی ہے۔ اس حیلہ کرنے کے بعد زکوٰۃ تو مسکین کے سپرد کر دی گئی اور مدرسہ کے فنڈ میں مسکین نے از خود روپے کارِ خیر میں صرف کرنے کے لیے داخل کر دیے اب مدرسہ کے فنڈ سے اس دینے والے کی نیت کے مطابق لگایا جائے گا اگر فقط مساکین کے مفاد پر صرف کرنے کی نیت کرتا ہے اغنیاء پر صرف نہ ہوگا اگر وہ یتیموں کی شرط لگاتا ہے تو غیر یتیموں پر صرف نہ ہوگا اگر اغنیاء دنیاوی وغیر دنیاوی سب علم دین سیکھنے والوں پر صرف کرنے کی نیت کرے گا تو سب پر صرف ہوگا چونکہ یہ زکوٰۃ نہیں ہے پھر اغنیاء کو اپنے مدرسہ میں

پڑھنا اور وظیفہ لینا سب کچھ جائز ہے اور زکوٰۃ نہ ہو اسے بطور کار خیر کے کوئی مدرسہ کے فنڈ میں داخل کرے گا اس میں حیلہ کی ضرورت نہیں بغیر حیلہ کے بھی جمع کرنا جائز ہے۔ چرم قربانی کی صورت یہ ہے۔ **یتصدق بجلدها او یعمل منه نحو غربال وجراب وقربة وسفرة ودلو او یبدله بما ینتفع به باقیاً لا بمستهلک کخل ولحم ونحوه کدراهم فان بیع اللحم او الجلدبه ای بمستهلک او بدراهم تصدق بثمنه** (درمختار مصری ص ۳۲۸\ج ۶) اس عبارۃ سے چند صورتیں نکلتی ہیں۔ (۱) یا تو جلد کو کسی مسکین پر صدقہ کر دے۔ (یتصدق بجلدها)۔ (۲) اس جلد سے یعنی چرم سے ڈول مشک وغیرہ کوئی شی بنا کر اس کو استعمال کرے (**او یعمل منه نحو قربال**)۔ (۳) یا اس کو ایسی کسی چیز سے تبدیل کر دے کہ اس کو باقی رکھ کر اس سے نفع حاصل کرے جیسے چارپائی کتاب تعمیر کی لکڑی، اینٹیں (**او یبدله بما ینتفع به باقیا**)۔ (۴) اگر جلد کو روپے وغیرہ سے بیچا جائے تو اس روپے کو صدقہ کرنا ہوگا۔ وہ بمنزلہ زکوٰۃ ہے۔ جس میں تملیک شرط ہے اب چونکہ مہتمم مالکِ چرم کی جانب سے وکیل ہے اس لیے جو چار طریقے اصل مالک کے لیے بیان کیے گئے ہیں وہی طریق مہتمم کے لیے بھی جائز ہیں صدقۂ چرم یا صدقۂ قیمت چرم میں تملیک شرط ہے اس لیے حیلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر مدرسہ میں ڈول مشک یا کتابوں کی جلد بندی میں عین چرم کا استعمال کرے۔ یا طلبہ کی کتابیں یا تعمیر کی لکڑی چارپائی وغیرہ لے کر طلبہ کے کام میں لائیں پھر حیلہ کی ضرورت نہیں بغیر حیلہ ہو سکتا ہے مدرسین کو تنخواہ دینا چونکہ اجرت ہے اس لیے خود زکوٰۃ سے بغیر حیلۂ مذکورہ کیے دینا جائز نہیں اور زکوٰۃ ادا نہ ہوگی البتہ مساکین غیر ہاشمی طلبہ کے وظیفہ میں ان کو دیا جا سکتا ہے اس میں حیلہ کی ضرورت نہیں صاحب نصاب کا لڑکا جو خود غریب ہو وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے اور حیلہ کے بعد تو مدرسہ اس کو واقفین کی نیت کے مطابق ہر جگہ ہر صورت سے خرچ کر سکتا ہے رہی بات مدارس میں دینے سے دینے والے کو ثواب کا مسئلہ تو ثواب ملے گا جن علوم کا مسلمان کے لیے بحیثیت مسلمان سیکھنا ضروری ہے۔ خواہ دین ہو یا دین کا اس اس پر توقف ہو اس کو دینا ثواب سے خالی نہ ہوگا۔ مسکین زکوٰۃ کا جب مستحق ہے اور وہ بوجہ استحقاق کے زکوٰۃ لے لے۔ بعد میں اغنیاء کو بھی اور ہاشمیوں کو سب کو کھلا سکتا ہے تقریباً سب سوالات کا جواب ہو گیا چونکہ بہت سے سوالات آپس میں مربوط ہو گئے۔ اس لیے ایک جواب میں سب آ گئے۔

محمود عفا اللہ عنہ ۲۶ ذوالقعدہ ۱۳۷۱ھ

اگر کوئی غیر مستحق دھوکہ سے زکوٰۃ وصول کرے تو زکوٰۃ دینے والے کے لیے کیا حکم ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی سید اپنے آپ کو غیر سید مستحق ظاہر کرے یا غیر مستحق اپنے آپکو مستحق ظاہر کر کے کسی صاحب نصاب سے رقوم زکوٰۃ وصدقات واجبہ وصول کر لے یا کسی دینی درسگاہ یا رفاہ عام کے ادارے میں زکوٰۃ وصدقات کی مد سے امداد حاصل کر لیتا ہے تو زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں اور اس میں زکوٰۃ دہندہ یا مہتمم یا منتظم پر کیا ذمہ داری عائد ہوگی۔ جبکہ زکوٰۃ وصدقات میں سے امداد دیتے وقت دریافت کر لیا جاتا ہے کہ لینے والا مستحق ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

بعد تحقیق کے اگر غلبۂ ظن یہ ہو کہ یہ مصرف ہے اور زکوٰۃ وغیرہ صدقات کا مستحق ہے اور دیدیا تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اور زکوٰۃ دینے والے کا ذمہ بری ہو جاتا ہے۔ نیز مہتمم ادارہ پر بھی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ البتہ لینے والے کے لیے جائز نہیں تھا اس کو چاہیے کہ یا تو اس کو خیرات کر دے یا واپس کر دے دینے والا خود اس سے مطالبہ نہ کرے وہ بری الذمہ ہو گیا۔ درمختار ص ۷۴ ج ۲ میں ہے **دفع بتحر لمن یظنه مصرفا فبان انه عبده او مکاتبه او حربیٌ ولو مستأمناً اعادها وان بان غناه او کونه ذمیا او انه ابوه او ابنه او امرأته او هاشمی لا یعید لانه اتی بما فی وسعه حتی لو دفع بلا تحر لم یجز ان اخطأ وقال شامی (تنبیه) فی القهستانی عن الزاهدی ولا یسترد منه لو ظهر انه عبد او حربی وفی الهاشمی روایتان ولا یسترد فی الولد والغنی وهل یطیب له فیه خلاف واذا لم یطب قیل یتصدق وقیل یرد علی المعطی** فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

دائن اگر غریب ہو اور اس کا قرضہ ایسے شخص پر ہو جو نہ دے سکے تو دائن مستحق زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ایسے شخص کے بارے میں کہ اس کا تقریباً دو ہزار روپیہ کسی کے پاس قرض ہے اور مقروض بھی بالکل مفلس آدمی ہے اور قرض خواہ بھی موجودہ حالت میں نہایت ہی غریب آدمی ہے۔ علم دین پڑھتا ہے۔ روٹی بھی دوسروں کے گھر سے کھاتا ہے۔ آیا اس کو زکوٰۃ وفطرانہ دینا جائز ہے۔ مذکورہ رقم کے علاوہ اور کوئی جائداد وغیرہ نہیں ہے۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ایسے شخص کو زکوٰۃ وفطرانہ لینا جائز ہے۔ **کما قال فی الدر المختار علی ردالمحتار** ج ۲ /ص ۶۷ **(وابن السبیل وهو) کل (من له مال لا معه) ومنه مالو کان ماله مؤجلا او علی غائب او معسر او جاحد ولوله بنیة فی الاصح.** فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۹ صفر ۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۹ صفر ۱۳۸۷ھ

زکوٰۃ کی رقم سے مدرسہ تعمیر کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ہذا میں کہ زکوٰۃ کے روپیہ سے مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ اگر کی جا سکتی ہے تو کون سی صورت ہوگی۔ بینوا توجروا۔ مع دلائل تحریر فرمائیں۔

﴿ج﴾

زکوٰۃ تعمیر مسجد میں صرف نہیں ہوسکتی زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے۔ **لقوله تعالیٰ انما الصدقت للفقراء والمساکین الایه قال فی الدر المختار لا یصرف الی بناء نحو مسجد الخ.** واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ

صدقات واجبہ کو مدرسہ ومسجد میں خرچ کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زکوٰۃ، صدقہ، قیمت چرم قربانی مدرسہ میں لگ سکتا ہے یا نہیں اور صدقات غیر واجبہ کا کیا حکم ہے۔ نیز مسجد میں بھی ان صدقات کا خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

زکوٰۃ وتمام صدقات واجبہ کا مصرف فقراء ومساکین وغیرہ ہیں۔ دینی مدارس کے طلبہ بھی مصرف ہیں۔ مدرسہ میں صدقات واجبہ کو صرف کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے۔ صدقات واجبہ سے مدرسہ کے مکانات تعمیر کرنا یا مدرسین کی تنخواہیں ادا کرنا جائز نہیں۔ البتہ حیلہ تملیک کے بعد مدرسہ کی تمام ضروریات اس سے پوری کی جاسکتی ہیں۔

صدقات واجبہ مسجد میں بھی حیلہ تملیک کے بغیر خرچ کرنا جائز نہیں ۔صدقات غیر واجبہ ونفلی خیرات وغیرہ مسجد اور مدرسہ دونوں میں بلاحیلہ تملیک صرف کرنا درست ہے ۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۸ صفر ۱۳۹۳ھ

سکول میں پڑھنے والے مستحق بچوں پر عشر صرف کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ عشر کہاں کہاں مصرف میں آ سکتا ہے ۔نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ گورنمنٹ کے سکولوں میں جو طالب علم نہایت غریب اور یتیم زیر تعلیم ہوں ۔ان کی فیس، خوردونوش میں عشر صرف ہوسکتا ہے ۔یانہیں ۔یادرہے کہ گورنمنٹ نے کلام مجید بمطابق نصاب پڑھانے کے لیے تقسیم کیا ہوا ہے ۔جس کی تدریس سے بچے استفادہ کرتے رہتے ہیں ۔ایک قریبی زمیندار سے طلباء کی امداد کے بارے میں عرض کیا گیا ہے جس نے فتویٰ طلب فرمایا ہے ۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔واضح رہے کہ عشر کا مصرف بھی وہی ہے جو مال زکوٰۃ کا ہے ۔یعنی فقراء ومساکین جو صاحب نصاب نہ ہوں اور عاملین یعنی حکومت اسلامیہ کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والے لوگ اگرچہ مالدار ہوں ۔لہٰذا اسکولوں میں نادار بچوں پر بھی عشر لگ سکتا ہے ۔اگر وہ بالغ ہوں یا وہ نابالغ ہوں اور ان کے باپ بھی نادار ہوں تو ایسی صورت میں عشر ان پر لگ سکتا ہے ۔لیکن رشتہ دار ناداروں پر اور دینی علوم حاصل کرنے والے فقراء طلبہ پر خرچ کرنے میں دوہرا ثواب ہے ۔رشتہ داروں پر خرچ کرنے سے ایک تو عشر کی ادائیگی کا اور دوسرا صلہ رحمی کا ثواب ملتا ہے ۔طلبہ علوم دینیہ پر خرچ کرنے سے ایک تو عشر کی ادائیگی کا اور دوسرا اشاعت علوم دینیہ کا ثواب ملتا ہے ۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶ محرم ۱۳۸۷ھ

زکوٰۃ کی رقم سے کسی مستحق کو مکان تعمیر کر کے دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل سوال کے جواب میں ۔کہ زید اپنا زکوٰۃ کا روپیہ عمر کو دینا چاہتا ہے ۔تاکہ وہ اپنا مکان تعمیر کرالے ۔عمر زکوٰۃ لینے کا صحیح طور پر مستحق ہے کیا زید عمر کو مکان تعمیر کرا کے دے سکتا ہے ۔یا نقد

روپیہ عمر کے حوالے کرے اور اپنی نگرانی یا کسی اور شخص کی نگرانی میں مکان تعمیر کرائے کیا یہ درست ہے یا جو صورت صحیح ہو تحریر فرما کر ممنون فرمائیں ۔

محمد یعقوب چوک بازار ملتان شہر

﴿ج﴾

مندرجہ بالا دونوں صورتیں درست ہیں ۔پہلی صورت اس لیے کہ احناف کے نزدیک استبدال جائز ہے ۔درمختار میں ہے ۔وجاز دفع القیمة فی زکوة وعشر وخراج و فطرة ونذر الخ شامی میں لکھا ہے ۔وجاز دفع القیمة ای ولو مع وجود المنصوص علیه ص ۲۴ \ ج ۲ . پھر آگے چونکہ قبض زکوٰۃ میں شرط ہے تو اگر مکان زید نے عمر کی زمین پر تعمیر کرایا تو تمام قبض میں شبہ ہی نہیں ۔البتہ اگر زید کی زمین پر بنتا ۔تو اس میں تفصیل ہوتی ۔شامی مطبوعہ ایچ ایم سعید ص ۶۹۰ ج ۵ میں ہے ۔واعلم ان الضابط فی هذا المقام ان الموهوب اذا اتصل بملک الواهب اتصال خلقة وامکن فصله لا تجوز هبته الٰی اخر ما قال اور ھبہ اور صدقہ دونوں کا قبض میں ایک حکم ہے ۔لکھتے ہیں تمامها با لهبة کرهن و صدقة.

البتہ صورت ثانی سہل ہے ۔لیکن اس میں پھر عمر کا اختیار ہوگا ۔اگر وہ مکان نہ بنائے روپیہ کسی اور جگہ صرف کرلے تو زید کو دخل دینا جائز نہ ہوگا ۔اگر عمر کی مرضی یہی ہے تو بلاشبہ جائز اور سہل ترین صورت ہے ۔اس پر عمل کیا جائے ۔

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ عربیہ قاسم العلوم ملتان

سیّد حیلۂ تملیک کے بعد زکوٰۃ کی رقم سے اپنی ضرورت پوری کرسکتا ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء اسلام اس مسئلہ میں کہ ایک غریب مہاجر اور دائم المریض اہل وعیال والا اور نہایت کم آمدنی والے قرض دار سیّد کے متعلق کیا وہ سید طبقۂ امراء کے زکوٰۃ دینے والے اور صدقہ فطر اور قربانی کی کھالیں دینے والے لوگوں سے زکوٰۃ اور صدقہ فطر اور قربانی کی کھالیں لے کر اپنے قرضہ کی ادائیگی کرسکتا ہے ۔مزید کیا وہ اپنے گذر اوقات میں بھی زکوٰۃ، صدقہ فطر اور قربانی کی کھالیں لے کر لگا سکتا ہے ۔کسی معتبر اور مستند دینی کتاب اور فقہاء کے قول کا حوالہ دے کر مسئلہ کے جواب سے جلدی مطلع فرمائیں ۔

﴿ج﴾

نصوص شرعیہ روایات حدیثیہ وفقہیہ کی رو سے مطلقاً سید کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں لہٰذا صورت مسئلہ میں یہ سید زکوٰۃ نہیں لے سکتا تو کسی مسکین سے طے کرے کہ زکوٰۃ جو مجھے لوگ دیں وہ آپ کو ان سے دلواؤں گا اور آپ زکوٰۃ کی اس رقم سے مجھے اتنا حصہ دیں گے تو اس حیلہ سے مذکورہ سید زکوٰۃ کی اس رقم سے جو فقیر اسے دے اپنی ضروریات و حاجات پوری کر سکتا ہے۔ لیکن زکوٰۃ وہ خود نہیں لے سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احمد عفی عنہ نائب مفتی

کوئی امام اگر عشر و زکوٰۃ کو تنخواہ میں جائز سمجھے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ۔ چرم قربانی اور زکوٰۃ کی رقم براہ راست بلا تملیک امام مسجد یا مدرس مدرسہ کی تنخواہ پر صرف ہو سکتی ہے۔ اگر جائز ہے تو کیوں ہے۔ اگر کوئی مولوی صاحب اس کے جائز ہونے پر مصر ہو اور تنخواہ وصول بھی کر رہا ہو۔ تو اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟ نیز اس صورت میں صرف شدہ قربانی کی رقم اور زکوٰۃ کا کیا حکم ہے۔ کہ وہ ادا ہو جائے گی یا نہیں۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

زکوٰۃ، قیمت چرم قربانی اور تمام صدقات واجبہ میں تملیک فقراء بلا عوض شرط ہے۔ ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحة کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینه (درمختار علی ھامش رد المحتار باب المصرف۔ ج ۲/ص ۶۸)

معلم اگرچہ مسکین ہو تب بھی اسے تنخواہ میں زکوٰۃ کا مال دینا جائز نہیں۔

(قال فی الہدایۃ - ج ۱/ ۲۰۲) ولو نوی الزکوة بما یدفع المعلم الی الخلیفة ولم یستاجره ان کان الخلیفة بحال لو لم یدفعه یعلم الصبیان ایضاً اجزا والا فلا الخ.

اگر مولوی صاحب بلا حیلہ تملیک اس کے جواز پر مصر ہے تو اس کی امامت درست نہیں۔ اگر حیلہ تملیک کے بعد یہ رقم تنخواہ میں لیتے ہیں تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ ورنہ نہیں۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

سید کی غیر سیدہ بیوی کو زکوٰۃ دینا

﴿س﴾

گذارش ہے۔ بہت سے لوگوں سے سننے میں آیا ہے۔ کہ زکوٰۃ سادات پر جائز نہیں ہے۔ مگر ایک شخص جو کہ خود سید ہے۔ اور اس کی بیوی جو کہ غیر سید ہے، کا مکان گر گیا ہے۔ اگر اس کی مدد زکوٰۃ سے کی جائے تو جائز ہوگا۔

﴿ج﴾

اگر شخص مذکور کی بیوی سید نہیں ہے۔ تو اس کی بیوی کو زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

عشر فرض ہے یا واجب یا سنت، جو زمین آباء و اجداد سے موروثہ چلی آ رہی ہے وہ عشری ہوگی یا خراجی؟ ٹھیکہ یا آبیانہ وغیرہ دینے سے عشر ادا نہ ہوگا، عشر و زکوٰۃ کے کون لوگ مستحق ہیں مال زکوٰۃ کو رفاہ عام کے کاموں پر خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں۔ (۱) کہ عشر واجب ہے یا فرض یا سنت یا مستحب۔ (۲) ہمارے پاکستان کی زمینوں کا کیا حکم ہے۔ عشری ہیں یا خراجی۔ (۳) ہم اپنے آباؤ اجداد سے نسل در نسل وارث چلے آ رہے ہیں ہمیں اس کی حقیقت کا کوئی علم نہیں۔ ان کا کیا حکم ہے۔ (۴) حکومت ہم سے ٹھیکہ آبیانہ وصول کرتی ہے۔ کیا یہ عشر سمجھا جائے گا یا نہیں۔ کیونکہ اسلامی دور میں صرف ایک چیز عشر وصول کیا جاتا تھا۔ ٹھیکہ آبیانہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کی کیا حقیقت ہے۔ (۵) عشر اور زکوٰۃ کے مستحق لوگ کون ہیں اور کن مقامات پر خرچ کیا جائے گا۔ (۶) کیا عشر اور زکوٰۃ رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

(۱) عشر زمین کی پیداوار میں واجب ہے۔ پیداوار کم ہو یا زیادہ (لما فی الرد۔ ج ۲/ص ۶۶) یجب العشر فی ارض غیر الخراج الخ۔ بلا شرط نصاب و بلا شرط بقاء و حولان حول۔ (۲) غیر مسلموں کی مملوکہ زمینیں جو مسلمانوں کو دی گئی ہیں۔ ان کی پیداوار سے عشر ادا کرتے رہیں۔ احسن الفتاویٰ ص ۳۱۹۔ (۳) یہ

زمینیں بنا بر استصحاب حال عشری ہیں۔ امداد الفتاویٰ۔ (۴) ٹھیکہ آبیانہ میں وصول شدہ پیداوار عشر میں سے شمار نہیں ہوگی۔ (۵) فقراء ومساکین ہیں۔ اغنیاء اور سادات کو عشر دینے سے عشر ادا نہیں ہوتا۔ (۶) رفاہ عامہ کے کاموں میں عشر وزکوٰۃ کی رقوم صرف کرنے سے عشر اور زکوٰۃ ادا نہیں ہوتے۔ عشر اور زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے اور رفاہ عامہ کے کاموں میں جبکہ تملیک کا تحقق نہیں ہوتا۔ اس لیے ان کاموں میں استعمال شدہ عشر اور زکوٰۃ مالک کی طرف سے ادا نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحٰق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۶ جمادی الاخری ۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۷ جمادی الثانیہ ۱۳۹۶ھ

کسی کو خلع کی رقم ادا کرنے کے لیے زکوٰۃ دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص جو کہ پہلے سے مقروض ہے۔ اس سے اپنی بہن کا رشتہ کیا ہے۔ وٹا دے کر جبکہ دونوں کی شادی ہوگئی۔ فریق ثانی کی لڑکی اپنے گھر میں خوش ہے۔ مگر زید کی لڑکی کا خاوند بدمعاش اور چور ہے۔ جس کو گھر سے کوئی سروکار نہیں اور ایک آوارہ عورت سے تعلقات بنائے ہوئے ہیں۔ پہلی بیوی کا خرچہ نہیں دیتا۔ اب دوسری شادی کا ارادہ کر چکا ہے۔ زید کی لڑکی نے عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کیا ہے۔ مگر فریق ثانی چونکہ بدمعاش اور ذلیل لوگ تھے اس لیے اس نے پھر دوبارہ اس سے رجوع کیا۔ فریق ثانی نے فیصلہ کیا صرف ایک صورت پر رضامندی کا اظہار کر لیا کہ مبلغ تیس ہزار روپیہ دے کر طلاق لے سکتے ہو۔ ورنہ کالے بال سفید ہو جائیں گے۔ طلاق نہیں ملے گی۔ زید غریب آدمی ہے۔ اس نے ایک آدمی سے امداد طلب کی۔ وہ شخص زید کی امداد زکوٰۃ کے مال سے کرنا چاہتا ہے۔ آیا یہ زکوٰۃ کا مستحق ہے اور اس کے لیے یہ رقم زکوٰۃ میں لینا جائز ہے اور اس کو دینا جائز ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ یا نہیں۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

اگر یہ شخص صاحب نصاب اور سید نہیں تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز اور درست ہے۔ زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۲ جمادی الاخری ۱۳۹۵ھ

زکوٰۃ کی رقم کو مسجد کی تعمیر میں خرچنا
زکوٰۃ کی رقم سے تجارت کر کے منافع کو تقسیم کرنا

﴿س﴾

گذارش ہے کہ میں اپنی زکوٰۃ کی رقم کے استعمال کے متعلق شرعی طور پر معلوم کرنا چاہتا ہوں (۱) عرصہ کئی سال سے ہر سال اپنی رقم کی زکوٰۃ نکالتا رہا اور زکوٰۃ والی رقم کو اس نیت سے جمع کرتا رہا کہ جس مسجد کا میں منتظم ہوں اس میں بچوں کی تعلیم کے انتظام پر خرچ کر سکوں کئی سال کا عرصہ ہو گیا یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اس وجہ سے جو مسجد میں پیش امام ہے وہ بچوں کو تعلیم دینے پر تیار نہیں ہوتا جو تعلیم دینے پر تیار ہوتے ہیں تو وہ ڈیوٹی پر ٹکتے نہیں اور کسی وجہ سے چلے جاتے ہیں۔ (۲) کیا یہ رقم مسجد کی دوبارہ چھت بنوانے کے لیے استعمال کر لی جائے تو جائز ہے یا ناجائز۔ (۳) اس رقم کو کاروباری کام میں استعمال کیا جائے اس صورت میں کہ منافع یا نقصان پر دونوں چیزوں کی ذمہ داری پر ۲۵/۰ کے حصہ داری پر اس صورت میں استعمال کر لی جا سکتی ہے یا کہ نہیں۔

﴿ج﴾

زکوٰۃ میں تملیک فقراء شرط ہے مسجد وقف ہوتی ہے کسی کی ملکیت نہیں ہوتی اس لیے مسجد کی تعمیر پر زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں۔ زکوٰۃ کی رقم صرف جمع کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اسلیے ہر سال زکوٰۃ ادا کرتے وقت اس رقم کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی واجب ہے جو آپ نے زکوٰۃ کے ارادہ سے جمع کی ہے۔ زکوٰۃ کی رقم ادا کرنے سے پہلے آپ کی ملکیت ہے اور اس میں آپ تصرف کر سکتے ہیں اس کی مقدار زکوٰۃ ادا کرنا آپ کے ذمہ واجب ہے تجارت میں نہ لگائیں بلکہ بلا تاخیر یہ رقم مستحقین فقراء ومساکین کو ملک کر دیں تا کہ آپ کی زکوٰۃ ادا ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۳۰ شوال ۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۳۰ شوال ۱۳۹۵ھ

بوجہ مجبوری مال زکوٰۃ کو مدرسہ کی تعمیر پر خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک قطعہ زمین بمطابق جمع بندی مقبوضہ اہل اسلام کے نام درج ہے۔ تقریباً ۱۰۰ سو سال قبل اس قطعہ زمین پر قبریں تھیں۔ رفتہ رفتہ قبور منہدم ہوتی گئیں۔ پھر حکومت برطانیہ کے نہری نظام کے اجراء کے بعد اس قطعہ زمین سے نہر گزرنے لگی۔ تقریباً تیس ۳۰ بتیس ۳۲ سال قبل نہر کے پانی کا

گزر بند ہوگیا۔ مذکورہ قطعہ زمین میں سالہا سال کے تغیر وتبدل کی بنا پر بڑے بڑے گڑھے پڑ گئے اور قبروں کا نام ونشان تک نہ رہا۔ اہل اسلام اور خصوصاً ملتان کے مخیّر حضرات کی مالی امداد وتعاون سے مذکورہ قطعۂ زمین حسب ذیل تین حصوں میں تقسیم کرکے تعمیر کیا گیا۔

۱۔ مغربی حصہ (برائے مسجد وسجدگاہ پنجگانہ)

۲۔ درمیانی حصہ (برائے نماز جنازہ عام)

۳۔ مشرقی حصہ برلب سڑک (تین دوکانیں ایک مکان دوکان کی صورت میں اور اسی دوکان نما مکان کی چھت پر ایک چوبارہ برائے رہائش مولوی صاحب امام مسجد اور مشرقی حصہ میں مکان نما دوکان سے ملحق چبوترے کی صورت میں (مندرجہ بالا تینوں حصے پختہ نشانات سے تقسیم ہوئے ہیں)۔(۱) کیا معلم (جو امام مسجد بھی ہیں) کی تنخواہ یا اس کا کچھ حصہ زکوٰۃ کی آمدنی سے ادا کیا جاسکتا ہے۔(۲) کیا دوکانوں، مکان، چوبارہ اور رہائش گاہ طلباء کی مرمت پر زکوٰۃ کی آمدنی میں سے رقم خرچ کی جاسکتی ہے؟ (۳) کیا مدرسہ کے طلباء کی کثیر تعداد کے پیش نظر رہائش کی سہولت بہم پہنچانے کے لیے (چوبارہ سے ملحق، مشرقی حصہ میں چبوترے کی چھت پر ایک کمرہ تعمیر کرنے کے لیے زکوٰۃ کی رقم استعمال میں لائی جاسکتی ہے؟ جبکہ دوکانوں کے کرایہ اور متفرق آمدنی سے مندرجہ بالا اخراجات پورے نہ ہوسکیں۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ زکوٰۃ، عشر اور تمام صدقات واجبہ مثلاً صدقہ فطر، قیمت چرم قربانی وغیرہ بلا کسی معاوضہ تعلیم وغیرہ کے للہ مساکین اور غرباء کو دینا اوران کو مالک بنانا ضروری ہے۔ انما الصدقات للفقراء والمساکین الأیہ . ھدایہ. ج ۱/ص ۱۸۶) ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لااباحة (در المختار باب المصرف ص ۶۸\ج ۲)

اس سے آپ کے تمام سوالوں کا جواب ہوگیا کہ زکوٰۃ معلم کو تنخواہ میں دینا یا تعمیرات مدرسہ یا مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں اس لیے کہ تملیک متحقق نہیں۔ البتہ ایسے مصارف میں بوقت ضرورت حیلہ تملیک فقہاء نے جائز قرار دیا ہے۔ یعنی اول زکوٰۃ کسی فقیر غیر مالک نصاب کو تملیک کردی جائے۔ پھر اس کی طرف سے مدرسہ کے مصارف میں صرف کردی جائے۔ وحیلة التکفین بھا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد. (الدر المختار علی ھامش رد المحتار کتاب الزکوٰۃ ص ۱۳\ج ۲). فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۶ ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۶ ذوالقعدہ ۱۳۹۶ھ

اپنے غریب والدین کے ساتھ تعاون کروانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ میرے والدین بوڑھے اور مالی طور پر مفلس ہیں۔ میری ایک لڑکی بھی بچپن سے ان کی پرورش میں ہے۔ جس کے اب شادی کے اخراجات بھی ان کے ذمے ہیں۔ کیا ان حالات کے تحت میں کسی سے کہہ سکتا ہوں کہ میرے والدین کی زکوٰۃ سے مالی مدد کی جائے۔ میرا رہن سہن والدین سے الگ نہیں۔

﴿ج﴾

اگر آپ کے والدین مستحق زکوٰۃ ہیں اور مفلس ہیں تو ان کے لیے زکوٰۃ کی رقم سے تعاون کے لیے کسی کو ترغیب دینا جائز بلکہ کار خیر ہے۔ الدال علی الخیر کفاعله . اوراس میں کوئی قباحت نہیں۔ لقوله تعالی انما الصدقات للفقراء والمساکین الأیہ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ

کسی مدرس ومناظر کو کتب خریدنے کے لیے زکوٰۃ کی رقم دینا
جمعیت علماء اسلام یا جماعت اسلامی کے مذہبی لٹریچر پر زکوٰۃ خرچ کرنا
زکوٰۃ کی رقم سے دینی کتب خرید کر کسی کو دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص جس کا مشغلہ تدریس، تقریر، بحث وتمحیص ہے، وہ زکوٰۃ کی رقم حاصل کرکے دینی مذہبی کتب خریدتا رہتا ہے۔ جس کو وقتاً فوقتاً سٹیج یا بحث ومناظرہ میں لاتا بھی ہے۔ ایسے شخص کو زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے یا نہیں۔ (۲) جماعت اسلامی یا دیگر سیاسی ومذھبی جماعتیں جو زکوٰۃ کی رقم صرف اور صرف مذھبی لٹریچر پر خرچ کرتی ہیں۔ مثلاً (جمعیۃ علماء اسلام) وغیرہ ان کے فنڈ میں زکوٰۃ کی رقم کیسی ہے۔ ادا ہوئی یا نہیں۔ (۳) اگر زکوٰۃ دینے والا شخص اپنے ہاتھ سے مال زکوٰۃ خرچ کرکے دینی کتب خرید کر کسی عالم دین ومدرس مدارس عربیہ کو دے دے۔ تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

(۱) شخص مذکور اگر فقیر اور مستحق زکوٰۃ ہے اور یہ زکوٰۃ کی رقم اس کے ملک کردی گئی ہے۔ پھر اس نے یہ کتابیں

خریدی ہیں۔تو زکوٰۃ ادا ہوگئی ہے اور یہ کتب اسی کے ملک میں ہوں گی۔(۲) تملیک کے بغیر زکوٰۃ کی رقم مذہبی لٹریچر پر صرف کرنا جائز نہیں ہے۔(۳) اگر اس شخص کے ملک کر دیں۔تو درست ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۲ رمضان ۱۴۰۰ھ

عشر اور زکوٰۃ کو مدرسہ کی تعمیر ولاؤڈ اسپیکر پر خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید دینی درسگاہ کے لیے کمرہ، مکان یا لاؤڈ اسپیکر عشر یا زکوٰۃ میں سے تعمیر اور خرید سکتا ہے۔اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

﴿ج﴾

عشر، زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ میں تملیک فقراء ومساکین وغیرھم شرط ہے۔دینی درسگاہ کا کمرہ، مکان اور لاؤڈ اسپیکر وغیرہ اشیاء وقف ہوتی ہیں۔کسی کی ملکیت نہیں ہوتیں۔اس لیے زکوٰۃ، عشر وغیرہ سے ان اشیاء کا خریدنا جائز نہیں۔البتہ حیلہ تملیک کے بعد اس رقم سے ان اشیاء کا خریدنا جائز ہے۔ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحۃ (درمختار باب المصرف ص ۶۸ ج ۲)۔ ولا یجوز ان یبنی بالزکاۃ المسجد وکذا القناطیر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانھار والحج والجھاد وکل مالا تملیک فیہ (عالمگیری کتاب الزکاۃ الباب السابع فی المصارف) و حیلۃ التکفین بھا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد (درمختار کتاب الزکاۃ ص ۱۳\ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفر لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ اربیع الاول ۱۳۹۳ھ

کسی مبلغ دین کو کتابیں خرید کر دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر ایسے مستحق آدمی کو دی جاسکتی ہیں۔جو کہ مبلغ دین ہو اور غریب ہو۔کتابیں خریدنے کی طاقت اس میں نہ ہو۔لیکن دین کی تبلیغ کرتا ہے۔کیا زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر دے سکتے ہیں۔

﴿ج﴾

زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر مستحق زکوٰۃ کو ملک کر دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔یعنی تملیک شرط ہے۔

اگر مستحق زکوٰۃ کی ملک کرے۔اور اگر دیسے پڑھنے کے لیے عام اجازت دیدے۔تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ ومصرف الزکوۃ الخ . ھو فقیر وھو من لہ ادنی شیٔ ای دون نصاب الخ ص ۱۲۴\ج ۲. ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً (الدر المختار علی ھامش رد المحتار۔ج ۲/ص ۶۸ باب المصرف) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفر لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۲ رجب ۱۳۹۲ھ

زکوٰۃ خرچنے کے لیے جسے وکیل بنایا جائے وہ کہاں خرچ کرے؟

اوقاف مسجد کو امام کی ضروریات پر خرچنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں کہ کسی نے کسی کو روپیہ زکوٰۃ دیا۔تاکہ مستحق پر خرچ کیا جائے۔اب مثلاً وہ مستحق طلباء ہیں۔اب ان کو وقت بوقت ضرورت ہوئی تو اس روپیہ کو کسی نے اپنی ضرورت میں خرچ کر لیا۔اب وہ آدمی ان طلبہ کو اپنے سے ضرورت کے مطابق دیتا ہے۔کیا وہ زکوٰۃ ادا ہوگئی۔یا نہ؟ نیز اگر اہل محلہ غمی خوشی یا اور موقع پر مسجد کے لیے رقم وغیرہ دیتے ہوں اور مسجد پر خرچ کرنے کی ضرورت نہیں کہ کہیں خرچ ہو سکے اب اس روپے سے اہل محلہ امام مسجد کی ضرورت پوری کریں۔مثلاً، کپڑا، صابن وغیرہ دیں تو کیا جائز ہے یا نہ؟

﴿ج﴾

(۱) چونکہ عرف عام میں زکوٰۃ دینے والے کی جانب سے اس میں اجازۃ عام ہوتی ہے۔کہ وہ بعینہ وہی روپیہ دے یا اس کے بدلہ میں اور رقم زکوٰۃ میں دیدے۔اس لیے یہ جائز ہوگا۔اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔
(۲) دینے والے کی نیت کو دیکھا جائے گا۔اگر اس کی نیت عام ہے۔کہ مسجد کی ہر ضرورت نیز امام مسجد کی تنخواہ وغیرہ ضروریات میں صرف کرنا سب کے لیے ہے۔تو امام مسجد پر صرف کیا جاسکتا ہے۔ورنہ نہیں۔واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۶ رجب ۱۳۷۵ھ

عشر وزکوٰۃ سے مدرسین کی تنخواہ ادا کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ گاؤں میں مدرسہ تعلیم القرآن کا آغاز ہوا ہے۔مدرس کو عشر وزکوٰۃ سے تنخواہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿ج﴾

زکوٰۃ وعشر میں تملیک فقراء وغیرھم بلاعوض شرط ہے۔جیسا کہ آیت انما الصدقات للفقراء سے مستفاد ہے۔ اورحدیث توخذ من اغنیائھم وترد الی فقرائھم بھی اس کی دلیل ہے۔اوردرمختار میں ہے۔مصرف الزکوة والعشر الخ ھو فقیر وھو من له ادنی شئ ای دون نصاب الخ. (باب المصرف ص ۶۴\ج ۲) وفی الھندیه ولو نوی الزکوة بما یدفع المعلم الی الخلیفة ولم یستاجرہ ان کان الخلیفة بحال لو لم یدفعه یعلم الصبیان ایضاً اجزاہ والافلا الخ. (عالمگیریہ۔ج ۱/ص ۲۱۲) بہرحال جبکہ زکوٰۃ میں تملیک فقراء ضروری ہے۔اورصدقہ کا لفظ اس کو چاہتا ہے۔کہ بلاکسی معاوضہ کے ہو ورنہ صدقہ نہ رہے گا۔تو ملازمین ومدرسین کی تنخواہ میں دینا زکوٰۃ وعشر کا جائز نہ ہوا۔اور ایسے مصارف میں صرف کے لیے حیلہ تملیک ضروری ہے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔حیلہ تملیک یہ ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ اول کسی ایسے شخص کی ملک کر دیا جائے جو کہ مصرف زکوٰۃ ہو یعنی وہ شخص مالک نصاب نہ ہو۔پھر وہ شخص اس روپے کو اپنی ملک اور قبضہ میں لے کر غرض مذکورہ میں صرف کرنے کے لیے مہتمم مدرسہ کو صدقہ کر دے۔یا خود اس مصرف میں صرف کر دے۔وحیلة التکفین بھا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد (الدرالمختار علی ہامش ردالمختار کتاب الزکوٰۃ۔ج ۲/ص ۱۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۸ جمادی الاولی ۱۳۹۲ھ

مسجد کے چندہ سے امام کو تنخواہ دینا

مسجد کا چندہ مدرسہ میں اور مدرسہ کا مسجد میں خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں۔(۱) مدرسہ کے لیے چندہ، زکوٰۃ، عشر، چرم قربانی، صدقات حاصل کیے جاتے ہیں۔اس کا صحیح مصرف بتاکر ممنون فرمائیں۔(۲) مسجد کے چندہ میں سے امامت کی تنخواہ کے بارے میں تحریر کرنا اور یہ بھی تحریر کرنا کہ مسجد کے چندہ میں سے مدرسہ کی تعمیر میں رقم خرچ کر سکتے ہیں۔یا مدرسہ کے چندہ میں سے مسجد کی تعمیر میں خرچ کر سکتے ہیں۔وغیرہ۔

﴿ج﴾

(۱) زکوٰۃ، عشر، چرم قربانی یعنی تمام صدقات واجبہ میں تملیک فقراء بلاعوض کے شرط ہے۔ویشترط ان

یکون الصرف تملیکاً لا اباحة کما مر. درمختار ص ۱۲۸\ج ۲.

(۲) مدرسہ میں جو زکوٰۃ وغیرہ کا چندہ جمع ہوتا ہے۔وہ طلباء کے مصارف، خوراک وپوشاک وغیرہ میں صرف کرنا چاہیے۔تعمیرات اور تنخواہ مدرسین میں سے کسی مد میں زکوٰۃ ودیگر صدقات واجبہ کا روپیہ صرف نہیں ہو سکتا۔مگر اس حیلہ سے کہ وہ روپیہ کسی غیر صاحب نصاب کی ملک کر دیا جائے۔تاکہ زکوٰۃ ادا ہو جائے۔پھر وہ شخص اپنی طرف سے تعمیر مدرسہ میں صرف کر دے۔وحیلة التکفین بھا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد. درمختار کتاب الزکوٰۃ ص ۱۳\ج ۲.

امام مسجد کی ضروریات میں سے ہے۔اور مسجد کے چندہ سے امام کو تنخواہ دینا جائز ہے۔اگر مسجد اور مدرسہ دونوں کے فنڈ، حسابات، ذرائع آمدنی اور انتظامات علیحدہ علیحدہ ہیں۔تو ایک مد کے چندہ کو دوسرے مد میں صرف کرنا جائز نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ

اگر کوئی مستحق دائن سے مال زکوٰۃ وصول کر کے دوسرے غریب کی طرف سے قرض میں دائن کو واپس کرے تو کیا حکم ہے؟

﴿س﴾

زید بکر کے واسطہ سے عمرو کو بغرض تجارت کچھ رقم دیتا ہے۔مگر تجارت میں ایسا خسارہ ہوتا ہے۔کہ عمرو کے پاس کچھ رقم نہیں رہتی۔بلکہ وہ اپنے گزارہ سے بھی عاجز آجاتا ہے۔اور دوسری طرف عمرو زکوٰۃ وغیرہ کی رقوم بھی لینا گوارہ نہیں کرتا۔اب پیسے کی وصولی کی کوئی صورت بظاہر نظر نہیں آتی ہے۔تو کیا اب یہ صورت ہو سکتی ہے کہ زید زکوٰۃ کی رقم وغیرہ جمع کر کے کسی مستحق زکوٰۃ کو دیدے اور پھر وہ عمرو کی جانب سے اس کے حوالہ سے زید کو ادا کر سکتا ہے یا اس کی کوئی اور دوسری صورت جائز ممکن ہے۔بینوا توجروا

﴿ج﴾

اگر زید کسی مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ تملیک کر دے۔اور وہ شخص از خود عمرو کا قرضہ ادا کر دے تو عمرو کے ذمہ سے قرضہ ساقط ہو جائے گا۔اور زید کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶ جمادی الاولی ۱۳۹۴ھ

طلبہ کا مالِ زکوٰۃ کو مسجد میں خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید چند طلباء کو زکوٰۃ دیتا ہے اور طلباء زکوٰۃ قبول کرنے کے بعد مسجد کی تعمیر کے لیے وقف کر دیتے ہیں زکوٰۃ دینے والے اور لینے والے کے مابین کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہے۔ از روئے شرع کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں بتقدیر صحت واقعہ۔ طلباء کو زکوٰۃ قبول کر لینے کے بعد مسجد کی تعمیر کے لیے وقف کرنا جائز ہوگا۔ جبکہ آپس میں معاہدہ نہ ہوا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد کریم عفا اللہ عنہ دارالافتاء مدرسہ عربیہ قاسم العلوم ملتان ۹ ذوالقعدہ ۱۳۹۲ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ

مال زکوٰۃ تملیک کے بعد کسی جماعت کی ضروریات میں صرف کرنا

﴿س﴾

جمعیت علماء اسلام کے قائد حضرت مولانا مفتی محمود صاحب شیخ الحدیث مدرسہ قاسم العلوم و مفتی اعظم پاکستان اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب امیر کل پاکستان جمعیۃ علماء اسلام کی ایک اپیل ہفت روزہ ترجمان اسلام میں زکوٰۃ عشر وغیرہ کے سلسلہ میں شائع ہوئی ہے یہ رقم بلا تملیک اشاعت اسلام۔ تنظیم جماعت اور دوسرے دینی کاموں پر خرچ کی جا سکتی ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام کی اپیل پر زکوٰۃ جماعت کو دینا فرض ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

زکوٰۃ عشر وغیرہ صدقات واجبہ میں تملیک فقراء شرط ہے۔ اگر تملیک کر دیا جائے تو جماعت کی تمام ضروریات میں صرف کرنا جائز ہے۔ کوئی شبہ نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

زکوٰۃ کو رفاہ عام کے کسی ادارہ میں صرف کرنا

زکوٰۃ کی رقم کو بیت المال میں جمع کر کے پھر وہاں سے قرضہ لینا

﴿س﴾

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اگر کوئی جماعت خدمت خلق کا شعبہ قائم کرے اور غرباء، مساکین، مریضوں اور مسافروں کی امداد کے لیے فنڈ قائم کرے۔ تو کیا وہ جماعت زکوٰۃ کی رقم بلا تملیک خرچ کر سکتی ہے۔ (۲) اور اگر زکوٰۃ کی رقم کو بعد تملیک کے ایک بیت المال میں جمع کر لیا جائے اور اسی بیت المال سے قرضے (قرض حسنہ) کے طور پر دیے جائیں۔ تو کیا یہ صورت جائز ہوگی؟

﴿ج﴾

زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ میں تملیک فقیر غیر سید بلا عوض ضروری ہے۔ یعنی مالک بنانا ایسے شخص کو جو مالک نصاب نہ ہو لازم ہے۔ مصرف الزكوة الخ هو فقير وهو من له ادنى شئ اى دون نصاب (درمختار علی هامش ردالمحتار باب المصرف ص ۱۲۴ ج ۲) ويشترط ان يكون الصرف تمليكاً (ایضا ج ۲ /ص ۲۸) پس اگر شعبہ خدمت خلق غرباء مساکین نادار مریضوں اور مسافروں (جو سفر میں تنگ دست ہوں) کی امداد کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ تو ان مصارف میں بلا حیلہ تملیک زکوٰۃ کا صرف کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ خود مصارف زکوٰۃ ہیں۔ لیکن ملازمین شعبہ خدمت خلق اور واعظین کی تنخواہ میں زکوٰۃ دینا یا اس شعبہ کے مختلف اخراجات میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا جائز نہیں اور اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ اس میں بہت احتیاط کرنی چاہیے۔ زکوٰۃ کا مال خاص محتاجوں کی ملک میں بلا کسی معاوضہ کے جانا چاہیے۔ البتہ تملیک کے بعد زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ شعبہ خدمت خلق کے مختلف اخراجات میں خرچ کرنا جائز ہے۔ حیلہ میں قانونی اور اصولی بات طے ہو جاتی ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کا مصرف فقیر ہے۔ وہ اسے مل گئی۔ اب وہ بحیثیت مالک ہونے کے جو چاہے کر سکتا ہے۔ حيلة التكفين بها التصدق على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذا فى تعمير المسجد (ردالمحتار کتاب الزکوۃ۔ ج ۲/ص ۱۳) یہ الگ بات ہے کہ حیلہ خواہ مخواہ کرنا مناسب نہیں۔ اس لیے کہ زکوٰۃ کے مصارف متعین ہیں۔ حیلہ کے بعد جو اصل مستحقین ہیں وہ عملاً محروم رہ جاتے ہیں۔ اس لیے حیلہ کی صورت انتہائی مجبوری میں اختیار کرنی چاہیے۔

تملیک مستحق کے بعد اس سے قرض لینا درست ہے۔ جبکہ قرض میں ضیاع کا خطرہ نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۵ جمادی الاخری ۱۳۹۲ھ

مال زکوٰۃ کو دینی جلسہ، طلبہ کے وظیفہ، کتب وغیرہ پر خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کسی دینی ادارہ میں مدز کوٰت کی رقم یا دیگر اشیاء عشر وغیرہ ادارہ کے تعمیری کام، کتب خانہ، وظیفہ طلباء، تنخواہ مدرسین میں کس طور پر صرف کی جائے۔ نیز ادارہ کی طرف سے کوئی تبلیغی جلسہ کرایا جائے۔ تو اس جلسہ پر مدز کوٰۃ کی رقم کس طرح صرف کی جائے۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

زکوٰۃ، فطرانہ، قیمت چرم قربانی الغرض تمام صدقات واجبہ میں تملیک فقراء بلاعوض شرط ہے۔ طلبہ کو وظیفہ میں دینا درست ہے۔ تعمیرات، تنخواہ مدرسین، انتظامات جلسہ اور کتب خرید کر مدرسہ پر صرف کرنا ناجائز ہے۔ البتہ حیلہ تملیک کے بعد ان جملہ مصارف میں خرچ کرنا جائز ہے۔ حیلہ تملیک یہ ہے کہ اول زکوٰۃ کی رقم کسی مستحق زکوٰۃ کو تملیک کر دی جائے۔ پھر وہ مدرسہ میں بطور چندہ دیدے۔ تو پھر مدرسہ کے تمام ضروریات میں صرف کر سکتے ہیں۔ تملیک کا احسن طریقہ یہ ہے کہ اول کوئی مسکین کسی سے قرض لے کر چندہ میں دیدے۔ پھر صدقہ دینے والا اپنی رقم اس کو بہ تملیک حقیقی دیدے۔ پھر وہ مسکین اس رقم سے اپنا قرض ادا کر دے۔ تو اس طریقہ سے حیلہ کا بھی ارتکاب کرنا نہیں پڑتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۵ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ

دینی مدارس میں صدقات واجبہ خرچ کرنے کی مفصل صورت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ماہ رجب، ماہ رمضان اور ذی الحجہ کے مہینوں میں عموماً مختلف دینی مدارس کے معلم، ناظم یا سفیر حضرات آتے ہیں اور زکوٰۃ، فطرانہ اور کھالیں وغیرہ طلب کرتے ہیں۔ عموماً مشاہدہ میں آیا ہے کہ دینی مدارس دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں۔ جن میں باقاعدہ حساب وکتاب رکھا جاتا ہے۔ زکوٰۃ، کھالیں اور فطرہ سے غریب طلباء ومساکین کی رہائش، خوراک، کتب اور لباس کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ چندہ اور ہدیہ وغیرہ کو مدرسین کی تنخواہوں مدرسہ اور مساجد وغیرہ میں صرف کیا جاتا ہے۔ دونوں کی الگ الگ مدیں ہوتی ہیں۔ یہ تو بالکل صحیح مصرف ہوا۔ دوسرا درجہ ان مقامی مدارس کا ہے۔ جن میں محلّہ کے تیس، چالیس بچے اکٹھے کیے اور ان کو حفظ وناظرہ شروع کرایا۔ نہ کتب کا بندوبست نہ خوراک ولباس کا جھگڑا بلکہ بچوں سے بطور فیس اور

جمعرات کے نام پر بھی کچھ وصول کر لیا جاتا ہے۔ یہ حضرات بھی ان مدرسوں کے نام سے اور مدرسین کی تنخواہوں کے لیے زکوٰۃ، کھالیں اور فطرہ وصول کرتے ہیں۔ کچھ ذرا ہوشیار قسم کے لوگوں نے حیلہ کا سہارا لے رکھا ہے۔ کچھ حضرات حیلہ کے بغیر ہی زکوٰۃ وغیرہ مدرسین کی تنخواہوں میں صرف کر دیتے ہیں۔ (عموماً یہ حضرات خود ہی معلم اور خود ہی وصول کنندہ ہوتے ہیں)۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ نمبر اول کے مدارس میں تو زکوٰۃ وغیرہ کی صحیح تملیک ہو جاتی ہے۔ اور مصرف میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ درجہ دوم کے مدارس محل غور ہیں۔ اس لیے کہ زکوٰۃ، فطرانہ اور کھالیں غرباء ومساکین کا حق ہے۔ حیلہ کے لیے تملیک صحیحہ کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ میں مرقوم ہے۔ تملیک کے لیے یہ حضرات پہلے سے آدمی مقرر کر لیتے ہیں۔ اور اسے کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ رقم مدرسہ کو واپس کرنا ہوگی۔ اسے رقم واپس کرنا پڑتی ہے اور وہ اپنی ضرورت میں خرچ کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ کیونکہ ادھر دیا ادھر لیا خود ہی معلم صاحب نے معقول تنخواہ لینے کے باوجود اپنے آپ پر ہی حیلہ تملیک کر کے ناظم کے رقم حوالہ کی اور معقول مشاہرہ وصول کرنا شروع کر دیا۔

دریافت طلب یہ امور ہیں۔ (۱) کیا اس طرح پہلے سے مقرر کردہ شخص کے ساتھ حیلہ کیا جائے۔ (۲) کیا اس طرح تملیک صحیح ہو جائے گی۔ (۳) صحیح حیلہ کی تعریف کیا ہے۔ (۴) اس طرح سے زکوٰۃ وغیرہ ادا ہو جائے گی یا دوبارہ ادا کرنا پڑے گی۔ (۵) وصول کنندہ پر کوئی بار ہوگا یا نہیں۔ (۶) کیا اس طرح حیلہ کر کے باپ بیٹوں کو اور خاوند بیوی کو بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ (۷) کیا آپ کے مدرسہ میں بھی اس طرح حیلہ کیا جاتا ہے۔

﴿ج﴾

تمام صدقات واجبہ مثلاً زکوٰۃ، عشر، صدقہ فطر، قیمت چرم قربانی وغیرہ میں تملیک فقراء ومساکین وغیرہ شر[ط] ہے۔ بغیر تملیک فقراء بلاعوض زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ مثلاً تنخواہوں میں کسی مدرس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ کیونکہ زکوٰۃ میں بغیر عوض کے تملیک فقراء شرط ہے۔ ایک اصولی بات سمجھ لیں کہ جس مدرسہ میں یا مکتب میں صدقات واجبہ کی رقوم براہ راست مستحقین زکوٰۃ طلبہ پر صرف کرتے ہوں یا حیلہ تملیک کر کے وہ رقوم طلبہ و تنخو[اہ] مدرسین وضروریات مدرسہ پر صرف کرتے ہوں۔ تو ایسے مدرسہ میں زکوٰۃ، فطرانہ وغیرہ دینے سے وہ شخص بر[ی] الذمہ ہو جاتا ہے۔ اور زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اور جس مدرسہ میں نہ طلبہ پر صرف ہوتا ہو اور نہ حیلہ تملیک کیا جاتا ہو ا[س] میں زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ اس میں مدرسہ کے چھوٹے بڑے ہونے کا دخل نہیں بلکہ دار ومدار تملیک پر ہے۔

حیلہ تملیک یہ ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ کسی ایسے شخص کو ملک کر دیا جائے جو کہ مالک نصاب نہ ہو۔ پھر وہ شخص وہی رقم مدرسہ میں دیدے۔ تو اس کی طرف سے مدرسہ کے جملہ ضروریات میں صرف کر دی جائے۔ وحیلة التكفين بها التصدق على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما و كذا في تعمير المسجد (ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ ۔ ج ۲/ ص ۱۳)

یہ حیلہ فقہاء نے لکھا ہے اور شرعاً جائز ہے۔ اور یہ امور جن کو آپ نے لکھا ہے۔ مانع اس حیلہ سے نہیں یعنی باوجود ان جملہ خیالات کے یہ حیلہ صحیح ہے اور اس حیلہ کا اصل یہ ہے کہ قانونی اور اصولی بات طے ہو جاتی ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کا مصرف فقیر ہے وہ اسے مل گئی۔ اب وہ بحیثیت مالک ہونے کے جو چاہے کر سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حیلہ خواہ مخواہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس لیے کہ زکوٰۃ کے مصارف متعین ہیں۔ حیلہ کے بعد جو اصل مستحقین ہیں۔ وہ عملاً محروم رہ جاتے ہیں۔ اس لیے حیلہ کی صورت انتہائی مجبوری میں اختیار کرنی چاہیے۔ تملیک کا احسن طریقہ یہ ہے کہ اول کوئی مسکین کسی سے قرض لے کر چندہ میں دیدے۔ پھر صدقہ دینے والا اپنی رقم اس کو بہ تملیک حقیقی دیدے۔ پھر وہ مسکین اس رقم سے اپنا قرض ادا کر دے۔ تو اس طریقہ سے حیلہ کا بھی ارتکاب نہیں کرنا پڑتا۔

مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں اس وقت زکوٰۃ وغیرہ صرف کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ جو طالب علم مدرسہ سے قیام، طعام وغیرہ سہولتیں حاصل کرتا ہے۔ اس سے یک صد روپیہ ماہوار فیس لی جاتی ہے۔ چنانچہ ہر مہینے کے آخر میں ہر طالب العلم کو یک صد روپیہ زکوٰۃ کے فنڈ سے بطور ملک دیے جاتے ہیں۔ اور طالب علم وہ زکوٰۃ وصول کر کے اس سے مدرسہ کی فیس ادا کرتے ہیں۔ اور اہلِ مدرسہ انھیں فیسوں سے طلبہ کے قیام طعام اور تنخواہوں کے اخراجات پورے کرتے ہیں۔ اس طرح زکوٰۃ اپنے مصرف میں لگ جاتی ہے اور تملیک بھی طلبہ خود کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ

درج ذیل شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید کے چچا عمر نے تقریباً ۶۰۰۰ روپیہ مختلف لوگوں کا قرض دینا ہے۔ اور عمر کی حالت یہ ہے کہ وہ ایک آٹا کی چکی ملکیت رکھتا ہے۔ اور اس انجن کو آج ہی فروخت کیا جائے تو انجن کا حصہ اس کا تقریباً ۳۰۰۰ روپیہ ضرور ہے اور پھر بھی ۳۰۰۰ ہزار روپیہ کا قرضدار ہے۔ عمر کے پاس ایک دوکان خالی جس میں کوئی سودا سلف وغیرہ نہیں ہے۔ عمر کا ایک کنال رقبہ ہے۔ جس میں وہ خود رہائش پذیر ہے۔ اور اس کا ایک اور مکان ہے اور آج سے قبل پانچ سال وہ ایک تاجر آدمی تھا۔ اور اب کوئی ایسا راستہ نظر نہیں آتا۔ جس سے

وہ نکل کر اپنا قرض دے سکے۔ اور اپنے چار بیٹوں اور بیوی کا پیٹ بھر سکے۔ انجن کا یہ حساب ہے کہ شام تک پندرہ تا تیس روپیہ بکری ہو جاتی ہے۔ مگر انجن بھرانے کی صورت میں صرف اپنے بیٹوں کا پیٹ بھر کر بقایا رقم خود انجن ہی کھا جاتا ہے۔ یعنی انجن پر خرچہ ہو جاتا ہے۔ اس انجن کی بچت صرف یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کا پیٹ بھر سکتا ہے۔ انجن کا تیل وغیرہ اور باقی کوئی حساب نہیں ہے کہ انجن کا پرزہ خراب ہو جاتا ہے۔ کیا زید اپنے چچا عمر کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ یا اس کے باقی لواحقین اور رشتہ دار اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں۔ اور عمر کس سے زکوٰۃ لے سکتا ہے اور اس پر زکوٰۃ صرف ہو سکتی ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

اگر عمر کے پاس اتنی مالیت نہیں کہ اس سے قرض ادا کرنے کے بعد اس کے پاس بقدر نصاب بچے تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ یعنی اگر قرض ادا کرنے کے بعد ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر اس کے پاس رقم نہیں بچتی تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶ شوال ۱۳۹۲ھ

صورت مسئولہ میں بحالت مذکورہ عمر زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

والجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی رقم سے مسجد، عیدگاہ، مدرسہ تینوں کے لیے لاؤڈ اسپیکر خریدنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مدرسہ تعلیم القرآن عیدگاہ میں واقع ہے اور شہر کی مسجد کے سرپرست حضرات کے زیر اہتمام ہے۔ مدرسہ، عیدگاہ اور مسجد تینوں کے استعمال کے لیے ایک ہی لاؤڈ اسپیکر خریدا جائے تو اس مصرف میں زکوٰۃ، چرمہائے قربانی، خیرات وصدقات وغیرہ کی رقوم کے استعمال کا طریقہ کیا ہے۔

﴿ج﴾

زکوٰۃ، قیمت چرم قربانی وغیرہ صدقات واجبہ کا مصرف فقراء ومساکین وغیرہ ہیں۔ اس لیے اس رقم سے لاؤڈ اسپیکر خریدنا جائز نہیں۔ البتہ حیلہ تملیک کے بعد اس رقم سے لاؤڈ اسپیکر خریدنا جائز ہے۔ جواز کی صورت یہ ہے کہ اول کسی غریب شخص کو جو سید نہ ہو۔ زکوٰۃ دی جائے اور اس کو مالک بنایا جائے۔ پھر وہ اپنی طرف سے مندرجہ بالا مقاصد کے استعمال کے لیے لاؤڈ اسپیکر خریدنے کے لیے رقم دیدے۔ کما في الدر المختار

وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما . وکذا فی تعمیر المسجد ص ۱۳ ج ۲ . فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۵ ذوالحجہ ۱۳۹۲ھ

رفاہ عام کی متعدد خدمات سرانجام دینے والی انجمن کو عشر وزکوٰۃ دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین۔ (۱) زکوٰۃ کے متعلق میں نے جناب ابوالکلام آزاد صاحب مرحوم ومغفور کے افکار سے یہ مستنبط کیا کہ اجماعی زکوٰۃ خاصہ درجہ رکھتی ہے۔ یعنی زکوٰۃ کا مال ایک جماعت کے سپرد کر کے جماعت کا صدر یا امیر اس کو رفاہ عام کے کاموں میں صرف کرے۔ اب اس کے متعلق عرض ہے کہ ہمارے گاؤں گل امام میں ایک دیہات سدھار یعنی اپنی مدد آپ کے ماتحت ایک کمیٹی جو کہ اہلیان موضع کے چناؤ پر بنائی گئی ہے جس کا مقصد رفاہ عام کے کاموں کی تجویز اور اس پر عمل کرنا ہے۔ رفاہ عام میں زراعت کو ترقی دینا، تعلیم، صحت وصفائی، سڑکیں اور پل، آب نوشی اور آب پاشی کے ذرائع کو درست کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اب اگر ایسے کاموں میں زکوٰۃ یا عشر زمین کا مال خرچ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کمیٹی کے ماتحت اہلیان دینہ نے چندہ جمع کیا ہے اور کچھ امداد حکومت کی طرف سے بھی ملیگی وہ تمام رقم مجلس شوریٰ کے مشورے سے صرف ہوگی۔ لہٰذا اس کے بارے میں شرعی فیصلہ فرما کر مشکور فرمائیں فقط۔

العارض ماسٹر محب اللہ خان گل امام تحصیل ٹانک

﴿ج﴾

زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے بغیر تملیک کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اس لیے یہ کمیٹی مصرف زکوٰۃ نہیں ہے۔ عشر کا بھی یہی حکم ہے البتہ اگر نفلی صدقہ اس میں صرف کیا جائے تو ٹھیک ہے اس کا ثواب بھی ہوگا درمختار ج ۲ ص ۶۸ میں ہے۔ ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحة کما مرّ ولا یصرف الی بناء نحو مسجد قال الشامی قوله نحو مسجد. کبناء القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانهار والحج والجهاد وکل مالا تملیک فیه . (شامی جلد ۲ صفحہ ۶۸)

عبدالرحمن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۳ رجب ۱۳۷۹ھ

زکوٰۃ وعشر کی رقم سے مدرسہ کے طلبہ کے لیے نہر پر پل تعمیر کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ شہر اور مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن کے درمیان ایک نہر واقع ہے۔ بچوں کو آنے جانے کے لیے زبردست تکلیف ہوتی ہے۔ نہر کی گہرائی بھی کافی ہے۔ کسی جان کے تلف ہونے کا اندیشہ بھی رہتا ہے۔ اس لیے نہر ہذا پر گزرگاہ کے لیے ایک چھوٹا پل بنوانا مقصود ہے مگر اہل علاقہ کوئی خاص دلچسپی نہیں لیتے۔ اس صورت میں کیا ہم زکوٰۃ وعشر وغیرہ اکٹھا کر کے پل پر خرچ کر کے تعمیر کرا سکتے ہیں؟

﴿ج﴾

زکوٰۃ کے روپے ودیگر صدقات واجبہ سے پل تعمیر کرنا درست نہیں۔ کیونکہ زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ میں تملیک فقراء شرط ہے بدون مالک بنانے فقراء کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ وشرط صحة ادائها نیة مقارنة له ای للاداء الخ. ولا یخرج عن العهدة بالعزل بل بالاداء للفقراء ص ۱۱ ج ۲ (الی ان قال) ومصرف الزکوة الخ هو فقیر وهو من له ادنی شئ ای دون نصاب الخ ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً (درمختار باب المصرف کتاب الزکوٰۃ ص ۶۸ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

زکوٰۃ کے متفرق مسائل

کیا نائی ترکھان وغیرہ کا حصہ عشر نکالنے سے پہلے دینا جائز ہے

سامان تجارت اور سونا چاندی، زیورات کی زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل میں کہ ایک آدمی کاشتکاری کرتا ہے۔ اس کے کمی ہیں پانچ ایک لوہار، ایک نائی، ایک کمہار، ایک درکھان، ایک موچی، جب ڈھیری تیار ہوتی ہے تو ان کمیوں کا حق دینا پڑتا ہے۔ کمہار کنویں کے واسطے لوٹے دیتا ہے اور درکھان کنویں کو بناتا ہے اور لوہار درانتی گندم کاٹنے کے لیے دیتا اور چیزیں بھی دیتا ہے۔ اور موچی اس آدمی کی جوتیاں بناتا ہے اور نائی اس کی حجامت کرتا ہے۔ اور ڈھیری پر ان کا حق نکال کر عشر نکالا جائے یا پہلے سب ڈھیری کا عشر نکال کر پھر خرچ نکالے۔

ایک دوکاندار اپنے سامان کا حساب کرتا ہے۔ زکوٰۃ نکالنے کے لیے اور حساب کرتا ہے۔ جس طرح سامان خریدا ہے۔ پرچون و کپڑا اور زکوٰۃ دیتے وقت سائل کو ضرورت ہے۔ کپڑا یا پرچون کے سودے کی یہ بھی فرمائیے کہ سائل کی ضرورت اور مرضی کے مطابق دے یا زکوٰۃ دینے والا اپنی مرضی کے مطابق دے کپڑا دے یا اور سودے یا پیسے اور سودے و کپڑا دے تو اس کا نرخ کس طرح لگائے جس طرح بیچ رہا ہے۔ اور بازار کا بھاؤ ہے یا جس طرح چیزیں خریدی ہیں ایک شخص زیورات کی زکوٰۃ نکالتا ہے۔ اس کے پاس نئی چاندی کے زیورات بھی ہیں اور پرانی کے بھی اور نئے سونے کے بھی ہیں اور پرانے کے بھی نئے پرانے کا سوال یہ ہے۔ کوئی چیز تھوڑے عرصہ کی تیار ہوئی ہے۔ کوئی چیز مدت کی تیار شدہ ہے۔ اب ان کا بھاؤ بھی برابر نہیں۔ فرمائیں کہ دونوں کا بھاؤ لگایا جائے یا پرانی کا الگ۔ نئی کا الگ۔

سائل عبدالرحمٰن میانوی

﴿ج﴾

جتنا غلہ ڈھیری کا ہے۔ سب کا عشر نکالنا فرض ہے۔ (۲) مال کا حساب بازار کے بھاؤ سے ہوگا نہ اس کے خریدنے کا اعتبار ہے اور نہ اس کے بیچنے کا۔ بازاری قیمت لگائی جائے گی۔ یہ اس کی مرضی ہے کہ نقد دے، یا کپڑا

نیز جو کپڑا وہ چاہے۔ وہی دے سکتا ہے۔ البتہ اچھا ہے۔ کہ وہ چیز دے جس سے مسکین کا کام اچھا نکل سکے۔ چاندی میں نئی اور پرانی کا کوئی فرق نہیں۔ طریقہ یہ ہے کہ چاندی ہر قسم کی جو ملکیت میں ہو۔ اس کو وزن کر کے اس کے وزن کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں وزن کے حساب سے دیا جائے۔ اس میں بناوٹ کا حساب نہیں لگایا جائے گا۔ اس کے چالیسویں کے بدلے میں آجکل کے جو روپیہ بنتے ہیں۔ یا دوسرا کوئی مال ادا کر دے۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲ جمادی الاخری ۱۳۷۷ھ

جس شخص کے پاس بندوق ہو ہل چلانے کے لیے بیل ہوں کیا اس پر صدقۂ فطر واجب ہے؟

جس شخص کے پاس چند بکریاں ہوں یا ضرورت کے بیل کیا اس پر قربانی واجب ہوگی؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ صدقہ الفطر کا نصاب کیا ہے۔ اور کتنی ملکیت ضروری ہے نیز اگر ایک شخص کے پاس بندوق یا زیورات وغیرہ موجود ہیں۔ یا چند بکریاں یا ہل چلانے کے لیے بیل وغیرہ موجود ہیں۔ آیا اس شخص پر صدقۃ الفطر واجب ہے یا نہیں۔ (۲) نیز قربانی کے لیے نصاب کیا ہے۔ اگر ایک شخص کے پاس کچھ غیر آباد زمین موجود ہے۔ مگر اس سے فائدہ زراعۃ وغیرہ نہیں اٹھا رہا ہے اور بیل ہل چلانے کے لیے موجود ہیں۔ نیز چند بکریاں جو کہ سالانہ اخراجات سے فارغ ہیں۔ ان اشیاء پر قربانی واجب ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ کو تفصیل سے بیان کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔ فقط

﴿ج﴾

جو مسلمان اتنا مالدار ہو کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو۔ یا اس پر زکوٰۃ تو واجب نہیں لیکن ضروری اسباب سے زائد اتنی قیمت کا مال اسباب ہے۔ جتنی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت کی مقدار مال ہو۔ تو اس پر عید کے دن صدقہ دینا واجب ہے۔ چاہے وہ سوداگری کا مال ہو یا سوداگری کا نہ ہو۔ اور چاہے سال پورا ہو چکا ہو یا نہ گزرا ہو۔ بندوق، دودھ کے لیے چند بکریاں، ہل چلانے کے لیے چند بیل اسباب ضروریہ اور حوائج اصلیہ میں سے ہیں۔ ان کے نصاب کا اعتبار نہیں۔ البتہ زیورات نصاب میں شمار کیے جائیں گے۔ اور جس پر صدقہ فطر واجب ہو اس پر اضحیہ بھی واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

غریب مدرس کو عشر وقربانی کی کھالیں دینے
فطرانہ کی رقم کنواں نلکا پر خرچ کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ۔(۱) کہ ایک بستی میں ایک حافظ قرآن نے آکر درس شروع کر دیا۔ اس کی کوئی جائیداد نہیں بالکل غریب ہے۔اس کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔اور نہ اس کی کوئی تنخواہ مقرر ہے۔ اس نے اپنا ذریعہ معاش یہ بنایا ہے کہ وہ بستی والوں سے ہر فصل پر عشر لیتا ہے۔اور اس سے اپنا گزارہ چلاتا ہے۔ اور اپنی ضروریات پر خرچ کرتا ہے۔تو کیا اس کے لیے یہ جائز ہے یا نہ۔(۲) قربانی کی کھالیں جو لوگ دیتے ہیں تو کیا ان کی رقم حافظ صاحب اپنی ضروریات پر خرچ کر سکتا ہے یا نہیں۔(۳) فطرانہ کی رقم کنواں، نلکا یا عمارت مدرسہ کی تعمیر پر خرچ ہو سکتی ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

(۱۔۲) حافظ قرآن جبکہ صاحب نصاب نہیں اور اس کے لیے تنخواہ بھی مقرر نہیں۔تو اس کو زکوٰۃ،عشر،فطرانہ اور قیمت چرم قربانی دینا جائز ہے۔(۳) فطرانہ کی رقم میں تملیک فقراء شرط ہے۔مدرسہ یا مسجد کی تعمیرات میں خرچ کرنا جائز نہیں۔اس طرح تمام صدقات واجبہ میں تملیک فقراء ضروری ہے۔بغیر تملیک فقراء تعمیرات میں صرف کرنا جائز نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۰ ذوالحجہ ۱۳۹۶ھ

کیا علماء کے لیے ایسی تنخواہ حلال ہے جس کی وجہ سے اظہار حق نہ کر سکیں؟
کیا ریٹ کے اتار چڑھاؤ سے سونا، چاندی کے نصاب پر اثر نہیں پڑتا

﴿س﴾

ایک خاندانی بادشاہ کلمہ گو مذہباً رافضی مسلک کا ہے یہ امر بہتر جانتا ہے۔اس کے ملک میں قانون اسلامی جاری نہیں ہے۔اس نے علماء کی تنخواہیں مقرر کر رکھی ہیں۔دوسرے غرباء کی بھی اعانت کرتا ہے۔اس کی غرض علماء کی زبان بندی ہے۔تاکہ حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ نہ کریں۔تو کیا علماء کو تنخواہ لینا جائز ہے۔یا حرام ہے۔(۲) نصاب چاندی کی رقم ہر ایک ملک کے سکہ کے نرخ کے لحاظ سے متفاوت ہے۔

﴿ج﴾

(۱) جس آدمی کو اپنے پر اعتماد ہو کہ اس کے تنخواہ خوار ہونے کی وجہ سے حق پہنچانے اور اس کو صحیح بات کہنے میں کسی طرح پر کمی نہیں آئے گی۔وہ تنخواہ لے سکتا ہے۔(۲) نصاب چاندی کا ساڑھے باون تولہ ہے اور نصاب سونے کا ساڑھے سات تولہ ہے۔نرخ کے متفاوت ہونے سے نصاب پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۱ رمضان ۱۳۹۶ھ

عشر زمین کی کل پیداوار سے ادا کیا جائے، کیا عشر وزکوٰۃ کی شرائط میں کچھ فرق ہے؟
سالانہ خرچ سے کم پیداوار میں عشر کا حکم تکلیف مالا یطاق ہے یا نہیں؟
سفر میں وسط شہر کا نہیں بلکہ حدود شہر کا اعتبار ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زمین کا عشر جو کچھ زمین سے پیداوار نکلے اس تمام پیداوار سے نکالا جائے یا گھر کا سالانہ خرچہ نکال کر باقی ماندہ پیداوار سے نکالا جائے۔فقہ حنفی کے مطابق مدلل وضاحت فرمائی جائے۔ایک شخص عشر کو زکوٰۃ پر قیاس کر کے کہتا ہے۔کہ جیسے زکوٰۃ میں گھر کا خرچہ وضع کرنا ہوتا ہے اور باقی بچت سے زکوٰۃ نکالی جاتی ہے۔عشر زمین میں بھی ایسا ہو کہ گھر کا خرچہ نکال کر باقی ماندہ پیداوار سے عشر نکالا جائے۔کیا مذکورہ شخص کا یہ قیاس درست ہے۔یا غلط۔(۲) کیا زکوٰۃ وعشر برابر ہیں۔یا ان کے شرائط وجوب میں کوئی فرق ہے۔(۳) مذکورہ بالا شخص کہتا ہے۔اگر ایک شخص کا سالانہ خرچ پچیس من گندم ہے۔اور زمین سے بیس من گندم کی پیداوار ہوتی ہے۔اگر وہ شخص اپنے گھر کا خرچ نہ وضع کرے۔اور ساری پیداوار سے عشر نکالے تو یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔جو کہ شرعاً نامناسب ہے۔کیا یہ کہنا درست ہے اور تکلیف مالا یطاق میں شامل ہے۔(۴) لودھراں شہر سے سفر فاصلہ ملتان شہر تک ۴۸ میل ہے۔یعنی ملتان شہر کے وسط تک۔لیکن ملتان شہر کی کمیٹی کی حدود شہر سے تقریباً سات میل تک لودھراں کی جانب ہے۔اب حدود کمیٹی شہر کی وجہ سے سفر ۴۸ میل کے بجائے ۴۱ میل ہوتا ہے۔کیا نماز قصر پڑھی جائے۔یا پوری نماز پڑھیں۔کیا وسط شہر کا اعتبار ہے یا ملتان کی حدود کمیٹی کا۔نماز کا کس چیز پر دار ومدار ہے۔فقط۔بینوا توجروا

﴿ج﴾

(۱تا۳) گھر کا سالانہ خرچہ وضع کیے بغیر کل پیداوار میں عشر واجب ہے۔قال فی شرح التنویر بلا رفع مؤن ای کلف الزرع وبلا اخراج البذر لتصریحھم بالعشر فی کل الخارج (ردالمحتار ج ۲/ ۵۶) عشر کو زکوٰۃ پر قیاس کرنا درست نہیں۔وجوب عشر کے لیے کوئی لازمی شرط نہیں۔نہ حولان حول شرط ہے۔جبکہ زکوٰۃ میں نصاب اور حولان حول بھی شرط ہے۔تکلیف مالا یطاق تب ہوتی کہ بغیر پیداوار یعنی زمین سے کچھ حاصل کیے بغیر عشر واجب ہوتا۔صورت مسئولہ میں اتمام واجب ہے۔قصر جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۹ جمادی الاخری ۱۳۹۵ھ

رائج الوقت نوٹوں میں زکوٰۃ کس اعتبار سے دی جائے
نوٹ جب مال کی رسید ہے تو اس سے زکوٰۃ کیونکر ادا ہو سکتی ہے؟
اوقاف پر زکوٰۃ کیسے خرچ کی جائے؟ سفیروں کو اجرت دینے کی کیا صورت ہے؟
متولی اوقاف اگر کرایہ کم وصول کرے تو مجرم کون ہوگا؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں۔(۱) مروجہ صورت حال میں نوٹوں پر وجوب زکوٰۃ کس اعتبار سے ہے۔(۲) ان کے ذریعہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا کسی خاص طریق کی ضرورت ہے۔اگر ضرورت طریق خاص کی ہے تو اس کے اعتبار اور اس پر عمل سے قبل مزکی سے زکوٰۃ ساقط ہوگی یا نہ۔(۳) اوقاف یا اجرۃ عمل میں صرف زکوٰۃ کی کیا صورت محقق ہے اور اس صورت پر عمل بغیر اگر اوقاف اور بدل العمل میں صرف زکوٰۃ ادا کی جائے تو یہ ادا موجب اسقاط عن المزکی ہوگی یا نہ۔اگر نہ ہو تو وکیل عن المزکی مجرم ہوگا یا نہ۔(۴) سفیروں کو اگر اجرت بطور حصہ دیجائے جیسا کہ ربع وغیرہ یا وصولی غلہ میں بلحاظ قیمت کوئی حصہ دیدیا جائے تو جائز ہے یا نہ اگر نہ پھر کیا طریق اجرت ہوگا۔(۵) اگر متولی اوقاف آمدنی اوقاف میں کمی کرلے مثلاً اراضی اوقاف کا یقینی کرایہ ماہواری پچاس یا ساٹھ روپیہ مل سکتا ہو مگر وہ رعایۃً کسی سے ۲۹ روپیہ ماہواری کرلیا کرے تو بصورت ہذا متولی یا کرایہ دار پر کمی کا ضمان ہوگا یا نہ امید ہے کہ مفتی حضرات حسبۃ للہ تعالیٰ عبارات محققہ غیر محتملۃ التاویلات والحیل کے ذریعہ ہر ایک کے جواب کو مبرھن اور مبین فرمائیں گے۔ کہ ناظرین کے لیے طریق ہدا۔۔ ہو۔

﴿ج﴾

(۱) نوٹ درحقیقت رسید ہے اس دین کا جو صاحب نوٹ کا سرکاری خزانہ کے ذمہ واجب الادا ہوتا ہے اور دین پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔اس لیے صاحب نوٹ پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ولو کان الدین علی مقر ملیئ الخ (درمختار ص ۱۰ ج ۲)

(۲) جب حسب تقریر بالا نوٹ خود مال نہیں۔بلکہ رسید ہے تو نوٹ کے تملیک کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔لیکن چونکہ مزکی نے جس فقیر کو نوٹ زکوٰۃ میں دیے ہیں درحقیقت اس کو مسلط علی التصرف کر دیا ہے۔اب جب فقیر مذکور نائب اور وکیل کی حیثیت سے اس سے کوئی عین خرید لے اور اس کو قبض کرلے تو اس عین کے قبض کرنے سے اس مزکی کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اگر عین کو ان نوٹوں کے بدلے نہ خریدا۔بلکہ اس کو قرضہ میں دیدیا یا کرایہ دار کو دیدیا یا ان سے بذریعہ اجارہ منافع خریدے۔تو زکوٰۃ مزکی کی ادا نہ ہوگی۔(۳) زکوٰۃ میں تملیک فقراء وغیرہم مصارف زکوٰۃ پر ضروری ہے۔ جب تک کسی مصرف زکوٰۃ کو تملیک نہ کرائی ہو۔زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔وقف پر صرف کرنا یا اجرت عمل میں دینا صحیح نہیں اگر بہت ضرورت پڑے۔تو حیلہ اس طریقہ سے کیا جائے کہ مہتمم مدرسہ کسی فقیر کو از خود قرض دے دے۔یا اس کو امر کرے کہ کسی سے قرض لیکر مدرسہ کے فنڈ میں بطور خیرات داخل کرے پھر مہتمم مدرسہ بطور وکیل من المزکی وہ رقم زکوٰۃ اس فقیر کو بطور زکوٰۃ ادا کرے۔تاکہ فقیر اس سے اپنا قرض وصول کرے۔اس صورت میں جو رقم زکوٰۃ فقیر کو دی گئی وہ قطعاً اس کو دی گئی۔لہٰذا حیلہ مستحسنہ یہ ہے۔اگر مہتمم مدرسہ جو ادا ء زکوٰۃ میں مزکی کا وکیل ہے۔مزکی کی وکالت کو قبول بھی کرتا ہے۔اور اس کو اطمینان دلاتا ہے کہ تمہاری زکوٰۃ ادا کردی جائے گی اور پھر ادا نہ کی تو یقیناً گنہگار ہوگا اور اس شخص کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا ہوگی۔

(۴) سفیر اجیر ہے اور اجرت پہلے متعین ہو جاتی ہے کہ اتنے کام کے بدلہ میں اتنے روپے ماہوار سالانہ دی جائے گی۔مذکورہ صورت میں دو ۲ وجہ سے جواز نہیں ہے ایک تو اس لیے کہ اجرت مجہول یا معدوم ہے اگر بالفرض چندہ نہ ہوا تو اجرت معدوم ہے اور اگر ہوا تو جب کل چندہ معلوم نہیں۔کہ کتنا ہوگا نہ اس کا جزء شائع یعنی نصف یا ربع وغیرہ بھی مجہول ہوگا۔تبعاً للکل ولان الاجر مجہول او معدوم وکل ذلک مفسدۃ. دوسری وجہ ہے کہ یہ قفیز الطحان کے معنی میں ہے۔حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قفیز الطحان سے منع فرمایا ہے یعنی ایسی اجرت جو عمل اجیر سے نکلتی ہے لینا جائز نہیں۔لانہ جعل الاجر بعض ما یخرج من عملہ فیصیر فی معنی قفیز الطحان وقد نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ھدایہ) کتاب الاجارہ (۵) یہ جائز نہیں ہے۔اگر متولی نے کسی کو کم اجرت پر مکان موقوف دیدیا۔تو مستاجر پر لازم ہے کہ وہ اجر مثل کو پورا کرے اور گذشتہ کا حساب بھی مطابق اجر مثل اس سے لیا جائے۔

(والموقوف اذا اجرہ المتولی لزم المستاجر المتولی کما غلط فیہ بعضھم تمامۃ

ای تمام اجر المثل ای من قال وعلیه تسلیم زود السنین الماضیه الخ) لیکن اگر مکان کی بناہی اس لیے ہوئی کہ یہاں متعلقین مدرسہ مثلاً طلبہ وملازمین ومدرسین سکونت کریں تو ان کے لیے بغیر اجرت بھی رہنا اس مکان میں جائز ہے یہ سکونت طریق وقف کے مطابق ہے امید ہے کہ بالاجمال سب سوالات مندرجہ کا جواب ہوگیا۔ واللہ اعلم وھو المرجع والماب وما توفیقی الا باللہ

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

پاکستانی زمینوں میں وجوب عشر کے دلائل کیا ہیں؟' عشر کن لوگوں پر واجب ہے؟
سالانہ خرچ کو زمین کی پیداوار سے منہا کرنا جائز نہیں' کیا فاسق کو عشر وغیرہ دینا جائز ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ملک پاکستان میں عشر غلہ واجب ہے یا کہ نہیں۔ اگر واجب ہے تو اس کی کیا صورت ہے۔ اگر نہیں تو اس کے کیا دلائل ہیں۔ (۱) صورت اول میں کیا عشر ہم پر واجب ہے یا کہ نہیں۔ (۲) کون کون سے لوگ ہیں جن پر عشر واجب ہے۔ مثلاً ایک بڑا زمیندار ہے۔ جس کے پاس سینکڑہ من غلہ ہوتا ہے۔ (۳) مثلاً ایک شخص کا خرچہ سالانہ ۵۰ من غلہ ہے۔ کیا اس کی مجموعی آمدنی پر عشر واجب ہے خرچ کے بغیر۔ (۴) بارانی اور لگان والی زمین میں کچھ فرق ہے یا کہ نہیں اگر ہے تو کیسے۔ (۵) کون کون سے لوگوں پر عشر خرچ کیا جائے۔ کیا فاسق آدمی کو عشر یا کوئی فطرانہ یا چرم قربانی یا اور قسم کا دوسرا صدقہ فرض یا نفلی سے امداد شرعاً دینا جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو کس صورت سے۔ اگر نا جائز ہے تو اس کی دلیل کیا ہے۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (۱) ملک پاکستان میں عشری زمینوں پر عشر غلہ واجب ہے۔ ہر اس شخص پر واجب ہے۔ جس کی مملوکہ عشری زمین ہو۔ اور اس سے اس کو فصل آجائے تو اس فصل کا عشر اس کے ذمہ ادا کرنا واجب ہے۔ (۲۔۳) خواہ بڑا زمین دار ہو یا چھوٹا اس کی عشری زمین سے جو فصل آجائے اس کا عشر دینا واجب ہے۔ سالانہ اخراجات وغیرہ اس سے نہ لگائے جائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے۔ ما انبتته الارض العشر وفی الکنز بلا شرط نصاب. (۴) بارانی اور لگان والی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہر دونوں پر عشر واجب ہے۔ ہاں جو بارانی یا پانی سے از قسم وادیوں وغیرہ سے سیراب کیا جائے۔ تو اس کی فصل پر دسواں حصہ واجب ہے۔ اور اگر زمین رہٹ کنویں یا قیمۃً خرید شدہ پانی سے سیراب کی گئی ہے۔ تو اس کی کل فصل میں بیسواں حصہ دینا واجب ہے۔ (۵) مندرجہ ذیل لوگوں پر عشر خرچ کیا جاتا ہے۔ (۱) فقیر۔ (۱) مسکین۔ (۳) عامل۔ (جو

حکومت اسلامیہ کی طرف سے زکوٰۃ کے وصول پر مقرر ہو)۔ (۴) مقروض فقیر۔ (۵) بوجہ فقر کے غازیوں کے پیچھے رہنے والے شخص۔ (۶) جس کے پاس مال نصاب نہ ہو۔ فاسق اگر مسکین اور فقیر ہو۔ تو اس پر صدقات واجبہ اور نفلیہ دونوں خرچ ہو سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۹ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ

تجارتی سامان کی زکوٰۃ کس طرح دی جائے؟' گھریلو سامان برتن، زیورات وغیرہ کی زکوٰۃ کا حکم
زرعی زمین میں عشر کس طرح دیا جائے؟' زرعی کاموں کے لیے رکھے ہوئے جانوروں کی زکوٰۃ کا حکم
کیا جانوروں کے دودھ اور اون پر بھی زکوٰۃ واجب ہے؟
کیا زکوٰۃ کے لینے یا دینے کے لیے کوئی خاص وقت مقرر ہے؟

﴿س﴾

زکوٰۃ کے متعلق مندرجہ ذیل چیزوں کے لیے مشورہ سے مستفید فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔ (۱) تجارتی سامان پر زکوٰۃ کس حساب سے دینی چاہیے۔ (۲) گھریلو سامان مثلاً زیورات و کپڑا اور برتن وغیرہ میں کس کس چیز پر زکوٰۃ دینی لازمی ہے۔ اور کس حساب سے۔ (۳) زرعی زمین کی پیداوار پر کس حساب سے زکوٰۃ دینی ہے۔ زرعی پیداوار بعض مرتبہ ایک زمین میں سال میں تین مرتبہ ہوتی ہے۔ (۴) زرعی کام کے لیے پالے جانے والے جانور مثلاً بیل بھینس، گائے، اونٹ، بھیڑ اور بکری وغیرہ کی زکوٰۃ کس حساب سے نکالی جائے۔ (۵) کیا جانوروں کے دودھ اور اون پر بھی زکوٰۃ واجب ہے اگر ہے تو کس حساب سے۔ (۶) زکوٰۃ نکالنے اور دینے کے لیے کوئی خاص مہینہ مقرر ہے یا کسی وقت بھی نکالی جاسکتی ہے۔ کب ضروری ہے۔ زکوٰۃ کا پیسہ تھوڑا تھوڑا زائد آدمیوں میں تقسیم کیا جائے۔ اگر کسی ضرورت مند ایک ہی شخص کو دیدی جائے تو کوئی حرج تو نہیں ہے۔ (۷) اہم مسائل سے متعلق اگر کوئی واضح کتاب آئی ہو تو اس کا نام بھی تحریر فرمائیں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (۱) جتنا مال ہے۔ اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا واجب ہے۔ یعنی سو روپے میں ڈھائی روپے اور چالیس روپے میں ایک روپیہ۔ (۲) سونے چاندی کے زیور اور برتن جو مقدار نصاب

ساڑھے سات تولہ سونا اور ساڑھے باون تولے چاندی کو پہنچتی ہو۔ سب میں زکوٰۃ (یعنی چالیسواں حصہ) واجب ہے۔ چاہے استعمال میں لائے یا نہ لائے۔ گھریلو ظروف مستعملہ اور کپڑے حاجت اصلیہ میں داخل ہیں ان میں زکوٰۃ نہیں۔ (۳) زرعی زمین اگر بارانی ہے۔ تو اس میں عشر (۱/۱۰) ہے۔ اور آب پاشی چاہ و تالاب میں نصف عشر (۱/۲۰) اور جس زمین کی آبپاشی دونوں طرح ہو۔ تو اس میں غالب کا اعتبار ہے۔ اور اگر دونوں برابر ہوں تو نصف پیداوار میں عشر اور نصف میں نصف عشر (یعنی کل پیداوار کا ۴۰/۳ واجب ہوگا) سال میں جتنی مرتبہ بھی پیداوار ہو جائے ہر دفع مذکورہ طریقہ پر عشر واجب ہے۔ (۴) زرعی کام مثلاً بار برداری یا سواری یا کاشتکاری کے لیے پالنے والے جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں اسی طرح بھیڑ بکری اگر نصاب سے کم ہوں اور دودھ و گوشت کے استعمال کے لیے ہو۔ تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں اور اگر سائمہ ہو۔ یعنی اکثر سال مثلاً چھ ۶ ماہ سے بھی زیادہ جنگل میں مفت کے گھاس پر اکتفا کرتی ہیں اور قیمت کا چارہ گھر کھڑے ہو کر نہ کھاتی ہوں۔ اور نصاب بھی پورا ہو جائے۔ یعنی ۴۰ ہو جائیں تو زکوٰۃ ان کی واجب ہے۔ (۵) دودھ اون وغیرہ اگر اپنے استعمال کے لیے ہوں۔ تو ان میں زکوٰۃ نہیں۔ اور اگر فروخت کر لیا تو ان سے جو آمدنی ہوگی اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (۶) (ا) زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کوئی خاص مہینہ یا وقت مقرر نہیں جس وقت بھی دیدے جائز ہے۔ لیکن بہتر ہے کہ سال گزرنے کے بعد فوراً زکوٰۃ ادا کر دے نیک کام میں دیر لگانا اچھا نہیں۔ شاید اچانک موت آ جائے۔ اور یہ مؤاخذہ اپنی گردن پر رہ جائے۔ (ب) اختیار ہے۔ تھوڑا تھوڑا کر کے کئی غریبوں کو دیدے یا ایک ہی کو سب دیدے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ ایک غریب کو کم از کم اتنا دیدے کہ اسی دن کے لیے کافی ہو جائے۔ کسی اور سے مانگنا نہ پڑے۔ البتہ ایک ہی فقیر کو اتنا مال دیدینا جتنے مال کے ہونے سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ مکروہ ہے۔ لیکن اگر دیدیا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ (ج) زکوٰۃ دینے کے وقت زکوٰۃ کا نام لینا اور بتلانا ضروری نہیں۔ بلکہ دینے کے وقت صرف دل میں زکوٰۃ کی نیت کرنا یا زکوٰۃ کا مال علیحدہ کرنے کے وقت یہ نیت کرنا کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے کافی ہے۔ (د) روزمرہ پیش آنے والے مسائل کے لیے مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی کتاب بہشتی زیور کا مطالعہ کیجیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الاجوبۃ کلہا صحیحۃ۔ محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۲ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ

زمین پر لی گئی اجرت کی رقم میں زکوٰۃ دی جائے گی یا عشر؟' زمین کی اجرت میں لی گئی گندم کا عشر مالک پر ہوگا یا مزارع پر؟' بٹائی پر دی گئی زمین کے عشر کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ۔ (۱) کہ ایک شخص نے اپنی زمین دس بیگھے پانچ ہزار روپیہ سالانہ متاجری پر دی ہے۔ کیا ان پانچ ہزار پر عشر ہوگا۔ یا سال گزرنے کے بعد باقی نقدی پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (۲) ایک شخص نے اپنی زمین دس بیگھہ پچاس ۵۰ من گندم سالانہ پر متاجری میں دی ہے۔ اب اس پچاس من گندم کا عشر کس پر واجب ہے۔ متاجر پر یا مالک پر۔ (۳) ایک شخص نے اپنی زمین دس بیگھہ مزارعت پر زید کو دی ہے۔ بشرح بٹائی ثلث یعنی دو حصے مزارع کے اور ایک حصہ مالک کا۔ اب زمین کی پیداوار سو من گندم ہوئی ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ عشر زمین مالک زمین پر ہے یا حصہ کے لحاظ سے ہر دو پر۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

(۱) مبلغ پانچ ہزار روپیہ پر زکوٰۃ آئیگی۔ اس پر عشر نہیں ہے۔

(۲) مالک پر ہے۔

(۳) مزارعت کی صورت میں مزارع اور مالک ہر ایک اپنے اپنے حصہ سے عشر ادا کرے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۶ جمادی الاخری ۱۳۹۶ھ

خاک شفاء کی شرعی حیثیت' پاکستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟ کیا گندم پسائی والی مشین پر زکوٰۃ واجب ہے؟' نقد زکوٰۃ کی جگہ چاول و گندم دینا کیا گھر میں رکھی ہوئی گندم پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی؟

﴿س﴾

علماء دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل سوالوں میں کیا فرماتے ہیں۔ (۱) حاجی حضرات خاک شفاء جو عرب سے لاتے ہیں۔ اس کا کھانا جائز ہے یا نہ۔ بینوا بنقل الکتاب۔ (۲) ہمارے ملک کی زمینیں خراجی ہیں یا

عشری اور جو محصول حکومت لیتی ہے (یعنی ٹھیکہ) یہ عشر میں داخل ہو سکتا ہے یا عشر علیحدہ نکالا جائے۔ (۳) کیا مشینری میں (یعنی کسی آدمی کے پاس گندم پسائی اور کپاس وغیرہ کے کئی انجن ہوں تو ان میں) زکوٰۃ واجب ہے یا نہ اگر واجب نہیں تو کیوں کیا یہ تجارت کا سامان نہیں۔ (۴) ایک شخص کے پاس سونے چاندی کے زیورات ہیں۔ اور کچھ نقدی وغیرہ بھی ہے اور وہ زکوٰۃ میں بجائے نقد خرچ کرنے کے فقراء کو گندم یا چاول یا کپڑے تقسیم کر دیتا ہے۔ کیا زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہ۔ (۵) ایک شخص کے پاس اپنی پیداوار کی گندم کئی سو من موجود ہے جو زمینداروں کے پاس ہوتی ہے۔ وہ اب فروخت بھی کر رہا ہے۔ تو کیا جو گھر میں اپنی گندم بچی ہوئی ہے۔ اس میں بھی زکوٰۃ ہے یا نہ۔

سائل غلام فرید موضع شہر سلطان ضلع مظفر گڑھ

﴿ج﴾

(۱) خاک شفاء سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے۔ لیکن اس کا کھانا بوجہ مضر ہونے کے جائز نہیں۔

(۲) ہماری زمینیں مختلف قسم کی ہیں۔ تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ بہر حال حکومت کے مالیہ اور لگان سے عشر کا کوئی تعلق نہیں۔

(۳) زکوٰۃ واجب نہیں۔ تجارت کا سامان وہ ہوتا ہے جو بغرض فروخت خریدا جائے۔ مشین کی ذات فروخت نہیں ہوتی۔ اس لیے اسے سامان تجارت نہیں کہا جا سکتا۔ باقی اس کا منافع جو آتا ہے۔ اگر اس پر سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۴) زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

(۵) گھر میں بچی ہوئی گندم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ خواہ اس پر سال سے زیادہ عرصہ گزر جائے یہ بھی بغرض تجارت نہیں خریدی گئی۔ اس لیے سامانِ تجارت نہیں۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶ رمضان ۱۳۷۷ھ

فصل فروخت کرنے کی صورت میں عشر بائع پر ہوگا یا مشتری پر؟

قریشی خاندان والوں کو زکوٰۃ دینا

سونا، چاندی ملا کر اگر چاندی کا نصاب پورا ہو جائے تو زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں۔ (۱) کہ عشری زمین یعنی پیداوار زمین جب مالک کھڑی پیداوار فروخت کر دے۔ آیا عشر مالک ادا کرے یا مشتری کو ادا کرنا ہوگا۔ احادیث و اقوال ائمہ کے حوالہ

سے وضاحت فرمائیں۔ (۲) قریشی خاندان جس کا تعلق یعنی شجرہ نسب خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہو۔ آیا بصورت مستحق مسکین فقیر مسافر وغیرہ مال زکوٰۃ لے سکتے ہیں یا نہیں۔ اسی طرح کوئی غریب سید زادہ جب کہ تعلیم حاصل کر رہا ہو۔ شعبہ زکوٰۃ میں سے اس پر بھی خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

(۳) ایک عورت جس کے زیور کی مالیت کل مجموعی یعنی نقدی وطلائی نصاب نقدی کو پہنچتا ہے۔ مگر چاندی صرف اس کے پاس ایک یا دو تولہ ہے۔ مگر طلائی صرف ایک دو تولہ ہے۔ جب کہ قیمت چھ سات سو روپیہ تولہ کے درمیان میں ہے۔ اس حساب سے نصاب چاندی کا تو بن جاتا ہے۔ مگر سونے کا نصاب نہیں بنتا۔ آیا اس حساب سے اسے زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی یا نہیں۔

﴿ج﴾

(۱) وفی العالمگیریۃ ج ۱/ص ۱۹۹ واذا باع الارض العشریۃ وفیہا زرع قد ادرک مع زرعہا او باع الزرع خاصۃ فعشرہ علی البائع. روایت بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اس پیداوار کا عشر مالک پر ہے۔

(۲) جن قریشیوں کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہو۔ اگر وہ زکوٰۃ کا مصرف ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ البتہ سادات کو یعنی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحارثؓ کی اولاد اور ابو طالب کی اولاد یعنی حضرت علی۔ وجعفر، عقیل رضی اللہ عنہم اور ان کی اولادوں کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے۔ کما فی الشامیۃ ج ۲/ص ۲۷ ولا الی بنی ہاشم. اعلم ان عبد مناف وھو الاب الرابع للنبی علیہ السلام اعقب اربعۃ وھم ھاشم والمطلب ونوفل وعبد شمس الی قولہ تصرف الزکوۃ الی اولاد کل اذا کانوا مسلمین فقراء الا اولاد عباس و حارث واولاد ابی طالب من علی و جعفر و عقیل قہستانی.

(۳) عورت مذکورہ صاحب نصاب ہے۔ اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۶ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ

بنوھاشم کوزکوٰۃ دینا' مزدورکومزدوری میں جوبیسواں حصہ فصل ملتی ہےاس کاعشرکس پرہوگا؟ مزارعت سے حاصل شدہ غلہ کاعشرکس پرہوگا؟' عاریۃً بوئی ہوئی زمین کےعُشر کاحکم

کسی کوزکوٰۃ دیتے وقت زکوٰۃ کابتادیناضروری نہیں

عشردینے کے بعداگرغلہ پرسال گزرجائےتوکیاحکم ہے؟' حقہ پیناجائزہےیامکروہ؟

﴿س﴾

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات بادلائل عنایت فرمائیں۔ (۱) بنی ہاشم سیدکوزکوٰۃ دیناجائزہےیانہیں اگرچہ وہ غریب بھی ہونہ کوئی تنخواہ اسے دی جاتی ہواور ہوبھی پیش امام سوائے زکوٰۃ کےکوئی اور ذریعہ آمدنی نہ رکھتا ہو۔اورپیش امام مشکل سے ملتا ہو۔ یہاں کے قضاۃ ومفتیین توجواز کافتویٰ دیتے ہیں۔کیایہ قابل قبول ہے جواب کتاب اللہ،حدیث اورفقہ سے ہو۔

(۲) مزدورکی کٹائی سے کمائی ہوئی گندم وغیرہ کی زکوٰۃ مالک زمین پرہےیامزدورپر۔ ہمارے علاقہ میں مزدوربیسواں حصہ لیتاہے۔

(۳) مزارعت سے حاصل کردہ غلہ (جومزارع کےحصہ میں آئے) کی زکوٰۃ مالک زمین پرہےیامزارع پر۔

(۴) ایک مسکین کوکسی نے زمین دےدی اس طرح کہ اس کوآبادکرکےاس کی تمام آمدنی آپکی ہو۔تواس صورت میں غلہ کی زکوٰۃ مالک اصلی پرہےیااس مسکین پر۔

(۵) فقیرکوزکوٰۃ دیتے وقت بتاناضروری ہےکہ یہ زکوٰۃ کامال ہےیانہیں۔

(۶) غلہ کاعشراداکرکےدوسرےسال کےگذرنےپرکیااس کاعشردیاجائےگایازکوٰۃ (یعنی چالیسواں حصہ) یاکچھ بھی نہ دیاجائے۔

(۷) حقہ پینے کاکیاحکم ہے۔علامہ شامیؒ نے جوازاورمباح کاکلام کیاہے۔ ہمارے ضلع چاغی کےعلماء نےاس بارے میں اختلاف کیاہے۔

حررہ الفقیر الی اللہ نورمحمدٹیٹھ وبابی اسٹیشن نوشکی ضلع چاغی

﴿ج﴾

(۱) ظاہرروایت احناف میں بنی ہاشم کوزکوٰۃ دیناجائزنہیں ہے۔خواہ پیش امام ہی کیوں نہ ہو۔امام ابوحنیفہؒ

سے جوشاذروایت جواز کی ہےوہ مفتی بہ نہیں ہے۔امام طحاوی کی طرف جومنسوب ہےکہ انھوں نےجواز کاحکم دیا ہےوہ صحیح نہیں ہے۔دیکھیے شرح معانی الاثارللطحاوی اورفتح الملہم بحث الزکوٰۃ۔

(۲) مزدورجوفصل کٹائی کی محنت میں بیسواں حصہ لیتاہےاس کاعشربھی زمیندارادا کرےگا۔مزدورکےذمہ نہیں ہے۔

(۳) علی القول المفتی بہ ہرصورت میں زمینداراورمزارع دونوں پراپنےاپنےحصہ کاعشرواجب ہوگا۔

(۴) جس نےزمین کاشت کی ہےعشراس پرواجب ہےزمین والےپرنہیں۔

(۵) زکوٰۃ دیتےوقت زکوٰۃ دینےوالےکی نیت ضروری ہےفقیرکےعلم میں لاناضروری نہیں۔

(۶) ایک دفعہ عشراداکرنےکےبعداس گندم پرجتنےسال بھی رہےعشریازکوٰۃ چالیسواں حصہ واجب نہیں ہوگا۔

(۷) حقہ پینااگرفساق کےاجتماع وخرافات کاسبب ہوتوحرام۔ورنہ اگربہت بدبودارہےتومکروہ تحریمی۔ اگرتازہ ہےتومکروہ تنزیہی۔علامہ شامیؒ کی اباحت کراہۃ تنزیہہ کےمنافی نہیں۔واللہ اعلم

محمودعفااللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر۱۵رمضان ۱۳۷۷ھ

کتاب الصوم

باب رؤیۃ الہلال

ریڈیو وغیرہ کے اعلان پر عید منانا

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر ریڈیو اسٹیشن میں اعلان کریں کہ عید کا چاند دیکھا گیا ہے لہٰذا کل کو ملک میں عید منائی جائے۔ آیا شرع میں اس اعلان کا اعتبار ہے اور اس اعلان سے عید منائی جاسکتی ہے یا نہیں۔ جبکہ یہ بات بھی مشہور ہے کہ ایسے اعلانات میں حکومت کی طرف سے نہایت حزم و احتیاط برتی جاتی ہے۔ باقاعدہ حکومت کی طرف سے ہلال کمیٹی خاص اس امر کے لیے مقرر ہے اور یہ بھی سنا ہے کہ اس میں بڑے علماء شامل ہیں۔ تو کیا یہ باتیں واقعی ہیں یا محض لوگوں کی اڑائی ہوئی افواہ ہیں اور اگر شرع نے اس کا اعتبار کیا ہے تو کیا کچھ شرائط کے ساتھ معتبر مانا ہے یا بلاشرائط۔ شرائط کو واضح فرمانے کے بعد گزارش ہے کہ بحر الرائق یعنی منحۃ الخالق علی البحر الرائق وفتاویٰ کاملیہ ومہدیہ کی درج ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق بلاشرط اس اعلان سے عید منائی جائے۔ کیونکہ اس میں یہ ہے کہ اگر ایک شہر یا قریہ والے عید الفطر کی رات قنادیل یا آگ جلائیں یا دف بجائیں یا توپ بندوق وغیرہ ماریں تو اس کی وجہ سے دوسرے شہر وقریہ والے عید منا سکتے ہیں۔ حالانکہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ہوسکتا ہے دوسرے امر کے لیے ہو اور یہ احتمال بھی ہے کہ واللہ اعلم یہ شہادت کے ساتھ ہے یا بلا شہادت اور اہل شہادت کیسے اشخاص ہیں۔ تو جب اس اعلان محتمل پر عید مطلق منائی جاسکتی ہے تو ریڈیو جیسے قومی آلہ اعلانی اور اخبار سے کیونکر بلاشرائط اور مطلق عید نہ منائی جائے۔ حالانکہ آج کل حکومتیں جہاد جیسے امر عظیم کے اعلانات واخبارات بھی انھی ذرائع ابلاغ پر نشر کرتی ہیں اور پھر علۃ سماء کے اعتبار سے مسئلہ مذکورہ کی کیا حقیقت ہے۔ بینوا توجروا۔

(۱) تتمه لم يذكر و اعندنا العمل بالامارات الظاهرة الدالة على ثبوت الشهر كضرب المدافع فى زماننا و الظاهر و جوب العمل بها على سمعها ممكن كان غائبا عن المصر كاهل القرى ونحوها كما يجب العمل بها على اهل المصر الذين لم يروا الحاكم قبل شهادة الشهود وقد ذكر هذا النوع الشافعية فصرح ابن حجر فى التحفة انه ما يثبت بالامارة الظاهرة الدالة التى لا تتخلف عادة كروية القناديل المعلقة بالمنائر قال ومخالفة جمع فى ذالک غير صحيحة اھ منحة الخالق على البحر الرائق– ج۲/ ص ۲۹۱

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم- واضح رہے کہ شرعاً ثبوت رویت ہلال کا ایک شہر سے دوسرے شہر میں جب ہوتا ہے کہ اس کے اثبات کا طریقہ موجب ہو- کما قال فی الدر المختار ج ۲ ص ۱۰۵ (فیلزم اهل المشرق برویة اهل المغرب) اذا ثبت عندهم روية اولئک بطريق موجب کمامر اور طریق موجب یہ ہے کہ وہ شاہد مسلم عادل چاند دیکھ کر اس شہر سے اس شہر میں آ کر اپنی رویت کی شہادت دیں یا شہادت علی الشہادت دیں- بایں طور کہ خود یہ دو شخص چاند نہ دیکھ سکے ہوں- بلکہ دیکھنے والوں نے ان کو اپنی شہادت پر شہادت دینے کا کہا ہو یا یہاں آ کر رویت ہلال پر قاضی کے حکم لگانے کی شہادت دیں اور یا اس شہر کی رویت ہلال کی خبر اس شہر اس طور پر مستفیض اور متحقق ہو جائے کہ افادہ یقین میں بمنزلہ متواتر کے ہو جائے- کما قال الشامی ج ۲/ ص ۱۰۵ (قوله بطريق موجب) کان يتحمل اثنان الشهادة او يشهد علی حکم القاضی او يستفيض الخبر بخلاف ما اذا اخبرا ان اهل بلدة کذا راوه لانه حکاية- طریق موجب کی ان چار صورتوں میں سے پہلی تین صورتوں میں شہادت دینی ضروری ہے- البتہ چوتھی صورت میں شہادت دینے کی ضرورت نہیں ہے- محض خبر جب مستفیض اور متحقق بمنزلہ متواتر کے ہو جائے- تب اثبات رویت کے لیے کافی ہے اور ظاہر ہے کہ ریڈیو' تار اور ٹیلیفون کے ذریعہ سے شہادت تو کسی قسم کی نہیں دی جا سکتی- کیونکہ شاہد کے لیے قاضی کے سامنے شاہد ہونا ضروری ہے جو ان آلات کی صورت میں مفقود ہے- لہٰذا طریق موجب کی پہلی تین صورتوں میں سے کوئی بھی صورت یہاں متحقق نہیں ہو سکتی- ہاں اگر ان آلات کی خبر مستفیض اور متحقق بمنزلہ متواتر ہو جائے- بایں طور کے مختلف شہروں سے یا ایک شہر سے متعدد (حد تواتر کو پہنچی ہوئی جو مفید یقین ہوں) تاریں ٹیلیفون خبر رویت ہلال کے موصول ہو جائیں یا مختلف ریڈیو اسٹیشنوں سے یا ایک ریڈیو اسٹیشن سے مختلف اوقات میں متعدد آدمیوں کی طرف سے رویت ہلال کی خبریں کی جائیں اور اس شہر کے عالم و مفتی کو یقین ہو جائے- تب رویت ہلال کا اس شہر میں اثبات ہو سکتا ہے- لیکن معلوم رہے کہ خبر مستفیض خود حجت مثبت رویت نہیں ہے بلکہ یہ تو رویت کی خبر پہنچنے کا ذریعہ ہے- اصل تو چاند دیکھنے والوں کی صحیح شہادت ہے- لہٰذا خبر مستفیض سے رویت ہلال کے اثبات کی صورت میں اس بات کا ضرور خیال رکھا جائے گا کہ جس شہر سے خبر آئی ہے آیا وہاں صحیح شرعی اصولوں کے تحت ثبوت رمضان یا شوال ہوتا ہے یا نہیں- کما قال الشامی ص ۱۰۲/ ج ۲ قلت وجه الاستدراک ان هذه الاستفاضة ليس فيها شهادة علی قضاء قاض ولا علی شهادة لکن لما

کانت بمنزلة الخبر المتواتر و قد ثبت بها ان اهل تلک البلدة صاموا يوم کذا لزم العمل بها لان البلدة لا تخلو عن حاکم شرعی عادة فلا بد من ان يکون صومهم مبنيا علی حکم حاکمهم الشرعی الخ- امداد الفتاویٰ جلد دوم کتاب الصوم میں ہے اگر یہ تواتر کے ساتھ پہنچ جائیں اور آپ کو اس بات کا علم ہو کہ جہاں سے خبر نشر کی گئی ہے اور تواتر کے ساتھ پہنچتی ہے- وہاں علماء کی جماعت یا ایک عالم یا قاضی شرعی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی فیصلہ کر کے اعلان کراتا ہے- تب تو اس پر عمل کرنا جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے- بڑی احتیاط کی ضرورت ہے- خود ہمارے ملک میں وزارت داخلہ کی طرف سے ہلال کے متعلق چونکہ خبریں نشر کی جاتی ہیں اور میری معلومات کے مطابق وزارت مذکورہ چونکہ شرعی اصولوں کے تحت فیصلہ نہیں کیا کرتی- اس لیے ان کے اعلان پر اگرچہ اس کی خبر مستفیض ہی ہو- عید منانے کا فتویٰ نہیں دے سکتا- اس مسئلہ میں بعض اجزاء کی تحقیق مجموعۃ الفتاویٰ مولانا عبدالحی جلد اول اور امداد الفتاویٰ جلد دوم میں مذکور ہے- ضرورت ہو تو ملاحظہ فرما لیں- باقی علامہ شامی وغیرہ نے امارات ظاہرہ دالۃ علی ثبوت الشہر کے اہل دیہات پر عمل کرنے کو جو واجب قرار دیا ہے- سو یہ بھی غالباً مستفیض ہی کے حکم میں داخل سمجھا جائے گا اور اسی کے شرائط سے مشروط ہوگا- کما هو الظاہر واللہ اعلم حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان-

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۷ رمضان ۱۳۸۵ھ

ضمیمہ جواب: مطلب عبارات شامی کا یہ ہے کہ اگر کسی شہر میں قاضی کے سامنے شہادت سے رویت ہلال ثابت ہو جائے اور قاضی حکم کرے تو اس حکم کو اپنے حدود ولایت میں نافذ کرنے اور سب لوگوں کو پہنچانے کے لیے اعلانات قائم کرنے عمل کے لیے کافی ہیں- مثلاً صوت مدافع، تعلیق القنادیل علی المنائر او غیرہا- محض ان اعلانات پر عمل کرنا جائز نہیں- جب تک کہ طریق موجب سے یہ رویت وہاں ثابت نہ ہو جائے طریق موجب شهادة یا شهادة علی الشهادة یا شہادۃ علی حکم الحاکم یا استفاضہ ہے- کما مر دوسرے قاضی کی ولایت میں یہ اعلانات کافی نہیں ہیں-

اب اگر مرکزی حکومت کی حدود کل پاکستان ہے- اگر مرکزی حکومت شرعی طریقہ سے اطمینان حاصل کر کے حکم رویت کا کرے اور پھر ریڈیو سے اس کا اعلان کر دیا جاوے تو ریڈیو کا یہ اعلان حکم حاکم کے حصول کا ذریعہ ہے- بمنزلہ اعلانات کے اور اس پر عمل کرنا جائز ہے کل پاکستان میں- البتہ افغانستان وغیرہ ممالک میں جہاں پاکستان گورنمنٹ کی ولایت نہیں ہے وہاں اس اطلاع پر عمل جائز نہ ہوگا- الا یہ کہ خبر مستفیض بن جاوے اور وہاں اثبات طریق موجب سے ہو جاوے- لیکن یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ مرکزی حکومت طریق شرعی سے ثبوت رویت کے بعد حکم نافذ کرتی ہے یا نہیں- موجودہ حالات میں یہ اطمینان حاصل نہیں ہے کہ حکومت نے اس سلسلہ میں ملک کے

معتمد اور جید علماء کرام کو اپنے اعتماد میں لینے کی کوئی کوشش کی ہے۔ جب بھی یہ اطمینان حاصل ہو جائے۔ اس وقت سے عمل کرنا اس حکم پر جب اس کی اطلاع ریڈیو سے مل جاوے جائز ہوگا۔ یہ علامت کے حکم میں ہوگا۔ استفاضہ اور تواتر کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۷ رمضان ۱۳۸۵ھ

۱۳۸۵ھ میں ایک اعلان کے متعلق سوال

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ۲۲ جنوری بروز اتوار وزارت داخلہ کی طرف سے جو عید کا اعلان کیا گیا ہے شرعاً یہ اعلان درست تھا یا نہیں۔

(۲) جن لوگوں نے اس اعلان کی بنا پر عید پڑھی ہے ان کا عید پڑھنا جائز ہوا یا نہیں۔

(۳) جن لوگوں نے روزہ اس دن نہیں رکھا یا رکھ کر توڑ دیا ان پر اس کی قضا واجب ہے؟

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (۱) موجودہ صورت حال میں جو وزارت داخلہ کی طرف سے ہلال کا اعلان ہوتا ہے تو شرعاً اس پر عمل کرنا لازمی نہیں ہے۔ ہاں اگر حکومت ہلال کمیٹی میں علماء کی جماعت کو بطور ارکان شامل فرمائے اور جماعت علماء مجاز کے سامنے تحت احکام شرع ہلال صوم یا فطر ہو جائے اور اس کا اعلان ریڈیو میں حاکم مجاز کی طرف سے ہو تو اس کے حدود ولایت میں سب کو اس پر عمل کرنا لازم ہوگا۔ موجودہ صورت حال میں وزارت داخلہ کے اعلان پر علماء کرام کو اعتماد نہیں ہے۔ کیونکہ وہ شرعی احکام کی رعایت نہیں رکھا کرتے۔

(۲) اگر محض اس اعلان پر اعتماد کر کے عید پڑھ چکے ہیں تو ان کی عید جائز نہیں ہوئی۔

(۳) ان لوگوں نے اچھا نہیں کیا ہے۔ لیکن چونکہ اب ملک کے مختلف اطراف سے استفاضہ کے ساتھ یہ خبریں پہنچ گئی ہیں کہ رمضان اتوار کی رات چاند نظر آیا ہے۔ اس سے ان لوگوں پر قضا یا کفارہ واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہٗ ۲۵ شوال ۱۳۸۵ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

اگر ریڈیو یا تار کے اعلان کی وجہ سے کسی نے روزہ رکھا یا رکھ کر توڑ دیا تو کیا حکم ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ عید الفطر یا عید الضحیٰ کے چاند نہ دیکھنے کی صورت میں۔ کیا ریڈیو، تار، خط، ٹیلیفون پر اعتماد کر کے نماز عید ادا کی جا سکتی ہے۔ یا نہ یا کسی قریبی گاؤں میں سنا گیا کہ آج وہ عید منا رہے ہیں۔ ان کی عید پر بھی عید کر سکتے ہیں یا نہ براہ کرم آج کل کے رواج وغیرہ کو ملحوظ رکھ کر دلائل سے جواب تحریر فرماویں۔

(ب) اگر کسی نے ریڈیو یا ٹیلیفون یا تار یا خط وغیرہ کو دیکھ کر روزہ توڑ دیا تو کیا اس پر قضا کفارہ لازم ہے یا فقط قضا لازم ہے۔

(ج) زید نے اپنے بیٹے کا نام عطا محمد رکھا ہے کیا یہ موہم شرک ہے۔ اگر نہیں تو دلائل شرعیہ تحریر فرماویں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ریڈیو' ٹیلیفون' تار' برقی خط اور اخبار میں یہ فرق ہے کہ تار برقی اور اخبار سوائے صورت استفاضہ کے ہرگز معتبر نہیں۔ البتہ خط بشرط معرفۃ الکاتب وعدالتہ اور ریڈیو و ٹیلیفون بشرط معرفۃ صاحب الصوت وعدالتہ۔ درجہ اخبار میں معتبر ہوں گے۔ شہادت میں نہیں ہوں گے۔ (فیصلہ علماء متعلقہ رویت ہلال مع زبدۃ المقال دفعہ نمبر ۲) عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں چونکہ شہادت لینی ضروری ہے اس لیے ان آلات کے ذریعہ شہادت نہیں لی جا سکتی۔ ہاں اگر حکومت کی طرف سے ریڈیو کے ذریعہ جماعت علماء مجاز کا فیصلہ متعلقہ رویت ہلال نشر کیا جائے تو اس کے حدود ولایت میں سب کو اس پر عمل کرنا لازم ہوگا لیکن موجودہ ہلال کمیٹی میں چونکہ جید علماء نہیں ہیں۔ اس لیے ان کا فیصلہ جو ریڈیو میں نشر کیا جائے واجب العمل نہ ہوگا۔ اگر اس میں جید علماء کی جماعت بطور ارکان لے لی جائے اور پھر ان کا فیصلہ نشر کیا جائے تب وہ حاکم مجاز کی حدود ولایت میں نافذ ہوگا۔ قریب کے گاؤں سے عید کی خبر پہنچنے پر اعتماد کر کے عید منانی جائز نہیں ہے۔ جب تک کہ باقاعدہ شرعی شہادت نہ لی جائے۔

(ب) جس صورت میں اس پر عمل کرنا جائز نہ تھا اور کسی نے عمل کر کے روزہ توڑ دیا تو اگر اسے وہاں عید ہونے کا گمان ہو گیا تھا تو کفارہ لازم نہیں صرف قضا واجب ہے اور اگر اسے محض شک و تردد پیدا ہوا تھا اور روزہ توڑ ڈالا تو قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

(ج) یہ نام بہتر ہے کہ تبدیل کر لیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۴ شوال ۸۵ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

عیدالفطر کا چاند دیکھنے کی اطلاع ٹیلیفون پر قابل اعتماد ہے یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ عیدالفطر کے چاند کی رویت کے بابت اطلاع ٹیلیفون پر شریعت محمدؐ میں قابل شہادت و معتبر ہے یا نہ اگر ہے تو بالتفصیل مجھے دلائل تحریر فرماویں۔ نیز حوالہ درج کرنے سے دریغ نہ فرماویں۔ جزاکم اللہ

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ٹیلیفون کی خبر درجہ اخبار میں اس وقت معتبر ہوگی جبکہ ٹیلیفون کرنے والے کی آواز پہچانی جائے اور اس کی عدالت بھی معلوم ہو۔ اس وقت اگر خود چاند دیکھنے والا یا شاہد علی الشہادت اس کی خبر ٹیلیفون پر دیدے اس کی آواز بھی پہچانی جائے اور وہ عادل بھی ہو تو اس پر روزہ رکھا جائے گا۔ لیکن عید کے لیے چونکہ شہادت شرط ہے اور شاہد کے لیے سامنے ہونا ضروری ہے لہٰذا اس پر شہادت نہیں دی جاسکتی اور نہ اس پر عید کی جا سکتی ہے۔ ہاں اگر مختلف مقامات سے متعدد ٹیلیفون آجائیں اور استفاضہ کو پہنچ جائیں تو اس پر بشرط غلبہ ظن حاصل ہو جانے کے عید منائی جائے گی۔ کما قال فی رسالہ فیصلہ علماء متعلقہ رویت ہلال ص ۴ ریڈیو ٹیلیفون تار برقی خط اور اخبار میں یہ فرق ہے کہ تار برقی اور اخبار سوائے صورت استفاضہ ہرگز معتبر نہیں۔ البتہ خط بشرط معرفۃ الکاتب و عدالتہ اور ریڈیو اور ٹیلیفون بشرط معرفۃ صاحب الصوت و عدالتہ درجہ اخبار میں معتبر ہوں گے شہادت میں نہیں ہوں گے اور وقال فی زبدۃ المقال ص ۱۴ واما العمل بالخط والراديو والتلفون ففی موضع تكون الشهادة شرطاً فيه فغير صحيح لان الشاهد يجب ان يكون بحضور القاضي بلا حائل كاشفا عن وجهه كما هو مصرح في موضعه واما المواقع الذي يكفي فيها مجرد الاخبار بدون الشهادة والعمل بالمذكور جائز صحيح في المعاملات والديات كلها بشرط معرفة خط الكتاب وعدالته و صوت المخبر وعدالته في خبر الراديو والتلفون الخ- فقط والله اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۶ ذوالقعدہ ۱۳۸۵ھ

رویت ہلال کمیٹی کا اعلان واجب العمل ہے یا نہیں؟

﴿س﴾

۱- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ اگر چاند مقامی نہیں دیکھا گیا اور نہ ہی اپنی شہادت میسر ہے حکومت نے ہلال کمیٹی کے ذریعہ فیصلہ صادر کیا اور حکومت اس فیصلہ کو قانون تصور کر کے عمل کے لیے رعایا پر زور دے اور اس فیصلہ کو بذریعہ ریڈیو مشتہر کرایا جاوے تو شرع کا کیا حکم ہے۔ رعایا پر کیا لازم ہے۔

۲- موجودہ صورت حال میں جبکہ دس بجے رات تک اعلان ہوتا رہا ہے کہ چاند پاکستان بھر میں نہیں دیکھا گیا اور عید بروز سوموار بتاریخ ۲۴/۱۰/۶۶ کو ہوگی۔ لیکن گیارہ بجے رات کو اعلان ہو جاتا ہے کہ چاند چار مقامات پر دیکھ لیا گیا ہے۔ لہٰذا عید بروز اتوار ۲۳/۱۰/۶۶ کو منائی جاوے۔

۳- جن اصحاب نے اس اعلان ثانی پر عمل کر لیا ہے اور روزے کو توڑ کر عید کی نماز بھی بروز اتوار ۲۳/۱۰/۶۶ پڑھ لی ہے۔ اب ان کو روزہ کی قضا دینی ہے یا نہیں ہے۔

۴- ان اصحاب پر جنھوں نے اس اعلان ثانی پر روزہ توڑ ڈالا ہے قضا لازم آتی ہے یا کفارہ دو ماہ کے روزے۔

۵- جن اصحاب نے یہ اعلان ثانی سن کر ۲۳/۱۰/۶۶ بروز سوموار پڑھی ہے۔ ان کے لیے کیا حکم ہے۔

نوٹ: ریڈیو کی خبر شرعاً کیا حیثیت رکھتی ہے۔ وضاحت سے بیان فرماویں۔ ہلال کمیٹی کے ارکان شرعاً شہادت لے کر ریڈیو پر نشر کرتے ہیں یا حکومت کے ایما پر لہٰذا ہلال کمیٹی کے اعلان کے بعد شرعاً عوام پر کیا عمل لازم آتا ہے۔ اگر ہلال کمیٹی کے ارکان بغیر شرعی شہادت کے حکومت کے ایما پر اعلان کرتے ہیں تو ان کے لیے کیا حکم ہے۔ شرعی حیثیت سے بیان فرماویں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ اگر جماعت علماء مجاز کے سامنے تحت احکام شرع ہلال صوم ثابت ہو جاوے اور اس کا اعلان ریڈیو میں حاکم مجاز کی طرف سے ہو تو اس کے حدود ولایت میں سب کو اس پر عمل کرنا

لازم ہوگا۔ (فیصلہ علماء متعلقہ رویت ہلال مع زبدۃ المقال دفعہ نمبر ۳)

لیکن حکومت وقت نے جو موجودہ ہلال کمیٹی مقرر کی ہے۔ اس کے ارکان پر علماء وقت کو چونکہ اعتماد نہیں ہے کہ یہ ارکان شرعی احکام کی رعایت رکھ کر ہی فیصلہ فرماتے ہیں۔ اس لیے موجودہ کمیٹی کے فیصلہ کے اعلان پر عمل کرنا سب پر لازم نہ ہوگا۔ اگر کسی کو یہ ثبوت بہم پہنچ جائے کہ مذکورہ کمیٹی نے شرعی احکام کے تحت فیصلہ فرمایا ہے تو اس کو اس پر عمل کرنا لازم ہوگا ورنہ نہیں یا حکومت وقت ہلال کمیٹی کے اندر کچھ جید علماء کو رکنیت دیدے۔ تب بھی ان کا فیصلہ جو ریڈیو سے نشر کیا جائے حاکم مجاز کی حدود ولایت میں نافذ ہوگا۔ (۳، ۴) لہٰذا جن اصحاب نے صرف اس ریڈیو کے اعلان پر اعتماد کر کے اتوار کے دن عید منائی ہے اور کسی قسم کا شرعی ثبوت ان کے پاس نہیں تھا یا جنھوں نے اس اعلان پر اعتماد کر کے روزہ توڑ ڈالا ہے۔ انھوں نے بہت برا کیا ہے توبہ کر لینی ضروری ہے۔ کیونکہ ابھی تک موجودہ ہلال کمیٹی کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے کیونکہ اس میں جید علماء شامل نہیں ہیں لیکن اب چونکہ مختلف اطراف سے خبریں استفاضہ کے ساتھ پہنچی ہیں کہ اتوار کی رات وہاں چاند نظر آیا تھا اس لیے ایسے لوگوں کو قضا یا کفارہ ادا کرنا ضروری نہیں ہے اور جن لوگوں نے اس اعلان پر اعتماد کرتے ہوئے سوموار کو عید منائی ہے انھوں نے اچھا کیا ہے۔ کیونکہ بغیر ثبوت شرعی عید منانی جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۴ شوال ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

جس نے حکومت کے اعلان پر روزہ توڑ کر عید منائی کیا اس پر قضا و کفارہ لازم ہوگا؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اس سال عید الفطر کے موقع پر حکومت کے اعلان پر بعض لوگوں نے جو روزے توڑے ہیں ان پر قضا اور کفارہ کا کیا حکم ہے۔ حکومت کا اعلان قضا اور کفارہ کو ساقط کر سکتا ہے یا نہیں یا صرف کفارہ ساقط ہوتا ہے اور بصورت وجوب قضا وہ لوگ مستثنیٰ ہو سکتے ہیں جن کو مقامی علماء نے صرف اعلان پر بنا رکھتے ہوئے روزہ توڑنے کا فتویٰ دیا ہے یا ان پر بھی قضا واجب ہوگی۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح رہے کہ اگر جماعت علماء مجاز کے سامنے ثبوت احکام شرع۔ ہلال صوم یا فطر ہو جائے اور اس کا اعلان ریڈیو میں حاکم مجاز کی طرف سے ہو تو اس کی حدود ولایت میں سب کو اس پر عمل کرنا لازم

ہوگا۔ (فیصلہ علماء متعلقہ رویت ہلال) چونکہ موجودہ حکومت نے ابھی تک ثقہ علماء کی جماعت کو ہلال کمیٹی میں نہیں لیا ہے اور حکومت قواعد شرع کی پابندی نہیں رکھتی۔ اس لیے اس کا فیصلہ واجب العمل نہ ہوگا اور محض اس پر اعتماد کر کے روزہ توڑنا جائز نہ ہوگا لیکن جو لوگ اس سال اس اعلان پر اعتماد کر کے روزہ توڑ چکے ہیں چونکہ یہ لوگ شک و شبہ کی بنا پر روزہ توڑ چکے ہیں لہٰذا ان پر کفارہ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ کفارہ کے وجوب کے لیے کمال جنایت شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔ ہاں ایک روزے کی قضا ان کے ذمہ واجب ہوئی اور چونکہ اتوار کی رات کو چاند دیکھنے کے بعد میں مختلف خبریں درجہ استفاضہ تک پہنچ گئی ہیں۔ لہٰذا جن کو خبر مستفیض اور دوسرا کوئی شرعی ثبوت اتوار کے چاند کا نہ ہوا ہو تو ان کے ذمہ ایک دن کی قضا واجب ہوگی۔ کما قال فی الشامی ۲/۱۱۵ وان شک فیه (ای فی غروب الشمس والفطر) فان لم یتبین شی فعلیه القضاء وفی الکفارة روایتان وان تبین عدمه فعلیه القضاء والکفارة وان تبین الغروب فلا شی علیه الخ۔ وفیها ایضاً ص ۱۱۵ والی انه لو افطر اهل الرستاق بصوت الطبل یوم الثلاثین ظانین انه یوم العید وهو لغیره لم یکفروا کما فی المنیة قهستانی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

پانچ افراد اگر چاند دیکھنے کی گواہی دیتے ہیں تو ان کی بات مان لینی چاہیے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس صورت مسئلہ میں کہ وضع لساوری تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ میں پانچ آدمیوں نے کہا اور قسم اٹھائی کہ ہم نے چاند پیر کی رات مورخہ ۶۳/۲۰/۲۴ کی شام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ آپ اطلاع کے لیے ڈھول بجوا دیں۔ اطلاع کے لیے ڈھول بجوایا گیا۔ جہاں تک ڈھول کی آواز پہنچی لوگوں نے روزہ بروز سوموار نہیں رکھا۔ لیکن جب آس پاس کے علماء کی طرف رجوع کیا گیا تو علماء علاقہ نے اس کی شہادت کا اعتبار نہیں کیا اور کہا کہ تمام بڑے بڑے شہروں میں چاند نہیں دیکھا گیا ہے۔ آج بروز سوموار مورخہ ۶۳/۲۰/۲۵ کوئی شخص عید نہ پڑھے۔ عید منگل وار مورخہ ۶۳/۲۰/۲۶ کو پڑھیں احتیاط اسی میں ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہیں۔ نمبر۱ جن پانچ آدمیوں نے چاند دیکھا اور روزہ نہیں رکھا ہے اور نہ عید پڑھی ہے اور منگل وار ۶۳/۲۰/۲۶ کو عید پڑھی ہے۔ ان کے متعلق کیا ہے کہ وہ سوموار کی قضا دیں یا نہ دیں۔ نمبر۲ چاند دیکھنے والے آدمیوں کے متعلق پبلک میں شور وغل ہو گیا کہ انھوں نے جھوٹ بولا ہے اور روزے تڑوا دیے ہیں۔ اس وجہ سے

انھوں نے سوموار کو عید نہیں پڑھی ہے اور منگل وار کو عید پڑھی ہے اور تھانہ وغیرہ کی دھمکی بھی دی گئی۔ نمبر۳ جن پانچ اشخاص نے چاند دیکھا ہے ان میں دو عالم دین بھی ہیں اور پابند صوم وصلوٰۃ بھی ہیں۔ نمبر۴ نیز روزنامہ مجریہ ۲۷ فروری ۱۹۶۳ء-۲ شوال ۱۳۸۲ھ میں بھی یوں تحریر ہے۔ اخبار کی سرخی پشاور اور اس کے قرب و جوار کے دیہات میں کچھ لوگوں نے پیر کو عید منائی کہ پشاور ۲۵ فروری پ پ پشاور اور ملحقہ دیہات میں رہنے والے کچھ افراد نے عید منائی گزشتہ رات مطلع ابرآلود تھا اور شہر میں کسی نے چاند نہیں دیکھا لیکن کچھ دیہاتیوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور ایک مقامی مولوی صاحب نے رات کے ۹ بجے رویت ہلال کا اعلان کر دیا۔ مسلمانوں کی اکثریت نے اس فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ لیکن کچھ لوگوں نے اس کے مطابق عید منائی۔

نمبر۵۔ چونکہ صرف پانچ آدمیوں نے چاند دیکھا اور اکثر شہروں اور دیہاتوں میں چاند نہیں دیکھا گیا ہے، اس لیے علاقہ کے لوگ ان پانچ آدمیوں کو برا اور مجرم جانتے ہیں حالانکہ انھوں نے مسجد میں بیٹھ کر قسم اٹھائی ہے شرعی فیصلہ تحریر فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اگر ان پانچ گواہوں میں سے دو عادل گواہ تھے اور ان کی گواہی علاقہ کے ذمہ دار علماء نے محض اس بنا پر نہیں لی کہ دوسرے بڑے شہروں میں چاند نہیں دیکھا اور عید نہیں کی گئی تو یہ کوئی وجہ صحیح نہیں ہے بلکہ ازروئے فتویٰ ان پر لازم تھا کہ ان کی گواہی پر اعتبار کر کے عید منانے کا حکم کرتے پس جن لوگوں نے سوموار کے دن روزہ نہیں رکھا ان پر قضا لازم نہیں ہے۔ چنانچہ بعض دوسری جگہوں میں بھی سوموار کی عید منائی گئی ہے۔ مثلاً پشاور کے دیہات اور ضلع بنوں کے اکثر حصہ اور ڈیرہ اسماعیل خان کے بعض مواضع میں۔ تو ان کا چاند کو دیکھنا اور گواہی دینا اور روزہ نہ رکھنا بالکل بے اصل بات نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ احمد جان نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم

الجواب صحیح محمد عبداللہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

ریڈیو کی خبر پر عید منانا یا روزہ رکھنا، ریڈیو کی خبر، خبر متواتر ہے یا خبر مستفیض؟ رویت ہلال کمیٹی کی شرعی پوزیشن کیا ہے؟ ریڈیو کی خبر پر صوم وعید نہ کرنے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟ یسئلونک عن الاھلۃ کی ایک خاص توجیہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ ہمارے ملک پاکستان میں اکثر رمضان کے چاند کی رات رویت وعیدین فطر و قربانی کے چاند کی رویت میں اختلاف پڑ جاتا ہے۔ اکثر لوگ صوم وعید تار فون ریڈیو کی خبر سن کر کر دیتے ہیں۔

۱- کیا قانون شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ریڈیو وغیرہ کی خبر چاند رمضان و عیدین کے بارے میں درجہ شہادت میں ہو سکتی ہے یا نہیں۔

۲- ریڈیو کے ذریعہ خبر آنے پر صوم وافطار وعید کرنا جائز ہے یا نہ۔

۳- کیا خبر چاند بذریعہ ریڈیو وغیرہ خبر مشہور یا متواتر خبر مستفیض کے درجہ تک ہو سکتی ہے یا نہیں۔

۴- لوگ کہتے ہیں حکومت اسلامی ہے۔ ایک کمیٹی الہلال مقرر ہو چکی ہے جس میں علماء دین شامل ہیں چاند کی علماء کے آگے شہادتیں باقاعدہ شرع شریف کے مطابق پیش ہوتی ہیں۔ پھر ان علماء حق کی اجازت اور حکم سے ریڈیو اسٹیشن سے ریڈیو وغیرہ میں خبریں شائع ہوتی ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے یا غلط۔

۵- اگر کوئی شخص ریڈیو وغیرہ کے ذریعے آنے والی خبروں پر صوم وافطار وعید نہ کرے تو وہ کیسا ہے۔ عنداللہ ماجور ہے یا گنہگار ہے۔

۶- اگر کوئی شخص آیۃ لیس البر بان تاتوا البیوت من ظھورھا الی اخر الأیۃ کاربط ما قبل یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس (ای مواقیت لصوم المسلمین و افطارھم)فصوموا الرویتہ و افطروا لرؤیتہ فان غم علیکم فعدو اثلاثین یوماً وفی روایۃ فاذا رایتم الھلال فصوموا واذا رایتموہ فافطروا فان اغمی علیکم فاکملوا العدۃ ثلاثین۔ ابن کثیر وفی روایۃ ان

شهد شاهدا عدل فصوموا وافطروا - ابن کثیریعنی اللہ تعالیٰ نے شریعت محمدیہ میں صوم رمضان وافطار وعید کے لیے میقات مقرر فرمائے ہیں جو کہ بمنزلہ باب و دروازہ کے ہیں- صوم وفطر کے واسطے ایک رویت دوسرے شہادت عدل ہلال رمضان کے لیے شہادت عدلین- ہلال عید وافطار کے لئے حالت غیم میں- تیسرے اکمال ثلاثین بوقت عدم ثبوت دواول کے- پس بذریعہ ریڈیو آنے والی خبروں پر صوم وافطار کرنا ایسا ہے جیسا کہ شہر ومکان میں دروازہ سے نہ آنا اور دیوار سے چھلانگ مار کر یا نقب سوراخ کر کے آنا ہو اور یہ خلاف ادب وتہذیب ہے- نیز یہ عادت سارق وچور کی ہے- پس ریڈیو کے ذریعہ خبر آنے پر افطار کرانا انتیس رمضان کو ایسا ہے جیسے کہ ایک روزہ چرالینا- کیا اس طرح بیان کرنا ٹھیک ہے یا غلط-

۷- کیا یہ ضروری ہے اور باعث اجر وثواب ہے کہ تمام ملک وعلاقہ میں ایک ہی دن عید ہو اور اختلاف نہ بڑھے اور اس کا اہتمام وکوشش کی جائے- کیا یہ ضروری ہے اور باعث اجر وثواب ہے- بینوا توجروا

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم- ریڈیو ٹیلیفون تار در باب صوم وفطر سوائے صورت استفاضہ کے معتبر نہیں ہے- استفاضہ یہ ہے کہ متعدد جگہوں یا ایک جگہ متعدد ٹیلیفون یا متعدد ریڈیو کے بیانات آجائیں- تب اس پر در بارۂ صوم وعید عمل کرنا جائز ہے- ویسے نہیں ہاں اگر جماعت علماء مجاز (ہلال کمیٹی) کے سامنے تحت احکام شرع ہلال صوم یا فطر ثابت ہوجائے اور اس کا اعلان ریڈیو میں حاکم مجاز کی طرف سے ہو تو اس کے حدود ولایت میں سب کو اس پر عمل کرنا لازم ہوگا- کما قال فی زبدة المقال فی رویت الهلال ص ۱۲ - اذا ثبت الصوم او الفطر عند حاکم تحت قواعد الشرع بفتوی العلماء او عند واحد او جماعة من العلماء والثقات ولاهم رئیس المملکة امر رویة الهلال وحکموا بالصوم او الفطر و نشروا حکمهم هذا فی رادیو یلزم علی من سمعها من المسلمین العمل به فی حدود ولا یتهم واما فیما وراء حدود ولا یتهم فلا بد من الثبوت عند حاکم تلک الولایة شهادة شاهدین علی الرویة علی الشهادة او علی حکم الحاکم او جاء الخبر مستفیضا لان حکم الحاکم نافذ فی ولایته

دون ما وراء ها - لیکن یاد رہے کہ حکومت پاکستان نے ابھی تک چونکہ ہلال کمیٹی میں جید علماء کو نہیں لیا ہے- اس لیے علماء کو موجودہ کمیٹی پر اعتماد نہیں اس لیے اس کا فیصلہ اگر ریڈیو پر نشر بھی ہوجائے تب بھی اس پر عمل کرنا نہیں چاہیے- اپنی شرعی تحقیق اور ثبوت پر ہی اعتماد کرنا چاہیے- مذکورہ آیت کا جو ربط بیان کیا گیا ہے- یہ بھی بصورت عدم اعتماد بر نظریات ریڈیو ایک توجیہ ہوسکتی ہے- فقط واللہ تعالیٰ اعلم-

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۱ ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان

تار کے ذریعے اگر چاند کی اطلاع آجائے تو ماننا چاہیے یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم علاقہ پنچلوسی سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ ضلع بہاولنگر سے تعلق رکھتا ہے- چونکہ ہمارے ہاں ہلال عید نہیں ہوا- بنا بریں ہم نے بروز سنیچر روزہ رکھا اور اتوار کو عید پڑھی لیکن ہم نے بہاولنگر کے ایک عالم دین سے رابطہ کیا انھوں نے بذریعہ ریڈیو تار مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کا بھی حوالہ دیا کہ انھوں نے چاند ہونے کی تصدیق کر دی ہے بذریعہ تار لیکن ہم نے اس اطلاع کو غیر مصدقہ تصور کرتے ہوئے رد کر دیا- کیا اس صورت میں ہمارا سنیچر کا روزہ اور اتوار کی عید درست ہے کہ نہیں- شریعت کی رو سے جواب دے کر ممنون فرماویں- بینوا توجروا-

﴿ج﴾

تنہا تار برقی کی خبر رویت ہلال کے بارے میں شرعاً معتبر نہیں ہے- شامی میں طریق موجب جس سے دوسروں پر رویت لازم ہوجاوے کے بارے میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ دو معتبر مرد شہادت کے متحمل ہوں یا حکم قاضی کی گواہی دیں یا خبر متواتر ہوجاوے اور ظاہر ہے کہ تنہا تار میں ان وجوہ میں سے کوئی بھی نہیں ہے- قال فی الشامیة تحت قوله (اذا ثبت عندهم رویة اولئک بطریق موجب) کان یتحمل اثنان الشهادة او یشهدا علی حکم القاضی او یستفیض الخبر (ردالمحتار کتاب الصوم ۲/ ۱۰۵)

لیکن اگر تار کے ساتھ بہت سی خبریں پہنچ کر مفید علم ظنی ہوجاویں تو ان پر عمل کرنا جائز ہے- نعم لو استفاض الخبر فی البلدة الاخری لزمهم علی الصحیح من المذهب- مجتبی وغیره (در مختار ص ۱۰۲) معنی الاستفاضة ان تاتی من تلک البلدة جماعة متعددون کل منهم یخبر عن اهل

تلک البلدة انهم صاموا عن رویة لا مجرد الشیوع (رد المحتار کتاب الصوم ۲/ ۱۰۲)

پس صورت مسئولہ میں صرف تار کو کافی نہ سمجھتے ہوئے ہفتہ کو روزہ رکھنا اور اتوار کو عید منانا درست ہے- فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۹ شوال ۱۳۹۱ھ

ریڈیو کی اطلاع پر روزہ رکھنا

﴿س﴾

واجب الاحترام جناب مفتی صاحب مدرسہ قاسم العلوم

سلام مسنون

مزاج گرامی بعد از آداب وتسلیمات مختصر عرض یہ ہے کہ ماہ رمضان کا چاند ہمارے علاقہ میں بدھ کی شام کو نہیں دیکھا گیا- ہم نے ریڈیو کی اطلاع کے مطابق روزہ رکھ لیا- لیکن بعض علماء کرام نے فرمایا کہ چاند دیکھے بغیر ریڈیو کی اطلاع کے مطابق روزہ رکھنا ناجائز ہے- بعض آدمیوں نے اس فتویٰ کو سن کر روزے توڑ بھی دیے- ہم نے روزہ نہیں توڑا- براہ کرم اس بارے میں صحیح فیصلہ بذریعہ جوابی لفافہ بھیج کر اس دینی الجھن سے نجات عطا فرمائیں-

فقط عبدالرشید امام مسجد

﴿ج﴾

روزہ رکھنا چاہیے تھا اس کا توڑنا جائز نہیں- فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۱/۹/۱۳۹۷ھ

اگر حکومت کی طرف سے اہتمام ہو تو ریڈیو کی خبر پر روزہ رکھنا، عید منانا جائز ہوگا؟

﴿س﴾

اگر کسی شخص نے حکومت کے کہنے اور ریڈیو کے اعلان پر افطار کیا اور صوم کے بعد عید الفطر ادا کی- نیز حاکم کے کہنے اور ریڈیو کے اعلان پر تیس دن پورے ہونے سے قبل معتکف مسجد سے باہر آ گیا تو کیا افطار کرنے والے پر صرف قضا ہے یا کفارہ بھی اور معتکف پر قضا اعتکاف لازم ہے یا نہ- المستفتی فقیر عبدالرزاق

﴿ج﴾

ریڈیو کے اعلان سے عید فطر اور رمضان کا روزہ وغیرہ امور کا عمل اس وقت جائز ہوتا ہے جبکہ حکومت کی طرف سے اس کا پورا انتظام ہو کہ وہ علماء کے مشورہ سے باقاعدہ حاضر گواہوں کی گواہی لے کر فیصلہ نافذ کرے اور

پھر اس فیصلہ کو ریڈیو سے نشر کرے- اس صورت میں ریڈیو کے اعلان پر عمل کرنا جائز ہوگا اس انتظام کے بغیر اس پر عمل کرنا جائز نہیں- اس کے باوجود اگر معتکف اعتکاف کو چھوڑتا ہے تو اس پر قضا لازم نہیں- دس دن آخری رمضان کے اندر اعتکاف مسنون ہے- اگر درمیان میں چھوڑ دیا جائے تو اس کی قضا واجب نہیں ہوتی بلکہ جتنے روز اعتکاف کر چکا ہے اتنے یوم کے اعتکاف نفل کا ثواب اس کو ملے گا اور سنت اعتکاف ادا نہیں ہوگی- فقط واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

صحیح شہادت کے بغیر محض ٹیلیفون کی غیر مستند خبر پر روزہ رکھنا، عید منانا جائز نہیں

﴿س﴾

جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم- جناب ہم لوگوں نے کوئٹہ کے فون وتار کے مطابق عید ہفتہ کے دن کی- وہ اس طرح کہ ہم لوگوں نے قبل از نماز عشاء جامع مسجد سے حال احوال لیا تو انھوں نے کہا کہ کل ہفتہ کو عید ہے- ہم نے پوچھا کہ عید کا چاند نظر نہیں آیا تو انھوں نے کہا کہ کوئٹہ سے فون آیا ہے کہ کمشنر صاحب کے آرڈر کے مطابق کوئٹہ میں ہے- آیا کوئٹہ میں بھی کسی نے دیکھا یا نہیں کہتا ہے کہ نہیں دیکھا- ڈاک خانہ کو ہم لوگ گئے حالات پوچھے تسلی نہیں ہوئی تو ڈاک خانہ والے نے کہا کہ قلات اور نوشکی سے بھی فون آیا ہے کہ ہم لوگ انھیں کے مطابق عید کرتے ہیں اور یقین نہیں کہ کراچی میں کسی نے دیکھا ہے یا نہیں- تو ہر حال میں ہم لوگوں کی عید شک میں ہوگئی اس کی پرواہ نہیں لیکن روزہ کے بارے میں فیصلہ شرعی کیا ہے اور اخبار جنگ کراچی میں مولانا احتشام الحق کا فتویٰ مع متفقہ علماء کے قضا لازم ہے ایک دن کی اور ایک بزرگ کا فتویٰ ہے- کفارہ لازم ہے- صفحہ ۴ اخبار جنگ میں ملتان کی حالت بھی یہی لکھی ہے کہ دو تین آدمیوں نے دیکھا ہے اور شہادت بھی انھوں نے علماء کے روبرو ادا کی ہے واقعی ٹھیک ہے یا نہیں- العبد سید خدائے رحم شاہ مدرسہ دار العلوم مستونگ-

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں جن حضرات نے بھی روزہ توڑ کر عید کی انھوں نے ایک ناجائز کام کیا- شریعت کے اصول کے خلاف کیا اس لیے وہ گنہگار ہیں- ان کو توبہ کرنا لازم ہے- اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا ضروری ہے اس لیے کہ اس قسم کے ٹیلیفون تار وغیرہ پر افطار کرنا جائز نہیں اس قسم کی بے اصل اطلاعات سے رمضان المبارک کا روزہ توڑنا اور عید کرنا شریعت سے بے اعتنائی کرنا ہے جو کہ مومن کی شان کے مناسب نہیں لیکن اس روزہ کے متعلق

شرعی فیصلہ یہ ہے کہ نہ قضا ہے اور نہ کفارہ اس لیے کہ ملک بھر میں متعدد مقامات پر علماء نے ہفتہ کی رات چاند کے عینی شہادتیں لے کر ہفتہ کے دن عید کرنے کا فتویٰ صادر فرمایا اور ہفتہ کے دن لوگوں نے عام عید کی ہے تو اب استفاضہ عام ہو چکا بعد کے حالات نے اگرچہ انھیں قضا سے بچایا لیکن چونکہ اس وقت توڑنا جائز نہیں تھا اور علی الاعلان افطار کر کے گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں اس لیے توبہ کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

ریڈیو کے اعلان کے متعلق فریقین کے دلائل اور حضرت مفتی صاحب کا فیصلہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ گزشتہ عید الفطر میں اتوار اور پیر کو عید منانے میں جو اختلاف ہوئے۔ فریقین کے دلائل کے پیش نظر مدعی ثابت کرنا چاہتا ہے اس لیے اجمالاً فریقین کے دلائل پیش خدمت ہیں۔ اتوار کو عید منانے والے کے دلائل۔

۱۔ حکومت مسلم نے ریڈیو کے ذریعے عید کا اعلان کیا جس کا ماننا بلا چون و چرا عوام پر لازم ہے۔ کیونکہ شہادت لینا اور اعلان کرنا علماء یا عوام کا کام نہیں ہے۔ اور نہ ان کو اس کا اختیار ہے اور یہ والی کے ماتحت ہے۔

۲۔ ریڈیو نے عید کی خبر نہیں دی بلکہ حکومت مسلمہ کے فیصلہ کا اعلان کیا۔ سو خبر واحد یا مستفیض کا سوال اٹھانا فضول ہے۔

۳۔ حکومت مسلمہ نے اگر شرعی طریقہ پر عید کے اعلان کرنے یا شہادت لینے میں کوتاہی کی تو وہ اس کی ذمہ دار ہے۔ اس کا وبال اس پر ہے۔ عوام یا علماء پر نہیں ہے۔ سابق فتاویٰ برطانیہ کے عہد کے لیے ہیں کیونکہ اس وقت کوئی شرعی امر حکومت کے ذمہ نہ تھا۔ اب حکومت پاکستان نے جب عید کی تاریخ کے تعین کا ذمہ لیا تو وہ اس کی ذمہ دار ہے۔ اس کا فرمان شرعاً نافذ ہے۔ حکومت عادلہ اور جابرہ کے لیے شرعاً برابر ہے۔

اتوار کو عید نہ منانے والوں کے دلائل۔

۱۔ ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار ہے۔ کیونکہ جو خبر نشر کی گئی وہ کسی طرح خبر مستفیض کی قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

۲۔ مطالع کے اختلاف کے علاوہ شرعی شہادت اور شرعی طرز کا اعلان نہیں پایا گیا۔

۳۔ اتوار کا رمضان میں سے ہونا مستفیض اور یوم عید الفطر ہونا محتمل ہے۔ لہٰذا مستفیض پر عمل کرنا ضروری ہے۔

۴۔ جب ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ حکومت پاکستان نے شرعی شہادت لینے اور شرعی طرز کے اعلان کا کوئی انتظام نہیں کیا تو ریڈیو کا اعلان محض ایک خبر جس کے کذب ہونے کا احتمال قوی ہے۔ علاوہ ازیں حکومت کے افسران میں مرزائی، شیعہ، منکر حدیث وغیرہ بھی ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ برتقدیر رمضان اتوار کو عید منانے والے پر قضا و کفارہ لازم ہے یا نہیں اور برتقدیر یوم عید اتوار کو عید نہ منانے والے گناہ کے مرتکب ہیں یا نہیں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پہلے اس مسئلہ کی شرعی حقیقت بیان کرتا ہوں۔ اس سے فریقین کے نزاع کا خود بخود محاکمہ ہو جائے گا۔ واضح رہے کہ حکومت کی طرف سے مقرر کردہ جماعت علماء کے سامنے تحت احکام شرع ہلال صوم یا فطر ثابت ہو جائے اور اس کا اعلان ریڈیو میں حاکم مجاز کی طرف سے ہو جائے تو اس کے حدود ولایت میں سب کو اس پر عمل کرنا لازم ہوگا۔ کیونکہ ریڈیو پر حکومت کے فیصلہ کو نشر کیا گیا ہے اور حکومت کے فیصلہ کو نشر کرنے والے کی عدالت دیانت یا اس کی معرفت شرط نہیں جیسے کہ فقہاء کرام نے اہل رساتیق پر شہر سے توپوں کی آواز سننے یا قنادیل معلقہ کے دیکھنے سے روزہ رکھنے کو لازم قرار دیا ہے۔ کما قال الشامی فی رد المحتار ۲/ ۹۹

قلت والظاهر انه يلزم اهل القرى الصوم بسماع المدافع او روية القناديل من المصر لانه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة للعمل كما صرحوا به واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيد اذ لا يفعل مثل ذلك عادة فی ليلة الشک الا لثبوت رمضان۔ وفی الشامی ایضا ۲/ ۱۱۵ وقد يقال ان المدفع فی زماننا يفيد غلبة الظن وان كان ضاربه فاسقا لان العادة ان الموقت يذهب الى دار الحكم اخر النهار فيعين له وقت ضربه ويعينه ايضاً للوزير وغيره واذا ضربه يكون ذلك بمراقبة الوزير واعوانه للوقت المعين فيغلب على الظن بهذه القرائن عدم الخطا و عدم قصد الافساد والا لزم تاثيم الناس وايجاب قضاء الشهر بتمامه عليهم فان غالبهم يفطر بمجرد سماع المدفع من غير تحر ولا غلبة ظن والله تعالى اعلم۔

شامی کی یہ عبارت اگر چہ یو... ...ار کے لیے ہے لیکن اس ... دال ہے کہ فاسق جب حاکم کے حکم کو اس کے امر سے نشر کرنے والا ہو تو موجب غلبہ ظن ہوتا ہے او... غلبہ ظن یومیہ افطار اور عید دونوں کے لیے موجب عمل ہے ان میں فرق نہیں ہے- ہاں ریڈیو اگر محض رویت کی خبر ...ے- فیصلہ حاکم نہ نشر کرے تو اس کا اعتبار نہیں ہے- لیکن ریڈیو کے نشر پر تب عمل کرنا لازم ہوگا کہ شرعی احکام کی رعایت رکھ کر ہی فیصلہ کیا گیا ہے- ویسے امام حاکم کا اندھا فیصلہ موجب عمل نہیں ہے- کما قال فی الدر المختار قبیل باب الطهارة شامی ۱ / ۵۲ واما المقلد فلا ينفذ قضاءه بخلاف مذهبه اصلا كما فى القنية الى ان قال نعم امر الامير متى صادف فعلا مجتهداً فيه نفذ امره كما فى سير التتار خانيه وقال فى زبدة المقال فى روية الهلال ص ۱۴ وبعد انفتاح الامور الثلاثة ... ان الحكام وان كانوا جاهلين بالاحكام الشرعية وكانوا غير عدول فحكمهم نافذ اذا حكموا لفتوى العالم الثقة فى ثبوت روية الهلال وراعوا فيه شروط الشهادة والاخبار جميع الشرائط لجهلهم ولو سلم علمهم بشروط الشهادة فبقلة مبالاتهم بحقوق الشرع وفقد عدالتهم لا يسلكون مسلك الاحتياط ولا يودون ما فرض الله عليهم من التثبت فى امر الدين كما هو مشاهدة من حالتهم اھ- موجودہ حالت میں حکومت وقت چونکہ ثقہ علماء کے مشورہ سے رویت ہلال کا فیصلہ نہیں کرتی ہے- اس لیے ان کا فیصلہ جو ریڈیو سے نشر کیا جائے نافذ نہ ہوگا- لہٰذا اس سال جن لوگوں نے حکومت کے نشریہ پہ اعتماد کر کے اتوار کو عید منائی ہے- انھوں نے اچھا نہیں کیا ہے گناہگار بن گئے ہیں- لیکن چونکہ بعد میں خبر مستفیض ہوگئی ہے کہ متعدد لوگوں میں اتوار کی رات کو چاند نظر آیا تھا- اس لیے ان کے ذمہ جن کو خبر مستفیض پہنچ گئی ہے قضا لازم نہیں اور جن لوگوں نے اتوار کو عید نہیں منائی ہے- انھوں نے شریعت کے مطابق درست کیا ہے- ہاں اگر حکومت شریعت کے مطابق انتظام کرے جیسے کہ اوپر ذکر کر دیا گیا تو اس کا فیصلہ نشریہ ریڈیو واجب العمل ہوگا- لہٰذا دونوں میں سے کسی فریق کی ساری باتیں نہ غلط ہیں اور نہ ساری درست ہیں- کچھ غلط کچھ صحیح - فقط واللہ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ

ہو المصوب- الجواب صحیح - واضح ہو کہ احقر خود مرکزی وزیر داخلہ سے اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو کر چکا ہے وہ خود معترف ہیں کہ ہم سے ذمہ داری نبھانے میں کوتاہی ہوئی ہے- آئندہ کے لیے انھوں نے صحیح شرعی نظام سے شہادت لینے اور اعلان ہلال کرنے کا وعدہ کیا ہے مجھ سے کچھ ضروری مشورے بھی لیے گئے ہیں خداوند کریم انھیں توفیق دے لیکن موجودہ صورت حال میں ان کا فیصلہ اور اس کا اعلان واجب العمل نہیں ہے-

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

سعودی عرب اور افغانستان کے اعلان پر پاکستانی عمل پیرا کیوں نہیں ہوتے؟

﴿س﴾

عرض مختصر اینکہ شمایان حضرات بطریق اتفاق علماء کرام ۴۲ نفر بمشاورہ در احسن الفتاویٰ ارقام کردہ اید کہ باخبار ٹیلی گراف و رادیو روزہ گرفتن و عید کردن جائز است و حال آنکہ چہار سال در مرورے شود کہ از عربستان بذریعہ ٹیلی گراف اخبار روزہ و عید مے شود باز از کابل افغانستان ہماں اخبار ٹیلی گراف بذریعہ رادیو نشر مے شود و افغانستان ہماں اخبار ٹیلیگراف و رادیو معمول میگردانند- وحکومت پاکستان وعلماء جید معمول نہ مے گردانند- نمیدانم کہ وجہ چیست و مایاں علماء وزیرستان ہم دو فریق شدہ اند بعضے باعلان رادیو افغانستان روزہ و عید ہر دو جائز مے دارند و معمول میگردانند- بعضے جائز نمے کنند-

نوٹ: حضرات علماء پاکستان و ہند اعنی دیوبند دو روزہ بحث و مباحثہ در بارہ اخبار ٹیلی گراف و رادیو وغیرہ آلات خبر رسانی در جواز و عدم جواز روزہ و عید در قاسم العلوم ملتان کردہ اند- باز در احسن الفتاویٰ ہماں تقریر مولانا رشید احمد لدھیانوی تحریر کردہ-۱۲

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم- در فیصلہ علماء در احسن الفتاویٰ ص ۳۴۹ اینطور نوشتہ است کہ (۳) مجلس نے یہ بھی طے کیا ہے کہ اگر جماعت علماء مجاز کے سامنے تحت احکام شرع ہلال صوم یا فطر ثابت ہو جائے اور اس کا اعلان ریڈیو میں حاکم مجاز کی طرف سے ہو تو اس کے حدود ولایت میں سب کو اس پر عمل کرنا لازم ہوگا-

وعمل علماء پاکستان مخالف این فیصلہ نیست- زیرانکہ مملکت پاکستان در حدود ولایت شاہ افغانستان داخل نیست ازیں وجہ اعلان ریڈیو مملکت افغانستان موجب عمل برائے پاکستان نباشد- حسب فیصلہ علما مذکورہ-

اما عدم عمل علماء بر اعلان ریڈیو مملکت پاکستان ازایں وجہ است کہ رویت ہلال کمیٹی پاکستان موجود اولا مشتمل بر جماعت علماء نیست وثانیا فیصلہ تحت احکام شرع نکنند وشہادت بطریق شرعی نمے گیرند- ازیں وجہ بر کمیٹی موجودہ علماء را اعتماد نیست ودر فیصلہ علماء تصریح است کہ ثبوت ہلال صوم وفطر روبروئے جماعت علماء مجاز تحت احکام شرع شود پس اعلان او از جانب حاکم مجاز در ریڈیو شود- او موجب عمل است- وایں شرائط تا حال ایں جا موجود نیستند- لہٰذا قول وفعل علماء پاکستان باہم مختلف نیست- فقط واللہ تعالیٰ اعلم-

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۲ محرم ۱۳۸۸ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳۸۸/۲/۲۵ھ

ایک شہر میں مطلع صاف ہونے کے سبب شہادت مسترد کیے جانے کے بعد دوسرے شہر سے آنے والے فون کا حکم

﴿س﴾

جمعہ کے دن شام کے وقت تقریباً ساری تحصیل بھکر میں مطلع بالکل صاف تھا لیکن چاند کہیں نظر نہیں آیا کلور کوٹ میں چند آدمیوں نے کہا کہ ہم نے چاند دیکھا ہے-لیکن ان میں سے تین چار ہی ایسے تھے جن کی بات کو صحیح سمجھا جا سکتا تھا-باقی سب ناقابل اعتبار تھے جس کی وجہ سے وہاں کے علماء نے ان سب کی شہادت کو کالعدم قرار دیا رات سرگودھا میں کلورکوٹ کے حضرات نے فون کیا وہاں کے ایک جید عالم دین نے فرمایا کہ ہم نے خوشاب دو آدمی بھیج کر تحقیق کی ہے وہاں چاند دیکھا گیا اس وجہ سے ہماری عید ہے اور تم بھی بلاتردد عید کرو-ان عالم دین کی آواز کو بھی پوری طرح پہچاننے والے آدمی کو فون پر بٹھایا گیا تھا-کلورکوٹ میں مطلع بالکل صاف تھا-جیسا کہ اوپر عرض کیا ہے کہ تقریباً سارے تحصیل بھکر میں مطلع بالکل صاف تھا نہ کلورکوٹ والوں نے سرگودھا کے عالم دین کو بتایا کہ یہاں مطلع صاف تھا اور نہ ان عالم دین نے فرمایا کہ سرگودھا میں مطلع ابرآلود تھا-حقیقت یہ ہے کہ سرگودھا میں مطلع ابرآلود تھا-اس صورت میں کلورکوٹ کے علماء نے عید کرنے کا فیصلہ کر لیا-کیا ایسی صورت میں کلورکوٹ کے علماء کا عید کرانا درست ہے یا نہیں-ریڈیو کی خبر رمضان اور عید کے چاند کے لیے معتبر ہے یا نہیں اگر ہے تو کن صورتوں میں-مطلع صاف ہونے کی صورت میں ایسی خبر کی حیثیت کیا ہوگی-

﴿ج﴾

مطلع صاف ہونے کی صورت میں جمع عظیم کی شرط احناف کا ظاہر مذہب ہے جب کلورکوٹ میں شہادت عینی دینے والوں کی شہادت اس لیے مسترد کر دی کہ جمع عظیم نہیں ہے اور مطلع صاف ہے تو ٹیلیفون کی بات کا اعتبار کرنا سمجھ میں نہیں آتا-کیا ٹیلیفون کی بات عینی شہادت سے بھی زیادہ معتبر ہوتی ہے-اس لیے ایسی صورت میں عید کرنی جائز نہیں ہے-اگر مکمل سرکاری نظم اس طرح قائم ہو جاوے کہ شرعی اصول کے مطابق علماء کے فتوے اور مشورے سے آمنے سامنے عینی شہادت لے کر عید کا حکم دیا جائے اور پھر اس فیصلہ کو پوری ذمہ داری سے ریڈیو پر نشر کیا جاوے تو یہ اعلان حکم حاکم کی حیثیت میں عید و رمضان دونوں میں معتبر ہوگا اور اس پر عمل لازم ہوگا اور جب اس طرح کا نظام قائم نہ ہو (جیسے کہ اب نہیں ہے) تو ریڈیو کی خبر کا کوئی اعتبار نہ ہوگا-واللہ تعالیٰ اعلم

ریڈیو کے اعلان پر عمل کرنے کی صورت

﴿س﴾

بخدمت مکرمی ومحترمی حضرت مولانا مفتی محمود صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ-عرض ہے کہ مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی جو اعلان کرتے ہیں-ریڈیو کے اندر کہ آج فلاں فلاں جگہ چاند دکھائی دیا یہ اعلان شریعت کے قانون کے موافق قائم مقام شاہد کے ہو سکتا ہے یا نہیں-اگر قائم مقام ہے تو دلیل کے ساتھ جواب عنایت فرماویں-فقط آپ کا شکریہ-جواب کی جلد از جلد عنایت بخشیں-

احقر رحیم بخش بوہرہ خادم مدرسہ بدرالعلوم علی نواز خان

﴿ج﴾

ریڈیو کے جس اعلان پر صوم یا افطار کا حکم دیا جائے گا اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ تفصیلی ہو اور ذمہ دار علماء کی طرف سے ہو یا کم از کم ان کی ذمہ داری کے حوالہ سے ہو کہ انھوں نے باضابطہ شرعی شہادت لے کر چاند کے ہو جانے کا فیصلہ کیا ہے-مثلاً ریڈیو اسٹیشن سے کوئی مسلمان یہ اعلان کرے کہ ہمارے شہر کی ہلال کمیٹی یا جماعت علماء نے ثبوت شرعی کے بعد رویت کا فیصلہ کر دیا ہے-اس طرح کے واضح اعلان پر جو معتمد کمیٹی کی طرف سے ہو صوم و افطار صوم درست ہے-والتفصیل فی زبدۃ المقال فی رویۃ الہلال لہٰذا اس صورت میں اعلان پر عمل کرنا جائز ہے-

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم

کیا ریڈیو کے اعلان کے باوجود روزہ نہ رکھنا یا عید نہ کرنا گناہ ہے یا نہیں؟

﴿س﴾

موجودہ حکومت نے رویۃ ہلال کمیٹی چاند کے لیے مقرر کر دی-آیا ریڈیو کے اعلان پر رمضان شریف کا روزہ رکھنا اور عید کرنا جائز ہے یا نہیں اگر ریڈیو کے اعلان میں روزہ رکھنا جائز نہیں تو جن لوگوں نے ۲۹ شعبان ۱۳۹۴ھ کو رمضان کا روزہ سمجھ کر روزہ رکھا ہے وہ روزہ جائز ہے یا نہیں-اگر اس دن روزہ جائز نہیں تو اسی دن روزہ توڑ دیں یا نہ-

﴿ج﴾

مدرسہ قاسم العلوم میں ایک اجتماع علماء کا ہو چکا ہے جس میں طے کیا جا چکا ہے کہ اگر رویت ہلال کے علماء کی نمائندہ جماعت مقرر ہو جائے اور وہ شرعی طریق سے شہادت اور اخبار مستفیضہ یا غیر مستفیضہ پر فیصلہ کر دے تو وہ

فیصلہ تمام حدود پاکستان میں نافذ ہوگا - ریڈیو کا حاکم مجاز محض نشر کرنے والا ہوگا - اس ضابطہ کی بنا پر مولانا مفتی محمود صاحب نے بھی بدھ کا روزہ رکھا ہے اور ہم نے بھی بدھ کا روزہ رکھا ہے - لہٰذا یہ روزہ صحیح اور جائز ہوا ہے اور اس کا توڑنا صحیح نہیں - فقط واللہ اعلم

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۰ شوال ۱۳۹۴ھ

دوربین کے ذریعہ چاند دیکھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ شعبان یا رمضان شریف کے یا کسی بھی چاند کو دو آدمی معتبر قسم کے دوربین یا کسی اور آلہ کے ذریعہ سے دیکھیں آیا ان کی گواہی عندالشرع مقبول ہوگی یا نہ۔

﴿ج﴾

دوربین کے ذریعہ اگر چاند نظر آئے اور گواہ یعنی دیکھنے والے معتبر ہوں تو شرعاً چاند کا ثبوت ہو جاویگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۵ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ

اگر شرعی شہادت کے بغیر کسی نے ۲۹ کو عید منائی تو ایک روزہ کی قضاء واجب ہوگی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع اس مسئلہ میں کہ اس دفعہ اختلاف چاند کی وجہ سے بعض مقامات پر بروز جمعرات عید پڑھی گئی ہے اور علماء کرام کی تحقیق اور فتویٰ خلاف عید جمعرات معلوم ہوتے ہیں جس سے ایک روزہ کی قضاء اور اعتکاف کے متعلق دریافت کرنا ضروری ولازمی سمجھا گیا برائے کرم از روئے شریعت طیبہ بالتفصیل ارشاد فرمایئے کہ کیا کرنا ضروری ہے۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اگر کسی کو جمعرات کو چاند دیکھے جانے کا شرعی ثبوت بہم پہنچ گیا ہو یعنی یا تو شرعی شہادت اس تک پہنچ گئی ہو۔ اور یا جمعرات کی رات کو چاند دیکھے جانے کی کہیں سے خبر مستفیض اسکو پہنچی ہو۔ تو اس کے اوپر ایک روزہ کی قضا واجب نہیں ہے۔ صرف حکومت کے اعلان پر اعتماد کافی نہیں ہے۔ بلکہ کسی دوسرے شرعی طریق موجب سے اگر اس کو ثبوت ہو گیا ہو تو اس کے ذمہ قضا واجب نہیں ہے اور اگر اس کو تاہنوز کسی شرعی طریق موجب

سے جمعرات کی شب کی رؤیت کا ثبوت نہ ہوا ہو۔ تو اس کے ذمہ ایک روزہ کی قضاء واجب ہے اور اعتکاف مسنون کی قضاء نہیں ہوا کرتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۸۶ھ۔

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳ ذوالقعدہ ۱۳۸۶ھ

بعض لوگوں نے عید جمعرات کو اور دوسرے بعض نے جمعہ کو منائی اب حق بجانب کون ہیں؟

﴿س﴾

چہ فرمایند علماء دین دریں مسئلہ اس دفعہ عید الفطر کے موقع پر حکومت کی طرف سے اعلان تھا۔ کہ چاند دیکھا گیا ہے۔ اور جمعرات کو عید منائی جائے گی۔ علماء کرام نے روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ بہت ہی کشمکش رہی جو لوگ حکام کے تابع تھے۔ ان کی عید جمعرات کو ہوئی اور جو لوگ علماء کا لحاظ رکھتے تھے۔ ان کی عید جمعہ کو ہوئی۔ الغرض نہایت پریشانی رہی اور ضلع لورالائی کے علماء کرام کو حکومت نے مجبور کیا ہے کہ ریڈیو کی اطلاع کے متعلق ہمیں فتویٰ سے مطلع کرو۔ چنانچہ اب آپ حضرات سے استدعا کی جاتی ہے۔ کہ ریڈیو کے متعلق مفصل فتویٰ دیکر ممنون فرمائیں۔

﴿ج﴾

حکومت کے مقرر کردہ معتمد علماء کی ہلال کمیٹی کے سامنے تحت احکام شرع ہلال صوم یا فطر ثابت ہو جائے۔ اور اس کا اعلان حاکم مجاز کی طرف سے ریڈیو میں ہو جائے تو اس کے حدود ولایت میں سب کو اس پر عمل کرنا لازم ہوگا۔ یعنی رؤیت ہلال کمیٹی اگر شہری ہو۔ تو پورے شہر میں، ضلعی ہو تو پورے ضلعے میں، صوبائی ہو تو پورے صوبے میں، مرکزی ہو تو پورے ملک میں اس کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ جیسا کہ احسن الفتاویٰ ص ۳۴۲ پر ہے۔ کہ ہر قاضی کا فیصلہ صرف اس کی ولایت تک بذریعہ مدافع طبول اور ریڈیو وغیرہ کے بشرائط مذکورہ نشر کیا جا سکتا ہے اور سامعین کے لیے موجب عمل ہے۔ حکومت مرکزی پاکستان کی ولایت عامہ ہے۔ لہٰذا اگر مرکزی حکومت نے کسی معتبر ہلال کمیٹی کے علماء سے فیصلہ کروا کر نشر کیا۔ تو یہ فیصلہ سارے پاکستان کے لیے موجب عمل ہوگا۔ بشرطیکہ ریڈیو خاص ضابطہ کے تحت ہو۔ فیصلہ علماء متعلقہ رؤیت ہلال جو ۴ ستمبر ۵۴ء مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں ہوا تھا۔ اور جس پر ۴۲ جید علماء کے دستخط ہیں) میں ہے۔ (۳) مجلس نے یہ بھی طے کیا ہے کہ اگر کسی جماعت علماء مجاز کے سامنے تحت احکام شرع ہلال صوم یا فطر ثابت ہو جائے اور اس کا اعلان ریڈیو میں حاکم مجاز کی طرف سے ہو تو اس کی حدود ولایت میں

سب کو اس پر عمل کرنا لازم ہوگا۔ مگر افسوس ہے کہ آج تک حکومت نے اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا ہے۔ اور مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی میں اب تک معتمد علماء کو نہیں لیا گیا ہے۔ اس لیے علماء کرام حکومت کے فیصلہ سے اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ اگر حکومت مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی میں معتمد علماء کرام کو لے لے اور وہ احکام شرع کے تحت ہلال کی شہادتیں لے کر فیصلہ کر لیں اور حکومت کی طرف سے باضابطہ بذریعہ ریڈیو اس کا اعلان ہو تو شرعاً تمام ملک کے مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا لازم ہوگا۔ اس مسئلہ پر مزید تفصیل فیصلہ علماء متعلقہ رویت ہلال کمیٹی زبدۃ المقال مصنفہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب ملاحظہ فرماویں فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۵ شوال ۱۳۸۶ھ۔

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۵/۱۰/۱۳۸۶ھ

رؤیت ھلال کمیٹی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

رؤیت ھلال کمیٹی کے اعلان پر روزہ رکھنا' یا عید منانا جائز ہے یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ رؤیت ھلال کمیٹی کا وجود قرآن کی روشنی میں کیا حیثیت رکھتا ہے اور اس کمیٹی میں کس قسم کے اور کس مکتب فکر کے افراد شامل ہیں۔

(۲) صوم و افطار بمطابق اعلان رؤیت ھلال کمیٹی بذریعہ ریڈیو شرعی حیثیت سے جائز ہے یا نہیں۔ ان کے جوابات مذھبی تعصبات اور فرقہ بندی سے بالاتر ہو کر محض کتاب و سنت اور فقہ کی روشنی میں مدلل اور بالتفصیل ارشاد فرماویں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (۱۔۲) رؤیت ھلال کمیٹی کی شرعاً حیثیت یہ ہے کہ اس کا فیصلہ صوم و افطار کے متعلق اپنی حدود ولایت میں قابل قبول اور نافذ العمل ہوتا ہے۔ بشرطیکہ رؤیت ھلال کمیٹی کے ارکان معتمد علماء میں سے ہوں جو شہادت کی شرعی حیثیت سے واقفیت کے ساتھ ساتھ اس کے تمام شرائط کی کما حقہ' رعایت رکھتے ہوں۔ تو ایسی کمیٹی اگر شہری ہو تو پورے شہر میں' ضلعی ہو تو پورے ضلع میں' صوبائی ہو تو پورے صوبہ میں اور مرکزی ہو تو پورے ملک میں اس کا فیصلہ متعلقہ صوم و افطار واجب العمل ہوگا۔ دیکھیے احسن الفتاویٰ ص ۲۴۲ پر ہے۔ کہ ہر قاضی کا فیصلہ صرف اس کی ولایت تک بذریعہ مدافع طبول اور ریڈیو وغیرہ کے (بشرائط مذکورہ) نشر کیا جا سکتا ہے۔ اور سامعین

کے لیے موجب عمل ہے۔ حکومت مرکزی پاکستان کی ولایت عامہ ہے۔ لہٰذا اگر مرکزی حکومت نے کسی معتبر ہلال کمیٹی کے علماء سے فیصلہ کروا کر نشر کیا تو یہ فیصلہ سارے پاکستان کے لیے موجب عمل ہوگا۔ بشرطیکہ ریڈیو خاص ضابطہ کے تحت ہو۔ نیز فیصلہ علماء متعلقہ رؤیت ہلال (جو مدرسہ قاسم العلوم میں ۱۴ ستمبر ۵۴ء کو ہوا تھا اور جس پر ۴۲ جید علماء کے دستخط ہیں) میں ہے۔ (۳) مجلس نے یہ بھی طے کیا ہے۔ کہ اگر جماعت علماء مجاز کے سامنے تحت احکام شرع ھلال صوم یا فطر ثابت ہو جائے اور اس کا اعلان ریڈیو میں حاکم مجاز کیطرف سے ہو تو اس کے حدود ولایت میں سب کو اس پر عمل کرنا لازم ہوگا۔ مگر افسوس ہے کہ آج تک حکومت پاکستان نے معتبر علماء کی مرکزی ہلال کمیٹی قائم نہیں کی اور نہ ہی شرعی اصول و ضوابط کی کما حقہ' رعایت رکھی ہے۔ اس لیے علماء پاکستان سرکاری اعلان کو قطعی فیصلہ قرار نہیں دیتے اور اس سے اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۴ شوال ۱۳۸۶ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۴ شوال ۱۳۸۶ھ

رؤیت ھلال کمیٹی کی خبر پر عمل کن شرائط کے ساتھ جائز ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ رؤیۃ ھلال کے متعلق جو اس زمانے میں بذریعہ ریڈیو کے خبریں شائع کی جاتی ہیں۔ اخبار مذکورہ قابل قبول ہو سکتی ہیں یا نہ اگر ہو سکتی ہیں۔ تو کس قدر اور کن شرائط کے ساتھ اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ بیان کر کے ممنون فرماویں مزید براں آپ صاحب کے ہاں چاند رمضان المبارک کا اربعاء کے دن ہے یا خمیس کے دن کا ہے۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ رؤیت ھلال کمیٹی جس میں معتمد علماء ہوں جو شرعی اصول و ضوابط سے واقف ہوں۔ اور شرائط شہادت کی رعایت رکھ کر فیصلہ فرماتے ہوں۔ حکومت کی طرف سے مقرر کردہ ہوں تو اس کا فیصلہ اپنی حدود ولایت میں واجب العمل ہے۔ شہری ہو تو پورے شہر میں' ضلعی ہو تو پورے ضلع میں' صوبائی ہو تو پورے صوبہ میں اور مرکزی ہو تو پورے ملک میں اس کا فیصلہ جو ریڈیو سے نشر کیا جائے نافذ العمل ہوگا۔ فیصلہ متعلقہ رویت ھلال (جو مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں ۱۶ ستمبر ۵۴ء کو ہوا تھا اور جس پر ۴۲ جید علماء کے دستخط ہیں) میں ہے (۲) مجلس نے یہ بھی طے کیا ہے۔ کہ اگر جماعت علماء مجاز کے سامنے تحت احکام شرع ھلال صوم یا فطر ثابت ہو

جائے اور اس کا اعلان ریڈیو میں حاکم مجاز کی طرف سے ہو تو اس کے حدود ولایت میں سب کو اس پر عمل کرنا لازم ہو گا۔ مگر افسوس ہے کہ آج تک حکومت پاکستان نے معتبر علماء کی کوئی مرکزی کمیٹی قائم نہیں کی۔ اور نہ ہی شرعی اصول وضوابط کی کماحقہ رعایت رکھی ہے۔ اس لیے آج کل محض ریڈیو کی خبروں اور اعلانوں پر اکتفاء نہ کیا جائے۔ بلکہ اپنی رویت یا شرعی شہادت وغیرہ پر عمل کیا جائے۔ ہمارے ہاں بدھ کے دن پہلا روزہ تھا چاند عام دیکھا گیا تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۴ شوال ۱۳۸۶ھ۔

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

رؤیت ھلال کمیٹی میں چونکہ قابل اعتماد علماء نہیں ہیں لہٰذا اس کا فیصلہ قابل اعتبار نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ حکومت پاکستان نے جو رؤیت ہلال کمیٹی حال میں قائم کی ہے۔ اس پر صوم وافطار کرنا درست ہے یا نہ۔ جواب اثبات یا نفی میں ہو مکمل طور پر بالتشریح تحریر فرما دیں اور یہ بھی لکھیں کہ اس کمیٹی میں کون سے لوگ کیسے کام کرتے ہیں۔ مثلاً اگر پشاور یا کوئٹہ میں چاند دکھائی دیا۔ تو ان کے پاس تک شرعی شہادتیں کیسے پہنچی ہیں۔ اور اگر ریڈیو پر اس کمیٹی کے نام پر اعلان ہو۔ تو کیا معلوم کہ وہ صحیح کہہ رہے ہیں یا غلط۔ اگر اس کمیٹی میں علماء نہیں فاسق فاجر شخصیتیں کام کر رہی ہیں۔ تو پھر ان کی خبر پر کیا اعتبار ہے۔

اور اگر رؤیت ہلال کمیٹی کے نام پر نہیں بلکہ وزارت داخلہ کے نام پر رؤیت ہلال کی خبر نشر کی گئی تو آیا اس پر عمل درست ہے یا نہیں۔ اگر آل انڈیا ریڈیو رؤیت ہلال کی خبر دے تو وہ صحیح ہو گی یا نہیں۔ ہم کو اس پر عمل کرنا لازم ہے یا نہیں۔ خبر ماہ رمضان یا شوال کی ہو۔

بہر حال آپ ہمیں اس رؤیت ہلال کمیٹی کے بارے میں بالتفصیل لکھیں۔ کیونکہ یہاں پر بہت جھگڑا برپا ہے

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح رہے۔ کہ اگر رؤیت ہلال کمیٹی کے سامنے ہلال صوم یا فطر شرعی احکام کے تحت ہو جائے اور اس کا اعلان حاکم مجاز کی طرف سے ریڈیو میں ہو جائے۔ تو اس حاکم کے حدود ولایت میں اس پر عمل کرنا لازم ہو گا۔ یعنی اگر شہری کمیٹی ہو اور شہر کے حاکم مجاز کی طرف سے اعلان ہو تو پورے شہر میں، اگر ضلعی ہو تو پورے ضلع میں، صوبائی ہو تو پورے صوبہ میں اور مرکزی ہو تو پورے ملک میں اس کا حکم نافذ ہو گا۔ مگر یہ بات بھی ضروری ہے کہ کمیٹی کے اندر معتمد اور ماہر عالم ہوں جو شریعت کے مطابق فیصلہ کرتے ہوں۔ اور ان کے پاس

ہلال عید میں شرعی شہادت پیش ہوئی یا خبر مستفیض پہنچی ہو تو ایسی صورت میں ان کا فیصلہ واجب العمل ہو گا۔ اگر چاند پشاور میں دیکھا گیا ہو اور اس کی خبر ٹیلیفون سے مرکز تک پہنچے۔ اور باقاعدہ شرعی شہادتیں مرکزی کمیٹی کے سامنے پیش نہ ہو جائیں تو ایسی صورت میں مرکزی کمیٹی کا اعلان شرعاً درست نہیں ہو گا۔ موجودہ حالات میں حکومت وقت نے ہلال کمیٹی میں چونکہ معتمد علماء نہیں لیے ہیں۔ وزیر داخلہ سیکرٹری اور چند دیگر سرکاری آفیسر اور برائے نام مولوی آجکل رؤیت ھلال کمیٹی کے ارکان ہیں۔ اس لیے علماء کو ان پر اعتماد نہیں ہے اور جب تک علماء کے سامنے ہلال کا شرعی ثبوت خود نہ پہنچ جائے۔ ان کے فیصلہ پر عمل نہیں کرتے۔ فیصلہ علماء متعلقہ رؤیت (جو کہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں ستمبر ۱۹۵۴ء کو ہوا تھا اور جس پر ۴۲ علماء کے دستخط ہیں) میں ہے۔ (۳) مجلس نے یہ بھی طے کیا ہے۔ کہ اگر جماعت علماء مجاز کے سامنے تحت احکام شرع ہلال صوم یا فطر ثابت ہو جائے اور اس کا اعلان ریڈیو میں حاکم مجاز کی طرف سے ہو تو اس کے حدود ولایت میں سب کو اس پر عمل کرنا لازم ہو گا۔ اس کی مدلل تفصیل احسن الفتاویٰ اور رسالہ زبدۃ المقال میں ملاحظہ فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۴ شوال ۱۳۸۶ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۶/۱۰/۱۳۸۶ھ

رؤیت ھلال کمیٹی کے اعلان پر عمل جائز ہے یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین؟ رؤیت ہلال میں غیر شرعی طریق کی وجہ سے اختتام شہر پر صائمین کو جن مشکلات اور آلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے ان کی وضاحت کی احتیاج نہیں۔ اب حکومت نے رؤیت ہلال کمیٹی قائم کی ہے۔ جس میں ہر مکتبہ فکر کے علماء نمائندے شامل ہیں۔ اور سرپرست (چیئرمین) بھی مقتدر عالم دین ہے حل طلب امر یہ ہے کہ کیا موجودہ رؤیت ہلال کمیٹی کا رؤیت ہلال کے متعلق اعلان یا فیصلہ شرعی طریقہ شہادت کے مطابق ہے۔ اور کیا اس کے اعلان کے مطابق عمل کرنا صحیح مطابق فقہ حنفیہ ہے۔ مطلع فرمائیں۔

﴿ج﴾

اگر رؤیت ہلال کے لیے باقاعدہ حکومت کی جانب سے علماء کی مجلس مقرر ہو اور وہ اپنے شہروں میں باقاعدہ شہادت لیکر فیصلہ دیدیں۔ اور اس کا اعلان ریڈیو اسٹیشن سے نشر کر دیں۔ تو دوسرے شہروں میں یہ تو ظاہر ہے وہ شہادت کی حیثیت نہیں رکھتا۔ لیکن جس طرح ایک شہر اور اس کے مضافات میں ضرب طبل۔ صوت مدافع۔ تعلیق

القنادیل علی المنائر کو علامات دالہ علی شہادت ٹھہرا کر شہر اور مضافات والوں کے لیے حجت اور موجب عمل قرار دیا گیا ہے۔ (کمافی منحۃ الخالق علی البحر الرائق (الشامیؒ)) اسی طرح اس اعلان کو بھی بمنزلہ علامت علی الشہادۃ قرار دے کر سننے والوں کے لیے حجت قرار دیا جائے گا۔ پس یہ فیصلہ و اعلان سارے پاکستان کے لیے موجب عمل ہوگا۔ بشرطیکہ ریڈیو خاص ضابطہ کے تحت ہو وثانیھا انہ لا یلزم اھل بلدۃ رؤیۃ غیرھم الا ان یثبت ذلک عندالامام الاعظم فیلزم الناس کلھم الخ (نیل الاوطار ۴/۱۹۴) فقط واللہ اعلم۔

کتبہ محمد طاہر رحیمی استاذ القرآن والحدیث مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۱ رمضان ۱۳۹۵ھ
الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۲ رمضان ۱۳۹۵ھ

رؤیت ہلال کمیٹی کا اعلان اگر شرعی شہادت کی بنیاد پر ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس بارے میں کہ مطلع صاف ہونے کے باوجود بھی اگر چاند نظر نہ آوے اور ہلال کمیٹی جو علماء کرام کے گروہ پر مشتمل ہے چاند کی رویت کا بذریعہ ریڈیو اعلان کر دے کیا ہم لوگ اس کمیٹی مذکورہ کے اعلان کو معتبر سمجھ کر عید کر دیں یا نہ مسئلہ ہذا کو واضح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ السائل محمد حبیب اللہ قادری لیاقت پور ضلع رحیم یار خان۔

﴿ج﴾

جب ہلال کمیٹی باضابطہ شرعی شہادت لے کر چاند کے ہو جانے کا فیصلہ کر دے تو ثبوت شرعی کے بعد اس واضح اعلان پر صوم و افطار صوم درست ہے۔ اگرچہ آپ کے ہاں مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند نظر نہ آئے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۹ شوال ۱۳۸۵ھ
الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

کیا اسلامی مہینہ ۳۱ کا ہو سکتا ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہلال محرم الحرام۔ شب سہ شنبہ کو بعد نماز مغرب بچشم خود ہلال کا نقشہ بے منور افق مغرب میں قد انسانی کی نظر تک اونچا دیکھا۔ اب ذوالحجہ کا مہینہ انتیس کا ہے یا پورے تیس کا۔

﴿ج﴾

قمری مہینہ ۲۹ یا ۳۰ کا ہوتا ہے۔ ۳۱ کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ حدیث شریف میں یہ مضمون صراحت سے وارد ہے۔ حساب وتجربہ بھی قطعاً اس کا مؤید ہے۔ لہٰذا اخبار مذکور کا ۳۱ ذی الحجہ تحریر کرنا قطعاً غلط ہے۔ باقی چاند کے منور و بے منور ہونے سے نیز اونچے نیچے سے آپ مہینہ کے تیس انتیس کے ہونے پر قطعی استدلال نہیں کر سکتے۔ مہینہ کی ابتداء سے (ابتداء کا ثبوت باقاعدہ شہادت سے ہو چکا ہو) شمار کر لیں اگر انتیس دن کے بعد دکھائی دیا تو مہینہ انتیس کا ہے۔ اور اگر تیس دن کے بعد دکھائی دیا تو مہینہ تیس کا شمار ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

اسلامی مہینوں میں ۲۸ کا مہینہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟
رمضان کا ثبوت ایک شخص کی شہادت سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟
۲۸ شعبان کو رمضان کا چاند نظر آنے کے متعلق
آجکل رؤیت ہلال کمیٹی کے اعلان پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ (ہجری کے مہینوں میں) اٹھائیس دنوں کا ماہ بھی ہو سکتا ہے یا نہیں مثلاً جمعرات کا دن گزر کر جمعہ کی رات کو چاند دیکھ لیا تو جمعہ سے یہ ماہ شروع ہو کر پھر جمعہ کو اس کے انتیس ۲۹ دن پورے ہوتے ہیں تو اسی رات (یعنی اس جمعہ کی رات جس پر انتیس ۲۹ دن پورے ہوئے ہیں) کسی نے چاند دیکھ لیا تو کیا یہ شہادت چاند دیکھنے کی قابل قبول ہوگی یا نہیں جبکہ اس مہینہ کے صرف اٹھائیس دن پورے ہوئے ہیں۔

(۲) رجب وشعبان وغیرہ علاوہ رمضان کے اور مہینوں کے ثبوت کے لیے ایک آدمی کی شہادت کافی ہو سکتی ہے یا نہیں اگر جواب نفی میں ہے تو اگر شعبان کے لیے ایک شخص گواہی دیدے اور اس حساب سے پھر رمضان کی شہادت بھی لی جائے تو رمضان ثابت ہوتا ہے یا نہیں یعنی غرض یہ ہے کہ شعبان کے لیے ایک آدمی کی شہادت سے رمضان کا ثبوت ہو سکتا ہے یا نہیں (۳) ایک گاؤں میں شعبان کی اٹھائیسویں تاریخ پر رمضان کے لیے شہادت لے لی تو اس پر رمضان کر لیا۔ دوسرے گاؤں کے تین افراد وہاں تھے۔ وہاں کے مولوی صاحب نے کہا۔ آپ اپنے گاؤں جاؤ۔ فرض رمضان ہے تو جب وہ اپنے گاؤں گئے تو وہاں کے مولوی زید کو اطلاع دی کہ کیا کل رمضان

ہے۔ دوسرے مولوی عمر نے کہا کہ یہ تو شعبان کے صرف اٹھائیس ۲۸ دن پورے ہوگئے ہیں تو کس طرح رمضان کرتے ہو آیا آپکے پاس پہلے دن کا کوئی ثبوت ہے تو زید مولوی صاحب نے کہا کہ ثبوت تو نہیں ہے لیکن ہمارے لیے ثبوت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم نے تو خود شہادت نہیں لی ہے اگر ہم یہاں پر خود شہادت لیتے تب ہم ثبوت کا پتہ لگاتے تو عمر مولوی اس گاؤں کو گئے جہاں شہادت لی تھی اور اپنی قوم والوں کو کہنے لگا کہ آپ دس بجے روزے کی نیت کریں اگر ہم نے ثبوت دیا تو پھر روزہ رکھیں گے ورنہ نہیں تو جب وہاں سے چلا گیا وہاں پر بھی کوئی ثبوت نہیں تھا۔ بس اسی شہادت پر عمل کیا تھا جو کہ اٹھائیس ۲۸ ویں شعبان پر لی گئی تھی۔ تو عمر مولوی آیا اور قوم کو کہنے لگا کہ بوجہ عدم ثبوت کے شعبان کے۔ فرض روزہ نہیں ہے اگر نفل رکھتے ہو تو رکھو تو لوگوں نے روزہ توڑا اس اثنا میں بعض لوگوں نے جو فرض نیت سے روزہ رکھا تھا۔ انھوں نے پوچھا تو عمر مولوی صاحب نے وہی بات کہی جو اپنی قوم والوں کو کی تھی کہ فرض روزہ بوجہ عدم ثبوت شعبان کے نہیں ہے آیا عمر نے ٹھیک کہا ہے یا نہیں اور عمر مولوی پر زید صاحب نے فتویٰ لگایا ہے کہ عمر مولوی پر اور جنھوں نے روزے توڑ لیے ہیں ان سب پر اکٹھے ۶۱ روزے فرض ہو گئے ہیں۔ یعنی ان پر کفارہ لازم ہوگیا۔ آیا یہ درست ہے یا نہیں تفصیلاً تحریر کریں۔ (۴) آجکل حکومت نے جو ہلال کمیٹی بنائی ہے اس پر اعتماد کیا کریں یعنی اس کے اعلان پر عمل کرنا لازمی ہے یا کہ عمل کرنے میں اختیار ہے نیز اگر ایک عالم کی شہادت لے لیں اور دوسرا عالم اس کی شہادت پر عمل نہیں کرتا ہے تو آیا بموجب شرع اس پر کوئی جرم آیا ہے یا نہیں اور پہلے عالم کی شہادت پر عمل کرنا اس کے لیے ضروری ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

شریعت میں مہینہ ۲۹ یا ۳۰ دن کا ہوتا ہے ۲۸ دن کا کوئی مہینہ نہیں ہوتا۔ ۲۔ صوم رمضان کے علاوہ کسی اور مہینہ کے لیے ایک آدمی کی شہادت حجت نہیں شہادت عدلین ضروری ہے۔ ایک آدمی کی شہادت پر اگر شعبان کے ۳۰ دن پورے ہو جائیں تو رمضان کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔ ۳۔ اگر ۲۸ شعبان کو دو عادل شہادت کے معروف طریقہ سے رمضان کے چاند کی شہادت دے دیں اور معتمد علیہ عالم اس کو معتبر سمجھتے ہوئے ثبوت رمضان کا فیصلہ کردیں تو اس عالم کے حلقہ ولایت میں رمضان کا ثبوت ہو جائے گا اور سمجھا جائے گا۔ کہ شعبان کے ۲۸ دن نہیں بلکہ ۲۹ دن پورے ہوچکے ہیں لیکن اگر دوسرے گاؤں میں معتمد علیہ عالم کو شرعی وجوہ کی بنا پر یہ شہادت درست معلوم نہ ہو تو پہلے عالم کا فیصلہ اس پر حجت نہیں باقی ثبوت رمضان شریف کے لیے ایک آدمی کی خبر بھی کافی ہے بشرطیکہ اس کے صدق پر ظن غالب ہو عمر کا قول صحیح ہے اور لوگوں پر کفارہ واجب نہیں (۴) ریڈیو سے رویت ہلال کا اعلان خبر ہے

اصطلاحی شہادت نہیں ہے ریڈیو کا اجمالی اعلان کہ فلاں شہر میں چاند دیکھا گیا یا کل عید ہے قابل قبول نہیں ہے اور نہ اس طرح کے اعلان پر صوم یا افطار صوم کا حکم دیا جائے گا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ تفصیلی ہو اور ذمہ دار اور معتمد علیہ علماء کی طرف سے ہو یا کم از کم ان کی ذمہ داری کے حوالہ سے ہو کہ انھوں نے باضابطہ شرعی شہادت لیکر چاند کے ہوجانے کا فیصلہ کیا ہے مثلاً ریڈیو اسٹیشن سے کوئی مسلمان یہ اعلان کرے کہ ہمارے شہر کی ہلال کمیٹی یا جماعت علماء یا قاضی شریعت نے ثبوت شرعی کے بعد رویت ہلال کا فیصلہ کردیا ہے اس طرح کے واضح اعلان پر صوم و افطار صوم درست ہے پاکستان میں موجودہ رؤیت ہلال کمیٹی جو ہر طبقہ کے معتمد علیہ علماء پر مشتمل ہے اور ضابطہ شرعی شہادت لیکر چیئرمین کمیٹی چاند کے ہوجانے کے فیصلہ کا اعلان کرتا ہے صوم و احکام مذکورہ کے مطابق ہے اور اس پر صوم و افطار صوم کا فیصلہ کرنا جائز اور درست ہے اور اس پر عمل کرنا لازم ہے۔

کیا واقعی قمری سال کے ۶ مہینے ۳۰ کے اور ۶ مہینے ۲۹ کے ہوتے ہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چاند اس رمضان کے مہینہ کا انتیس کا تھا اور ریڈیو کی اطلاع بھی یہی ہے ہم نے نہیں دیکھا۔ ۲۔ بعض کہتے ہیں کہ قمری سال کے چھ ماہ ۲۹ دن اور چھ ماہ ۳۰ دن کے ہوتے ہیں۔

﴿ج﴾

۱۔ چاند ۲۹ کا تھا پہلا روزہ بدھ کے دن ہے۔ ریڈیو کی اطلاع درست تھی کیونکہ رویت ہلال کمیٹی میں مقرر شدہ علماء کے فیصلہ کے بعد اعلان کیا گیا تھا اس لیے اگر پہلا روزہ نہیں رکھا تو رمضان کے بعد اسکی قضا کریں۔

۲۔ قمری سال کے بارے میں چھ ماہ کے ۲۹ دن اور چھ ماہ کے ۳۰ دن ہونے کا احتمال کوئی اصول نہیں چاند دیکھنے اور نہ دیکھنے پر موقوف ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۲ رمضان ۱۳۸۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقه وخاتم الانبیاء
سیدنا ومولانا محمد واله واصحابه اجمعین

تمہید

سالہا سال سے دیکھا جا رہا ہے کہ عید ورمضان میں عامۃ المسلمین میں شدید اختلاف ہوتا ہے- ایک ہی شہر میں بعض روزے سے ہوتے ہیں اور بعض عید مناتے ہیں- پھر اس پر بس نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک اپنے مخالف فریق پر طعن وتشنیع کرنے میں پوری ہمت صرف کرتا ہے- سب سے زیادہ اختلاف کا موجب ریڈیو پر نشر شدہ خبریں ہوتی ہیں- ریڈیو کے ذریعہ جب کسی شہر میں خبر پہنچتی ہے تو بعض حضرات بغیر تحقیق کے اس پر عمل کرنے لگتے ہیں اور بعض اس کی شرعی خامیوں کو دیکھ کر مجتنب رہتے ہیں- اس شدید انتشار کے پیش نظر مدرسہ عربیہ قاسم العلوم کچہری روڈ ملتان شہر کے مدیر محترم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب نے اس خالص علمی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے قدم اٹھایا اور اطراف پاک و ہند میں اس بارہ میں سوالات بھیجے- جوابات آنے پر چونکہ بعض میں اختلاف پایا جاتا تھا- اس کو رفع کرنے کے لیے ۱۶ ستمبر ۵۴ء کو مدرسہ قاسم العلوم ہی میں مفتیان پاکستان کا ایک اجتماع کرایا- دو دن مکمل بحث کے بعد جو فیصلہ ہوا اس کو ہندوستان کے مشہور مدارس میں نیز پاکستان کے ان علماء کی خدمت میں جو اجتماع میں بوجہ اعذار کے تشریف نہ لا سکے تھے بذریعہ ڈاک روانہ کر دیا- سب کی تصدیقات حاصل کرنے کے بعد اب اس کو مسلمانوں کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے-

نیز حکومت سے بھی گزارش ہے کہ وہ متدین علماء دین کی جماعت کے فیصلہ کے بعد اس کو نافذ کرنے کے لیے بذریعہ ریڈیو اعلان کرے اور محکمہ اطلاعات کو پابند کرے کہ وہ رویت کے بارے میں بغیر رویت ہلال کمیٹی کے فیصلہ کے کوئی خبر نشر نہ کرے- تاکہ عامۃ المسلمین کے فریضہ میں کوئی نقصان نہ آئے- (نوٹ: حکومت سے اس بارے میں گفتگو کی جا رہی ہے)

حامداً و مصلیاً

نوٹ: رویت ہلال کے مسئلہ پر حضرت مفتی محمودؒ نے امت کی جو رہنمائی فرمائی تاریخ کا ایک روشن باب ہے- زیر نظر رسالہ (زبدۃ المقال فی رویت ہلال) بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے- اس نایاب علمی ذخیرہ کو اردو ترجمہ کے ساتھ شامل اشاعت کیا جا رہا ہے- تاکہ ہر سطح کے لوگ استفادہ کر سکیں-

اجتماع علماء منعقدہ ملتان مورخہ ۱۶ ستمبر ۵۴ء میں مدرسہ قاسم العلوم ملتان کی دعوت پر مسائل پیش آمدہ رویت ہلال پر غور وخوض اور بحث وتمحیص کے بعد جو متفقہ مسائل طے ہوئے وہ بغیر اعادہ سوالات کے حسب ذیل ہیں- اس میں اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ متون معروفہ ومشہورہ کی مفتی بہ روایات کے خلاف کوئی بات نہ ہو اور اختلاف وخود رائی کی جو وبا عام پھیلی ہوئی ہے اس کا انسداد ہو سکے- ان جوابات اور طے شدہ مسائل کی ایک ایک کاپی تمام اطراف واکناف کے علماء کرام کی خدمت میں پیش کی جائے گی اور اتفاق وتصدیق کے بعد جوابات حکومت سے متعلق ہے- اس کی منظوری کی استدعا حکومت سے کی جائے گی- وباللہ التوفیق

۱- ہلال رمضان بحالت علت خبر واحد سے خواہ وہ عادل ہو یا مستور الحال ہو ثابت ہو سکتا ہے- اس میں شہادت شرط نہیں- البتہ ہلال عیدین میں شہادت بشرائطہا ہونا ضروری ہے- یعنی کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ایسی ہوں جو دیندار ہوں اور اشهد سے حاکم یا جماعت مجاز کے سامنے باقاعدہ شہادت ادا کریں- بحالت دونوں ہلال میں جم غفیر کے ایسے اخبار جو موجب ظن غالب ہوں ضروری ہوں گے اور ان کا اعتبار کیا جائے گا لیکن اگر ہلال رمضان میں بستی سے باہر آئے ہوئے یا موضع مرتفع سے دیکھنے والے ایک عادل شخص کی یا بستی کے دو عادل کی شہادت سے بھی اطمینان حاصل ہو جائے تو اس پر حکم دیا جا سکتا-

۲- ریڈیو، ٹیلیفون، تار، برقی خط اور اخبار میں یہ فرق ہے کہ تار برقی اور اخبار سوائے صورت استفاضہ کے ہرگز معتبر نہیں- البتہ خط بشرط معرفۃ الکاتب وعدالتہ اور ریڈیو ٹیلیفون بشرط معرفۃ صاحب الصوت وعدالتہ درجہ اخبار میں معتبر ہوں گے- شہادت میں نہیں ہوں گے-

(۱۸ محرم الحرام ۱۳۷۴ھ)

۳- مجلس نے یہ بھی طے کیا ہے کہ اگر جماعت علماء مجاز کے سامنے تحت احکام شرع ہلال صوم یا فطر ثابت ہو جائے اور اس کا اعلان ریڈیو میں حاکم مجاز کی طرف سے ہو تو اس کے حدود ولایت میں سب کو اس پر عمل کرنا لازم ہوگا-

۴- ہلالِ صوم یا ہلال فطر دونوں میں دیہات و سائیق کے لوگوں کو جہاں علماء یا قضاۃ نہیں ہیں صرف افواہوں پر اعتماد کر کے روزہ اور عید جائز نہیں بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ عادل اور ثقہ ذمہ داری کے ساتھ یہ بیان دے کہ فلاں جگہ میں نے علماء کا فیصلہ سنا ہے یا وہاں متفقہ طور پر عید ہوئی اور میں خود پڑھ کر آیا ہوں یا میں نے مشاہدہ کیا ہے یا میں نے منادی سنی ہے اور اس کے ایسے بیان پر اہل قریہ کو غلبۂ ظن بھی حاصل ہو اس پر عمل کرنا درست ہوگا-

۵- رویت ہلال میں جہاں جہاں استفاضہ کا لفظ آیا ہے اس میں بھی بے سروپا، افواہوں یا مبہم اور غیر معروف لوگوں کے خطوط کا اعتبار نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حاکم وقت یا اس کے نائب مجاز (یعنی جماعت علماء یا عالم ثقہ) کے پاس متعدد خبر دینے والے خبر رویت ہلال کو بالشرائط المرقومہ فی الجواب السابق بیان کریں اور اس سے مخبر الیہ کو طمانیت قلب اور غلبۂ ظن حاصل ہو جائے تو اس صورت میں یہ طریقہ موجب عمل قرار دیا جائے گا- اس کے علاوہ استفاضہ میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ حاکم یا نائب یا عالم ثقہ فی القریہ کے پاس متعدد خطوط یا ٹیلیفون یا تار توسط یا بغیر توسط کے ایسے اور اتنے آجائیں کہ اس کی طمانیت قلب ہو سکے-

۶- اگر ہلال رمضان میں خبر واحد عادل یا خط وغیرہ پر اعتماد کرتے ہوئے روزہ کا حکم دے دیا گیا اور تیس روزے پورے ہو جانے کے بعد بھی رویت ہلال نہ ہوئی تو بحالت صحو عید کرنی جائز نہیں اور بحالت علت عید کرنی جائز ہے-

۷- اگر کسی جگہ حاکم وقت یا اس کے نائب نے (جماعت علماء یا عالم ثقہ فی القریہ) رویت ہلال کے باب میں فاسق کی شہادت کا غلبۂ ظن کے بعد اعتبار کرتے ہوئے حکم دے دیا تو نتیجتاً وہ سب کے لیے قابل تسلیم سمجھا جائے گا- لیکن اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا-

۸- اختلاف مطالع صوم و فطر میں بشرطیکہ دوسری جگہ ثبوت رویت بطریق موجب ہو معتبر نہیں ہوگا

۱- محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

۲- محمد شفیع غفرلہ مہتمم قاسم العلوم ملتان

۳- محمد عبداللہ غفرلہ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان- مورخہ ۱۸ محرم ۷۷ھ

۴- خیر محمد عفا اللہ عنہ، خیر المدارس، ملتان

۵- محمد صادق عفا اللہ عنہ ناظم امور مذہبیہ بہاولپور

۶- محمد ناظم ندوی شیخ الجامعۃ العباسیہ بہاولپور

۷- محمود الحسن عفی عنہ خطیب جامع مسجد مظفر گڑھ

۸- عبدالرحمٰن عفی عنہ، مفتی دارالافتاء محکمہ امور مذہبیہ، بہاولپور

۹- محمد چراغ عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ گوجرانوالہ

۱۰- احمد عفی عنہ صدر مدرس جامعہ دینیہ دارالہدیٰ ٹھیڑی ریاست خیرپور میرس سندھ

۱۱- جواب ہذا میں مجھے ابھی تک شرح صدر نہیں تحقیق کروں گا باقی نمبرات میں متفق ہوں-

۱۲- محمد برکت کشمیری مدرس خیر المدارس ملتان شہر

۱۳- جمال الدین غفرلہ، مردانی

۱۴- بشرح صدر مولانا عطا محمد صاحب نمبر۲ و نمبر۳ میں خلجان ہے باقی سے متفق ہوں- فقیر محمد شمس الدین ہزاروی

۱۵- الاجوبۃ صحیحۃ عندی واللہ تعالیٰ اعلم ظفر احمد عثمانی تھانوی عفا اللہ عنہ ۲۳ رجب ۷۷ھ

۱۶- محمد امیر بقلم خود غفرلہ جھوگ ویس

۱۷- علی محمد عفی عنہ (مدرس قاسم العلوم ملتان)

۱۸- احقر الانام احمد علی عفی عنہ (لاہور)

۱۹- عبدالحق عفی عنہ (مہتمم و شیخ الحدیث مدرسہ حقانیہ اکوڑہ خٹک سرحد)

۲۰- محمد یوسف عفی عنہ (مفتی مدرسہ حقانیہ اکوڑہ خٹک سرحد)

۲۱- مجھے جوابات بالا سے اتفاق ہے- محمد اشفاق الرحمٰن مفتی دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار سندھ

۲۲- سعید احمد غفرلہ مفتی مظاہر علوم سہارنپور

۲۳- مظفر حسین مظاہری معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور

۲۴- محمد عجب نور غفرلہ (مہتمم و شیخ الحدیث معراج العلوم بنوں)

۲۵- محمد سیاح الدین کاکاخیل مفتی مدرسہ اشاعت العلوم لائل پور

۲۶- سعید احمد مفتی سراج العلوم سرگودھا

۲۷- صالح محمد مدرس سراج العلوم سرگودھا ۲۸- محمد عفا اللہ عنہ انور مدرسہ تعلیم الاسلام لائل پور
۲۹- عبدالسمیع عفی عنہ مدرس مدرسہ سراج العلوم سرگودھا ۳۰- مسعود احمد نائب مفتی دارالعلوم دیوبند
۳۱- سعید احمد سعید دارالعلوم دیوبند ۳۲- عزیز الرحمٰن بجنوری، دارالعلوم دیوبند

محترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی (کراچی) نے باقی جوابات سے اتفاق فرمایا ہے- صرف اختلاف مطالع کے عدم اعتبار میں خلجان کا اظہار کیا ہے- اس لیے ریڈیو کے اعلان سے متعلق جواب نمبر۳ میں وہ الفاظ تحریر فرمائے جو نمبر۳ کے حاشیہ پر درج ہیں- نیز شہادت فاسق کے بارے میں ذیل کی تحریر ارسال فرمائی جو بلفظہ درج ہے-

فیصلہ نمبر ۸ میں یہ الفاظ کہ (لیکن اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے) محل تامل ہے- کیوں کہ جب شرعاً غلبہ ظن کی صورت میں قاضی کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ فاسق کی شہادت قبول کرے تو پھر یہ کہنا کہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے فی نفسہ بھی محل نظر ہے اور موجودہ زمانے کے اعتبار سے تو یہ حکم شاید ناقابل عمل ہو جائے کیونکہ اگر فاسق کی شہادت کو مطلقاً رد کرنا قرار دیا جائے تو ساری دنیا کا نظام مختل ہو جائے- کیونکہ معاملات کے لیے قابل قبول شہادت ہزار میں ایک بھی میسر آنا مشکل ہو جائے گا- ہاں یہ ظاہر ہے کہ قاضی کے لیے غلبۂ ظن بصدق مخبر ضروری ہے- جو فاسق اس درجہ میں نہ ہو اس کی شہادت رد کی جائے گی- ورنہ قبول کرنا چاہیے تاکہ حقوق ضائع نہ ہو جائیں- معین الحکام باب الثانی والعشرین میں اس مسئلہ پر مفصل کلام کر کے اس کو ترجیح دی ہے-

﴿مسئلہ﴾

قال القرافی فی باب السیاسة نص بعض العلماء علی انا اذالم نجد فی جهته الا غیر العدول اقمنا اصلحهم واقلهم فجورا للشهادة علیهم ویلزم ذلک فی القضاة وغیرهم لئلا تضیع المصالح قال وما اظن احداً یخالف فی هذا فان التکلیف شرط فی الامکان هذا کله' مضرورة لئلا تهدر الاموال و تضیع الحقوق- قال بعضهم واذا کان الناس فساقاً الا القلیل النادر قبلت شهادة بعضهم علی بعض ویحکم بشهادة الامثل فالامثل من الفساق هذا هو الصواب الذی علیه العمل وان انکره کثیر من الفقهاء بالسنتهم کما ان العمل علی صحة ولایة الفاسق ونفوذ احکامه وان انکروه بالسنتهم و کذلک العمل علی صحة کون الفاسق ولیاً فی النکاح ووصیاً فی المال وهذا یؤید مانقله القرافی- واذا غلب علی الظن صدق الفاسق قبلت شهادته وحکم بها- والله تعالی لم یامر برد خبر الفاسق فلا یجوز رده مطلقاً بل یتثبت فیه حتی یتبین صدقه من کذبه فیعمل علی ماتبین وفسقه علیه-

محترم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے بھی فقط اختلاف مطالع میں فیصلۂ علماء سے اختلاف فرمایا ہے- آپ کی تحریر بھی بلفظہ درج ذیل ہے-

گرامی قدر محترم مفتی صاحب زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ فتاویٰ متفقہ کو دیکھا- مجھے حسب ذیل امور میں اختلاف ہے-

(۲) ریڈیو میں صاحب الصوت کی معرفت وعدالت کی قید درست نہیں خصوصاً جب وہ کسی اسلامی حکومت کا ریڈیو ہو اور وہاں وکالتہً علماء یا جماعت علماء کی خبر وفیصلہ کو نشر کرتا ہو- نمبر۳ میں ''حدود ولایت'' میں عمل کرنا کلیہ صحیح نہیں- بعض اوقات بلاد میں بعد اتنا ہوتا ہے کہ حقیقتاً مطلع مختلف ہوسکتا ہے جیسے پشاور وڈھاکہ- اس لیے اس میں یہ قید بڑھانا چاہیے- بشرطیکہ دونوں ملکوں میں اتنا فاصلہ نہ ہو جہاں اختلاف مطلع حقیقتاً ہوسکتا ہو- بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع کا معتبر ہونا مسئلہ اجماعی ہے- کما صرح بہ ابن عبدالبر وغیرہ بدایۃ المجتہد لابن رشد- فتح الباری لابن حجر ملاحظہ ہوں- حنفیہ کے ہاں بھی بلاد بعیدہ میں معتبر ہونا متعین ہے- راجعوا البدائع والاختیار شرح المختار وتبیین الحقائق للزیلعی اور جب اجماع ثابت ہو جاتا ہے- دوسرا مرجوح قول خود بخود ختم ہو جاتا ہے- ائمہ کا قول **لا عبرة لاختلاف المطالع** مخصوص ان بلاد کے ساتھ ہے جہاں وسط شہر یا آخر شہر تک اتنی مسافت طے نہیں ہوسکتی تھی- متاخرین حنفیہ نے جو توسیع کر دی ہے- نہ ائمہ کا مراد نہ حقیقتاً صحیح ہے- تفصیل کی اس وقت ہمت نہیں-

والسلام

محمد یوسف بنوری عفے اللہ عنہ

مولانا عطا محمد صاحب (ڈیرہ اسماعیل خان) اور مولانا شمس الدین صاحب ہزاروی نے نمبر۳ میں اختلاف فرمایا ہے- وہ بھی ریڈیو کے اعلان کو پورے ملک میں نافذ ہونے کے مخالف ہیں-

بقیہ دستخط علمائے کرام تصدیق کنندگان فیصلہ مذکور صفحہ نمبر ۶ سے

۳۳- سید مسعود علی قادری، مفتی و مدرس مدرسہ انوار العلوم ملتان شہر

۳۴- ہذہ الصور صحیحۃ احمد یار خان خطیب جامعہ چوک پاکستان گجرات

۳۵- اصاب من اجاب، ابوالحسنات قادری

۳۶- خادم حسین بقلم خود، صدر انجمن غلامانِ محمدؐ مزنگ لاہور

۳۷- غلام محمد ترنم صدر جمعیۃ العلماء پاکستان صوبہ پنجاب لاہور

۳۸- صحیح الجواب- محمد عبدالمصطفیٰ الازہری غفرلہ

۳۹- اصاب من اجاب فقیر عبدالقادر غفرلہٗ خطیب جامع مسجد خانیوال- ومہتمم مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن جامع العلوم خانیوال بقلم خود

۴۰- من اجاب فقد اصاب کتبہ نور احمد نور خطیب جامع مسجد مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم ملتان کچہری روڈ

۴۱- الجواب صحیح، فقیر محمد قاسم بقلم خود خطیب جامع مسجد بستی لنڈہ ضلع مظفر گڑھ

۴۲- الجواب صحیح- کتبہ خدا بخش فیض فریدی خطیب جامع مسجد جکھڑانوالی جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ الذی نور قلوبنا بعلم الیقین- وشرح صدورنا لقبول الحق المبین- وامرنا بالاعتصام بالحبل المتین- وجعل الهلال غرةً للمستهلین- والصلوٰة والسلام علی سید الصائمین والمفطرین- الذی بعث مردالخصام المتنازعین- وجعل بدراً منیرا للعلمین وعلٰی اله واصحابه الذین هم مصابیح المهتدین- صلوةً وسلاماً دائمین مانبتت نجوم الارضین- وكانت النجوم فی السماء سابحین-

اما بعد فیقول الضعیف المدعو بمحمود عفا عنه ربه الودود و وقاه من شدائد الیوم الموعود- واعاذه من شر الظلوم الحسود- لما اشتد اختلاف اهل الزمان فی هلالی رمضان و شوال و کثر فیهما النزاع و الجدال- وان العلماء منهم من یفرطون فیحکمون بلا حجة شرعیة لا یراعون الشروط التی اشترطها الفقهاء فی شهاد ة الشاهدین ولا ینظرون فی الاخبار الی اوصاف المخبرین- ومنهم من یتوغلون فی هذا الامر تو غل المتعمقین وحتی لا تطمن نفوسهم دون الثلثین حتی ان عامة المسلمین كانوا فی اكثر البلاد والقری متشتتین اضطربت الامة المسلمة الی حل هذه العقدة وكشف هذه الغمة فانتهض لهذا مدیر المدرسة العربیة قاسم العلوم الواقعة فی بلدة ملتان- ورتب الاسئلة التی تتعلق بالرویة وارسلها الی المفتین فی نواحی باكستان والهند لیر تبوا الاجوبة عنها- ثم بعد وصول الاجوبة جمع مدیر المدرسة المذكورة اكثرهم هنا- لیر تفع الخلاف من البین- فبحثوا عن تحقیق المسئلة یومین- واتفقوا علی امر فصل-

ولله الحمد وهو الذی جعلته هدیتكم قبل هذه الرسالة- وقد كنت كتبت فی جواب تلك المسئلة اوراقا عدیدة- فاردت ان اهدیها للناظرین- لعل الله ینفع بها المنصفین ویجعلها وسیلتی یوم الدین- وهو الموفق والمعین-

۱- یكفی فی الصوم فی حالة الغیم وغیره من العلة خبر واحد عدل او مستور علی الاصح ولا یشترط شروط الشهادة من لفظة الشهادة و مجلس قضاء وعدد و حریة وغیرها......! لما فی الدرالمختار وقیل بلا دعوی و بلا لفظ اشهد و بلا حكم و مجلس قضاء لا نه خبر لاشهادة للصوم مع علته كغیم وغبار خبر عدل او مستور علی ما صححه' البزازی (كتاب الصوم)

واما فی الفطر والحالة هذه فیشترط له' مایشترط لثبوت المال من العدد والعدالة ولفظة الشهادة وغیرها من الشروط لما فی ردالمحتار ج ۲ صفحه ۹۹ للعلامة الشامی وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة ولفظ اشهد واذا کان یوم صحو فیشترط لها اخبار جمع عظیم یطمئن الیه القلب ویسکن به البال– ولا یشترط ان یکون احادها موصوفین بالعدالة والاسلام والحریة وسائر شروط اهلیة الشهادة هذا فی عامة الکتب– لکن قال العلامة الشامی و فی عدم اشتراط الاسلام نظر' لانه لیس المراد هنا بالجمع العظیم ما یبلغ مبلغ التواتر الموجب للعلم القطعی حتی لایشترط له ذلک بل مایوجب غلبة الظن ردالمحتار ج ۲ ص ۱۰۰ (کتاب الصوم)

قلت فعلیکم بالاحتیاط مرةً وبالتوسع اخری وذلک بحسب اختلاف المواقع– واما العدد الخاص فی الجمع العظیم فلم اره و ینبغی ان یکون موکولاً الی الحاکم– قال العلامة ابن عابدین الشامی فی رد المحتار ج ۲ ص ۱۰۰ – والصحیح من هذا کله انه مفوض الیٰ رای الامام ان وقع فی قلبه صحة ماشهدوا به وکثرت الشهود الخ ولکن عن ابی حنیفة فی حالة الصوم و الفطر الکفایة بخبر عدلین کما قال العلامة ابن نجیم صاحب البحر وروی الحسن عن ابی حنیفة ان یقبل فیه شهادة رجلین اورجل وامراتین سواء کان بالسماء علة اولم یکن کما روی عنه فی هلال رمضان کذا فی البدائع اه لکن ینبغی ان لا یعدل فی العمل عن ظاهر الروایة وهو اشتراط الجمع العظیم فی الفطر– واما فی الصوم فهذه الروایة هی المعینة للفتوی کیف لا وقد قال صاحب الدروعن الامام انه یکتفی بشاهدین واختاره فی البحر قال الشامی (واختاره فی البحر) حیث قال وینبغی العمل علی هذه الروایة فی زماننا لان الناس تکاسلت عن ترائی الاهلة (الی ان قال العلامة)

اقول انت خبیر بان کثیراً من الاحکام تغیرت لتغیر الازمان ولو اشترط فے زماننا الجمع العظیم لزم ان لا یصوم الناس الابعد لیلتین اوثلث لما هو مشاهد من تکاسل الناس بل کثیراً مارایناهم یشتمون من یشهد بالشهر ویوذونه وحینئذ فلیس فی شهادة الاثنین تفرد من بین الجمع الغفیر حتی یظهر غلط الشاهد فانتفت علة ظاهر الروایة فتعین الافتاء بالروایة الاخری اه ردالمحتار ج ۲ ص ۱۰۱ فانظروا الی التعلیل المذکور للعمل بهذه الروایة یتبین لکم ان العلة وهو التکاسل عن الترائی لم توجد فی الفطر بل یتو غلون فی ترای هذا الهلال حتی ان الفساق الذین لا یؤدون فریضة الصوم والعیاذ بالله یتهیؤن من نصف النهار الی الغروب لرؤیة هلال الفطر

ویتشوقون الیه کل التشوق فلما انتفت علة الافتاء بروایة الحسن عن ابی حنیفة فالعمل بظاهر الروایة هو الواجب کما لا یخفی وینبغی ان یعلم انه یجوز العمل فے هلال الصوم بخبر واحد عدل جاء عن خارج العامرة او رای علی مکان عال مرتفع وهو روایة عن الامام بل نقل العلامة الشامی فی ردالمحتار عندقول الدر (وصحیح فی الاقضیة الاکتفاء بواحد ان جاء من خارج البلد او کان علی مکان مرتفع واختاره ظهیر الدین) انها ایضا ظاهر الروایه وانها قول ائمة الثلثة ثم وفق بین الروایتین الظاهرتین بان روایة اشتراط الجمع العظیم محمولة علی اذا کان الشاهد فی المصر فی مکان غیر مرتفع– وروایة الاکتفاء بخبر الواحد علی ما اذا جاء من خارج البلد اورای علی مکان مرتفع من شاء مزید التفصیل فلیرا جع الی ردالمحتار–

واما الحکام المسلمون فی دیارنا دیار باکستان فکونهم فی حکم القضاة وکون حکمهم ممایلزم المسلمین ام لاموقوف علی النظر فے الامور الثلثه فبعد ذلک ینکشف الغطاء عن وجه المسئلة ویتضح الامر (الاول) هل المتغلب القاهر الذی ما ارتضاه ارباب الحل والعقد تصح سلطنته ویجوز التقلدمنه–

(الثانی) هل الفاسق من اهل القضاء

(الثالث) هل الجهل بالاحکام الشرعیة یفوت علی المرا اهلیة القضاء

اما الامر الاول فالاحادیث الکثیرة وعبارات الفقهاء رحمهم الله تدل علی ان الاصل و ان کان فی الامارة ان تکون بمشاورة ارباب الحل والعقد لکن مع هذا لواستولی احد وتولی امور المسلمین بلا مبایعة احد من ذوی علم ورأی یجب علی المسلمین ان یطیعوه مالم یروا فیه کفراً بوا ها لهم علیه برهان ویتقلدوا منه الاعمال والولایات قال العلامة الشامی فی رد المحتار ج ۱ باب الامامة (وتصح سلطنة متغلب للضرورة) ای من تولی بالقهر و الغلبة بلا مبایعة اهل الحل والعقد– وقال صاحب الهدایة ویجوز التقلد من السلطان الجائر کما یجوز من العادل– وقال صاحب الدرالمختار ویجوز التقلد من السلطان العادل والجائر ولو کان کافراً علی هامش الشامی صفحه ۴۳۲ ج ۴– والشاهد علی هذا ان سادة الامة من الصحابة والتابعین– تقلد وا العمالات من ملوک بنی امیة وحالهم لایخفی علی من طالع کتب التاریخ– فان بعد الخلافة الراشدة قلما فازا المسلمون بامام عادل و مع هذا لم یجوز احد منهم الخروج علی اولئک الملوک

واطاعوهم ما استطاعوا فى معروف-

يكن ينبغى ان يعلم ان حكمهم واجب الامتثال على العامة مالم يكن مخالفاً للشرع وتقلد القضاء منهم جائز اذا مكنوا القضاة من القضاء بحق واما اذا لم يخلو هم وانفسهم فى انفاذ الحق المبين فحاشا من الاطاعة- فانه لا طاعة لمخلوق فے معصية الخالق- قال صاحب الاشباه امر السلطان ينفذ اذا وافق الشرع وقال صاحب الهداية الا اذا كان لا يمكنه من القضاء بحق- قال فے الفتح فى شرح هذه العبارة استثناء من قوله يجوز التقلد من السلطان الجائر لان المقصود لا يحصل من التقلد وهو ظاهر (كتاب القضاء) والأن فى مملكتنا ان تولى الحكام المسلمون بعضاً من المسائل و حصل لهم التمكن من ان يحكموا فيها بقوانين الشريعة الغراء فحكمهم هذا يصح وينفذ- فان القضاء يتخصص- قال صاحب الدر المختار ان تولية القضاء يتخصص بالزمان والمكان والشخص (الى ان قال) ولو نهى عن بعض المسائل لم ينفذ حكمه فيها- (شامى قبيل كتاب الطهارة ج صفحه ۵۶)

واما الامر الثانى فعبارات الفقهاء الاحناف دالة على ان العدالة فى القضاء شرط الاولوية لا شرط الجواز (قال العلامة الشامى بعد ان نقل قول من قال ان الفاسق ليس باهل للقضاء) اقول لوا عتبر هذا لا نسد باب القضاء خصوصاً فے زماننا فلذا كان ما جرى على المصنف هو الاصح كما فے الخلاصة وهواصح الاقاويل كما فے العمادية نهر و فى الفتح والوجه تنفيذ قضاء كل من ولاه سلطان ذوشوكة وان كان جاهلاً فاسقاً وهو ظاهر المذهب عندنا- وحينئذ فيحكم بفتوى غيره شامى ج ۴ كتاب القضاء صفحه ۳۳۳

واما الامر الثالث فعبارة الفتح المارة انفاً تدل صريحاً على ان الجاهل يصح قضاوه وينفذ حكمه وهو ظاهر المذهب فى الدر المختار وينبغى ان يكون موثوقاً به فى عفافه و عقله وصلاحه و فهمه و علمه بالسنة والأثار و وجوه الفقه والاجتهاد و شرط الاولوية لتعذره على انه يجوز خلو الزمن عنه عند الاكثر فصح تولية العامى ويحكم بفتوى غيره- فبعد اتضاح الامور الثلثة تبين ان الحاكم الباكستانيين وان كانوا جاهلين بالاحكام الشرعية وكانوا غير عدول فحكمهم نافذ اذا حكموا بفتوى العالم الثقة فے ثبوت روية الهلال وراعوا فيه شروط الشهادة فے موضوعها وصفات الشاهد و المخبر' واذا حكموا بغير مشورة العلماء الثقات فلم ينفذ حكمهم لا

نه لايمكن لهم ان يراعوا فے الشهادة والاخبار جميع الشرائط لجهلهم ولو سلم علمهم بشروط الشهادة فبقلة مبالاتهم بحقوق الشرع وفقد عدالتهم لا يسلكون مسلك الاحتياط ولا يؤدون ما فرض الله عليهم من التثبت فى امر الدين كما هو مشاهد من حالتهم والعالم الثقة من يعلم الاحكام الشرعيه وبلغ فى ذلك مبلغا يعتمد علماء العصر بفتواه وكان متيقظاً غير غافل عن عرف اهل زمانه وتفقه على استاذ ماهر-

نمبر ۲- اما الخبر التلغرافى فغير معتبر لا نه لا يمكن معرفة المخبرفيه ولا يعلم ان الذى اظهر نفسه مرسلاً اهو هو فاذا لم يعلم شخص المرسل فكيف بعد الته وفسقه، والخبر المقبول يجب ان لا يكون من الفاسق وكذلك الخبر المكتوب فے الجرائد فان مدير الجرائد كثيراً ما يحتاج الى تصحيح الاغلاط الشائعة ومعرفة الكاتب ايضاً ليست بسهلة الحصول هنا حتى يجزم بعد الته ولكن لو كثرت الاخبار التلغرافية او اتت الجرائد المختلفة واطمئن اليها القلب وحصل الظن بصدقها فحينئذ يجوز الحكم بها وتكون فى حكم الاستفاضة والعدالة ليست بمشروطة فيها حتى يحتاج الى معرفة الخبر-

واما العلم بالخط وخبر الراديو والتلفون ففى موضع تكون الشهادة شرطاً فيه فغير صحيح لان الشاهد يجب ان يكون بحضور القاضى بلا حائل كا شفاعن وجهه كما هو مصرح فى موضعه- واما المواقع التي يكفى فيها مجرد الاخبار بدون الشهادة فالعمل بالمذكور جائز صحيح فے المعاملات والديانات كلها بشرط معرفة خط الكاتب وعدالته فى الخط- وصورة المخبر وعدالته فى خبر الراديو و التلفون- والدليل عليه ما فى الدر المختار ولا يعمل بالخط الا فى مسئلة كتاب الامان ويلحق به البراء ت ودفتر بياع و سمسار وجوزه محمد لراو وقاض وشاهد ان تيقن به وبه يفتى- قال الشامى (ان يتقن به) اى بانه خط من يروى عنه فے الاول وبا نه خط نفسه فى الاخيرين (وقيل وبه يفتى) قال فى خزانة الاكمل اجاز ابو يوسف و محمد العمل بالخط فے الشاهد والقاضى والراوى اذا راى خطه ولم يتذكر الحادثة قال فى العيون والفتوى على قولهما اذا تيقن انه خطه سواء كان فى القضاء او الرواية والشهادة على الصك وان لم يكن الصك فے يد الشاهد لان الغلط نادر' واثر التغيير يمكن الاطلاع عليه وقلما يشتبه الخط من كل وجه فاذا تيقن جاز الاعتماد عليه توسعة على الناس ص ۳۹۳ ج ۴- وقال الشامى تحت قول

الدر (ودفتر بياع و صراف وسمسار) فقد قال فى الفتح من الشهادات ان خط السمسار والصراف حجة' للعرف الجارى به قال البيرى هذا الذى فى غالب الكتب حتى المجتبى فقال فى الاقرار واما خط البياع والصراف والسمسار فهو حجة وان لم يكن مصدراً معنوناً يعرف ظاهراً بين الناس وكذا ما يكتب الناس فيما بينهم يجب ان يكون حجة للعرف الخ ص ۳۹۲ ج۴

واعلم ان نقل الحديث وروايته من الدين وهو بالكتابة والرسالة جائز' باجماع المحدثين ويقال لهذا التحمل المكاتبة فے عرفهم- قال فى مقدمة الفتح الملهم ص ۲۷ ومن اقسام التحمل المكاتبة بان يكتب مثلا حدثنى فلان فاذا بلغک كتابى هذا فحدث به عنى بهذا الاسناد وقال ابن الهمام هما اى الكتابة والرسالة كالخطاب لتبليغه عليه الصلوة والسلام بهما وعرفاً ويكفى معرفة خط الكاتب وظن صدق الرسول فى حل رواية المكتوب اليه والمرسل اليه من الكاتب والمرسل كما عليه عامة اهل الحديث فاذا جاز الاعتماد على الخط فے رواية الحديث مع ان تاكد الصدق فيه مطلوب شرعاً فوق ما يكون فى خبر روية هلال الصوم بدليل ان ثبوت الصوم يكفى فيه خبر مستور الحال على القول المصحح كما مر سابقاً وفى نقل الحديث المذهب الصحيح ان خبر المستور ليس بمقبول اصلاً- قال صاحب الكشف شارحاً لما قال الامام فخر الاسلام خبر الفاسق فى الدين اى نقله للحديث غير مقبول اصلاً سواء وقع فى قلب السامع صدقه ام لا- نقلاً من مقدمة فتح الملهم ص ۱۳ ثم قال فى ص ۱۵ - وفى التحرير و شرحه ومثله (اى الفاسق) المستور ومن لم تعرف عدالته ولا فسقه فى القول الصحيح فلايكون خبره حجة حتى تظهر عدالته انتهى فكيف لا يجوز العمل بالخط فى ثبوت الصوم بالشرط المزبور وعلى هذا القياس خبر الراديو والتلفون-

۳- والبلدة التى لاوالى فيها ولا حاكم او كان ولا يحكم بحكم الشرع ولا يبالى به كما هو مشاهد فى زماننا- فالعالم الثقة الذى يعتمده المسلمون هناک بمنزلة القاضى قال الشامى وفى الفتح اذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلدمنه كما هو فى بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الأن يجب على المسلمين ان يتفقوا على واحد منهم انتهى ص ۳۴۲ شامى ج

۴- فما لم يكن نظم المملكة بحسب قانون الشرع فے مسئلة روية الهلال يوخذ بقول عالم ثقة معتمد مرجع للعامة فى عامة المسائل- قال مولانا عبدالحى اللكهنوى فى عمدة الرعاية على

شرح الوقاية والعالم الثقة فى بلدة لاحاكم فيها قائم مقامه ص ۳۰۹ ج ۱

۴- اذا ثبت الصوم او الفطر عند حاكم تحت قواعد الشرع بفتوى العلماء او عند واحد او جماعة من العلماء الثقات ولاهم رئيس المملكة امر روية الهلال وحكموا بالصوم او الفطر ونشر واحكمهم هذا فى راديو يلزم على من سمعها من المسلمين العمل به فى حدود ولايتهم-

واما فيما وراء حدود ولايتهم فلا بد من الثبوت عند حاكم تلک الولاية بشهادة شاهدين على الروية او على الشهادة او على حكم الحاكم او جاء الخبر مستفيضاً لان حكم الحاكم نافذ فے ولايته دون ماوراء ها- ولهذا وجب العمل على اهل الرساتيق الملحقة بالمصر اذا بلغ اليهم خبر ثبوت الشهر فے المصر بطريق موثق كان بلغهم نداء مناد من قبل المحكمة او جاء اليهم رجل عدل حتى لو سمعوا صوت المدافع او ضرب الطبول وغير ذلک من الامارات الموجبة لغلبة الظن لزمهم العمل فى الصوم والفطر فخبر الراديو بحكم الحاكم لايكون اقل من هذه الامارات بحال وهو فى الحقيقة نداء منادٍ من جانب الحاكم وهو معتبر' ولما لم يكن فى الزمان السابق ايجاد مثل الراديو ليكون وسيلةً الى وصول حكم الحاكم فى ولايته اقتصروا فے بيان هذه المسئلة على الذرائع التى قد كانت هناک حتى قال العلامة الشامى فے منحة الخالق على البحر الرائق مانصه لم يذكروا عند نا العمل بالا مارات الظاهرة الدالة على ثبوت الشهر كضرب المدافع فى زماننا- والظاهر وجوب العمل بها على من سمعها ممن كان غائبا عن اهل المصر كاهل القرى ونحوها كما يجب العمل بها على اهل المصر الذين لم يروا الحاكم قبل شهادة الشهود- وقد ذكر هذا الفرع الشافعية فصرح ابن حجر فى التحفة انه يثبت بالامارة الظاهرة الدالة التى لا تتخلف عادة كروية القناديل المعلقة بالمنائر قال ومخالفة جمع فى ذلک غير صحيحة ص ۲۷۰ على حاشية البحر الرائق كتاب الصوم-

وقال رحمه الله فى ردالمحتار على الدرالمختار قلت والظاهرانه يلزم اهل القرى الصوم بسماع المدافع اوروية القناديل من المصر لانه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن حجة موجبه للعمل كما صرحوا به واحتمال كون ذلک لغير رمضان بعيد اذ لا يفعل مثل ذلک عادة فى ليلة الشک الالثبوت رمضان (كتاب الصوم من رد المحتار)

ولا يختلج فى قلبک ان عبارة رد المحتار صريحة فے الصوم فيختص به هذا الحكم لان

العلة التى علل هذا الحكم بها هى غلبة الظن وغلبة الظن هى التى عليها مدار الحكم كما قال صاحب الدر و قبل بلا علة جمع عظيم يقع العلم الشرعى وهو غلبة الظن بخبرهم و ايضاً قال العلامة الشامى فى باب القضاء والكفارة– انه لو افطر اهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلثين ظانين انه يوم العيد وهو لغيره لم يكفروا– وانت تعلم ان سقوط الكفارة يكون بعذر غلبة الظن بالعيد فى هذا المقام بالشك فقط– قال صاحب الدر او تسحر اوا فطر يظن اليوم اى الوقت الذى اكل فيه ليلاً والحال ان الفجر طالع والشمس لم تغرب لف ونشر ويكفى الشك فى الاول دون الثانى عملاً بالاصل فيهما– وقال الشامى نقلاً عن الفتح ان المختار لزوم الكفارة عند الشك لان الثابت حال غلبة الظن بالغروب شبهة الاباحة لا حقيقتها ففى حال الشك دون ذلك وهو شبهة الشبهة وهى لا تسقط العقوبات ص ۱۱۴ الخ وقال فى بحث سقوط الكفارات ص ۱۱۵ ج ۲ تتمه– فى تعبير المصنف كغيره بالظن اشارة الى جواز التسحر والافطار بالتحرى– فخلاصة هذه العبارات ان سقوط الكفارة من اهل الرستاق الذين افطروا بصوت الطبل ظانين انه يوم العيد و هو لغيره انما يكون بغلبة ظنهم بالعيد لا بالشك فقط– فعلم من هذا ان صوت الطبل وكذلك الامارات الاخر تفيد غلبة الظن وغلبة الظن هى الحجة فى الفطر ايضا كما علمت فتخصيص هذه الامارات بالصوم مع افادتها غلبة الظن بلا دليل وايقاع الناس فى الحرج فانه لا يتيسر لكل واحد وجود الشهادة عنده على الروية او على الشهادة او على حكم الحاكم ولا يمكن للحاكم ان يبعث فى اطراف ولايته لتنفيذ حكمه العام شاهدين يشهد ان على حكمه فان لم يعتبر هذه الامارات او نداء المنادى من المحكمة ومنه خبر الراديو لا دى ذلك الى حرج عظيم و تخطية عبارات الفقهاء وايضاً قال مولانا عبدالحى المرحوم اللكهنوى فى جواب مثل هذا السوال فى اللغة الاردوية ما ترجمته ان الافطار (بهذه الامارات) يصح لان صوت المدافع بحسب العادة الشائعة يوجب غلبة الظن بالعيد وغلبة الظن يكفى للعمل و لهذا يلزم الصوم بهذه العلامات كما فى رد المحتار– قلت والظاهر انه يلزم اهل القرى الخ من مجموعة الفتاوى– ولا يظن ان الناشر والمخبر بالراديو مستور الحال بل الغالب انه يكون فاسقاً كما هو المشاهد فى ارباب الحكومة فكيف يكون خبره معتبراً لان ناشر حكم القاضى لا يشترط فيه العدالة فيجوز ان يكون المعلن والمنادى والناشر لحكم القاضى والوالى فاسقاً ويجب على الناس اطاعة اعلانه

ونداءه قال العلامة الشامى ص ۱۱۵ ج ۲ وقد يقال ان المدفع فى زماننا يفيد غلبة الظن وان كان ضاربه فاسقاً لان العادة ان الموقت يذهب الى دارالحكم اخر النهار فيعين له وقت خبر ويعينه ايضاً للوزير وغيره واذا ضربه يكون ذالك بمراقبة الوزير واعوانه للوقت المعين فيغلب على الظن بهذه القرائن عدم الخطاء وعدم قصد الافساد والالزم تاثيم الناس وايجاب قضاء الشهر بتمامه عليهم فان غالبهم يفطر بمجرد سماع المدفع من غير تحرو بلا غلبة ظن– وهذه العبارة وان كانت مسوقة للافطار اليومى لكن تدل على ان الفاسق اذا كان ناشراً او منادياً لحكم الحاكم وعاملاً بامره فيفيد خبره غلبة الظن– وغلبة الظن هى الموجبة للعمل فى الافطار اليومى والعيد كليهما كما علمت ومن ادعى الفرق فعليه البيان–

واعلم ان اختلاف المطالع واقع محسوس لا ينكره من له ادنى تعلق بعلم الهيئة كما قال العلامة الشامى فى رسالته تنبيه الغافل الوسنان على احكام هلال رمضان مانصه– اعلم ان المطالع تختلف باختلاف الاقطار والبلدان فقد يرى الهلال فى بلد دون اخر كما ان مطالع الشمس تختلف فان الشمس قد تطلع ببلد ويكون الليل باقياً فى بلد اخر وذلك مبرهن عليه فى كتب الهيئة وهو واقع مشاهد اه– لكن مع ذلك ففى اعتباره فى الصوم والفطر اختلاف قال المحقق الشيخ كمال الدين ابن الهمام فى فتح القدير واذا ثبت فى مصر لزم سائر الناس فيلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب فى ظاهر المذهب وقيل يختلف باختلاف المطالع لان السبب الشهر وانعقاده فى حق قوم للرؤية لا يستلزم انعقاده فى حق اخرين مع اختلاف مطالع الخ وقال ابن عابدين فى هذه الرسالة لكن المعتمد الراجح عندنا انه لا اعتبار به وهو ظاهر الرواية وعليه المتون كالكنز وغيره وهو الصحيح عند الحنابلة كما فى الانصاف وكذا هو مذهب المالكيه انتهى– فعلم ان ظاهر مذهب الاحناف و مذهب المالكيه والحنابلة هو عدم الاعتبار واما مذهب الشافعية فالمعتمد عندهم هو الاعتبار على ما صححه النووى فى المنهاج–

وقال العلامة ابن عابدين فى رسالته هذه نقلاً عن فتح القدير و الاخذ بظاهر المذهب احوط قال فى التتارخاليه وعليه فتوى الفقيه ابى الليث وبه كان يفتى الامام الحلوانى وكان يقول لوراه اهل المغرب يجب الصوم على اهل المشرق انتهى وفى الخلاصة وهو ظاهر المذهب وعليه الفتوى ص ۲۵۲ (مجموعه رسائل ابن عابدين) قال الحافظ ابن حجر فى الفتح (فلا تصوموا حتى

تروه الحديث) ليس المراد تعليق الصوم بالروية فى حق كل احد بل المراد بذلک روية بعضهم (الى ان قال) وقد تمسک بتعليق الصوم بالرؤية من ذهب الى الزام اهل البلد برؤية اهل بلاد غيرها– ومن لم يذهب الى ذلک قال لان قوله عليه السلام حتى تروه خطاب لاناسٍ مخصوصين فلا يلزم غيرهم ولكنه مصروف عن ظاهره فلا يتوقف الحال عن رؤية كل واحد فلا يتقيد بالبلد (انتهى) فتح البارى ص ٩٨ ج ٤ وقال العلامة الشوكانى فى نيل الاوطار ج ٤ ص ٤ والذى ينبغى اعتماده هو ما ذهب اليه المالكية وجماعة من الزيدية واختاره المهدى منهم وحكاه القرطبى عن شيوخه انه اذا راه اهل بلد لزم اهل البلاد كلها ولا يلتفت الى ماقاله ابن عبدالله من ان هذا القول خلاف بالاجماع– قال لانهم قد اجمعوا على انه لا تراعى الرؤية فيما بعد من البلدان الخراسان والاندلس– وذلک لان الاجماع لا يتم والمخالف مثل هؤ لاء الجماعة (انتهى)

وقال الشامى فے ردالمحتار وظاهر الرواية (عن الاعتبار)وهو المعتمد عندنا– وعندالمالكية والحنابلة لتعلق الخطاب عا ما بمطلق الرؤية فے حديث صوموا لرؤيته بخلاف اوقات الصلوة انتهى–

٢– اذا ثبت الفطر والصوم فى بلدة عند حاكمها او عالم ثقة قائم مقامه' وحكم و الزم اهل البلدة حكمه فانتقل هذا الخبر الى بلدة اخرى فلا يخلوا اما ان تكون فے حدود و لايته اولا– فعلے الاول يلزم اهلها العمل بهذا الخبر اذا كان موجباً لغلبة الظن لان الشهادة هناليست بشرط كما علمت فے جواب السوال الرابع بالتفصيل وعلى الثانى فلا يجوز العمل بهذا الخبر ولا الحكم العام لقاضى هذه البلدة حتى يشهد عنده شاهدان علے الشهادة بالطريق المعروف فے تحميل الشهادة او على حكم حاكم البلدة الاولى قال فے فتح القدير ثم انمايلزم متاخرى الرؤية اذا ثبت عندهم رؤية اولئک بطريق موجب حتى لو شهد جماعة ان اهل بلد كذا راوا هلال رمضان قبلكم بيوم فصا موا وهذا اليوم ثلثون بحسابهم ولم ير هو لاء الهلال لا يباح فطر غد ولا تترک التراويح هذه الليلة لان هذه الجماعة لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم وانما حكوا رؤية غيرهم ولو شهدوا ان قاضى بلدة كذا شهد عنده اثنان برؤية الهلال فى ليلة كذا وقضى بشهادتهما جاز لهذا القاضى ان يحكم بشهادتهما لان قضاء القاضى حجة وقد شهدوا به انتهى– فتبين ان نفس الحكاية لا تكفى ههنامالم يكن خبراً مستفيضاً كما سياتى

ممايوجب العمل استفاضة الخبر من بلاد الى بلد ففى صورة الاستفاضة يكفى الحكاية ولا

يشترط علے المخبرين فيها ان يشهدوا على الشهادة اوعلى حكم الحاكم–

قال العلامة الشامى فى رسالته تنبيه الغافل الو سنان بعد نقل العبارة المذكورة فى الجواب السادس من الفتح مانصه– قلت لكن قال فے الذخيرة البرهانية مانصه قال شمس الائمه الحلوانى رحمه الله الصحيح من مذهب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض وتحقق فيما بين اهل البلدة الاخرى يلزمهم حكم هذه البلدة (انتهى) ونقل مثله الشيخ حسن الشرنبلالى فى حاشيه الدرر عن المنتقى وعزاه فے الدرالمختار الى المجتبى وغيره مع ان هذه الاستفاضة ليس فيها حكم ولا شهادة– لكن لما كانت الاستفاضة بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بها ان اهل تلک البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها لان المراد بها بلدة فيها حاكم شرعى كما هو العادة فے البلاد الاسلامية فلا بد ان يكون صومهم مبنياً على حكم حاكمهم الشرعيِ فكانت تلک الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور وهى اوقى من الشهادة بان اهل تلک البلدة رأوا الهلال يوم كذا و صاموا يوم كذا– فانها مجرد شهادة لا تفيد اليقين فلذالم تقبل الا اذا شهدت علے الحكم اوعلى شهادة غيرهم لتكون شهادة معتبرة شرعاً والا فهى مجرد اخبار– واما الاستفاضة فانها تفيد اليقين كما قلنا– ولذا قالوا اذا استفاض وتحقق الخ، فلا ينافے ماتقدم عن فتح القدير ولو سلم وجود المنافاة فالعمل علے ما صر حوا بتصحيحه والامام الحلوا نى من اجل مشائخ المذهب وقد صرح بانه الصحيح من مذهب اصحابنا وكتبت فيما علقته على البحر– ان المراد بالاستفاضة تواتر الخبر من الواردين من تلک البلدة الى البلدة الاخرى لا مجرد الاستفاضة لا نها قد تكون مبينةً علے اخبار رجل واحد فيشيع الخبر عنه ولا شک ان هذا لا يكفى بدليل قولهم اذا استفاض وتحقق الخبر فان التحقق لا يكون الا بما ذكرنا– والله تعالى اعلم (انتهى) .

فانظر فے هذه العبارة بنظر عميق يظهر لک ان العلامة الشامى استدرک اولاً على ما فے الفتح من عدم الكفاية بشهادة جماعة علے طريق الحكاية واورد قول شمس الائمه الحلوائى وغيره من الفقهاء دليلاً على ان الاستفاضة ليس فيها نقل الحكم ولا الشهاد ة ثم وفق بين ما فى الفتح وقول شمس الائمة بان الاستفاضة وان كانت فے الحقيقة بطريق الحكاية لا تكون فيها شهادة علے الشهادة ولا علے الحكم لكن لما كان صوم تلک البلدة مبنياً علے حكم الحاكم اذهى العادة فے البلاد الاسلامية فهذه الحكاية بمعنى نقل حكم الحاكم فلا منافاة فوضح كل

الوضوح ان نقل الحكم حقيقةً ليس بشرط في الاستفاضة عند احدثم قال رحمه الله ولو سلم وجود المنافاة بين القولين– ولم يوجد في الاستفاضة نقل الحكم حقيقة ولا حكماً– او كان مراد صاحب الفتح نقل الحكم حقيقة فالعمل بما قال شمس الائمة الحلوانى فانه هو الصحيح من مذهب اصحابنا– ثم قال رحمه الله انه ان جاء واحد من البلدة الاولى و شاع خبره في هذه البلدة فليس هذا من الاستفاضة في شئ بل يشترط ان تاتى جماعة من بلدة الرؤية فتكون استفاضة موجبة للعمل–

ثم اعلم ان الاستفاضة ليست بخبر متواتر بل هى من اخبار الاحاد كما قال فى تحفة الفكر ص ١٢

والثانى وهو اول اقسام الأحادُ ماله طرق محصورة باكثر من اثنين وهو المشهور عند المحدثين سمى بذلك لوضوحه وهو المستفيض على راى جماعة من ائمة الفقهاء انتهى– وقال صدر الشريعة فى الموضيح (ويفيد) الثانى (اى المشهور) علم طمانية وهو علم تطمئن به النفس وتظنه يقينا لكن تأمل حق التامل علم انه ليس بيقين–

وقال العلامة التفتازانى في التلويح في شرح هذه العبارة فاطمينا نها رجحان جانب الظن بحيث يكاد يدخل في حد اليقين فعلم من هذا ان ما قال الشامى في توفيق كلامى ابن الهمام وشمس الائمة مانصه واما الا ستفاضة فانها تفيد اليقين– فالمراد منه الطمانية المستفاد بالخبر المستفيض المشهور لا اليقين بمعنى الاعتقاد الجازم الراسخ المستفاد من المتواتر لان بين المستفيض والمتواتر فرقاً بيناً فان المستفيض من الاحاد كما علمت– ولهذا قال الشامى في ضمن ذلك التوفيق– ان الاستفاضة بمنزلة الخبر المتواتر ولم يقل هى عين المتواتر– ويؤيد هذا ان صاحب الدر المختار صرح في تفسير الجمع العظيم بانه هو الذى يقع العلم الشرعى اى غلبة الظن بخبرهم وقال الشامى في شرح هذا المقام بالصراحة انه ليس المراد هنا بالجمع– ما يكون خبرهم يفيد اليقين كالمتواتر– فاذا علمت ان الخبر المستفيض من الاحاد– وليس من التواتر– فاعلم ان المستفيض يشترط فيه ان يكون رواته ثلثةً فصاعداً كما مر من نخبة الفكر بالصراحة ويفهم من كلام المفتى عزيز الرحمن الديو بندى الذى صوبه وصححه استاذ الاستاذ شيخ الهند مولانا محمود حسن قدس سرهما مانصه وهو الصواب (اى عدم الاعتبار بالخبر التلغرافى) في الصورة المسئولة الا ان يحصل غلبة الظن بالاخبار الكثيرة فح يجوز العمل به ولا يجب و عدم

اكتفاء الواحد والاثنين اظهر وهكذا حال الكتاب اه الماخوذ من البيان الكافى في الخبر التلغرا فى فما قال بعض الفقهاء كما قال الشامى نقلاً عن الرحمتى معنى الاستفاضة ان تاتى من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن اهل تلك البلدة الخ ص ١٠٢ شامى ج٢– محمول على زيادة التاكدلا انه شرط جواز العمل– ولو سلم ان لفظة جماعات متعددون هى المنظور اليها هنا فنقول ان لفظة الجماعة في اللغة والشرع يطلق على اثنين فصاعداً– فاذا صارت بصيغة الجمع واقله ثلث فلفظة جماعات تصدق على ستة من المخبرين كما لا يخفى– فالاستفاضة تتحقق– بالستة ويؤيد ذلك ما فى البيان الكافى في الخبر التلغرا فى من جواب المفتى الاعظم بالديار الهندية مولانا محمد كفايت الله وصوبه ايضاً حضرة شيخ الهند قدس سرهما مانصه– واما اذا تعددت وزادت على الخمسة ويتقن المرسل اليه انها بخط المرسل نفسه الى ان قال ينبغى ان يعتمد عليها لكن الذى تطمئن اليه النفس هو ان لا يقدر لها عدد معين بل كلما حصل للحاكم– او عالم ثقة الطمانية جاز له الحكم بها–

ومما ينبغى ان يعلم ان الاستفاضة لا يشترط فيها ان يتباين اما كن المخبرين بل يكفى فيها ان تاتى جماعة من بلدة واحدة رأى فيها الهلال فلانه لا يشترط هذا في الخبر المتواتر فكيف في الاستفاضة وهى دونه–

قال الصدر الشريعة في التوضيح فى بيان المتواتر ان يكون رواته فى كل عهد قوماً لا يحصى عددهم ولا يمكن تواطؤهم على الكذب لكثرتهم وعدالتهم وتباين اما كنهم انتهى– فقال في شرحه العلامة في التلويح واما ذكر العدالة وتباين الا ماكن فتاكيده لعدم تو اطؤ هم على الكذب وليس بشرط في التواتر– وايضاً يفهم هذا من عبارة شمس الائمة الحلوانى التى نقلها الشامى كمامر ان الخبر اذا استفاض وتحقق فيما بين البلدة الاخرى يلزمهم حكم هذه البلادة– وكذا عبارة الرحمتى ان تاتى من تلك البلدة الخ فان هذه وتلك من اسماء الاشارة والموضوع لهٗ فيها خاص كما هو مبين فى موضعه–

(٨) ان حكم الحاكم او نائبه من العلماء الثقات بالصوم بقول واحد او بخط– وصام الناس ثلثين يوماً فان كان في السماء علة جاز الفطر بالاتفاق وان كانت السماء صحيحة فعند الشيخين لا يجوز الافطار وعند محمد يجوز– قال الشامى ج ٢ ص ١٠٢ (عن الذخيرة ان غم هلال الفطر

حل اتفاقاً) استدرک علی ما ذکره المصنف من ان خلاف محمد فیما اذا غم هلال الفطر بان المصرح فی الذخیره وکذا فی المعراج عن المجتبی ان حل الفطر هنا محل وفاق وانما الخلاف فیما اذا لم یغم ولم یر الهلال فعندهم لا یحل الفطر وعند محمد یحل کما قاله شمس الائمة الحلوانی وحرره الشرنبلالی فی الامداد- قال فی غایة البیان وجه قول محمد وهو الاصح ان الفطر ما ثبت بقول الواحد ابتداً بل بناء وتبعاً وکم من شئی یثبت ضمناً ولا یثبت قصداً ص ۱۰۳ فالاحتیاط فی الصحو بالعمل علی قول الشیخین- واما فی الغیم ونحوه فجاز الفطر- فان ثبوت الفطر و ان لم یکن بدون شهادة شاهدین لانه یدخل تحت الحکم لکن هنا لما کان الثبوت ضمناً فیکفی فیه قول الواحد- کما قال العلامة الشامی تحت قول الدر (ویثبت دخول الشهر ضمناً ونظیره ما سنذکره فیما لو تم عدد رمضان ولم یرهلال الفطر للعلة یحل الفطر وان ثبت رمضان بشهادة واحد لثبوت الفطر تبعاً و ان کان لا یثبت قصداً الا بالعددو العدالة هذا ما ظهر لی انتهی-

۹- خبر الفاسق غیر مقبول فی الصوم و الفطر حتی یجب علی القاضی ان لا یقبله' وان حکم به اثم- لکن مع ذلک لو قبله' وحکم به نفذ حکمه' ولزم سائر المسلمین العمل به- قال فی الفتاوی الهندیة ولو شهد فاسق وقبلها الامام وامر الناس بالصوم فافطر هوو واحد من اهل بلده قال عامة المشائخ تلزمه کذا فی الخلاصه ج ۱ باب رویة الهلال- من کتاب الصوم وفی الدر المختار وهل له ان یشهد مع علمه بفسقه- قال البزازی نعم لان القاضی ربما قبله (انتهی)

وقال مولانا عبدالحی المرحوم اللکهنوی عن رسائل الارکان ونحن نقول ان شرط العدالة فی امثال هذا فی زماننا یخل باکثر الاعمال لا سیما فی الصیام فالاخری ان یفتی بما عن الامام ابی یوسف ان الشاهد اذا کان ذا مروة بحیث یغلت علی الظن صدقه' یقبل قوله لئلایختل امر الصائم (انتهی)

وقال المفتی عزیز الرحمن الدیوبندی رحمه الله فی فتاواه فی جواب هذا السوال ماترجمته- ان تحققت قرائن صدق الشاهد عند القاضی فیسع له' قبول شهادته و جاز له ان یحکم به الحکم العالم انتهی- فتبین من هذه العبارات ان القاضی وجب علیه الاحتیاط البالغ لکن بعد قبول قول الفاسق لا یجوز للمسلمین ان یخالفوا امره- ویفرقوا علی الناس شملهم- فان من حکم بهذا الحکم هو ضامن لما حاکم- ومسئول عند الله- والله اعلم

ترجمه

بندہ ضعیف محمود عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ جب ہمارے اہل زمانہ میں ہلال رمضان اور شوال کا اختلاف نزاع و جدال کی شکل اختیار کر گیا- بعض علماء اس میں کوتاہی اس حد تک کرتے کہ بغیر حجت شرعی کے فیصلہ کرتے' شاہدین کی شہادت اور مخبر کی خبر کے بارے میں فقہاء نے جو اوصاف وشرائط عائد کیں اس کی رعایت نہ رکھتے تھے- اور بعض ان میں متعمقین والے غلو سے کام لیتے اور اتنا کہ وہ خود بھی تیس کی گنتی پوری کیے بغیر مطمئن نہ ہوتے - یہاں تک کہ عام مسلمان اکثر شہروں اور بستیوں میں فرقہ بندی میں بٹ چکے تھے- اس مشکل کے حل اور اس پردہ کو ہٹانے کے لیے مضطرب تھے' اس مشکل کو حل کرنے کا مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے مہتمم نے تہیہ کر لیا' انھوں نے رویت ہلال سے متعلق سوالات مرتب کر کے پاکستان و ہندوستان کے اطراف کے علماء کو ارسال کیے تاکہ اس کے متعلق وہ جوابات مرتب کریں- جوابات کی وصولی کے بعد مدرسہ مذکورہ کے مہتمم نے انھیں میں سے اکثر کو یہاں جمع کیا تاکہ آپس کا اختلاف ختم ہو جائے' انھوں نے دو دن اس پر بحث کی اور ایک فیصلہ کن مسئلہ پر متفق ہو گئے-

اللہ کی حمد و ثنا ہے جس نے تمھاری راہنمائی کا سامان اس رسالہ کے نشر ہونے سے پہلے کر دیا تھا- میں نے بھی ان سوالوں کے جوابات کے سلسلہ میں چند اوراق لکھے تھے- میں نے ان کو ہدیۂ قارئین کرنے کا ارادہ کیا- شاید اللہ منصف مزاج لوگوں کے لیے اس کو باعث نفع بنا دے اور قیامت کے دن میرے لیے نجات کا وسیلہ ہو جائے' وہو الموفق والمعین -

(۱) روزہ میں ابر کی صورت میں ایک عادل یا مستور الحال کی خبر صحیح روایت کے مطابق کافی ہے' اور اس میں شہادۃ کے شروط' لفظ شہادت مجلس قضاء' عدد اور حریت وغیرہ شرط نہیں جیسا کہ درمختار میں ہے اور کہا گیا ہے کہ بغیر دعویٰ اور بغیر لفظ ''اشہد'' بغیر فیصلہ اور بغیر مجلس قضاء کے' اس لیے کہ یہ خبر ہے شہادت نہیں ہے' روزے کے لیے ابر کی علت کے ساتھ اور غبار کی علت کے ساتھ' عادل کی یا مستور کی خبر' اسی کی تصحیح بزازیہ نے کی (کتاب الصوم)

افطار میں جب یہی حالت ہو تو ثبوت ہلال کے لیے عدد' عدالت' لفظ شہادت اور اس کے علاوہ جو شروط ہیں وہی شرائط اس کے لیے بھی ہیں- ردالمحتار ج ۲ ص ۹۹ میں علامہ شامی نے فرمایا' افطار میں علت کی صورت میں عدالت' نصاب' شہادۃ اور لفظ اشہد شرط ہے' اور جب ابر آلود ہو تو اس کے لیے اتنی عظیم جمعیت شرط ہے جس سے دل مطمئن ہو اور خاطر کی تسکین ہو' اور یہ شرط نہیں ہے کہ ان میں سے ہر ایک عدالت' اسلام حریت اور تمام شروط شہادت سے متصف ہو' عام کتب میں یہی ہے لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اسلام شرط نہ ہونا محل نظر ہے'

اس لیے کہ یہاں جمع عظیم سے ایسی جمع عظیم مراد نہیں ہے جو حد تواتر کو پہنچے- جو علم قطعی کا موجب ہوتا ہے' جس کی وجہ سے یہ شرط (عدم اسلام) لگائی جائے' بلکہ وہ جمع عظیم مراد ہے جو غلبہ ظن کا موجب ہو' ردالمحتار ج ۲ ص ۱۰۰ کتاب الصوم) میں کہتا ہوں کہ اس میں احتیاط اور توسیع دونوں ہیں' اور یہ مختلف مواقع کے اعتبار سے ہے' جمع عظیم کی کوئی تعداد مقرر کرنا تو میں مناسب نہیں سمجھتا بلکہ مناسب یہ ہے کہ یہ حاکم کی رائے کے حوالہ ہو' علامہ ابن عابدین الشامی نے ردالمحتار ج ۲ ص ۱۰۰ پر فرمایا ان تمام میں صحیح بات یہ ہے' امام کی رائے کے سپرد ہے- اگر اس کے دل میں اس کی صحت واقع ہو جائے اور گواہ بھی زیادہ ہوں- لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک صوم وافطار کے لیے کفایہ دو عالموں کی خبر ہے جیسا کہ علامہ ابن نجیم صاحب بحر نے کہا ہے' حسن نے امام ابوحنیفہ سے روایت نقل کی ہے کہ اس میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت قبول کی جائے گی- چاہے آسمان میں علت ہو یا نہ ہو جیسا کہ ہلال رمضان میں ان سے نقل کیا گیا ہے- بدائع میں ایسا ہی ہے لیکن مناسب یہ ہے ظاہر الروایۃ سے عمل میں عدول نہ کیا جائے اور وہ افطار میں جمع عظیم کی شرط ہے- روزے کی صورت میں یہی روایت فتویٰ کے لیے متعین ہے اور کیوں نہیں جبکہ صاحب درمختار نے کہا ہے کہ امام صاحب سے منقول ہے کہ شاہدین پر اکتفا کیا جائے گا- بحر میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے- امام شامی نے فرمایا ''لا واختاره فی البحر'' فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں اسی پر عمل کرنا مناسب ہے- اس لیے کہ چاند دیکھنے میں لوگ سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں- (الی ان قال العلامة) میں کہتا ہوں تو اس بات پر خبردار ہے کہ بہت سارے احکامات زمانوں کے تغیر سے متغیر ہو جاتے ہیں' اگر ہمارے زمانہ میں جمع عظیم کی شرط لگا لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دو یا تین راتوں کے بعد روزہ رکھا کریں' لوگوں کی سستی کی وجہ سے مشاہدہ یہی ہے بلکہ بہت ساروں کو تو ہم نے دیکھا ہے کہ وہ شہادت دینے والے کو گالیاں دیتے ہیں اور ان کو ایذا دیتے ہیں' تو ان حالات میں دو شاہدوں کی شہادت میں جمع غفیر کے مقابلہ میں تفرد نہیں ہے کہ شاید کی غلطی ظاہر ہو- تو ظاہر الروایت کی علت منتفی ہو گئی اور دوسری روایت افتا کے لیے متعین ہو گئی- ردالمحتار ج ۲ ص ۱۰۱

اس روایت پر عمل کرنے کی علت پر آپ غور کریں تو یہ بات واضح ہو گی کہ علت چاند دیکھنے میں سستی برتنا ہے' اور فطر میں سستی نہیں پائی جاتی بلکہ اس چاند دیکھنے میں تو لوگ غلو کرتے ہیں- یہاں تک کہ وہ فاسق لوگ جو فرض روزہ بھی ادا نہیں کرتے (العیاذ باللہ) وہ نصف النہار سے غروب آفتاب تک فطر کے رویت ہلال کے لیے تیار بیٹھے رہتے ہیں اور پورے شوق کا مظاہرہ کرتے ہیں حسن کی امام ابوحنیفہ سے روایت پر جب علت افتاء جب منتفی ہو گیا تو ظاہر الروایت پر عمل واجب ہو گیا (کما لا یخفی) یہ بات جان لینا بھی مناسب ہے کہ ہلال

صوم میں اس عادل کی خبر واحد پر عمل جائز ہے جو شہر کے باہر سے آیا ہوا ہو یا جس نے بلند جگہ سے چاند دیکھا ہو' یہ روایت امام صاحب سے منقول ہے بلکہ علامہ شامی ردالمحتار میں درمختار کے اس قول (کہ قضاء میں ایک پر بھی اکتفا جائز ہے جو شہر کے باہر سے آیا ہو' یا وہ بلند جگہ پر ہو ظہیر الدین نے اسی کو اختیار کیا ہے) کہ یہ بھی ظاہر الروایت ہے اور یہ ہمارے آئمہ ثلاثہ کا قول ہے' پھر دونوں ظاہر روایتوں میں تطبیق اس طرح کی کہ جمع عظیم کی شرط ان حالات پر محمول ہے جب شاہد شہر میں مکان غیر مرتفع میں ہو' خبر واحد کی روایت پر اکتفاء اس صورت میں ہے کہ جب خارج مصر سے آیا ہو یا اس نے مکان مرتفع سے مشاہدہ کیا ہو' جس کو مزید تفصیل درکار ہو وہ ردالمحتار کی طرف مراجعت کرے-

(۲) جہاں تک ہمارے پاکستان کے مسلمان حکمرانوں کی بات ہے کہ یہ قضاۃ کے حکم میں ہیں اور ان کا حکم مسلمانوں پر لازم ہے یا کہ نہیں تو یہ تین امور میں غور و فکر پر موقوف ہے- اس کے بعد مسئلہ سے پردہ ہٹے گا اور معاملہ واضح ہوگا-

(الاول) جس شخص نے زبردستی غلبہ حاصل کر کے حکومت پر قبضہ کیا ہو- ارباب حل و عقد نے اس کو متعین نہ کیا ہو' کیا اس کی سلطنت صحیح اور اس سے کوئی عہدہ قبول کرنا جائز ہے-

(الثانی) کیا فاسق اہل قضاء ہے

(الثالث) کیا شرعی امور سے جہالت آدمی سے قضاء کی اہلیت فوت کر دیتا ہے-

پہلا مسئلہ کثیر احادیث اور فقہاء کی عبارات اس بات پر دال ہیں- امارت میں قانون تو یہی ہے کہ امارۃ کا انعقاد ارباب حل و عقد کے مشورہ سے ہو، تاہم اگر کوئی زبردستی قبضہ کر کے بغیر اہل علم اور اہل الرائے کی بیعت کے مسلمانوں کے امور کا ذمہ دار بن گیا تو مسلمانوں پر اس کی اطاعت اس وقت تک واجب ہے جب تک اس میں ظاہری کفر نہ دیکھ لیں جس پر ان کے پاس دلیل بھی ہو اس سے گورنری اور دوسرے حکومتی عہدے قبول کرنا جائز ہے' علامہ شامی رحمہ اللہ نے ردالمحتار ج ا باب الامامۃ میں فرمایا کہ (ضرورت کی وجہ سے زبردستی قبضہ کرنے والے کی سلطنت صحیح ہے) یعنی جو شخص زبردستی بغیر اہل حل و عقد کے مشورے اور بیعت کے حکومت پر قبضہ کر لے- صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ سلطان جائر و عادل سے حکومتی ذمہ داری قبول کرنا جائز ہے' اگر چہ کافر ہو- ہامش شامی ۳۳۲ ج ۴ دلیل اس پر یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین اکابرین امت نے بنو امیہ کے بادشاہوں سے عہدے قبول کیے جبکہ ان کی حالت کتب تاریخ کے مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہیں- خلفاء راشدین کے بعد عادل سربراہ مسلمانوں کو بہت کم نصیب ہوئے- اس کے باوجود بھی ان بادشاہوں کے خلاف خروج کو کسی نے جائز

نہیں کہا اور حتی الامکان معروف میں ان کی اطاعت کی۔

یہ بات جان لینا بھی ضروری ہے کہ ان کے حکم کی تعمیل عام لوگوں پر اس وقت واجب ہے جب ان کا حکم شریعت کے مخالف نہ ہو' اور ان سے قضاء کا عہدہ قبول کرنا اس وقت جائز ہے جب قضاۃ کو اس بات پر قدرت ہو کہ وہ حق کے مطابق فیصلہ کر سکتے ہوں اگر وہ ان کو حق کے نفاذ کے لیے نہ چھوڑتے ہوں پھر ان کی اطاعت سے اجتناب ہی لازم ہے اس لیے کہ مخلوق کی اطاعت خالق کی ناراضگی کے مقابلہ میں جائز ہی نہیں' الاشباہ والے نے کہا کہ بادشاہ کا حکم نافذ اس وقت ہوتا ہے جب وہ شریعت کے موافق ہو' صاحب ہدایہ نے کہا اس صورت میں جائز نہیں جب اس کو حق کے مطابق فیصلہ کرنے کا حق نہ دے۔ فتح القدیر نے اس عبارت کی تشریح میں فرمایا کہ یہ استثنا ہے (یجوز التقلید من السلطان الجائر) کہ ظالم بادشاہ سے عہدہ قبول کرنا جائز ہے اس لیے کہ عہدہ قبول کرنے سے مقصد حاصل نہیں ہورہا' یہی ظاہر ہے (کتاب القضاء) ہماری مملکت میں حکام نے مسلمانوں کو کچھ مسائل کی ذمہ داری دی ہے اور اس میں ان کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ ان میں شریعت کے حکم کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کا یہ حکم صحیح اور نافذ العمل ہوتا ہے۔ اس میں قضا خاص ہے' صاحب درمختار نے کہا ہے قضا کا عہدہ قبول کرنا زمان اور مکان اور شخص کے ساتھ خاص ہے (الی ان قال) اور اگر وہ بعض مسائل سے منع کرے تو اس کا حکم نافذ نہ ہوگا۔ (شامی قبیل کتاب الطہارہ ص ۵۶)

دوسرا مسئلہ فقہاء احناف کی عبارات اس پر دال نہیں کہ قضاء میں عدالت شرط اولویت یعنی فوقیت والی شرط ہے شرط جواز نہیں۔ علامہ شامی ان لوگوں کا قول جو کہتے ہیں کہ فاسق اہل قضا نہیں ہے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں۔ اگر اس کا اعتبار کرلیا گیا تو قضا کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔ خصوصاً ہمارے زمانہ میں۔ اس لیے مصنف نے جو بات اختیار کی یہی صحیح ہے۔ خلاصہ میں بھی اسی طرح ہے اور یہی صحیح قول ہے۔ اسی طرح عمادیہ میں ہے (نہر) فتح میں ہے' وجہ یہ ہے کہ جس کو صاحب شوکت بادشاہ نے ولایت دی ہو۔ اگرچہ وہ جاہل فاسق ہو اس کی قضاء نافذ ہو جائے گی' ظاہر مذہب ہمارے نزدیک یہی ہے اور اس وقت فتویٰ دوسرے کے قول پر دیا جائے گا۔ شامی ج ۴ ا کتاب لقضاص ۳۳۳

تیسرا مسئلہ۔ فتح القدیر کی جو عبارت ابھی گزری ہے وہ صریح دلالت کرتی ہے کہ جاہل کی قضا صحیح اور اس کا حکم نافذ ہے اور یہی ظاہر مذہب ہے درالمختار میں ہے کہ امام کے بارے میں ہے کہ اس کی عفت' عقل' نیکی' فہم' آثار و سنت کے علم اس پر اعتماد کیا جاتا ہو' یہ ترجیحی شرط ہے کہ کبھی یہ شرط متعذر ہو سکتی۔ اکثر کے نزدیک ایسا زمانہ آ سکتا ہے کہ کوئی اس شرط سے عاری ہو' اس حالت میں عامی کی حکمرانی صحیح ہے اور حکم دوسرے کے فتویٰ کے

مطابق کیا جائے گا۔

امور ثلاثہ کی توضیح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پاکستانی حکام اگرچہ احکام شرعیہ سے جاہل ہوتے ہیں اور غیر عادل بھی ہوتے ہیں ان کا حکم اس شرط پر نافذ ہوگا جب وہ رویت ہلال میں فیصلہ ثقہ عالم کے فتویٰ کے مطابق کریں اور اس میں شروط شہادۃ کی رعایت اس کی جگہ پر خبر دینے والے اور شاہد کے شرائط کی رعایت رکھیں اور اگر وہ فیصلہ بغیر علماء کے مشورے کے کریں تو ان کا حکم نافذ نہ ہوگا اس لیے کہ یہ ممکن نہیں ہوگا کہ اپنی جہالت کی وجہ سے وہ اخبار و شہادۃ میں تمام شرائط کی رعایت رکھ سکیں اور اگر شروط شہادۃ سے متعلق ان کے علم کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو عدالت کے فقدان اور حقوق شرع سے بے اعتنائی برتنے کی وجہ سے وہ مسلک احتیاط پر نہیں چل سکتے اور امر دین کے قائم کرنے کا جو فریضہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے ذمہ کیا ہے اس کو ادا نہیں کر سکتے جیسا کہ روز مرہ اس کا مشاہدہ ہے اور ثقہ عالم وہ ہوتا ہے جو احکام شرعیہ کو جانتا ہو اور اس میں وہ اس درجہ تک پہنچا ہو کہ اس کے زمانہ کے علماء اس کے فتویٰ پر اعتماد کرتے ہوں اور وہ بیدار ہو اور اہل زمانہ کے عرف سے بھی غافل نہ ہو اور اس نے ماہر استاد سے فقہ حاصل کی ہو۔

(۲) اور ٹیلیگرام کی خبر معتبر نہیں' اس لیے کہ مخبر فیہ کی معرفت ممکن نہیں اور یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اپنے آپ کو بھیجنے والا ظاہر کر رہا ہے وہ واقعی وہی ہے اور جب بھیجنے والے کا علم نہ ہو سکے تو اس کی عدالت اور فسق کا پتہ کیسے چلایا جائے گا۔ خبر مقبول کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی فاسق کی جانب سے نہ ہو اور یہی حکم اخبارات میں چھپی ہوئی خبر کا ہے اس لیے کہ مدیران جرائد اکثر و بیشتر ایک پھیلی ہوئی خبر کی تصحیح کے ضرورت مند ہوتے ہیں اور کاتب کی پہچان بھی کوئی اتنا آسان نہیں ہے کہ اس کی عدالت پر اعتماد کیا جا سکے۔ لیکن اگر ٹیلیگراف زیادہ ہوں اور مختلف اخباروں میں مختلف خبریں آ جائیں کہ اس سے دل مطمئن ہو جائے اور گمان میں اس کی سچائی آ جائے تو اس وقت اس کے مطابق حکم کرنا جائز ہوگا یہ استفاضہ کے حکم میں ہوگا اور عدالت اس میں شرط نہ ہوگی' تو خبر دینے والے کی معرفت کی ضرورت نہ ہوگی۔

خط' ریڈیو کی خبر اور ٹیلیفون پر عمل کرنے کی صورت کہ اس میں شہادۃ شرط ہے تو یہ شہادت کی شرط والی بات صحیح نہیں۔ اس لیے کہ شاہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ قاضی کے سامنے بغیر حائل کے ہو اور اس کا چہرہ بھی کھلا ہوا ہو جیسا کہ اپنی جگہ پر اس کی تصریح موجود ہے اور وہ مواقع جہاں پر صرف خبر بغیر شہادت کے کافی ہے تو مذکورہ چیزوں پر عمل جائز اور صحیح ہے معاملات میں بھی دیانات میں بھی تمام کے تمام پر اس شرط سے کہ کاتب کے خط کی معرفت ہو اور اس کی عدالت بھی خط میں ہو اور مخبر کی صورت اور اس کی عدالت ریڈیو اور ٹیلیفون میں اس پر دلیل

جو درمختار میں ہے کہ خط پر عمل نہیں کیا جائے گا مگر کتاب الامان کے مسئلہ میں اور اسی کے ساتھ ملحق ہیں جان خلاصی کے خطوط خرید و فروخت اور کمیشن والے پر امام محمد رحمہ اللہ نے قاضی راوی اور شاہد کے لیے جائز قرار دیا ہے کہ اس پر یقین کریں اور اس پر فتویٰ بھی دیں- شامی نے لکھا ہے کہ اس پر یقین کرے کہ اسی کا خط ہے جس سے نقل کیا جا رہا ہے- پہلے میں اور یہ کہ یہ اس کا اپنا خط ہے دوسرے دو میں- (وقیل و بہ یفتی) کہا گیا ہے کہ اسی پر فتویٰ دیا جائے گا- خزانۃ الاکمل میں کہا ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد نے شاہد قاضی اور راوی کے خط پر عمل کرنے کو جائز قرار دیا ہے- جب یہ اس کے خط کو دیکھے اور کوئی بات یاد نہ آئے' عیون میں کہا ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے جب یہ متعین ہو جائے کہ یہ اسی کا خط ہے' چاہے یہ قضا میں ہو یا روایت میں یا کسی دستاویز پر شہادۃ اگر دستاویز شاہد کے ہاتھ میں نہ ہو' اس لیے کہ غلطی نادر ہوتی ہے اور تبدیلی پر اطلاع ممکن ہے اور ایک خط دوسرے خط کے ساتھ مکمل مشابہ ہو ایسا بہت کم ہوتا ہے- جب یقین ہو جائے تو پھر لوگوں پر توسع کرنے کے لیے اس پر اعتماد جائز ہے- ص ۳۹۳ ج ۴

شامی درمختار کے قول (ودفتر بیاع وصراف وسمسار) کے ذیل میں لکھا ہے کہ فتح القدیر میں لکھا ہے کہ شہادات' کمیشن ایجنٹ کا لکھا ہوا اور صراف رقم کی تبدیل کرنے کا خط حجت ہے- اس لیے کہ عرف میں اس کو معتبر سمجھا جاتا ہے- امام میری نے کہا کہ اکثر کتب میں یہی ہے یہاں تک کہ مجتبیٰ نے اقرار میں کہا ہے کہ خرید و فروخت کرنے والے صراف اور سمسار کا خط حجت ہے- اگرچہ باقاعدہ عنوان سے اس کو شائع نہ کیا گیا ہو- جو ظاہراً لوگوں میں معروف ہو اور ایسے لوگ آپس میں خط و کتابت کرتے ہیں ضروری ہے کہ وہ حجت ہو اس لیے کہ عرفاً اس کو حجت سمجھا جاتا ہے- ص ۳۹۲ ج ۴

جان لو کہ نقل حدیث اور روایت حدیث دین کا ایک حصہ ہے اور نقل و روایت' کتابت اور خط سے جائز ہے اور اس پر محدثین کا اجماع ہے- اس کو ان کی عرف میں تحمل المکاتبہ کہا جاتا ہے جیسا کہ مقدمہ فتح الملہم ص ۶۷ پر ہے- تحمل مکاتبہ کے اقسام میں سے ہے- مثلاً یہ لکھ دے کہ مجھے فلاں نے بیان کیا' جب تمہارے پاس میرا یہ مکتوب پہنچ جائے تو اسی اسناد کے ساتھ تم یہ مجھ سے بیان کرو' امام ابن الہمام نے کہا ہے کہ کتابت اور رسالت دونوں خطاب ہی کی طرح ہیں- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں کے ذریعہ تبلیغ کی' اور عرفاً بھی یہ معتبر ہیں- مرسل الیہ اور مکتوب الیہ کے لیے روایت کرنے کے جواز کے لیے کاتب کے خط کی معرفت اور رسول کی صداقت کا ظن کافی ہے کہ وہ کاتب اور مرسل سے روایت کرے' عام اہل حدیث کا یہی مسلک ہے (اہل حدیث سے یہ جعلی اہل حدیث غیر مقلد مراد نہیں ہیں بلکہ محدثین حضرات مراد ہیں- مترجم) تو جب روایت حدیث میں

خط پر اعتماد جائز ہو گیا جبکہ اس میں سچائی کا اہتمام شرعاً بھی مطلوب ہے اور رویت ہلال کی خبر سے زیادہ مطلوب ہے- دلیل یہ ہے کہ ثبوت صوم کے لیے ایک مستور الحال کی شہادت شرعاً معتبر ہے- صحیح روایت کے مطابق جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے لیکن نقل حدیث میں صحیح مذہب کے مطابق مستور الحال کی خبر بالکل معتبر نہیں ہے- صاحب الکشف نے امام فخر الاسلام کے قول کی تشریح میں لکھا ہے کہ دین میں فاسق کی خبر بالکل معتبر نہیں ہے- خواہ سامع کو اس کی صداقت کا یقین ہو یا نہ ہو' مقدمہ فتح الملہم ص ۱۴ اور ص ۱۵ پر کہا کہ تحریر اور اس کی شرح اور اس جیسی دوسری کتابوں میں ہے یعنی فاسق مستور الحال کہ نہ تو جس کی عدالت معروف ہو اور نہ ہی اس کا فسق تو صحیح قول کے مطابق تو اس کی خبر حجت نہیں ہوگی- جب تک اس کی عدالت ظاہر نہ ہو جائے' تو ثبوت صوم میں خط پر عمل کیوں جائز نہ ہوگا- اس شرط پر کہ وہ تحریر شدہ ہو اور اسی پر قیاس ہے ریڈیو اور ٹیلیفون کی خبر-

(۳) وہ ملک جس میں کوئی والی یا حاکم نہ ہو یا ہو تو سہی لیکن وہ فیصلہ شرعی احکام کے مطابق نہ کرتا ہو' اور نہ ہی شریعت کے احکامات کی پابندی کرتا ہو' جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عام مشاہدہ ہے' پس وہ ثقہ عالم جس پر مسلمان اعتماد کرتے ہوں- بمنزلہ قاضی کے ہوگا- شامی نے کہا ہے کہ فتح میں ہے کہ جب بادشاہ نہ ہو اور ایسا کوئی جس سے ذمہ داری لی جا سکتی ہو' جیسا کہ بعض اسلامی ممالک جن پر کفار نے غلبہ حاصل کیا ہے جیسا کہ قرطبہ اس وقت ہے' تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان میں سے کسی ایک پر اتفاق کر لیں (ص ۳۴۲ شامی ج ۴) پس جب تک نظم مملکت شرعی قوانین کے مطابق نہ ہو تو رویت ہلال کے مسئلہ میں ثقہ عالم کے قول کو لیا جائے گا جو معتمد اور عام مسائل میں عوام کا مرجع ہو' مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے عمدۃ الرعایہ علی شرح الوقایہ میں فرمایا کہ جس ملک میں حاکم نہ ہو اس میں ثقہ عالم اس کے قائم مقام ہوتا ہے- (ص ۲۰۹ ج ۱)

(۴) جب صوم یا افطار کا ثبوت حاکم کے سامنے قواعد شرع کے مطابق علماء کے فتویٰ سے ثابت ہو گیا یا ایک عالم یا علماء کی ایک جماعت کے سامنے ثبوت ہو گیا جن کے سپرد حاکم نے رویت ہلال کا معاملہ کیا تھا اور انھوں نے صوم یا افطار کا فیصلہ دے دیا اور ان کا فیصلہ ریڈیو پر نشر ہو گیا تو جو مسلمان بھی اس مملکت کی حدود میں وہ فیصلہ سن لیں تو اس پر عمل کرنا ان پر لازم ہو جائے گا اور ان کی حدود ولایت سے نکلے ہوئے علاقے میں اس ولایت کے حاکم کے پاس ثبوت ضروری ہے کہ دو گواہ رویت ہلال کی گواہی دیں یا شہادت پر شہادت دیں یا حکم حاکم پر یا ان تک خبر شہرت کے طریقہ پر پہنچی ہو اس لیے کہ حاکم کا حکم اس کی ولایت کے حدود میں تو نافذ ہوتا ہے اور حدود ولایت سے باہر نہیں' اسی وجہ سے شہر کے قرب و جوار کے دیہات والوں پر شہر کی خبر پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے جب ان کو اطلاع باوثوق ذرائع سے ہوتی ہو کہ یا تو ان کو منادی کرنے والے کے اعلان کی آواز پہنچے

جو اعلان محکمہ کی جانب سے ہو یا کوئی عادل شخص ان کے پاس آ گیا ہو‘ یہاں تک کہ اگر انھوں نے توپ کی آواز سنی یا ڈھول کی آواز سنی یا ان کے علاوہ جو چیزیں غلبہ ظن کی علامات ہوں‘ تو صوم وافطار میں ان کے لیے عمل کرنا واجب ہے‘ پس ریڈیو کی خبر ان غلبہ ظن کی علامات سے کسی قیمت پر کم نہیں بلکہ فی الحقیقت یہ حاکم کی جانب سے منادی کرنے والے کی ندا ہے اور یہ معتبر ہے اور جب پہلے زمانہ میں ریڈیو جیسی ایجادات نہیں ہوئی تھیں کہ وہ حاکم کے حکم کے پہنچانے کا وسیلہ نہیں تو صرف انھی ذرائع پر انحصار کیا گیا جو اس زمانہ میں تھیں- علامہ شامی نے **منحة الخالق علی بحر الرائق** میں فرمایا کہ انھوں نے ذکر نہیں کیا کہ ہمارے نزدیک عمل ظاہری علامات پر ہے جو کہ دلالت کرتی ہوں شہرت کے ثبوت پر‘ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں توپ چلانے کی آواز‘ ظاہر یہ ہے کہ جو شخص شہر سے غائب ہو اور یہ آواز سنے تو بستی والوں کی طرح اس پر بھی عمل واجب ہے جیسا کہ شہر کے ان لوگوں پر عمل واجب ہے جنھوں نے حاکم کو شہادت قبول کرتے ہوئے دیکھا- اس فرع کو شوافع نے بھی ذکر کیا ہے- علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے تحفہ میں نقل کیا ہے کہ وہ علامات جو ظاہراً دلالت کرتی ہوں اور عادۃ وہ خلاف نہیں ہوتیں جیسا کہ میناروں پر لٹکی قندیلوں کا دیکھنا کہ اس سے حکم ثابت ہو جاتا ہے اور ایک جماعت کی مخالفت اس میں صحیح نہیں ہے (ص ۲۷۰ حاشیہ بحر الرائق کتاب الصوم)

ردالمحتار میں فرمایا میں کہتا ہوں کہ دیہات والوں پر توپ کی آواز سننے اور شہر کے میناروں پر چراغاں دیکھنے کی وجہ سے روزہ لازم ہے- اس لیے کہ یہ ظاہری علامت ہے جو غلبہ ظن کا فائدہ دیتی ہے اور غلبہ ظن ایسی حجت ہے جو کہ موجب عمل ہے جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے اور اس کا غیر رمضان کے لیے ہونے کا احتمال بعید ہے اس لیے کہ لیلۃ الشک میں یہ عمل ثبوت رمضان ہی کے لیے کیا جاتا ہے- (کتاب الصوم ردالمحتار)

تمھارے دل میں یہ بات نہیں کھٹکنی چاہیے کہ ردالمحتار کی عبارت تو روزے کے بارے میں صریح ہے تو یہ حکم اسی کے ساتھ خاص ہے اس لیے کہ جس علت کے ساتھ یہ حکم معلل کیا گیا ہے وہ غلبہ ظن ہے جس پر مدار حکم ہے جیسا کہ صاحب درمختار نے کہا ہے ’’علت نہ ہونے کی صورت میں جمع عظیم کو قبول کیا جائے گا جس سے علم شرعی واقع ہوتا ہے اور وہ غلبہ ظن ہے جو ان کی خبر سے حاصل ہوا‘‘

علامہ شامی نے بھی باب القضاء والکفارہ میں فرمایا کہ دیہات والوں نے اگر تیسویں شب کو طبلہ کی آواز پر اس گمان سے افطار کر لیا کہ یہ عید کا دن ہے جبکہ یہ طبلہ کسی دوسرے مقصد کے لیے تھا تو انھیں کفارہ لازم نہ ہوگا اور آپ جانتے ہیں کہ یہاں ان سے سقوط کفارہ صرف عید کے بارے شک کی وجہ سے ہوا ہے- صاحب درمختار نے کہا کہ یا اس نے سحری کی یا افطار کیا اس گمان سے کہ یہ وقت یعنی جس وقت میں اس نے کھایا ہے رات ہے

جبکہ (سحری کی صورت میں) فجر طلوع ہو چکا تھا اور (غروب کی صورت میں) سورج غروب نہیں ہوا تھا (لف و نشر مرتب ہے) پہلی صورت میں شک معتبر اور دوسری میں نہیں- دونوں میں اصل پر عمل کی وجہ سے- شامی نے فتح سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ مختار لزوم کفارہ ہے شک کی وجہ سے- اس لیے کہ غروب کی وجہ سے جو حال ثابت ہوا وہ غلبہ ظن ہے غروب کی وجہ سے‘ تو یہ محض شبہہ اباحت ہے حقیقت نہیں اور شک کی حالت تو اس سے بھی کم یعنی شبہہ الشبہہ جس کی وجہ سے عقوبات ساقط نہیں ہوتے ص ۱۱۴ اور ۱۱۵ ج ۲ میں کفارہ کے ساقط ہونے کی بحث میں فرمایا کہ مصنف کی تعبیر لا کفارۃ بالظن میں اس طرف اشارہ ہے کہ سحری اور افطاری تحری کے ساتھ جائز ہے- ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ دیہات والوں سے سقوط کفارہ جب انھوں نے افطار کیا ہو رات کے وقت طبلہ کی آواز سن کر اس گمان سے کہ یہ عید کے لیے طبلہ ہے جبکہ وہ کسی دوسرے مقصد کے لیے تھا‘ بوجہ ان کے غلبہ ظن کے ہے نہ کہ صرف شک کی بنا پر‘ اس سے معلوم ہوا کہ طبلہ کی آواز وغیرہ دوسری علامات ہیں جو کہ غلبہ ظن کا فائدہ دیتی ہیں غلبہ ظن افطار میں بھی حجت ہوا جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے- پس ان علامات کی تخصیص صرف روزے کے ساتھ جبکہ یہ فائدہ غلبہ ظن کا دیتی ہیں تخصیص بلا دلیل ہے اور لوگوں کو حرج میں مبتلا کرنا ہے اس لیے کہ ہر ایک کے پاس رویت پر شہادت کا موجود ہونا یا شہادت پر شہادت کا موجود ہونا یا حکم حاکم پر شہادت کا موجود ہونا آسان نہیں ہے اور نہ ہی حاکم کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی ولایت کے تمام اطراف میں اپنے حکم عام کی تنفیذ کے لیے دو گواہ بھیجے جو اس کے حکم پر گواہی دیں‘ اگر ان علامات کو اور محکمہ کی جانب سے اعلان جس میں ریڈیو کا اعلان بھی شامل ہے‘ کو معتبر نہ مانا جائے تو یہ ایک عظیم حرج میں مبتلا کرنے کا موجب بن جائے گا اور یہ فقہاء کی عبارتوں کو غلط ٹھہرانے کے مترادف ہوگا- مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے اسی جیسے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ان علامات کی بنیاد پر افطار جائز ہے اس لیے کہ توپ کی آواز مروجہ عادت کے مطابق عید کے بارے میں غلبہ ظن کا موجب ہے اور غلبہ ظن عمل کے لیے کافی ہے- اس وجہ سے ان علامات کی وجہ سے روزہ بھی لازم ہو جاتا ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ بستی والوں پر لازم ہے- (مجموعۃ الفتاویٰ) اور یہ گمان نہ رکھا جائے کہ ریڈیو پر نشریات کرنے والا اور خبریں پڑھنے والا مستور الحال ہوتا ہے بلکہ غالب یہ ہے کہ وہ فاسق ہوتا ہے جیسا کہ ارباب حکومت کے بارے میں عام مشاہدہ ہے تو اس کی خبر کیسے معتبر سمجھی جائے گی اس لیے کہ ناشر قاضی کے حکم میں ہے اور اس میں عدالت شرط نہیں‘ پس اعلان کرنے والے منادی کرنے والے اور قاضی کے حکم کو نشر کرنے والے اور والی اگرچہ فاسق ہوں تب بھی اس کے اعلان اور ندا کی اطاعت واجب ہے- علامہ شامی نے ص ۱۱۵ ج ۲ پر فرمایا اور کہا جاتا ہے کہ توپ کی آواز ہمارے زمانہ میں غلبہ ظن کا فائدہ دیتا ہے‘ اگرچہ توپ

چلانے والا فاسق ہی کیوں نہ ہو' اس لیے کہ ٹائم کیپر دن کے آخری حصہ میں دار الحکم جاتا ہے تو اس کے لیے توپ چلانے کا وقت معین کیا جاتا ہے اور ایک وزیر کی ڈیوٹی لگائی جاتی ہے کہ جب وہ توپ چلائے تو وہ وزیر اور اس کے عملے کی نگرانی میں معین وقت پر چلائے - تو ان قرائن کی وجہ سے غلبہ ظن عدم خطاء اور عدم قصد افساد ہے' ورنہ لوگوں کا گناہگار ہونا لازم ہو جائے گا اور پورے مہینے کی قضاء ان پر لازم ہوگی - اس لیے کہ اکثر لوگ بغیر تحری اور بغیر غلبہ ظن کے صرف توپ کی آواز پر افطار کر دیتے ہیں - یہ عبارت اگر چہ روزانہ کے افطار کے لیے لائی گئی ہے لیکن یہ دلالت کرتی ہے کہ فاسق اگر حاکم کے حکم کا منادی کرنے والا یا ناشر ہو اور اس کے حکم کا پابند ہو تو یہ غلبہ ظن کے لیے مفید ہے اور غلبہ ظن عمل کا موجب ہے روزانہ کے افطار اور عید میں جیسا کہ آپ جان چکے ہیں اور جو فرق کا دعویٰ کرے اس کے ذمہ وضاحت ہے -

(۵) جان لو کہ اختلاف مطالع واقع اور محسوس امر ہے جس شخص کو بھی ہیت کے ساتھ تھوڑا بہت تعلق ہو وہ اس کا انکار نہیں کر سکتا جیسا کہ علامہ شامی نے رسالہ (تنبیہ الغافل الوسنان علیٰ احکام ہلال رمضان) میں فرمایا کہ اطراف اور ممالک کے اختلاف سے مطالع مختلف ہوتے ہیں - کبھی کسی شہر میں چاند دکھائی دیتا ہے اور کسی میں نہیں جیسا کہ سورج کے مطالع مختلف ہوتے ہیں - کسی ملک میں سورج طلوع ہوتا ہے اور کسی ملک میں ابھی رات کا کچھ حصہ باقی ہوتا ہے - یہ بات کتب ہیئت میں مبرہن ہے اور یہ حال واقعی اور مشاہد ہے تاہم صوم و افطار میں اس کے اعتبار کرنے میں اختلاف ہے - محقق شیخ کمال الدین بن الہمام نے فتح القدیر میں فرمایا جب مصر میں رویت ثابت ہو جائے تو تمام لوگوں پر لازم ہو جائے گا - اہل مشرق پر اہل مغرب کی رویت کی وجہ سے لازم ہو جائے گا ظاہر مذہب کے مطابق اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اختلاف مطالع کی وجہ سے حکم مختلف ہوگا اس لیے کہ سبب مہینہ ہے اور اس کا انعقاد ایک قوم کے حق میں ان کی رویت کی وجہ سے دوسرے لوگوں کے حق میں انعقاد لازم نہیں آتا - اختلاف مطالع کے ساتھ الخ' ابن عابدین نے اسی رسالہ میں کہا ہے کہ معتمد اور راجح ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اس کا اعتبار نہیں اور یہ ظاہر الروایت ہے اور متون بھی اسی پر ہیں جیسا کہ کنز وغیرہ اور حنابلہ کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے جیسا کہ انصاف میں ہے' مالکیہ کا بھی یہی مذہب ہے پس معلوم ہوا کہ احناف مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب عدم اعتبار ہے - شافعیہ کے نزدیک معتمد اعتبار ہے جیسا کہ نووی نے منہاج میں اس کی تصحیح کی ہے -

علامہ شامی نے اپنے اسی رسالہ میں فتح القدیر سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ظاہر مذہب پر عمل زیادہ/ احوط ہے تاتارخانیہ میں ہے کہ فقیہ ابو اللیث کا فتویٰ اسی پر ہے - امام حلوانی بھی اسی پر فتویٰ دیا کرتے تھے - وہ فرمایا کرتے تھے کہ اہل مغرب کی رویت سے اہل مغرب پر روزہ رکھنا واجب ہوگا خلاصہ میں ہے کہ یہ ظاہر

المذہب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے - مجموعہ رسائل ابن عابدین ص ۲۵۲' حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں حدیث (روزہ نہ رکھو جب تک رویت نہ کر لو) کے ضمن میں لکھا ہے کہ ہر ایک کے حق میں روزہ کی تعلیق رویت کے ساتھ مراد نہیں بلکہ اس سے مراد بعض کی رویت ہے اور جن لوگوں نے ایک شہر والوں پر دوسرے شہر والوں کی رویت سے روزہ لازم کیا ہے انھوں نے رویت کے ساتھ تعلیق صوم سے دلیل لی ہے اور جو قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ''حتی تروہ'' مخصوص لوگوں کو خطاب ہے - تو ان کی رویت سے دوسروں پر لازم نہ ہوگا لیکن یہ ظاہر کو رد کرنا ہے تو حال ایک کی رویت پر موقوف نہیں بلکہ ایک ملک اور ایک شہر کی رویت معتبر ہوگی - فتح الباری ج ۴ ص ۹۸ علامہ شوکانی نے نیل الاوطار جلد چہارم میں فرمایا کہ جس پر اعتماد مناسب ہے وہ مالکیہ کا مسلک ہے اور زیدیہ کی ایک جماعت اور ان میں سے مہدی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے قرطبی نے بھی اپنے شیوخ سے اس کو نقل کیا ہے کہ جب ایک شہر والوں نے رویت کر لی تو تمام شہر والوں پر بھی واجب ہو جائے گا اور ابن عبد البر کے اس قول کہ یہ اجماع کے خلاف ہے کی طرف التفات نہ کیا جائے گا کہا کہ دور کے شہروں مثل خراسان اندلس کے بارے میں اجماع ہے کہ وہاں رویت کی رعایت نہیں رکھی جائے گی - اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس سے جماعت مخالف ہو تو اجماع مکمل نہیں ہوتا -

علامہ شامی نے رد المحتار میں کہا ہے کہ دوسری ظاہر الروایت ہمارے نزدیک عدم اعتبار ہے اور یہی ہمارے مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک معتمد ہے - اس لیے کہ خطاب کا تعلق عام ہے - مطلق رویت کے ساتھ حدیث ''صوموا الرویۃ'' میں' بخلاف نماز کے اوقات کے -

(۶) جب صوم یا افطار کا حکم ایک شہر میں اس شہر کے حاکم یا ثقہ عالم کے سامنے' ثابت ہو جائے اور اس نے حکم کر دیا اور اس شہر والوں پر اس نے لازم کر دیا اور اس کا حکم دوسرے شہر میں منتقل ہو گیا تو وہ شہر یا تو ان کی حدود ولایت میں ہوگا یا نہ ہوگا - پہلی صورت میں اس شہر والوں پر عمل لازم ہوگا جب وہ خبر غلبہ ظن کی موجب ہو اس لیے کہ اس صورت میں یہاں شہادت شرط نہیں ہے جیسا کہ تفصیل سے آپ سوال چہارم کے جواب میں جان چکے ہیں اور دوسری صورت میں اس خبر پر عمل جائز نہیں اور نہ اس شہر کے قاضی کو حکم کرنا جائز ہے - جب تک اس کے پاس دو گواہ معروف طریقے سے گواہی نہ دے دیں تحمل شہادت میں یا پہلے شہر کے حاکم کے حکم کے بارے میں - فتح القدیر میں کہا ہے پھر ان پر متاخر رویت کی وجہ سے لازم ہے جب ان کے پاس ان لوگوں کی رویت بطریق موجب ثابت ہو جائے یہاں تک کہ اگر کسی جماعت نے شہادت دی کہ فلاں شہر والوں نے ہلال رمضان تم سے ایک دن پہلے دیکھ کر روزہ رکھ لیا تھا اور آج تیسواں دن ہے ان کے حساب کے مطابق جبکہ انھوں نے

چاند نہیں دیکھا تو کل کا افطار اور اس رات کی تراویح چھوڑنا ان کے لیے جائز نہیں- اس لیے کہ اس جماعت نے نہ تو رویت پر شہادت دی اور نہ ہی دوسروں کی شہادت پر شہادت دی بلکہ انھوں نے صرف ان کی شہادت کی حکایت کی ہے اور اگر انھوں نے شہادت دی کہ فلاں شہر کے قاضی کے پاس دو آدمیوں نے رویت ہلال کی شہادت فلانی رات دی اور قاضی نے ان کی شہادت کی بنیاد پر فیصلہ دے دیا تو پھر اس قاضی کے لیے جائز ہے کہ ان کی شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کرے- اس لیے کہ قاضی کی قضاء حجت ہے اور انھوں نے اس کی گواہی بھی دی ہے- اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نفس حکایت شہادت حجت نہیں جب تک خبر مشہور نہ ہو-

(۷) عمل کا موجب خبر کا پھیلانا ہے- کئی شہروں سے ایک شہر کی طرف' استفاضہ کی صورت میں حکایت خبر کافی ہے- خبر دینے والوں کے لیے شہادت علی الشہادۃ اور حکم حاکم پر شہادت شرط نہیں-

علامہ شامی نے رسالہ ''تنبیہ الغافل الوسنان'' میں چھٹے سوال کے جواب کی عبارت 'فتح القدیر سے نقل کرنے کے بعد فرمایا' میں کہتا ہوں کہ ذخیرہ برہانیہ میں شمس الائمہ حلوانی نے کہا کہ صحیح مذہب ہمارے اصحاب کا یہ ہے کہ خبر جب مشہور ہو جائے اور دوسرے شہر والوں کے ہاں محقق ہو جائے تو ان پر اس شہر کا حکم لازم ہو جائے گا اور اسی جیسی بات حسن الشرنبلالی نے حاشیہ درر میں منتقی سے نقل کی ہے اور درمختار میں اس کی نسبت المجتبی کی طرف کی ہے- جب کہ اس استفاضہ میں نہ حکم ہے اور نہ شہادۃ لیکن جب خبر مستفیض بمنزلہ خبر متواتر کے ہو جائے اور اس سے ثابت ہو جائے کہ اس شہر والوں نے فلاں دن روزہ رکھا ہے تو اس پر عمل لازم ہو جائے گا- اس لیے کہ اس سے مراد ایسا شہر ہے جس میں شرعی حاکم ہو جیسا کہ بلاد اسلامیہ میں عادت ہے پس ضروری ہوا کہ انکا روزہ ان کے شرعی حاکم کے حکم پر ہو- تو یہ استفاضہ بمنزلہ حکم مذکور کے نقل کرنے کے ہوا اور یہ شہادت سے زیادہ قوی ہے کہ یہ شہادت دینا کہ فلاں شہر والوں نے فلاں دن چاند دیکھ کر روزہ رکھا مجرد شہادت ہے جو یقین کا فائدہ نہیں دیتا- اسی وجہ سے یہ مجرد شہادت قبول نہیں کی جاتی جب تک وہ حاکم کے حکم کی شہادت نہ دیں یا دوسروں کی شہادت پر شہادت نہ دیں تا کہ ان کی خبر معتبر سمجھی جائے ورنہ یہ مجرد خبر ہوگی اور استفاضہ یقین کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں- اسی وجہ سے انھوں (اذا استفاض وتحقق) کے الفاظ استعمال کیے ہیں تو اس صورت میں یہ فتح القدیر مذکورہ سابقہ تحقیق کے منافی نہ ہوگا اور اگر منافات تسلیم کر لی جائے تو عمل اس پر ہوگا جس کی تصحیح پر انھوں نے تصریح کی ہے- امام حلوانی مذہب کے اجلہ آئمہ میں سے ہیں اور انھوں نے تصریح کی ہے کہ ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب یہ ہے اور بحر بر تعلیقات میں لکھ دیا ہے کہ استفاضہ سے مراد اس شہر سے آنے والوں کی تواتر خبر ہے- صرف استفاضہ مراد نہیں ہے- کیونکہ صرف استفاضہ کی بنیاد کبھی صرف ایک شخص کی خبر ہوتی ہے

جو پھیل جاتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ان کے اس قول ''اذا استفاض و تحقق'' کی بنیاد پر یہ کافی نہیں ہے اس لیے کہ اس کا تحقق ہمارے مذکورہ طریقہ کے بغیر نہیں ہوتا- واللہ اعلم

پس اس عبارت کو عمیق نظروں سے دیکھو لو یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ علامہ شامی نے پہلے فتح القدیر کی جماعت کی حکایت کی عدم کنایت کا استدراک کیا اور شمس الائمہ الحلوائی اور دوسرے فقہاء کا قول بطور دلیل لائے کہ استفاضہ میں نہ تو نقل حکم ہوتا ہے اور نہ شہادت ہوتی ہے- پھر فتح القدیر اور شمس الائمہ الحلوائی کے اقوال میں موافقت پیدا کی کہ استفاضہ اگرچہ درحقیقت بطریق حکایت ہوتا ہے کہ نہ تو اس میں شہادت علی الشہادت ہوتی اور نہ شہادت علی الحکم ہوتی ہے- لیکن جب اس شہر کے روزے کا دارومدار حاکم پر ہو جبکہ بلاد اسلامیہ میں یہی عادت اور مروجہ بھی طریقہ ہے تو یہ حکایت بمنزلہ حاکم کے حکم کے نقل کرنے کے لیے ہے- پس اس میں کوئی منافات نہیں- پس یہ بات مکمل طور پر واضح ہوگئی کہ استفاضہ میں نقل حکم حقیقۃً شرط نہیں کسی کے نزدیک بھی- پھر علامہ شامی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر دونوں میں منافاۃ تسلیم بھی کر لی جائے اور استفاضہ میں نقل حکم نہ حقیقۃً پایا جائے اور نہ حکماً اور صاحب فتح القدیر کی مراد نقل حکم حقیقۃً ہو تو شمس الائمہ الحلوائی کے قول کے مطابق ہوگا اس لیے کہ ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب یہی ہے-

پھر فرمایا کہ اگر کوئی ایک شخص پہلے شہر سے آ جائے اور اس کی خبر اس شہر میں پھیل جائے تو یہ کسی طرح بھی استفاضہ نہ ہوگا بلکہ یہ شرط ہے کہ رویت کے شہر سے ایک جماعت آ جائے تا کہ ان کی خبر مستفیض موجب عمل ہو-

پھر یہ بات جان لو کہ استفاضہ خبر متواتر نہیں ہے بلکہ یہ اخبار احاد کی قسم ہے جیسا کہ نخبۃ الفکر ص ۱۲ میں ہے' دوسرا یہ کہ یہ احاد کی پہلی قسم ہے- جس کے طرق محصور ہیں اور دو سے زیادہ ہیں اور یہ محدثین کے نزدیک مشہور ہے' اس کا یہ نام بوجہ اس کے واضح ہونے کے رکھا گیا ہے- فقہاء کی ایک جماعت کی رائے کے مطابق یہ مستفیض ہے' صدر الشریعہ نے توضیح میں فرمایا کہ دوسرا یعنی مشہور مفید ہے علم طمانیت کا اور ایسا علم ہے کہ جس سے مطمئن ہو کر اس کو علم یقین سمجھتا ہے لیکن صحیح غور و فکر کر لیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ یقین نہیں ہے-

علامہ تفتازانی نے تلویح میں اس عبارت کی تشریح میں فرمایا کہ اس کا اطمینان جانب ظن کی جانب رجحان ہے کہ یقین کی حد میں داخل ہونے کے قریب ہو- اس سے معلوم ہوا کہ علامہ شامی نے ابن الہمام اور شمس الائمہ کے کلام میں موافقت کی جو بات کی ہے جس کی عبارت یہ ہے کہ وہ استفاضہ مفید یقین ہے'' سے مراد وہ طمانیت ہے جو خبر مستفیض مشہور سے حاصل ہوتا ہے' نہ یقین بمعنی اعتقاد جازم راسخ جو متواتر سے حاصل ہوتا ہے' اس لیے کہ مستفیض اور متواتر میں واضح فرق ہے مستفیض از قسم احاد ہے جیسا کہ آپ جان چکے ہیں' اسی وجہ سے علامہ

شامی نے اس موافقت کے ضمن میں فرمایا کہ استفاضہ بمنزلہ خبر متواتر کے ہے یہ نہیں فرمایا استفاضہ عین متواتر ہے-اس کی تائید جمع عظیم کی اس تفسیر سے ہوتی ہے جو صاحب درالمختار نے کی ہے کہ جمع عظیم وہ ہے کہ ان کی خبر سے علم شرعی یعنی غلبہ ظن حاصل ہو' شامی نے صراحت کے ساتھ اس مقام پر فرمایا کہ جمع عظیم سے مراد یہاں پر یہ نہیں ہے جس کی خبر علم یقین کا فائدہ دیتی ہو متواتر کیطرح - جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ خبر مستفیض از قسم آحاد ہے متواتر نہیں-تو جان لو کہ مستفیض میں تین یا تین سے زیادہ راوی شرط ہیں جیسا کہ نخبۃ الفکر کے حوالہ سے صراحۃً گزر چکا ہے اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی کے کلام جس کی تصحیح وتصویب استاذ الاساتذ شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ مانے کی ہے سے سمجھ آتی ہے' جس کی عبارت یہ ہے اور یہی صحیح جواب ہے کہ صورت مسئولہ میں ٹیلیگرام کی خبر پر عدم اعتماد ہے' ہاں اگر کثرت اخبار سے غلبہ ظن حاصل ہو جائے تو پھر اس پر عمل جائز ہے واجب نہ ہوگا' اور ایک یا دو پر عدم اکتفا ہی ظاہر مذہب ہے اور اسی طرح حال خط وکتابت کا ہے' البیان الکافی سے دلیل لی جاسکتی ہے پس جو بعض فقہاء نے کہا ہے جیسا کہ شامی نے رحمتی سے نقل کیا ہے کہ استفاضہ کا معنی یہ ہے کہ ان شہروں سے متعدد جماعتیں آئیں اور ہر ایک اس شہر کے بارے میں خبر دے - شامی ج ۲ ص ۱۰۲ یہ زیادہ تاکید پر محمول ہے جواز عمل کے لیے شرط نہیں اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ لفظ ''جماعت متعددون'' ہی مقصود ہے یہاں پر' تو ہم کہتے ہیں لغت اور شرع میں لفظ جماعت کا اطلاق دو یا دو سے زیادہ پر ہوتا ہے' پس جب یہ جمع کے صیغہ کے ساتھ ہو اور جمع کے اقل افراد تین ہوتے ہیں تو لفظ جماعات چھ افراد پر صادق آئے گا - جیسا کہ یہ مخفی نہیں ہے تو استفاضہ چھ افراد سے ثابت ہو جائے گا - اس کی تائید ہندوستان کے مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ قدس اللہ سرہ کی ''البیان الکافی فی الخبر التلغرافی'' سے ہوتی ہے اس کی تصحیح وتصویب بھی حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ نے فرمائی ہے - فرمایا کہ مناسب ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے لیکن دل جس بات سے مطمئن ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے لیے کوئی عدد معین نہ کیا جائے - بلکہ جب حاکم کو یا ثقہ عالم کو اطمینان ہو جائے تو اس کے لیے فیصلہ کرنا جائز ہوگا - اور جو استفاضہ کے بارے جاننا ضروری ہے وہ یہ کہ استفاضہ میں یہ شرط نہیں ہے کہ خبر دینے والے مختلف جگہوں سے ہوں بلکہ ایک جگہ سے اگر ایک جماعت آجائے جہاں انھوں نے چاند دیکھا ہو تو یہ کافی ہے-خبر متواتر کے لیے بھی اماکن مختلفہ کی شرط نہیں ہے تو استفاضہ جو متواتر سے کم ہے کے لیے کیونکر شرط ہوگی-

صدر الشریعہ نے توضیح میں متواتر کے بیان میں کہا ہے- متواتر وہ ہے جس کے راوی ہر زمانہ میں اتنے ہوں جن کی گنتی مشکل ہو اور جھوٹ پر ان کی موافقت بھی ناممکن ہو بوجہ ان کی کثرت عدالت اور بوجہ ان کے

اماکن مختلفہ کے علامہ نے تلویح میں اس کی شرح میں فرمایا' عدالت اور اماکن مختلفہ کا تذکرہ جھوٹ پر عدم موافقت کی تاکید ہے تواتر کے لیے شرط نہیں یہ بات شمس الائمہ الحلوانی کی عبارت سے سمجھی جاتی ہے جس کو شامی نے نقل کیا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ ''خبر جب مشہور ہو جائے اور دوسرے شہر میں بھی اس کا تحقق ہو جائے تو ان پر بھی ان شہروں کا حکم لازم ہو جائے گا اور اسی طرح رحمتی کی عبارت بھی جو ''ان تاتی من تلک البلدۃ الخ'' ہے- ہذہ اور تلک اسماء اشارہ جن کا موضوع لہ خاص ہے جیسا کہ یہ مسئلہ اپنی جگہ پر واضح ہے-

(۸) اگر حاکم یا ثقہ عالم نے ایک کے قول یا اس کے خط پر فیصلہ دے دیا اور لوگوں نے تیس روزے مکمل کر لیے اگر آسمان میں ابر وغیرہ کی علت ہو تو بالاتفاق افطار جائز ہے اور اگر آسمان صاف ہو تو شیخین کے نزدیک افطار جائز نہیں اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے- شامی نے ج ۲ ص ۱۰۲ پر ذخیرہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا- اگر افطار کا چاند ابر آلود ہو جائے تو بالاتفاق افطار جائز ہے- مصنف نے جو امام محمد کا اختلاف نقل کیا ہے چاند کے ابر آلود ہونے میں یہ اس کا استدراک ذخیرہ میں بھی یہ بالصراحت ہے اور المعراج میں المجتبیٰ سے منقول ہے کہ اس موقعہ پر افطار بالاتفاق جائز ہے- اختلاف اس صورت میں ہے جب آبر وغیرہ نہ ہو اور چاند بھی نظر نہ آئے تو اس صورت میں شیخین کے نزدیک افطار جائز نہیں اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے- جیسا کہ شمس الائمہ حلوانی اور الشرنبلالی نے الامداد میں تحریر کیا ہے- غایۃ البیان نے کہا کہ امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ افطار ابتداء بھی قول واحد سے بناء اور تبعاً ثابت ہوتا ہے کتنی ایسی چیزیں ہیں جو ضمناً تو ثابت ہو جاتی ہیں لیکن قصداً نہیں ص ۱۰۳ پس آسمان کے صاف ہونے کی صورت میں شیخین کے قول پر عمل کرنے میں احتیاط ہے اور بادل وغیرہ کی صورت میں افطار جائز اس لیے کہ ثبوت فطر کے لیے اگرچہ یہ لازم ہے کہ وہ بغیر دو گواہوں کی شہادت کے نہ ہو' اس لیے کہ یہ فیصلہ کے زمرے میں شامل ہے لیکن یہاں پر جب ثبوت حکم ضمناً ہوتا ہے تو اس میں ایک شاہد کا قول کافی ہے- جیسا کہ علامہ شامی نے درمختار کے قول کے ذیل میں لکھا ہے دخول شہر رمضان کا ثبوت ضمناً ہوتا ہے اس کی نظیر جیسا کہ ہم ذکر کریں گے کہ جب رمضان کی گنتی تیس دن پوری ہو جائے اور علت کی وجہ سے عید الفطر کا چاند نظر نہ آئے تو بھی افطار کرنا جائز ہو جاتا ہے اگرچہ رمضان کا ثبوت ایک شخص کی شہادت سے ہوا ہو اس لیے کہ افطار تبعاً ثابت ہے اس لیے کہ قصداً عدد اور عدالت کے بغیر ثابت نہیں ہوتا-

(۹) صوم وافطار میں فاسق کی خبر غیر مقبول ہے قاضی پر واجب ہے کہ وہ فاسق کی خبر قبول نہ کرے فاسق کی خبر کی بنیاد پر اگر وہ فیصلہ صادر کر دے تو گناہگار ہوگا - اس کے باوجود بھی اگر اس نے قبول کر کے فیصلہ صادر کر دیا تو اس کا حکم نافذ ہوگا اور تمام مسلمانوں پر عمل کرنا لازم ہوگا - فتاویٰ ہندیہ میں کہا ہے کہ اگر فاسق نے شہادت

دی اور امام نے قبول کر کے لوگوں کو روزے کا حکم دے دیا اس شہر کے کسی ایک فرد نے بھی افطار کر لیا یا اس نے کر لیا تو عام مشائخ کا قول ہے کہ اس پر کفارہ لازم ہے (خلاصۃ ج ا باب رویۃ الہلال کتاب الصوم) در مختار میں ہے کیا اس کے لیے جائز ہے کہ فسق کا علم ہوتے ہوئے بھی وہ شہادت دے' البزازی نے کہا ہاں اس لیے کہ قاضی بہت دفعہ قبول بھی کر لیتا ہے-

مولانا عبدالحی لکھنوی نے فرمایا- ہم کہتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں اس جیسے مسائل میں عدالت کی شرط سے اکثر اعمال میں خلل واقع ہو جاتا ہے- خصوصاً رمضان کے معاملہ میں زیادہ مناسب یہ ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق دیا جائے کہ شاید اگر صاحب مروۃ ہو اور غالب گمان اس کے سچے ہونے کا ہو تو اس کا قول قبول کیا جائے گا تا کہ روزے کے معاملہ میں خلل نہ واقع ہو' مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی رحمہ اللہ نے اس جیسے سوال کے جواب میں فرمایا اگر شاہد کی سچائی کے قرائن واضح ہو جائیں قاضی کے سامنے تو اس کی شہادت قبول کرنے کی گنجائش ہے- اور اس کے لیے جائز ہے کہ اس کے مطابق عالم فیصلہ کرے- ان عبارات سے واضح ہوا کہ قاضی پر انتہائی درجہ کی احتیاط لازم ہے لیکن فاسق کی شہادت قبول کر لینے کے بعد مسلمانوں کے لیے اس کے حکم کی مخالفت جائز نہیں ہے تا کہ لوگوں کا شیرازہ نہ بکھرے اس لیے کہ جس نے یہ فیصلہ کیا وہ اس کا ضامن ہے جو لازم کیا ہے اس کا مسئول ہوگا- واللہ اعلم

محمد شریف ہزاروی

۱-۱۰-۲۰۰۲

مسئلہ رویت ہلال اور عید کا بیان

نوٹ: جنرل محمد ایوب خان کے مارشل لاء میں سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا دی گئی- جمعیۃ علماء اسلام نے نظام العلماء کے نام سے کام شروع رکھا- زیر نظر فیصلہ ۱۹۶۱ء میں جمعیۃ کی مرکزی شوریٰ میں کیا ہوا اہم فیصلہ ہے جو مضمون کی مناسبت سے شامل اشاعت کیا جا رہا ہے-

مجلس شوریٰ نظام العلماء مغربی پاکستان (جمعیۃ علماء اسلام مغربی پاکستان) کا یہ اجلاس عید و رمضان کے موقعہ پر محکمہ موسمیات کے اعلان کے نتیجے میں ملک بھر میں اختلاف و اضطراب کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتا اور یہ محسوس کرتا ہے کہ وحدت عیدین کے شدید جذبہ کے تحت جتنی کوشش کی گئی انتشار و افتراق میں اتنا ہی اضافہ ہوا- اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ شرعی شہادت کا معروف طریق چھوڑ کر محکمہ موسمیات کے تخمینی اعلان کو رویت ہلال کا مدار ٹھہرایا گیا- جس کے نتیجہ میں علماء کرام اور عامۃ المسلمین کا تعاون و اعتماد اتنا کمزور ہو گیا کہ وہ حکام کے اعلان پر عمل کرنے سے قاصر رہے-

اس کے بعد حکومت نے اصلاح کی طرف قابل لحاظ قدم اٹھا کر اصل فیصلہ کو رویت ہلال کی شہادتوں سے متعلق کر دیا ہے- تاہم یہ اجلاس بطور مشورہ چند حقائق کا اظہار کرنا ضروری تصور کرتا ہے-

اسلام ایک فطری مذہب ہے اس کا نظام عبادت اشخاص و افراد اور کسی خاص طبقہ تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ صحرائی' دیہاتی' قصباتی و شہری تمام طبقات سے وابستہ ہے- اس لیے اسلامی عبادات میں منجمین' اہل حساب اور سائنسدانوں کی علمی تحقیقات و نظریات کا شریعت مقدسہ نے عامۃ المسلمین کو پابند نہیں کیا ہے کہ وہ جنوری و فروری کا حساب یاد رکھ کر حج کریں یا موسمیات کا علم سیکھ کر ہلال رمضان کا اندازہ لگا لیا کریں- بلکہ اسلام نے عبادات میں انسانی علم کے فطری ذرائع کو مدار امر قرار دیا ہے کہ چاند کے حساب ذی الحجہ میں حج کرو اور چاند دیکھ کر ہی رمضان کا روزہ رکھو یا عید مناؤ-

پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ **صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ وان غم علیکم فاکملوا لعدۃ ثلثین** (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار (عید) کرو اور اگر بادل وغیرہ کی وجہ سے تم اشتباہ میں

پڑ جاؤ تو تیس دن پورے کر لیا کرو-

دوسرا ارشاد ہے کہ لا تصوموا حتیٰ تروا الهلال و لا تفطر وا حتی تروه (بخاری ومسلم)

ترجمہ: جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو اور روزہ ترک نہ کرو جب تک چاند نہ دیکھ لو-

تیسرا ارشاد ہے- نحن امة امية لا نكتب و لا نحسب الشهر هكذا و هكذا و هكذا (الحدیث)

ترجمہ: ہم سادہ (ناخواندہ امت ہیں نہ لکھ سکیں اور نہ حساب کریں- مہینہ یوں ہوتا ہے یوں اور یوں- آپؐ نے دس انگلیاں دونوں ہاتھوں کی بتا کر ان کو تین دفعہ دہرایا کہ مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے) پھر فرمایا اور کبھی یوں ہوتا ہے- دو دفعہ دسوں انگلیوں کو بتایا اور تیسری بار ایک انگلی عقد کر کے نو انگلیاں بتائیں کہ مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے-

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یونانی علم ہیئت کے اصول وتحقیقات کا پابند نہیں کیا- حالانکہ وہ زمانہ قبل از اسلام سے مشرح موجود تھے جن کے ماہر آج بھی موجود ہیں- ان کے ہاں بھی چاند سورج کے طلوع وغروب' منازل قمر کی تحدید' کسوف وخسوف (گرہن) کے اوقات کی تعیین اس طرح مضبوط اور منظم تھی کہ دنیا آج تک ان کی تغلیط نہیں کر سکی اور نہ اس جیسا اقرب حساب سائنس پیش کر سکا ہے- لوگوں کو سائنسی ترقیات وتحقیقات سے بھی مرعوب کیا جا رہا ہے- سائنس کی ترقی سے نہ انکار ہے نہ اس کی افادیت میں اشتباہ اور نہ اسلام اس کی ترقی کی راہ میں مانع ہے- لیکن رویت ہلال کے نظام میں موجودہ سائنس دان قدیم علماء ہیئت سے کسی طرح سبقت حاصل نہیں کر سکے- کراچی کے محکمہ موسمیات اور لاہور کی رصد گاہ کے اعلانات کا اختلاف گزشتہ عید الفطر کے موقعہ پر ان کی کمزوری اور غیر یقینی ہونے کی بین دلیل ہے- اسی طرح موسمی حالات کے بارہ میں اس کی روزانہ اطلاعات کا بسا اوقات خلاف واقعہ ہونا اظہر من الشمس ہے- اسی طرح یہ بھی قابل غور ہے کہ مشرقی پاکستان میں گزشتہ سال کے مہلک طوفان کے سلسلہ میں سائنس دان ایک ہفتہ قبل اعلان کرنے سے کیوں عاجز رہے اور سمندر کے مدوجذر کا ان کو علم کیوں نہ ہوا- یہاں تک کہ ہزاروں جانوں کی ہلاکت کا جگر خراش منظر دیکھنا پڑا-

بہرحال قبل از اسلام رویت ہلال کے مضبوط اصول وقواعد کی موجودگی میں بھی اسلام نے فطرت کے عین مطابق حساب وآلات کا محتاج نہیں رکھا- ان کا اعتبار نہ کرتے ہوئے صاف اعلان کیا گیا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور کھولو-

اسی لیے اس اجلاس کی نظر میں واضح نصوص واحکام کی موجودگی میں محکمہ موسمیات یا سائنس کی آڑ میں چاند دیکھے بغیر یا اس کی شرعی شہادت اور شرعی فیصلہ کیے بغیر عیدین کا اعلان کرنا نامسعود کوشش ہے جس سے مسلمانوں

کے قلوب مجروح ہوتے ہیں-

یہ اجلاس حکومت کو مشورہ دیتا ہے کہ اس طرح کے اہم مذہبی امور میں شرعی حدود وضوابط کا لحاظ رکھنا ہی مسلمانوں کا اعتماد بحال رکھ سکتا ہے اور اگر معزز حکومت رویت ہلال رمضان وعید میں دلچسپی رکھتی ہے تو یہ اجلاس چند امور کی تصریح وتشریح ضروری تصور کرتا ہے-

(۱) عیدین اور رمضان کی وحدت نہ شرعاً ضروری ہے اور نہ ساری دنیا میں ممکن ہو سکتی ہے (اسی سال بقرعید میں ہمارا مکہ معظمہ کا اختلاف رہا) - کون انکار کر سکتا ہے کہ یہاں دن لیکن امریکہ میں رات ہوتی ہے اور کون نہیں جانتا کہ موجودہ صورت حال میں پاکستان کے پس ماندہ اور دور افتادہ علاقوں میں اطلاع پہنچانے کا کوئی نظام قائم نہیں کیا جا سکتا اس سے قبل اسلامی حکومتوں کے ادوار میں نیز انگریزی عملداری میں جبکہ مسلمانوں کو آزادی سے عید منانے کی اجازت تھی- اس وقت نہ کسی کو کسی سے نزاع واختلاف تھا' نہ اعتراض وتنقید' ہر مقام پر حسب حالات رویت یا شہادت کی بنا پر مقامی لوگ اپنی ذمہ داری سے عمل کرنے میں آزاد تھے- اس میں کیا قباحت ہے کہ اس کو دور کرنے کے لیے حکومت ایک بڑے منصوبے اور اتنی پریشانی کا بوجھ اپنے یا عوام کے کاندھوں پر ڈالے- اس اجلاس کی نظر میں حکومت کا فائدہ اور سہولت اسی میں ہے کہ عامۃ المسلمین کو اس فریضہ کی ادائیگی میں پہلے کی طرح آزاد رکھا جائے- اس سال شام اور مصر میں عید ایک دن نہیں ہوئی مگر وہاں نہ کوئی بحث ہے اور نہ انتشار-

(۲) اور اگر کسی مصلحت کے لیے وحدت عیدین کو ضروری قرار دیتی اور اس کے لیے کوئی ہلال کمیٹی مقرر کرتی ہے تو عوام کے اعتماد کے لیے لازم ہے کہ کمیٹی کے ارکان ماہر فقہ اسلامی علماء ہوں اور اگر حکومت اس میں صرف ایک ہی عالم کا تقرر قرین مصلحت سمجھتی ہے تو اس عالم کا شرعی شہادت' شرعی حدود وضوابط کی تشریح میں مکمل با اختیار ہونا ضروری اور اس کے شرعی فتویٰ کی مجارٹی (اکثریت) پر قربان ہونے سے بچانا لازم ہے تا کہ شرعی شرائط میں نقص باقی رہنے کا احتمال نہ رہے-

(۳) مرکزی کمیٹی گواہ کو خود حاضر کر کے اس کی شہادت لے اور پھر حکم کو نشر کرے جب شریعت نے عیدین کے لیے شہادت رویت کو ضروری قرار دیا ہے تو اس میں شہادت کی یہ شرط بھی نظر انداز نہیں ہو سکتی کہ شاہد (گواہ) کا حاکم کے آمنے سامنے بلا حائل موجود رہ کر کے گواہی دینا واجب ہے- حکومت کا موجودہ محکمہ عدلیہ بھی کسی کیس میں گواہ کو حاضر ہونے کا حکم دیتا ہے- اس کے خط' تار اور ٹیلیفون کو کسی حالت میں بھی بطور گواہی کے قبول نہیں کرتا اور نہ اس پر فیصلہ دے سکتا ہے- تو عیدین کی شرعی شہادت میں آخر کیوں ٹیلیفون تار وغیرہ کی خبر کو شہادت

قرار دے کر عید کا حکم نافذ کرنے کا جواز پیدا کیا جا سکتا ہے- اس لیے یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ تار ٹیلیفون وغیرہ کے ذریعے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کی طرف سے مہیا کردہ خبروں پر حکم دینے اور فیصلہ کرنے کی بجائے مرکزی کمیٹی گواہوں کو اپنے روبرو حاضر ہونے کا انتظام کر کے شرعی حدود کی نگہداشت کرے (اہل اسلام کے اقتدار سے اسی قسم کے فوائد کی توقع ہوتی ہے)

(۴) اور اگر شہادت کو مرکزی کمیٹی کے سامنے پیش کرنا متعذر ہو تو پھر بہترین صورت یہ ہے کہ مرکزی حکومت ہر ضلع کے ڈی سی کی صدارت میں ضلع وار رویت ہلال کمیٹی بنائے' اس کمیٹی کو شہادتیں سن کر ان کو رد یا قبول کرنے کا اور ان شہادتوں پر قطعی فیصلہ کرنے کا اختیار بھی دے دے- اگر کمیٹی شرعی شہادت پر یقین کر کے عید کا فیصلہ کر دے- اس کا یہ فیصلہ سارے ملک کے لیے قطعی ہوگا- ڈی سی اور حکومت کا کام اب اس فیصلے کو نشر کرنا ہے' چاہے جن ذرائع سے کرے- یہ وہم نہ کرنا چاہیے کہ مختلف اضلاع کے فیصلوں کا اختلاف ہو سکتا ہے- اس لیے کہ عدم رویت کی تو کوئی شہادت نہیں ہو سکتی- جہاں سے بھی شہادت نے رویت ثابت کر دی وہاں کے با اختیار قاضی کا فیصلہ قطعی ہو جائے گا- حکومت نے اضلاع کے حکام کو جو احکام دیے ہیں اس سلسلہ میں اتنی ترمیم قابل غور ہے تا کہ وہ قابل قبول ہو سکے-

افطار کے وقت سے ایک گھنٹہ قبل روزہ توڑنے والے پر قضا و کفارہ دونوں لازم ہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ- کہ جامع مسجد ہیرو غربی کے متولی علی نامی نے ۱۵ ستمبر بوقت ۵،۶ پر روزہ بریں نوعیت توڑ دیا کہ اس روز ۲/۱ ۵ اور ۴/۳ ۵ بجے کے درمیان مطلع صاف ہونے اور دیہاتی علاقہ ہونے کی وجہ سے چاند ماہ شوال نظر آ رہا تھا- اسے جب مذکورہ وقت پر چاند نظر آنے کا علم ہوا تو اس نے زبردستی شربت بنانے والے سے شربت چھین کر یہ الفاظ کہتے ہوئے کہ عید کا چاند نظر آنے پر عید کر دی جاتی ہے- روزہ توڑ دیا- قبل ازیں اس کو بہت روکا گیا- مگر اس نے یہ فعل کر ہی دیا- جبکہ افطاری کا وقت تقریباً ۲/۱ ۶ بجے تھا- تو کیا اس صورت میں اس پر قضاء و کفارہ آتا ہے یا نہ؟

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ شخص مذکور کا یہ قول غلط ہے- کیونکہ یہ چاند اگلی رات کا شمار ہوتا ہے- اس لیے چاند دیکھتے ہی روزہ توڑنا جائز نہیں تھا- لہٰذا قضا اور کفارہ دونوں اس پر لازم ہیں- رؤیته بالنهار للیلة

الاتیة مطلقا علی المذهب ذکره الحدادی وقال الشامی تحته ای سواء رؤی قبل الزوال اوبعده وقوله علی المذهب ای الذی هو قول ابی حنیفة ومحمد قال فی البدائع فلایکون ذالک الیوم من رمضان عندهما وقال ابو یوسف ان کان بعدالزوال فکذلک وان کان قبله فهو للیلة الماضیة ویکون الیوم من رمضان...... والمختار قولهما . ردالمحتار ۲/۱۰۳- بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان- ہوالمصوب اصل حکم تو یہی ہے- جو مفتی صاحب نے تحریر کیا ہے- لیکن چونکہ صوبہ سرحد کے اکثر و بیشتر علاقوں میں عید ۱۵ ستمبر ۱۳۷۷ھ کو ہوئی تھی اس بنا پر کفارہ ساقط ہو جانا چاہیے- فقط واللہ تعالیٰ اعلم- حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۶/ ۱۰/ ۱۳۹۷ھ

نفل روزہ افطار کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کیا نفلی روزہ کسی دوسرے شخص کی خواہش پر وقت سے پیشتر کھولا جا سکتا ہے؟

﴿ج﴾

کھولا جا سکتا ہے- لیکن بعد میں ایک روزہ رکھنا پڑے گا- فقط واللہ اعلم-

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳۹۸/۱۲/۵ھ

۳۰ رمضان کو لوگوں کے شور و غل سے عید سمجھ کر روزہ افطار کر لیا تو کفارہ ہو گا یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ تیس ۳۰ رمضان کو لوگوں نے روزہ رکھا ہوا تھا کہ چند آدمیوں نے شور و غل مچا دیا کہ آج عید کا دن ہے اور اس پھندے میں آ کر لوگوں نے روزہ توڑ دیا اور پھر عید بھی پڑھی- لیکن فی الحقیقة سارے ملک میں عید دوسرے دن منائی گئی- تو اب جن لوگوں نے اس دھوکہ میں آ کر روزہ توڑا ہے ان پر قضاء و کفارہ دونوں ہوں گے- یا کہ صرف قضاء صوم کافی ہے-

﴿ج﴾

اگر کسی شبہ کی وجہ سے روزہ توڑا ہے- تب تو کفارہ لازم نہیں ہے اور اگر بلا شبہ دن یہ جان کر کہ آج عید نہیں ہے- خواہ مخواہ کسی غیر عالم کے کہنے سے روزہ توڑ دیا ہے تو کفارہ آتا ہے- اور عالم جو وہاں کا معتمد ہو اس کا فتویٰ شبہ بن جاتا ہے- فقط واللہ تعالیٰ اعلم-

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۲ محرم ۱۳۸۵ھ

جان کر رمضان کا روزہ خراب کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل میں زید نے رمضان شریف میں روزہ توڑ دیا اسکی تلافی زید کوکس طرح کرنی پڑے گی صرف قضا ہوگی یا کفارہ بھی ہوگا اگر کفارہ ہو تو اس کو کیا کفارہ دینا پڑے گا کھانا کھلانے کی صورت میں کھانا دونوں وقت دینا ہوگا یا ایک وقت اور اگر اناج ہو اسکی قیمت دے دے تو یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اگر زید نے عمداً ایسی چیز کے کھانے سے روزہ توڑا ہو جس سے غذائیت حاصل ہوتی ہے۔ یا جس سے دوا وغیرہ کی جاتی ہو یا عمداً پانی شربت دودھ وغیرہ کوئی چیز پی ہو یا عمداً عورت سے صحبت کرنے سے روزہ توڑا ہو تو زید پر اس روزے کی قضاء وکفارہ دونوں لازم ہیں عالمگیری ص ۲۱۸ میں ہے اذا اكل متعمداً ما يتغذى به او يتداوى به يلزمه الكفارة وهذا اذا كان مما يو كل للغذاء او للدواء الخ وفيه ايضاً قبل ذلک من جامع عمدا فى احد السبيلين فعليه القضاء والكفارة الخ کفارہ میں اولاً زید کو ساٹھ ۶۰ روزے پے در پے رکھنے ہوں گے اور اگر روزے رکھنے کی استطاعت نہ ہو روزہ رکھنے سے عاجز ہو۔ تو ساٹھ مسکینوں کو صبح وشام کھانا کھلا دے شامی صفحہ ۱۱۹ میں ہے قوله ككفارة المظاهر مرتبط بقوله وكفراى مثلها فى الترتيب فيعتق اولاً فان لم يجد صام شهرين متتابعين فان لم يستطع اطعم ستين مسكينا الخ فقط والله تعالى اعلم۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۹/۱۰/۱۳۸۳ھ

روزہ کن چیزوں سے ٹوٹتا ہے؟
روزہ ٹوٹ جانے کی صورت میں دن کا بقیہ حصہ کس طرح گزارا جائے؟
نماز تراویح، چاشت، تہجد، صلوٰۃ تسبیح، سُنت ہیں یا نفل؟

﴿س﴾

روزہ کن چیزوں سے ٹوٹتا ہے؟ قضاء وکفارہ کی تفصیل بیان فرماویں ۲۔ روزہ ٹوٹ جانے کی صورت میں باقی دن کس طرح رہنا چاہیے ۳۔ نماز تراویح، چاشت، تہجد، صلوٰۃ تسبیح سنت ہیں یا نفل۔

سائل نثار احمد خان گلگشت کالونی نزد قیصریہ مسجد ملتان

﴿ج﴾

قصداً کھانے پینے اور جماع کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس صورت میں قضاء وکفارہ دونوں لازم ہو جاتے ہیں...... اور غلطی سے کھالیا یا پی لیا (جیسے کلی کرتے ہوئے پانی گلے سے اتر جائے) تو روزہ ٹوٹ جائے گا صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں ہوگا۔ اور بھولکر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ تراویح سنت موکدہ ہے اور تہجد بعض کے نزدیک سنت موکدہ ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک مستحب ہے۔ چاشت اور صلوٰۃ تسبیح مستحب ہیں۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۹ رمضان ۱۳۹۴ھ

بدن میں مسام سے داخل ہونے والی چیز سے روزہ نہیں ٹوٹتا

﴿س﴾

چہ می فرمایند علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ ذیل کہ مسطور است کہ اگر کسے در حالت روزہ خود راسوزن زند آیا روزہ اش باقی ماند یا ختم خواہد شد جوابش واضح فرمائید۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ از سوزن زدن روزہ فاسد نمی شود زیرا کہ مفسد روزہ ہر آن چیز است کہ بذریعہ منافذ اصلیہ (مثلاً دھن و بنی و گوش و دبر و فرج) یا منافذ عارضیہ (مثلاً جراحہ جائفہ وزخمیکہ واصل بجوف بطن باشد) وجراحہ آمتہ (زخمیکہ واصل بجوف دماغ باشد) عین او بجوف بطن یا بجوف دماغ باشد۔ وآن ہمہ چیز کہ بذریعہ مسام بدن بجوف بطن یا جوف دماغ رسد او مفسد نیست و در صورت سوزن زدن دواء بذریعہ مسام بدن در جوف بطن وغیرہ رسد لہٰذا مفسد روزہ نباشد فی المبسوط للسرخسی ۶۷/۳ (کتاب الصوم) وان وصل عين الكحل الى باطنه فذلک من قبل المسام لا من قبل المسالک اذ ليس من العين الى الحلق مسلک فهو نظير الصائم يغسل فى الماء فيجد برودة الماء فى كبده و ذلک لا يضره وعلى هذا اذا دهن الصائم شاربه. وفى الجامع الرموز ۱/ ۱۵۸ تحت قول الماتن او وصل دواء الى جوفه او دماغه و جوف الا نسان بطنه من غير المسام فلو وصل شيئ منها الى الجوف لم يفسد بلا خلاف لكن ينبغى ان يكون مكروها على الخلاف قياسا على صب الماء على البدن كماياتى. وفى الفتاوى العالمگيرى ۱ /۲۰۳ وما يدخل من مسام البدن من الدهن لا يفطر هكذا فى شرح المسلم۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳/۱/۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳ محرم ۱۳۸۸ھ

بحالت روزہ انجکشن لگوانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ حالت روزہ میں انجکشن (ٹیکہ لگوانا) جائز ہے یا نہ جواب سے جلد مستفید فرماویں۔

﴿ج﴾

روزہ کے افطار کے لیے یہ ضروری ہے کہ باہر سے کوئی چیز بطن معدہ میں پہنچ جائے۔ مطلق بطن میں پہنچنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ یعنی ماسوائے معدہ کے کسی اور عضو کے اندر کسی چیز کا داخل ہونا مفطر صوم نہیں۔ بطن دماغ میں کسی چیز کا داخل ہو جانا اس لیے مفطر ہے کہ دماغ سے بطن معدہ تک منفذ کبیر چلا گیا ہے۔ اس لیے کسی چیز کا بطن دماغ تک پہنچنا بطن معدہ میں پہنچنے کے لیے مستلزم ہے۔ اس لیے ناک کے اندر جو چیز داخل ہو وہ براہ دماغ بطن معدہ میں پہنچ کر مفطر ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آمہ اور جائفہ یعنی زخم دماغ و معدہ پر اگر تر دوائی ڈال دی جاوے تو مفطر ہے۔ اگر مطلقاً کسی چیز کا اندر جانا مفطر ہوتا (اگرچہ بطن معدہ میں نہ ہو) تو احلیل یعنی ذکر کے راستہ سے اگر کوئی دوا یا پانی اندر مثانہ میں پہنچ جائے تو طرفین کے نزدیک کیوں مفطر نہیں۔ وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ مثانہ اور معدہ کے درمیان کوئی منفذ نہیں پیشاب بذریعہ تقاطر مثانہ میں جمع ہوتا ہے اس لیے مثانہ سے معدہ کے اندر وہ دوائی نہیں پہنچتی اس لیے مفطر نہیں۔ امام ابو یوسفؒ چونکہ مثانہ اور معدہ میں منفذ تسلیم کرتے ہیں اس لیے مفطر کہتے ہیں اگر ان کی معلومات یہ ہوتیں کہ منفذ نہیں ہے تو وہ بھی افطار کے قائل نہ ہوتے۔ معلوم ہوا کہ قاعدہ کلیہ میں کوئی اختلاف نہیں تحقیق منفذ کا اختلاف ہے۔ عالمگیری میں جزئیہ موجود ھے کہ اگر کوئی شخص کسی تاگے (رشتہ) سے انگور پرولے۔ یعنی منسلک کرلے اور حلق سے نیچے اتار دے تو جب تک معدہ میں نہ پہنچے اور حلق سے واپس کھینچ لے تو مفطر نہیں اور اگر کچھ زمانہ کے بعد کھینچا تو چونکہ اس کے اجزاء صغیرہ معدہ میں پہنچ جاتے ہیں مفطر ہے۔ اگر مطلق بطن جسم میں کسی شئی کا داخل ہونا مفطر ہوتا۔ تو حلق سے نیچے جاتے ہی افطار ہوتا اس قاعدہ کے معلوم ہونے کے بعد مسئلہ مذکورہ بالا کے متعلق عرض ہے۔ کہ انجکشن کے ذریعہ دوا عروق میں چلی جاتی ہے اور بطن عروق میں جانا مضر نہیں۔ اور طب کا متفقہ مسئلہ ہے۔ ڈاکٹروں کی تحقیق ہے کہ عروق میں سے کوئی بھی بطن معدہ کے اندر نہیں گئی۔ جب بطن معدہ میں نہیں گئی اور مطلق بطن میں جانا مفطر نہیں تو انجکشن مفطر نہیں اس کے اثر کا اندر جانا مضر نہیں۔ ذات شئی کا اندر جانا ضروری ہے۔ اس لیے ادھان اکتحال وغیرہ سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ صاحب ہدایہ نے کحل

کے اندر جانے کو تسلیم کیا ہے۔ لیکن فرماتے ہیں کہ یہ اثر کحل ہے۔ ذات کحل نہیں۔ انجکشن کی وجہ سے اثر دوائی کا اگرچہ تمام جسم میں پہنچ جاتا ہے۔ لیکن ذات دوائی کی بطن معدہ میں نہیں پہنچتی۔ اس لیے مفطر نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتب کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے حوالہ جات خود دیکھ لیجیے۔ اشارات کر دیے ہیں۔

محمود عفا اللہ عنہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم المحبوس فی ڈسٹرکٹ جیل ملتان ۱۶ رمضان ۱۳۸۲ھ

انجکشن کی مختلف قسموں کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اگر ماہ رمضان کا روزہ تندرستی کی حالت میں رکھا گیا ہو۔ بعد میں معمولی یا غیر معمولی نزلہ کی شکایت ہو جائے۔ یا تھوڑا بہت بخار ہو جائے۔ لیکن ہوش و حواس ٹھیک ہوں۔ چلنے پھرنے میں کوئی تکلیف نہ ہوتی ہو کمزوری معمولی ہو یا قدرے زیادہ۔ تو ایسی حالت میں ٹیکہ وجود میں کسی جگہ گوشت یا رگ میں لگایا جا سکتا ہے یا نہیں۔ ٹیکہ لگوانے کے بعد بھوک یا پیاس جاتی رہے اور آدمی اطمینان کے ساتھ روزے کا وقت نبھا سکے ٹیکے کی قسم مثلاً نیسٹو بیاں' ۳ سی سی' گلوکوز' لارجک ٹال' نکھتا مائیڈ' یا اور کوئی ٹیکہ جس سے روزہ دار خوشی سے دن گزار سکے۔ جواز یا عدم جواز دونوں صورتوں میں اس کا جواب بحکم قرآن و حدیث یا کسی امام صاحب کے قول سے بہر حال برائے شریعت ثبوت فرماویں۔ اور جواب باصواب مکمل تحریر فرماویں۔ نوازش ہوگی۔

﴿ج﴾

روزہ اس چیز سے فاسد ہوتا ہے جو کسی منفذ کے ذریعہ معدہ یا دماغ میں پہنچ جائے انجکشن میں دوا بذریعہ منفذ نہیں جاتی بلکہ عروق اور مسامات کے ذریعہ جسم اور معدہ میں پہنچتی ہے۔ لہٰذا مسئولہ صورت میں انجکشن کی جو اقسام تحریر کی ہیں۔ ان سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ قال فی شرح التنویر او ادهن او اکتحل او احتجم وان وجد طعمه فی حلقه وفی الشامیة لان الموجود فی حلقه اثر داخل من المسام الذی هو خلل البدن و المفطر انما هو الداخل من المنافذ للاتفاق علی ان من اغتسل فی ماء فوجد برده فی باطنه انه لا یفطر وانما کره الامام الدخول فی الماء والتلفف بالثوب المبلول لما فیه من اظهار الضجر فی اقامة العبادة لا لانه مفطر ا ہ۔ ۲/۱۰۶۔ پوری تفصیل اس مسئلہ کی آلات جدیدہ کے شرعی احکام میں مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ

بخار کی وجہ سے ٹیکہ لگوانا' بخار کی وجہ سے روزہ افطار کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں؟

(۱) ایک مسلمان کو روزے کی حالت میں بخار ہو جائے کیا وہ بخار کی حالت میں انجکشن کروا سکتا ہے یا نہیں۔ (۲) روزے کی حالت میں بخار ہو جاوے۔ اور اتنا شدید بخار ہو جائے کہ بے ہوشی کے قریب ہو جائے۔ اس حالت میں روزہ افطار کر سکتا ہے یا نہیں۔ اگر افطار کر سکتا ہے تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے۔

﴿ج﴾

(۱) روزہ اس چیز سے فاسد ہوتا ہے۔ جو کسی منفذ اصلی (کان' ناک' دبر) کے ذریعے معدہ یا دماغ میں پہنچ جائے۔ انجکشن میں دوا بذریعہ منفذ نہیں جاتی۔ بلکہ عروق اور مسامات کے ذریعے معدہ میں پہنچتی ہے۔ لہٰذا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ قال فی شرح التنویر او ادهن او اکتحل او احتجم وان وجد طعمه فی حلقه وفی الشامیة لان الموجود فی حلقه اثر داخل من المسام الذی هو خلل البدن و المفطر انما هو الداخل من المنافذ للاتفاق علی ان من اغتسل فی ماء فوجد برده فی باطنه انه لا یفطر الخ (ردالمحتار ۲ ۱۰۶ ن)۔ (۲) اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کے بعد بیمار ہو گیا اور حالت نازک ہو گئی اگرچہ موت کا خوف نہ تھا۔ تو اس کے لیے افطار جائز ہے۔ ایسی صورت میں صرف قضا واجب ہے۔ کفارہ نہیں۔ لما فی العلائية او مريض خاف الزيادة لمرضه و صحيح خاف المرض الخ (الدرالمختار ج ۲/۱۲۶ھ) فقط واللہ اعلم

کتبہ محمد طاہر رحیمی عفی عنہ استاذ القرآن والحدیث مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۳ رمضان ۱۳۹۵ھ

کیا تمام ٹیکوں کا ایک ہی حکم ہے؟' بھوک پیاس کے ازالہ کے لیے ٹیکہ لگوانا روزہ کی حالت میں افیون کا ٹیکہ لگوانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ مسائل میں۔ (۱) آج کل جو انجکشن کے ذریعے دوا بطن میں پہنچائی جاتی ہے۔ یہ مفسد صوم ہے یا نہیں۔ زید کہتا ہے کہ مفسد صوم نہیں۔ عمرو کہتا ہے کہ مفسد صوم ہے۔ (۲) کیا رگ کے اور

دوسرے انجکشن میں کوئی فرق ہے یا دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ (۳) کیا ضرورت کی حالت میں انجکشن لگوانا موجب عدم فساد صوم ہے یا بلاضرورت بھی لگوائے۔ مثلاً بھوک پیاس کے ازالہ کے لیے یا اسی طرح افیون کا عادی اپنے نشہ کو برقرار رکھنے کے لیے افیون انجیکٹ کروالے تو عدم فساد کا حکم ہوگا۔ یا فساد صوم کا حکم دیا جائے گا۔ (۴) کیا کوئی خاص انجکشن مفسد صوم بھی ہے۔ یا علے الاطلاق اس کا حکم عدم فساد ہی کا ہے۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح رہے کہ انجکشن جس میں بذریعہ مسامات یا عروق کے دوا بدن کے اندر پہنچائی جاتی ہے۔ علے الاطلاق مفسد صوم نہیں ہے۔ اس لیے کہ مفسد صوم ہر وہ شیٔ ہے۔ جو بذریعہ منافذ اصلیہ (منہ۔ ناک۔ کان۔ دبر۔ فرج) یا منافذ عارضیہ جیسا کہ جراحۃ جائفہ (پیٹ کا وہ زخم جو اندر جوف تک پہنچا ہو) بعینہ جوف بطن یا جوف دماغ میں پہنچ جائے۔ اور جو چیز بذریعہ مسامات جوف بطن یا جوف دماغ کے اندر پہنچ جائے۔ اگرچہ بعینہ پہنچ جائے۔ یہ مفسد صوم نہیں ہے۔ انجکشن میں دوا نہ تو بذریعہ منافذ اصلیہ کے اور نہ بذریعہ منافذ عارضیہ کے جوف بطن یا جوف دماغ میں پہنچائی جاتی ہے۔ بلکہ بذریعہ مسامات یا عروق کے دوا پہنچائی جاتی ہے۔ اس لیے انجکشن خواہ رگ کا ہو یا دوسرا مفسد صوم نہیں ہے۔ ضرورت کی حالت میں ہو یا بلاضرورت بہرحال مفسد نہیں ہے۔ اگرچہ بلاضرورت انجکشن لگوانا مکروہ ہوگا علی الخلاف۔ جزئیات فقہیہ درج ذیل ہیں۔ قال فی الهداية ص ۱۹۷ ولو اکتحل لم یفطر لانه لیس بین العین والدماغ منفذ والدمع یترشح کالعرق والداخل من المسام لاینافی کمالواغتسل بالماء البارد. وقال برجندی فی شرح مختصر الوقایه ص ۲۱۷ او وصل دواء الی جوفه وهوداخل تنور البدن او دماغه الی ان قال من غیر المسام هی المنافذ الضیقة فی البدنوهی من عبارات الاطباء اخذت من سم الخیاط وهو ثقبه واحترز بذلک اذا مسح ظاهر الجلد بدهن ونحوه ووصل الی الجوف من تلک المنافذ فانه لا یفسد.

وفی جامع الرموز ۱۵۸/۱ اووصل دواء الی جوفه او دماغه وجوف الانسان بطنه من غیر المسام فلو وصل شیئ منها الی الجوف لم یفسد بلا خلاف لکن ینبغی ان یکون مکروها علی الخلاف قیاساً علی صب الماء علے البدن کمایاتی.

وفی المبسوط للسرخسیؒ ۶۸/۳ فاما الجائفة والأمة اذا داواهما بدواء یابس لم

يفطر وان داواهما بدواء رطب فسد صومه فى قول ابى حنيفة رحمه الله تعالى ولم يفسد فى قولهما والجائفة اسم جراحة وصلت الى الجوف والأمة اسم جراحة وصلت الى الدماغ فهما لقران الوصول الى الباطن من مسلك هو خلقة فى البدن لان المفسد للصوم ما ينعدم به الامساك المامور به وانما يومر بالا مساك لاجل الصوم من مسلك هو خلقة دون الجراحة العارضة وابوحنيفة رحمه الله تعالى يقول المفسد للصوم وصول المفطر الى باطنه فالعبرة للواصل لاللمسلك وقد تحقق الوصول هنا.

اسی طرح امداد الفتاویٰ ۔فتاویٰ دار العلوم اور احسن الفتاویٰ میں بھی مذکور ہے ۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ۲۶ شوال ۱۳۸۶ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۶ شوال ۱۳۸۶ھ

رمضان میں عورتوں کے لیے استنجا کا مسئلہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک عورت رمضان شریف میں جب استنجا کرتی ہے ۔تو اپنی انگلیوں کو فرج کے اندر کسی قدر داخل کر کے صفائی کرتی ہے ۔کیا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا ۔یا نہیں سنا گیا ہے کہ اکثر عورتیں ایسا ہی کرتی ہیں ۔کیا اس میں کوئی حد ہے ۔کہ اس حد سے آگے پانی پہنچنے سے روزہ ٹوٹ جائے ۔یا نہیں بینوا توجروا ۔

﴿ج﴾

قال فى الدر المختار او ادخل اصبعه اليا بسة فيه اى دبره او فرجها ولو مبتلة فسد الخ ولو بالغ فى الاستنجاء حتى بلغ موضع الحقنة فسد. وفى الشاميه تحت (قوله ولو مبتلة فسد) لبقاء شيئ من البلة فى الداخل وهذا لوادخل الاصبع الى موضع الحقنة (ردالمحتار باب مایفسد الصوم ومالایفسد ۲/۱۰۸) اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اگر پانی اس حد تک پہنچ جائے جہاں سے معدہ اسے جذب کر لیتا ہے ۔یا وہ خود معدہ میں پہنچ جاتا ہے ۔تو روزہ فاسد ہو جائے گا ۔ورنہ نہ ۔مگر احتیاط بہتر ہے ۔اس لیے کہ اس کا لحاظ وخیال ہر کسی کے لیے ممکن نہیں ۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۹۱ھ

انجکشن سے روزہ کیوں نہیں ٹوٹتا؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ روزہ انجکشن (ٹیکہ) سے ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں اگر ٹوٹتا ہے تو کس لحاظ سے ۔

﴿ج﴾

فساد صوم کا دارومدار کھانے پینے میں اس پر ہے کہ کسی شیٔ کا وصول جوف معدہ ودماغ میں ہو جائے ۔مطلقاً کسی چیز کے جسم کے اندر کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ۔چنانچہ فقہاء کی عبارتوں سے واضح ہے بدائع الصنائع ۴/۹۳ میں ہے ۔ واماما وصل الى الجوف والى الدماغ من المخارق الاصلية كالانف او الاذن والدبربان اسقط او احتقن او اقطر فى اذنه فوصل الى الجوف او الى الدماغ فسد صومه اما اذا وصل الجوف فلا شك فيه لوجود الاكل من حيث الصورة وكذا اذا وصل الى الدماغ لانه له منفذ الى الجوف فكان بمنزله...... زاوية من زوا ياالجوف واما ما وصل الى الجوف اوالى الدماغ عن غير الاصلية بان داوى الجائفة او الامة فان داوى بدواء يابس لا يفسد لانه لم يصل الى الجوف ولا الى الدماغ ولو علم انه وصل يفسد فى قول ابى حنيفة رحمه الله الخ فتاوى قاضيخان اما الحقنة والوجود فلانه وصل الى الجوف مافيه صلاح البدن وفى القطور والسعوط لانه وصل الى الراس مافيه صلاح البدن الخ قال فى البحرو التحقيق ان بين جوف الرأس وجوف المعدة منفذ اصلياً فما وصل الى الجوف الراس وصل الى الجوف البطن الخ ۔نیز ان عبارات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جوف دماغ اور بطن میں کھلا منفذ (راستہ) ہے کہ جوف دماغ میں پہنچنے سے جوف معدہ میں پہنچ ہی جاتا ہے بلاشبہ گویا کہ دماغ ایک زاویہ بطن ہے اس لیے وصول الی الدماغ کی صورت میں فساد ہے ورنہ فی نفسہ مفسد نہیں اور جہاں دواء اندر کرنے سے وصول الی جوف البطن نہیں وہاں فساد صوم نہیں چنانچہ ذکر کے راستہ سے اگر دوائی مثانہ میں بھی پہنچ جائے ۔پھر بھی طرفین کے نزدیک فساد نہیں اس لیے کہ وصول الی معدہ نہیں اسی طرح اگر کوئی انگور وغیرہ ایک تاگے میں باندھ کر نگل جاوے تو معدہ میں پہنچنے سے پہلے کھینچنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ۔اسی طرح ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے سے نیز تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ انجکشن سے دوا جوف عروق میں

پہنچائی جاتی ہے اور خون کی شرائین یا اوردہ میں اس کا سریان ہوتا ہے جوف دماغ و جوف بطن میں دوا نہیں پہنچتی اور اوپر کی عبارتوں سے آپ کو معلوم ہوا کہ فساد صوم کے لیے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بدن میں پہنچنا ضروری ہے اس لیے یہ واضح ہوا کہ انجکشن کے ذریعہ جو دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے مفسد صوم نہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳۸۱/۸/۲۳ھ

روزہ کی حالت میں طاقت کا ٹیکہ لگوانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ انجکشن (چاہے وہ وریدی ہو یا عضلاتی خون کی زیادتی کے لیے ہو یا طاقت کی فراوانی کے لیے) سے صوم فاسد ہوگا یا نہیں۔ جواب اثبات یا نفی میں ہو مکمل دلائل سے واضح فرماویں۔

﴿ج﴾

روزہ کے لیے مفسد ہر وہ چیز ہے جو بذریعہ منافذ اصلیہ (منہ، ناک، دبر، قبل، کان) یا منافذ عارضہ (مثلاً جائفہ، پیٹ کا وہ گہرا زخم جو اندر جوف دماغ تک پہنچا ہو، سر کا وہ گہرا زخم جو اندر جوف دماغ تک پہنچے) جوف بطن (حلق سے لیکر دبر تک اس گول چاردیواری کا اندرونی حصہ) یا جوف دماغ تک بعینہٖ پہنچ جائے۔ اگر کوئی چیز ان منافذ کے علاوہ بذریعہ مسامات جوف بطن یا جوف دماغ تک پہنچ جائے۔ وہ مفسد صوم نہیں ہے۔ قال فی فتح المعین ۱/ ۴۳۱ ولئن کان عینهٗ فهو من قبل المسام الذی هو خلل البدن فلا یضره لان المفطر انما هو الداخل من المنافذ ولهذا اتفقوا علی ان من اغتسل فوجد برد الماء فی باطنه لا یفطراه. وقال فی الفتاوی الهندیة ۱/ ۲۰۳ وما یدخل من مسام البدن من الدهن لا یفطر هکذا فی شرح المجمع. المبسوط للسرخسی ۳/۶۷ وان وصل عین الکحل الی باطنه فذالک من قبل المسام لامن قبل المسالک اذ لیس بین العین الی الحلق مسلک فهو نظیر الصائم شرع فی الماء فیجد برودة الماء فی کبده وذالک لا یضره وعلی هذا اذا ادهن الصائم شاربه وفی المبسوط ایضاً ۳/ ۶۸ فاما الجائفة والأمة اذا راوا هما بدواء یابس لم یفطره وان بدواء رطب فسد صومه فی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی ولم یفسد فی قولهما والجائفة اسم لجراحة وصلت البطن و الأمة اسم

لجراحة وصلت الی الدماغ فهما یعتبران الوصول الی الباطن من مسلک هو خلقة فی البدن لان المفسد للصوم ما ینعدم به الامساک الما موربه وانما یؤمر بالامساک لاجل الصوم من مسلک هو خلقة دون الجراحة العارضة وابو حنیفة رحمه الله تعالی یقول المفسد للصوم وصول المفطر الی باطنه فالعبرة للواصل لا للمسلک وقد تحقق الوصول هنا وقال برجندی فی شرح مختصر الوقایة ۱ /۲۱۷ او وصل دواء الی جوفه وهو داخل تنور البدن او دماغه الی ان قال من غیر المسام هی المنافذ الضیقة فی البدن الخ.

انجکشن میں دوا چونکہ بذریعہ مسامات بدن کے اندر پہنچائی جاتی ہے۔ اس لیے مطلقاً خواہ عضلاتی ہو خواہ وریدی مفسد صوم نہیں ہے۔ وریدی انجکشن کے اندر مجھے پہلے کوئی شبہ تھا اور اب بھی اس کے متعلق پوری شرح صدر نہیں ہوئی ہے۔ لیکن مولانا تھانوی صاحب امداد الفتاویٰ میں اور مفتی محمد شفیع صاحب فتاویٰ دار العلوم میں مطلقاً اسے مفسد نہیں کہتے۔ چنانچہ میں نے اس کے متعلق حضرت استاذ قیم مولانا رشید احمد صاحب لودھیانوی شیخ الحدیث دار العلوم کراچی سے استفسار کیا آپ نے جواباً ارشاد فرمایا۔ انجکشن بہرکیف مفسد صوم نہیں ہے۔ اس لیے کہ دوا خون میں شامل ہوتے ہی خون کے غلبہ سے لاشی محض ہو جاتی ہے۔ اسے لاشی بھی کہا جا سکتا ہے۔ خون کی بہ نسبت بہت قلیل ہونے سے کالعدم کہہ لیں یا خون بن جانے سے قلب ماہیت کہہ لیں جیسے کہ خون پر لعاب غالب ہو تو مفسد وضوء اور مفسد صوم نہیں اس کی اور بھی نظائر فقہ میں موجود ہیں۔ منها ذوق شیئ قلیل ومسائل الرضاع وغیرہ ورطوبة الماء بعد المضمضة وغیرہ فقط واللہ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۳۰ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۴ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ

انجکشن سے روزہ نہ ٹوٹنے کے دلائل

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ درمیان علماء مایان اختلاف است وآں اینکہ بعض انجکشن را مفطر صوم قرار دہند۔ وبعض از انجکشن افطار ثابت نہ کنند۔ دریں بارہ چند سال شود کہ بندہ را تقاضا بود کہ ازاں حضرت فتویٰ می طلبم وبذات خود بملتان شہر روم وازاں والاشان حکم مفصل طلبم تا کہ در آئندہ قیل وقال واختلاف درمیان علماء دفع ورفع شود۔ لیکن از تقدیر ایزد متعال آمدن بداں شہر میسر نہ شد اکنوں براہ مہربانی از قلم فیض رقم تحریر بنمائے کہ باعث رفع اختلاف شود واز شک برون رفتہ راہ بیقین بریم۔ خداوند کریم جزائے خیر عنایت فرماید ۔ بحرمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم وآلہٖ الامجاد۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بداں ہر آنچیز ے کہ بذریعہ منافذ اصلیہ یا منافذ عارضیہ (چنانچہ جائفہ وآمہ) بجوف بطن یا بجوف دماغ رسد آں مفسد صوم است وآن چیز ے کہ بذریعہ مسامات وہمچنان عروق اگرچہ بعینہ بجوف بطن یا جوف دماغ راسد مفسد صوم نیست وانجکشن ہم ازیں قبیل است چراکہ درود رعضلہ یا زیر جلد یا در عروق دواے گذارند ودوا از وبذریعہ مسامات وعروق شعریہ یا وریدھا بجوف بطن یا جوف دماغ مے رسد لہٰذا ازو روزہ فاسد نمے شود۔ کما قال فی البرجندی شرح مختصر الوقایہ ۱/۲۱۷ او وصل دواء الی جوفه وهو داخل تنور البدن او دماغه الی ان قال من غير المسام هی المنافذ الضيقة فی البدن وهی من عبارات الاطباء اخذت من سم الخياط وهو ثقبة واحترز بذلک عما اذا مسح ظاهر الجلد بدهن ونحوه ووصل الی الجوف من تلک المنافذ فانه لا يفسد . وقال فی فتح المعين علی ملا مسکين ۱ /۴۳۱ ولئن کان عينه فهو من قبيل المسام الذی هو خلل البدن فلا يضره لان المفطر انما هو الداخل من المنافذ ولهذا اتفقوا علی ان من اغتسل فوجد برد الماء فی باطنه لا يفطر اه وهکذا فی الشامية وغيرها فقط والله تعالی اعلم.

حررہ عبد اللطیف غفرلہٗ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶ شوال ۱۳۸۶ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳۸۶/۱۱/۱۸ھ

شہوت کے ساتھ انزال کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص روزہ دار ہے وہ اپنی منکوحہ بیوی سے مذاقاً چھیڑ چھاڑ کرنے لگ جاتا ہے اور مذاق کی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ انزال ہو جاتا ہے۔ لیکن دونوں میاں بیوی کے دل میں نہ مجامعت کا خیال ہے اور نہ ہی مجامعت کرتے ہیں آپس میں انکے اندام برہنہ نہیں ٹکراتے جسم پوشیدہ ہی ہوتے ہیں۔ اگر انزال شہوت سے ہے تو کیا حکم ہے۔ فقط والسلام۔

حافظ جمیل احمد کلور کوٹ کریانہ فردوس ۲/۵/۶۱

﴿ج﴾

انزال بالشہوۃ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک روزہ قضا کرنا ہوگا۔ کفارہ لازم نہیں آتا خواہ جسم پوشیدہ ہو یا نہ ہو۔ کفارہ اس وقت ہوگا۔ جب مجامعت ہو اور دخول ہو جاوے۔ بغیر شہوت کے انزال سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ عورت سے چھیڑ چھاڑ کی صورت میں شہوت ضرور ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

درج ذیل صورت میں صرف قضا ہے یا کفارہ بھی؟
قضاء وکفارہ کا ایک ساتھ ہونا ضروری نہیں
کسی کو قرض معاف کرنے سے کفارہ ادا نہیں ہوتا
بوس وکنار کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے روزہ کی حالت میں اپنی زوجہ کے ساتھ برہنہ حالت میں اپنا عضو مخصوص عورت کے مخصوص جگہ کے ساتھ ملایا۔ جس سے زید کو انزال ہو گیا ساتھ ہی عورت کو بھی انزال ہو گیا۔ جبکہ دونوں میاں بیوی روزہ کے ساتھ تھے۔ کیا اس صورت میں دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر روزہ ٹوٹ گیا تو شرعاً قضا واجب ہے یا کفارہ۔

نمبر۲۔ کیا صرف قضا یا کفارہ یا دونوں لازم آئینگے۔ نمبر۳۔ اگر قضا نہ رکھ سکے تو کفارہ دے سکتا ہے۔ نمبر۴۔ کفارہ ایک ساتھ دیوے یا تھوڑا تھوڑا حیثیت کے مطابق دے سکتا ہے۔ نمبر۵۔ کیا قرض کی معافی کی صورت میں کفارہ ادا ہو سکتا ہے۔ نمبر۶ کیا ایک ہی ساتھ کسی حاجت مند کی ضرورت پوری کرنے سے کفارہ ادا ہو سکتا ہے۔ نمبر۷۔ تھوڑا تھوڑا کچھ عرصہ تک دیتا ہے۔ تو کوئی حرج تو نہیں ہے۔ نمبر۸۔ کیا اپنی عورت کے ساتھ روزہ کی حالت میں لیٹنا، مس کرنا، بوسہ لینا وغیرہ۔ اس سے روزہ میں تو فرق نہیں پڑتا۔ نمبر۹۔ کیا ناک میں پھنسی کی وجہ سے تھوڑا سا تیل پھنسی پر لگانے سے روزہ میں تو فرق نہیں پڑتا۔

﴿ج﴾

اگر حشفہ قُبل عورت میں غائب ہو گیا ہے تو کفارہ اور قضا دونوں لازم ہیں۔ ورنہ صرف قضا لازم ہے۔ کما فی الدر ۲/۱۱۷ شامی۔ وان جامع المکلف ادميا مشتهی فی رمضان اداء او جومع او توارت الحشفة فی احد السبيلين ...... قضی و کفر الخ. اور قضا کفارہ کا ایک ساتھ دینا ضروری نہیں۔ نمبر۵ زبانی دریافت کرلیں۔ نمبر۶۔ اس سے کفارہ ادا نہ ہوگا۔ نمبر۷۔ زبانی دریافت کرلیں۔ نمبر۸۔ لیٹنے چھونے اور پیار ومحبت اور بوسہ لینے میں تو کوئی حرج نہیں البتہ اگر اس طرح پر عمل کرنے سے انزال ہو گیا۔ تو روزہ جاتا رہیگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳۹۷/۲/۱۰ھ

بھول کر ہم بستر ہونا؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ جس طرح بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کیا اسی طرح بھول کر جماع کرنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

﴿ج﴾

وفی العالمگیریۃ ج۔۱/ص۲۱۴ **اذا اکل الصائم او شرب او جامع ناسیاً لم یفطر ولا فرق بین الفرض والنفل** ۔ روایت بالا سے معلوم ہوا کہ بھول کر جماع کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفراللہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
الجواب صحیح محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مشت زنی سے قضا لازم ہے کفارہ نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید ماہ صیام میں روزہ کی حالت میں ارادۃً مختلف چار ایام میں چار مرتبہ مشت زنی کا مرتکب ہوا ہے۔ ازروئے شرع اس پر قضا لازم آتی ہے۔ یا کفارہ بھی۔ کفارہ ایک ہی ہوگا یا ہر روز کا جدا جدا؟

﴿ج﴾

واضح رہے کہ مشت زنی حرام ہے اور روزہ میں اس فعل کی وجہ سے قضا واجب ہے۔ کفارہ لازم نہیں۔ چار روزوں کی قضا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۷ شوال ۱۳۹۷ھ

روزہ کی حالت میں مجامعت کے جواز کا فتویٰ دینے والے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص مسمی عطا محمد سے مسئلہ پوچھا گیا۔ کہ ماہ رمضان شریف میں جبکہ ہر دو فریق روزہ دار ہوں۔ کیا مجامعت کر سکتے ہیں۔ یا نہیں۔ مذکورہ شخص نے جواب دیا۔ کہ ہر دو فریق روزہ کا

روزہ باقی رہتا ہے۔ درست ہے۔ پھر اس شخص کے حق میں تین گواہان نے مسجد میں داخل ہو کر اقرار کیا ہے کہ ہم نے یہی الفاظ مذکور شخص سے صحیح طور پر سنے ہیں۔ شرع کے اندر مذکور شخص پر کیا تعزیر ہے۔ مذکور شخص مولوی عطاء محمد ولد غلام محمد قوم دھیڑ ساکن چیلہ والہ ضلع جھنگ کا امام مسجد ہے۔ گواہان کے نام وغیرہ وغیرہ ہیں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح رہے کہ روزہ دار کے لیے مجامعت کرنی بنص قرآنی حرام ہے۔ **قال تعالٰی احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم. الی ان قال فالئن باشروھن وابتغوا ما کتب اللہ لکم وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی اللیل الأیۃ** اور اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ قضا اور کفارہ لازم آتا ہے۔ جیسا کہ حدیثوں سے ثابت ہے اور ائمہ مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے۔ ہوسکتا ہے مولوی صاحب نے کچھ اور کہا ہو۔ آخر ایک عالم دین کیسے ایسی غلط بات کہہ سکتا ہے۔ بالفرض اگر اس نے ایسا غلط مسئلہ بیان کیا ہو۔ تو جہالت کی بنا پر کہا ہوگا۔ تو بہ کر لینی ضروری ہے۔ ایک ایسے واضح مسئلہ سے ایک مسلمان کا ناواقف رہنا بڑا گناہ ہے۔ اللہ بچائے۔ اگر مولوی صاحب مذکور کو مسئلہ مذکورہ باقاعدہ طور پر بتا دیا جائے۔ اور سمجھایا جائے۔ اور پھر بھی وہ انکار کرے۔ اور روزہ دار کے لیے مجامعت جائز قرار دیوے۔ تب اندیشہ کفر ہے۔ کیونکہ فرائض قرآنی کا انکار لازم آرہا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۸ ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

جس عورت سے زبردستی ہم بستری کی جائے اس پر کفارہ نہیں ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص حالت صوم میں اپنی بیوی سے زبردستی جماع کر لیتا ہے۔ کفارہ کی صورت میں دونوں پر کفارہ آئیگا یا ایک پر۔

﴿ج﴾

اگر عورت کے ساتھ خاوند نے زبردستی کرکے جماع کیا ہے۔ تو عورت پر کفارہ نہیں ہوگا۔ صرف ایک روزہ قضا کریگی۔ کمافی العالمگیریۃ ۱/۲۱۷ **وعلی المرأۃ مثل ما علی الرجل ان کانت مطاوعۃ وان کانت مکرھۃ فعلیھا القضاء دون الکفارۃ . فقط واللہ اعلم.**

بندہ محمد اسحاق غفراللہ نائب مفتی ۱۳۹۹/۱۰/۲۷ھ

دو رمضان میں دو روزے ضائع کرنے سے ایک کفارہ کافی ہے یا دو کفارے ہوں گے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید سے رمضان المبارک میں بسبب جماع روزہ فاسد ہوگیا پھر دوسرے رمضان میں بھی اسی سبب سے روزہ فاسد ہوگیا ہے۔ زید نے فتاویٰ رشیدیہ دیکھ کر کفارہ ادا کر دیا ہے۔ اس میں لکھا تھا۔ دو رمضان المبارک میں دو روزے فاسد ہو گئے۔ تو کفارہ ایک ہی کافی ہے۔ پھر بہشتی زیور کا مطالعہ کیا تو لکھا تھا۔ اگر جماع کی صورت میں فاسد ہوئے ہیں۔ تو کفارے دو اگر کسی اور وجہ سے تین رمضان میں بھی فاسد ہو جائیں کفارہ ایک۔ اب زید نے دونوں کفارے ادا کر دیے لیکن تعیین نہیں کی۔ کیا اس صورت میں کفارے ادا کروائے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

دونوں کفارے ادا ہو گئے۔ اگرچہ تعیین نہیں کی ہے۔ قال فی الهداية. ج ١ / ص ٢١٩ و الكفارة مثل كفارة الظهار الخ. وايضا فی الهداية ص. ٢١٢ ومن وجبت عليه كفارة ظهار فاعتق رقبتين لا ينوی عن احدهما بعينها جاز عنهما وكذا اذا صام اربعة اشهر او اطعم مائة وعشرين مسكينا جاز لان الجنس متحد فلا حاجة الى نية معينة الخ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ

روزہ کن چیزوں سے ٹوٹتا ہے؟
روزہ ٹوٹ جانے کی صورت میں دن کا بقیہ حصہ کس طرح گزارا جائے؟
نماز تراویح، تہجد، صلوٰۃ تسبیح، سنت ہیں یا نفل؟

﴿س﴾

روزہ کن چیزوں سے ٹوٹتا ہے؟ قضا و کفارہ کی تفصیل بیان فرماویں۔
روزہ ٹوٹ جانے کی صورت میں باقی دن کس طرح رہنا چاہیے۔
نماز تراویح، چاشت، تہجد، صلوٰۃ تسبیح سنت ہیں یا نفل۔

سائل نثار احمد خان گلگشت کالونی نزد قیصریہ مسجد ملتان

﴿ج﴾

قصداً کھانے پینے اور جماع کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس صورت میں قضا و کفارہ دونوں لازم ہو جاتے ہیں اور غلطی سے کھا لیا یا پی لیا (جیسے کلی کرتے ہوئے پانی گلے سے اتر جائے) تو روزہ ٹوٹ جائے گا صرف قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں ہوگا اور بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ تراویح سنت موکدہ ہے اور تہجد بعض کے نزدیک سنت موکدہ ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک مستحب ہے۔ چاشت اور صلوٰۃ تسبیح مستحب ہیں۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۹ رمضان ۱۳۹۴ھ

صدقہ فطر سرکاری ریٹ کے اعتبار سے دیا جائے یا رائج فی العلاقۃ کے اعتبار سے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں
کیا صدقۂ فطر سرکاری مروجہ نرخ کے مطابق ادا کیا جائے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

سرکاری قیمت کے مطابق اگر صدقہ فطر ادا کیا گیا ہے۔ تو واجب ادا ہو گیا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۳۰ شوال ۱۳۹۹ھ

صدقۃ الفطر کی صحیح مقدار کیا ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ صدقہ فطر کے متعلق بہت سے اختلافات ہیں کوئی دو سیر انگریزی مروجہ کوئی اوقیہ عربی دو سیر انگریزی اور گیارہ چھٹانک بتلاتے ہیں۔ لہٰذا مؤدبانہ گزارش ہے کہ اختلاف مذاہب اربعہ صدقہ فطر کی وضاحت فرما کر ممنون فرماویں۔

﴿ج﴾

صدقہ فطر عربی پیمانہ کے اعتبار سے آدھ صاع ہوتا ہے اور صاع چار مد کا اور مد دو رطل کا اور ایک رطل دو سو ساٹھ درہم کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے پورا صاع ایک ہزار چالیس درہم کا بنتا ہے۔ اور نصف صاع پانچسو بیس درہم کا ہوتا ہے۔ اسی طرح شامی میں مذکور ہے اور فتاویٰ رشیدیہ میں ایک درہم کو ستر جو دم بریدہ مقشر کے فرمایا

ہے۔اور یہ حساب تقریبی ہے۔معمولی کمی بیشی شرعاً مضر نہیں۔ھکذا فی الفتاویٰ الرشیدیہ۔

باقی علماء کرام نے اس کا حساب انگریزی وغیرہ مروجہ اوزان سے کیا ہے چنانچہ بہشتی زیور میں اسی تولہ کے سیر سے نصف صاع کو ایک سیر اور ساڑھے بارہ چھٹانک کے برابر بتایا ہے۔اور مفتی عزیز الرحمان صاحبؒ نے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند۔ج ۳/ص ۵۳ پر نصف صاع کو انگریزی سیر کے حساب سے ایک سیر اور تیرہ چھٹانک کے برابر ذکر کیا ہے۔بہرحال اگر پورے دوسیر دے تو اس میں احتیاط ہے۔ویسے اس کا وزن اوپر تحریر کر دیا گیا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

قئے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کونسی قئے مفسد روزہ ہے۔اور کونسی نہیں۔اقسام قئے بیان کرتے ہوئے مفسد قئے بیان فرماویں۔

﴿ج﴾

قئے اگر خود بخود آ جائے خواہ منہ بھر کے ہو یا نہ۔مفسد صوم نہیں۔البتہ اگر کسی نے قصداً قئے کی ہے۔تو وہ اگر منہ بھر کر ہے۔تو بالاجماع مفسد ہے اور اگر قلیل ہے۔تو اس میں اختلاف ہے۔صحیح یہ ہے کہ اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ففی الدر ۲/۱۲۰ شامی۔ وان ذرعه القی وخرج ولم یعد لا یفطر مطلقاً ملاء اولا. الی ان قال وان استقاء ای طلب القیئ (عامداً) ای متذکرا لصومه ان کان مل ء الفم فسد بالاجماع مطلقاً وان اقل لا عند الثانی وھو الصحیح فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۶/۴/۱۳۹۶ھ
الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۶/۴/۱۳۹۶ھ

میت کی وصیت کے بغیر اس کی طرف سے فدیہ ادا کرنا
نماز اور روزہ کے فدیہ کی مقدار کیا ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کوئی آدمی فوت ہو جائے اور اس سے کچھ نمازیں اور روزے قضا ہو

گئے ہوں۔اور کوئی وصیت بھی نہ کی ہو اگر اس کے ورثاء اس کے قضا کردہ روزوں اور نمازوں کا کفارہ ادا کریں تو کیا شرعاً ادا ہو جائے گا۔اور ہر ایک روزہ اور نماز کے لیے کتنی مقدار گندم یا اس کی رقم ادا کرنی ہوگی۔بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر میت نے وصیت نہیں کی تو اس کی طرف سے ورثاء پر فدیہ دینا لازم نہیں۔لیکن اگر بالغ ورثاء اپنی خوشی سے اپنی جائیداد میں سے میت کی طرف سے فدیہ دیدیں تو اللہ تعالیٰ کے وسیع فضل وکرم سے عفو کی امید ہے۔فدیہ ہر نماز اور روزہ کا پونے دوسیر (اسی تولہ کے سیر کے حساب) گندم یا اس کی قیمت مستحق زکوٰۃ کو دے دیں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۰/۶/۱۳۹۹ھ

جس شخص کے لیے کوئی کھانا پکانے والا نہ ہو کیا وہ فدیہ دے سکتا ہے؟
عیدگاہ کی زمین پر مسجد بنانا جائز نہیں، جھوٹ بولنے والے کی امامت
ایک مسجد کا سامان یا چندہ دوسری مسجد میں خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص بوڑھا ہے۔اس کا کوئی کھانا پکانے والا نہیں ہے۔اس نے روزہ رکھوانے کے لیے ۶۰ روپے فی رمضان کا فدیہ دیا ہے۔

نمبر۲۔پیش امام بلاوجہ وعدہ خلافی کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے۔کیا اس کی امامت درست ہے۔

نمبر۳۔ایک آدمی پارٹی بندی کر کے مسجد کا چندہ خود بھی نہ دے اور پارٹی سے بھی نہ دلوائے۔

نمبر۴۔ایک عیدگاہ کے پاس اگر چھوٹی مسجد بنائی جائے تو یہ مسجد یہودیوں کی تصور ہوگی۔کسی عالم نے کہا ہے حالانکہ مسلمان کی زمین میں اجازت سے بنائی جائے گی۔

نمبر۵۔کیا ایک مسجد کا سامان یا رقم دوسری مسجد میں خرچ کرنا یا عیدگاہ کی رقم پر مسجد اور مسجد کی رقم عیدگاہ میں صرف کرنا جائز ہے یا نہ؟

﴿ج﴾

۱۔اگر وہ روزہ رکھ سکتا ہے۔تو فدیہ دینا صحیح نہیں۔یہ عذر درست نہیں کہ کھانا پکانے والا کوئی نہیں۔اگر نہیں۔

تو زندہ کیسے ہے اور کہاں سے کھاتا پیتا ہے۔

۲۔اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

۳۔سوال غیر واضح ہے۔

۴۔عیدگاہ کی زمین پر مسجد تعمیر نہ کی جاوے۔کسی کی مملوکہ زمین پر مالک کی اجازۃ کے ساتھ مسجد تعمیر کرنا درست ہے۔

۵۔ایک مسجد کا چندہ دوسری مسجد میں صرف کرنا درست نہیں۔اسی طرح مسجد اور عیدگاہ بھی الگ مدات ہیں۔ایک کا چندہ دوسری مد میں صرف کرنا درست نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳۹۹/۱۲/۲۱ھ

جو شخص سال کے کسی بھی موسم میں روزہ نہ رکھ سکے وہ معذور ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک بوڑھی عورت نے علاج کروانے کی وجہ سے روزے نہیں رکھے۔لیکن اب وہ بڑھاپے کی وجہ سے روزے رکھنے سے قاصر ہے۔اگر وہ ایک دن کا روزہ رکھتی ہے تو تین چار دن بیمار پڑ جاتی ہے۔تو اس عورت پر روزوں کی قضا ضروری ہے۔یا ان روزوں کے لیے صدقہ بھی کر سکتی ہے۔اور اگر وہ صدقہ کر سکتی ہے۔تو فی روزہ کتنا صدقہ ادا کرے۔

﴿ج﴾

ایسی بوڑھی عورت کے لیے جو سال کے کسی موسم میں روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو اور ہمیشہ رمضان شریف کے روزے رکھنے یا قضا کرنے سے تین چار دن بیمار پڑ جاتی ہو اور کسی طرح روزہ نہ رکھ سکتی ہو۔اور صحت سے ناامید ہو چکی ہو۔فدیہ دینا فقہاء نے جائز لکھا ہے۔قال فی الدر المختار وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی. وفی الشامیة تحت قوله (وللشیخ الفانی) ای الذی فنیت قوته او اشرف علی الفناء ولذا عرفوه بانه الذی کل یوم فی نقص الی ان یموت نهر.

و مثله مافی القهستانی عن الکرمانی المریض اذا تحقق الیاس من الصحة فعلیه الفدیة لکل یوم من المرض (رد المحتار فصل فی العوارض المبیحة ۲/۱۳۰)

ایک روزہ کا فدیہ اسی تولہ کے سیر کے حساب سے پونے دو سیر گندم ہے یا اس کی قیمت ادا کرے۔اگر ''جو'' سے ادا کرے تو ایک روزہ کا ساڑھے تین سیر فدیہ ادا کرنا واجب ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳۹۱/۴/۱۳ھ

جس کو روزہ رکھنے سے نقصان ہوتا ہو اسے فدیہ دینا چاہیے

مجہول نیت سے قضا روزے رکھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع دریں مسئلہ کہ زید کی عمر اس وقت ۶۳ سال ہے۔۵ سال قبل اسے معدہ میں تیزابیت کے بڑھ جانے کا مرض ہوا۔جس کا مختلف طرح سے علاج کیا گیا۔آخر اس پر قابو پانے کی یہی صورت بن سکی۔کہ ہر ۴ گھنٹے کے بعد کچھ نہ کچھ کھایا جائے۔اس لیے رمضان کے روزے نہ رکھے جا سکے۔۲ سال بعد تجربہ کے طور پر ایک دن روزہ رکھا۔تو عصر کے وقت طبیعت بہت خراب ہوگئی۔اور اگلے دن روزہ نہ رکھ سکا۔پھر ایک انگریزی کی نئی دوا کا مکمل کورس استعمال کیا جس سے کافی افاقہ ہوا۔چنانچہ افطاری سے سحری تک میں اس دوا کا استعمال کر کے گذشتہ سال کے تمام روزے رکھ لیے۔لیکن ماہرین نے بتایا کہ اس دوا کو زندگی میں صرف ایک بار استعمال کرنا چاہیے۔بار بار کا استعمال معدہ کے لیے نقصان دہ ہے۔

ا۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ۴ سال کے روزے رہ گئے ہیں کیا ان روزوں کے بدلہ فدیہ ادا کر دیا جائے۔یا سردی کے چھوٹے دنوں میں تیس روزے رکھنے کی کوشش کی جائے۔

ب۔گذشتہ سال قضا روزوں کی نیت سے سردی کے دنوں میں گیارہ روزے رکھے تھے۔لیکن انھیں متعین نہیں کیا تھا کہ یہ کونسے سال کا روزہ ہے۔صرف قضا روزہ کی نیت کی تھی۔تو کیا اس نیت سے قضا روزے ہو گئے یا نہیں

﴿ج﴾

ا۔متفرق دنوں میں روزہ رکھ کر دیکھ لیں۔اگر روزے رکھے جائیں تو بہتر ہے فدیہ صرف اس وقت دیا جا سکتا ہے جب کہ روزہ رکھنے سے بالکل معذوری ہو۔

ب۔وہ روزے قضا کے شمار ہوں گے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ ۲۸ لوئر مال روڈ لاہور

مرض الموت کے روزوں اور نمازوں کی قضا اور فدیہ کا حکم؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی کو فالج کی بیماری ہوگئی۔پہلے اس کا ایک حصہ مفلوج ہوا۔

کچھ دیر بعد دوسرا حصہ بھی مفلوج ہوگیا۔ وہ بیمار آدمی ۱۴ ماہ تک اس بیماری میں مبتلا رہنے کے بعد فوت ہوگیا۔ اس کو کھانا دوسرے آدمی کھلاتے۔ اور پانی بھی اور لوگ پلاتے تھے۔ حتیٰ کہ اگر وہ سوتے ہوئے دوسری طرف اٹھنا چاہتا تھا۔ تو بھی اور آدمی اس کو دوسری طرف لٹا دیتا تھا۔ اس نے تین ماہ تک کسی کے کہنے پر دوسرے آدمی کے تیمم کرانے سے آنکھ اور سر کے اشارے سے نمازیں ادا کی ہیں۔ باقی عصر کی نمازیں قضا ہوگئیں۔ اسی طرح پچاس فرض روزے بھی وہ نہ رکھ سکا۔ اب کیا اس مریض کے ورثہ کو اس کی نمازوں کا فدیہ ادا کرنا ہوگا۔ اور کس طرح۔ اس مریض نے وصیت کی کہ اگر رمضان شریف کے روزوں اور نماز کا فدیہ ادا کرنا ہو تو میرے اپنے مال سے ادا کر دیا جاوے۔ اب بعض علماء کہتے ہیں کہ اس مریض کے ذمہ فدیہ باقی نہیں رہا۔ کیونکہ یہ اس بیماری سے فوت ہوگیا۔ مگر بعض اس سے مختلف کہتے ہیں۔

﴿ج﴾

اگر اسی مرض سے موت ہوئی تھی جس میں روزے فوت ہوئے تو ان روزوں کی قضا لازم نہیں ہوگی۔ فان ماتوا فیه ای فی ذلک العذر فلا تجب علیهم الوصیة بالفدیة لعدم ادراکهم عدة من ایام اخر. (الدر المختار علی هامش رد المحتار فی العوارض المبیحة للصوم. ج ۲/ص ۱۲۷)

البتہ نمازوں کا فدیہ وارثوں کو ادا کرنا چاہیے۔ واذا مات الرجل وعلیه صلوات فائتة فاوصی بان تعطی کفارة صلواته یعطی لکل صلاة نصف صاع من بر للوتر نصف صاع من ثلث ماله الخ۔ عالمگیریہ باب قضاء الفوائت۔ ج ۱/ص ۱۱۷ مرض کی وجہ سے نماز موخر کرنے کی اجازت نہیں۔ جب تک سر کے اشارہ سے بھی پڑھ سکے پڑھنا فرض ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ

سائرن بجتے وقت سحری کھانا اور اذان کے وقت پانی پینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ الارم شروع ہونے کے بعد کسی شخص نے سحری کا کھانا شروع کیا اور الارم ختم ہونے کے بعد تک سحری کھاتا رہا۔ اور جس وقت اذان ہو رہی تھی۔ وہ پانی نوش کر رہا تھا۔ علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کیا رائے دیتے ہیں۔ آیا اس صاحب کا روزہ ہے یا نہیں اگر نہیں تو اسے کیا کرنا چاہیے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں صبح صادق ہونے کی تحقیق کریں کہ جس وقت آپ پی رہے تھے۔ اس وقت گھڑی پر کیا وقت تھا اور اپنی گھڑی آگے پیچھے ہونے کی بھی تحقیق کریں۔ پھر اس وقت دوسرے دن صبح ہوتے خود دیکھ لیں۔ یا کسی دوسرے آدمی سے معلوم کروالیں۔ جو سحری کے ختم ہونے کا وقت یعنی صبح صادق ہونا جانتا ہو۔ اگر تحقیق یہ ہو جائے کہ صبح ہو چکی تھی۔ جب پانی پی رہا تھا۔ تو ایک روزہ قضا رکھنا ہوگا۔ اور آج کا روزہ بعد میں رکھنا ہوگا۔ اور اگر تحقیق یہ ہو جائے کہ اس وقت صبح نہیں ہوئی تھی۔ تو پھر یہ روزہ صحیح ہوگا۔ اور قضا روزہ نہیں رکھنا ہوگا۔ الحاصل اذان ہونے پر صحیح ہونے کا دارومدار نہیں ہے۔ بلکہ مشرق کی جانب آسمان کا جو زمین کے ساتھ کنارہ لگتا ہے۔ وہاں شمالاً جنوباً سفیدی نمودار ہو جانے سے صبح کا وقت ہو جاتا ہے۔ اور سحری کھانے کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اذان اهل حدیث صبح سے پہلے دے دیتے ہیں یا حنفی مؤذن کو غلطی بھی لگ سکتی ہے۔ آپ یا کسی اور جاننے والے کی تحقیق پر دارومدار ہے۔ جسے گمان غالب ہو جائے۔ اس کے مطابق عمل ہوگا۔ اور آج کا روزہ ہر حال میں رکھنا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

سائرن بجتے وقت جو اذانیں دی جاتی ہیں وہ وقت میں ہوتی ہیں یا وقت سے پہلے؟

تراویح میں ختم قرآن کا مسنون طریقہ اور حفاظ کا ردعمل

﴿س﴾

(۱) رمضان المبارک میں اختتام سحری کی علامات کے طور پر ہارن بجانا سیٹیاں گولہ چھوڑنا اذان پڑھنا درست ہے یا نہیں اور کیا یہ اذان مسنون ہے یا غیر مسنون یا اذان صبح صادق کے تام ہونے پر پڑھی جائے دلائل سے وضاحت فرمادیں۔ سوال نمبر ۲۔ نماز تراویح میں قرآن شریف ختم کرنیکا مسنون طریقہ کیا ہے کیونکہ بعض حفاظ اس طرح ختم کرتے ہیں کہ ختم کے دن تراویح کے آخری شفعہ (۱۹، ۲۰ رکعت) کی پہلی رکعت میں سورت فلق تک کر لیتے ہیں پھر دوسری رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ سورۃ الناس پڑھکر پھر ابتداء سے فاتحہ دوبارہ پڑھ کر چند آیتیں سورۃ بقرہ کی ملا کر شفعہ پورا کرتے ہیں۔ حالانکہ کتب فقہ میں موجود ہے کہ تقدم وتاخر سُوَر سے کراہیت پائی جاتی ہے۔ بعض حفاظ کا یہ طریقہ ہے کہ اٹھارہویں رکعت میں سورۃ الناس پڑھ کر نماز پوری کر لیتے ہیں پھر آخری شفعہ (یعنی ۱۹، ۲۰ رکعت) کی پہلی رکعت میں بعد فاتحہ چند آیتیں سورۃ بقرہ پڑھ کر رکعت کرتے ہیں۔ دوسری رکعت میں کوئی

سورۃ ملا کر نماز پوری کر لیتے ہیں۔ اس طریقہ میں تقدم و تاخر سور کا شبہ نہیں رہتا مذکورہ ہر دو طریقوں میں سے کونسا طریقہ مسنون اور افضل ہے اور اگر دونوں طریقے خلاف سنت ہیں۔ تو پھر مسنون طریقہ ختم قرآن کا بیان فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

سائل صادق حسین مدرسۃ العلوم الشرعیہ رجسٹرڈ جھنگ صدر ۱۷ شعبان ۱۳۸۳ھ

﴿ج﴾

اختتام سحر پر علامت کے طور پر ہارن و نقارہ بجانا یا گولا چھوڑنا جائز ہیں۔ کسی نے ان پر انکار نہیں کیا۔ بلکہ اس کے اہتمام کرنے والے کو ثواب ملے گا۔ کیونکہ بہت سے لوگ اس سے نفع اٹھا لیتے ہیں۔ اور بعض مواقع خیر میں جیسا کہ جہاد کے لیے طبل غزاۃ کا ثبوت ہے اور اذان اگر اس طریقہ پر دی جائے جیسا کہ احادیث میں ثبوت ہے۔ (یعنی دو اذانیں دی جائیں۔ ایک اذان صبح صادق سے پہلے دی جائے کہ صبح صادق کو کچھ وقت رہتا ہو کہ سوئے ہوئے جلدی اٹھ کے کھا پی لیں۔ اور تہجد پڑھنے والے جلدی سحری کے لیے لوٹ جائیں کہ اب صبح صادق کا وقت قریب ہو گیا ہے۔ اور صبح صادق تام ہونے پر دوسری اذان دی جائے لحدیث الصحیحین ان بلالاً یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتی یؤذن ابن ام مکتوم ولقوله علیه السلام لا یمنعکم من سحورکم اذان بلال فانه یؤذن لیوقظ نائمکم ویرد قائمکم) تو مستحب کا ثواب ملے گا۔ لیکن اگر ایک ہی اذان دیں تو صبح صادق تام ہونے پر دی جائے کیونکہ اگر اذان کے کچھ کلمات صبح صادق سے پہلے ہو جائیں اور کچھ بعد میں تو اعادہ لازم ہوگا۔ اور سنۃ مؤکدہ یا واجب اذان جو کہ وقت کے دخول کے بعد ہے۔ وہ ادا نہ ہوگی۔ درمختار بھامش ردالمحتار۔ ج ۱/ص ۲۸۴ فیعاد اذان وقع بعضه قبله کالاقامة الخ فتح القدیر۔ ج ۱/ص ۱۷۷ قوله (ولا یؤذن للصلوة قبل دخول وقتها) ویکره ذالک ویعاد الخ وفی البحر۔ ج ۱/ص ۲۷۷ فلو وقع بعض کلمات الاذان قبل الوقت وبعضها فی الوقت فینبغی ان لا یصح وعلیه استیناف الاذان کله الخ لیکن آج کل عام لوگ دین کے معاملہ میں جاہل غافل ہیں اور پھر شہروں میں کئی اذانیں ہوتی ہیں۔ اس لیے سحری کے لیے اذان دینے سے لوگوں کے روزے خراب ہو جائیں گے۔ کہ پہلی اور پچھلی کا انھیں علم نہیں ہوگا اور جیسے اذان بلال اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما میں صحابہ امتیاز کرتے تھے وہ امتیاز لوگوں پر آج کل مشکل ہے۔ لہٰذا ایک ہی بار اذان صبح صادق ہونے پر دی جائے۔ (۲) دونوں طریقے جائز ہیں کیونکہ نوافل میں توسع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

بغیر شرط کے اگر کسی حافظ کی خدمت کی جائے اس کے پیچھے تراویح پڑھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ موجودہ حفاظ صاحبان زبانی فرماتے ہیں کہ ہم اللہ واسطے رمضان شریف میں تراویح پڑھائیں گے اور جو خدمت عوام اللہ واسطے کرے گی ہمیں منظور ہے کیا یہ طریقہ اجرت میں شامل تو نہیں ہے۔ کیا ایسے حفاظ کے پیچھے تراویح پڑھنا درست ہے۔ یہی رواج تمام علاقوں میں ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ایسے حفاظ کرام کو کچھ دینا اور ان کے لیے لینا دونوں ناجائز ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۲۴ پر ہے۔ اگر حافظ کے دل میں لینے کا خیال نہ تھا اور پھر کسی نے دیا۔ تو درست اور جواب رواج وغیرہ سے دیتے ہیں۔ حافظ بھی لینے کے خیال سے پڑھتا ہے۔ اگرچہ زبان سے کچھ نہیں کہتا تو درست نہیں فقط۔ لہٰذا ایسے حفاظ کے پیچھے تراویح نہ پڑھی جائے ھکذا فی الفتاویٰ الرشیدیہ ص ۳۲۴ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۱ شوال ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۱/۱۰/۱۳۸۵ھ

ختم قرآن پر مشروط یا غیر مشروط طور پر اُجرت لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ (ا) زید رمضان میں تراویح کے اندر قرآن سناتا ہے اور لوگوں سے پہلے رقم کھانے وغیرہ کے متعلق وعدہ لیتا ہے۔ مثلاً ۵۰ یا ۱۰۰ یا ۲۰۰ روپیہ وصول کروں گا۔ اور روٹی اس طرح کی لوں گا۔ (ب) بکر قرآن سناتا ہے اور لوگوں سے کوئی وعدہ نہیں لیتا۔ مگر دل میں خیال ضرور ہوتا ہے کہ کوئی اچھی جگہ ہو کہ قرآن سناؤں غریب طالب علم ہوں مگر زبان سے کچھ نہیں کہتا ہے۔ بعد از قرآن شریف رقم اچھی ملی تو خوش ہو اور نہ تو دل میں ملال پیدا ہوا۔ (ج) عمر بھی سناتا ہے۔ اور دل میں محض رضائے الٰہی مقصود ہے۔ حتیٰ کہ روٹی بھی دوسرے سے گوارا نہیں کرتا ہے مگر لوگ مجبور کرتے ہیں اور بعد از ختم قرآن شریف کچھ نہیں لیتا اور لینے کو اچھا نہیں سمجھتا مگر لوگ مجبور کرتے ہیں تو روپیہ یا لنگی وغیرہ دیتے ہیں۔ ان تینوں حافظوں کے پیچھے نماز کا اور لینے دینے کا از روئے شرع کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

عبادت پر اجرت لینا حرام ہے۔ لینے دینے والے دونوں گنہگار ہوتے ہیں اگر اجرت طے نہ کی جائے تو اجارہ مجہول کا فساد الگ ہے اور جہاں اس کا رواج پڑا ہوا ہے۔ کہ اجرت پر ہی لوگ پڑھتے اور لوگ برابر دیتے ہیں وہاں بغیر طے کیے بھی مثل طے کرنے کے ہی ہو گا بقاعدہ المعروف کالمشروط۔ وہ بھی گناہ میں ہے۔ اگر اس سے پہلے تعلقات ہیں کہ کھانا وغیرہ ایک دوسرے کے یہاں کھاتے ہیں تو مضائقہ نہیں ورنہ وہ بھی یہی ہے۔ رقم دستار لنگی تو اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا اس لیے یہ سب ناجائز ہے۔ مفتی جمیل احمد جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور-تائید- مولانا جمیل احمد صاحب کے جواب کے ساتھ پورا اتفاق ہے۔ رسم المفتی مؤلفہ علامہ ابن عابدین شامی میں تصریح موجود ہے کہ تلاوۃ قرآن پر پیسے لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اور اسے تعلیم قرآن پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح عبداللہ عفا اللہ عنہ

شک کے دن روزہ رکھنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء اسلام اس مسئلہ میں کہ یوم شک کے روزے کا کیا حکم ہے۔ کہ ہم عوام کو فرض حکم دیں یا نفل۔ نمبر۲۔ ایک آدمی عشاء کی نماز فرض امام سے رہ جاتا ہے اور تراویح کے لیے پہنچ جاتا ہے۔ یہ آدمی وتر امام کے ساتھ ادا کرے یا الگ اس کا کیا حکم ہے بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

عوام یوم شک میں سرے سے روزہ رکھیں ہی نہیں۔ نہ فرض رکھیں کیونکہ فرضی روزہ کا ثبوت نہیں اور نہ نفل رکھیں کیونکہ نفل کی نیت صحیح نہیں کر سکتے۔ بلکہ نفلی روزہ رکھنے میں بھی ایسی ہی نیت میں آتا ہے۔ کہ اگر رمضان ہوا تو رمضان سے ہو جائے گا۔ ورنہ نفلی رہے گا اور یہ مکروہ ہے درمختار ص ۹۷/ج ۲ میں ہے۔ یصومه الخواص ویفطر غیرهم الی قوله ویصیر صائماً مع الکراهة . لورد د فی وصفها بان نوی ان کان من رمضان فعنه والا فعن واجب اٰخر وکذا یکره لوقال انا صائم ان کان من رمضان والا فعن نفل لتردد بین مکروهین او مکروه وغیر مکروه الخ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

نمبر۲۔ مذکور شخص جو فرضوں کی جماعت سے رہ گیا ہو اور علیحدہ فرض ادا کر لیے ہوں۔ وتر جماعت سے امام کے ساتھ ادا کرے اور علیحدہ پڑھنے میں بھی کوئی قباحت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

نائب مفتی احمد جان مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۲ رمضان ۱۳۸۷ھ

چھوٹی سورتوں سے تراویح پڑھانے والے کو کپڑے یا رقم دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام دریں صورت کہ رمضان شریف میں قرآن سنانے والے یا الم نشرح سے تراویح پڑھانے والے کو رقم یا کپڑے دینا جائز ہے یا نہیں۔ اور مطلقاً ختم قرآن پر رقم وغیرہ لینے کا کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

رمضان شریف میں قرآن مجید سنانے والے کو رقم یا کپڑے دینا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۶ شعبان ۱۳۹۶ھ

ختم کی رات حافظ صاحب کو رقم نہیں لینی چاہیے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ رمضان المبارک میں حافظ صاحب جو قرآن تراویح میں سناتے ہیں۔ اور لوگ ختم کی رات جو رقم ان کو دیتے ہیں۔ از روئے شریعت ان کے لیے یہ رقم لینا جائز ہے یا نہ۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

ختم قرآن کی رات جو رقم حافظ صاحب کو دی جاتی ہے۔ حافظ صاحب کو چاہیے کہ وہ رقم نہ لے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳ شوال ۱۳۹۶ھ

مشروط یا غیر مشروط رقم ختم قرآن پر لینا جائز نہیں ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اجرت پر تراویح وتلاوت قرآن مجید وتراویح میں مشروط یا غیر مشروط طور پر کچھ لینا جب کہ ہمارے ضلع ڈیرہ غازی خان کے حفاظ کرام بکثیر رقم کے لیے بہاولپور ملتان یا سندھ وغیرہ کا سفر کرتے ہیں۔ ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں تراویح میں قرآن پاک سنانے پر اجرت لینا جائز نہیں۔ اور اس میں کوئی ثواب نہیں۔

اور بحکم المعروف کالمشروط۔ جن کی نیت لینے دینے کی ہے۔ وہ بھی اجرت کے حکم میں ہے۔ اور ناجائز ہے۔ فی الدر المختار۔ ج ۱/ص ۵۲۴ وان القرأة لشئی من الدنیا لا تجوز و ان الاخذ والمعطی اثمان لان ذلک یشبه الاستیجار علی القراءة ونفس الاستیجار علیها لا یجوز پس اس حالت میں صرف تراویح پڑھنا اور اجرت کا قرآن شریف نہ سننا بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲ ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ

کیا سلف صالحین سے شبینہ کے متعلق کچھ ثابت ہے؟
شبینہ، ختم قرآن، ختم بخاری پر رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین امور ذیل کے بارے میں کہ

(۱) سلف صالحین سے شبینہ پڑھنے کے متعلق کوئی ثبوت موجود ہے یا نہیں۔

(۲) لاؤڈ اسپیکر پر شبینہ پڑھنا کیسا ہے۔ اور عوام الناس پر اس کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے یا نہیں۔

(۳) شبینہ، ختم قرآن شریف اور ختم بخاری پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

شبینہ اگر اغلاط سے خالی ہو۔ اور محض اخلاص پر مدار ہو۔ اور قرآن پاک کو ایسا صاف پڑھا جائے۔ کہ تفقہ اور تدبر ممکن ہو۔ تو جائز اور باعث خیر و برکت ہے۔ نفس شبینہ کی ممانعت نہیں۔

البتہ شبینہ مروجہ میں بہت سے مفاسد ہیں۔ مثلاً قرآت میں ترتیل و تجوید کو جلدی کی وجہ سے ترک کیا جاتا ہے۔ حالانکہ فقہاء نے اس قسم کی جلدی کو مکروہ لکھا ہے۔ اور ان لوگوں کی عادت قرار دیا ہے۔ جن کے دل خوف وخشیۃ الٰہی سے خالی ہیں۔ طحطاوی حواشی مراقی الفلاح میں ہے۔ ویحذر من الهدرة وترک الترتیل وترک تعدیل الارکان وغیرها کما یفعله من لا خشیة له۔ اس قسم کے شبینوں سے اکثر فخر و غرور کا قصد ہوتا ہے۔ حفاظ کو مالی عوض دیا جاتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ روشنی وغیرہ کا تکلف کیا جاتا ہے۔ شبینہ کرنے والے تفاخر اور شہرت حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دعوت کو ملمع کرتے ہیں۔ ہر حافظ چاہتا ہے کہ میرا نام سب سے بالا ہو۔ جس کی علامت [illegible] ہے کہ اگر کسی کو لفظ قراءۃ کا اٹک جاتا ہے۔ بھول جاتا ہے تو اس پر ملامت استہزاء اور طعن کرتے ہیں۔ حفاظ پیچھے سننے والے تمام رکعتوں میں امام کے پیچھے نہیں

رہتے۔ بلکہ نماز سے فارغ بیٹھے رہتے ہیں۔ آہستہ یا بلند آواز سے گفتگو میں مصروف رہتے ہیں۔ جب حافظ بھول جاتا ہے۔ تو فوراً کوئی حافظ اٹھ کر نیت باندھ کر اس آیت کو دوبارہ پڑھوا دیتا ہے اور غلطی کی اصلاح کر کے نماز دوبارہ توڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ صرف غلطی کی اصلاح کے لیے نفل کی نیت باندھنا اور پھر بلا عذر نفل کا توڑنا جائز نہیں۔ پھر اس باطل کردہ نفل کی قضا بھی کرتے ہوں گے۔ یا نہ؟ جو لوگ مسجد یا صحن مسجد میں جمع ہوتے ہیں۔ اور قرآن سننے کے لیے ہی جمع ہوتے ہیں۔ ان پر ضروری ہے کہ وہ قرآن کے سننے کے آداب کو ملحوظ رکھیں۔ لیکن عام طور پر اس کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ جو لوگ قرآن سننے کے لیے جمع نہیں ہوتے بلکہ اپنے گھروں میں رہتے ہیں اور قرآن سننے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ ان کو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ زبردستی قرآن مجید کو سنایا جاتا ہے۔ اور وہ لوگ آداب قرآن کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ تو اس کا گناہ سننے والوں پر نہیں بلکہ سنانے والوں پر ہوتا ہے۔ قال فی الهندیه رجل یکتب الفقه وبجنبه رجل یقرأ القران فلا یمکنه استماع القران فلا اثم علی القاری وعلی هذا لو قرأ علی السطح فی اللیل جهرا و الناس ینام یا ثم. بہرحال بنظر انصاف مشاہدہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مفاسد غالب ہیں۔ اور عادۃً مثل لازم کے ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ان مفاسد کی وجہ سے مروجہ شبینہ سے منع کرنا ہی احوط ہے اور اسی پر فتویٰ دینا چاہیے۔ قال فی رد المحتار ص ۵۷۷ ج ۱ فی بحث سجدة الشکر لان العامة الجهلة یعتقد و نها سنة او واجبة وکل مباح یو دی الیه فمکروه اس طرح اگر شبینہ یعنی ختم قرآن جماعت نفل کے ساتھ ہو تو یہ مکروہ ہے۔ یعنی ناجائز ہے۔ کیونکہ نفل کی جماعت تداعی کے ساتھ مکروہ تحریمی ہے۔ جو قریب حرام کے ہے۔ اور تفسیر تداعی کی یہ ہے۔ کہ چار مقتدی ہوں اور تین میں اختلاف ہے۔ ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکره ذلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد. (الدر المختار علی هامش رد المحتار. ج ۱ /ص ۵۲۴) قرآن شریف کو ایسی جلدی پڑھنا کہ حروف سمجھ میں نہ آویں۔ اور مخارج سے ادا نہ ہوں ناجائز ہے۔ پس اگر شبینہ میں ایسی جلدی ہو گی تو وہ بھی ناجائز ہے۔ کما فی الدر المختار ویجتنب المنکرات هذرمة القراءة وفی الشامیة قوله هذرمة بفتح الهاء وسکون الذال المعجمة وفتح الراء سرعة الکلام والقرأة قاموس (شامی۔ ج ۱/ص ۵۲۳)

(۱) ائمہ کبار سے اس کے بارے میں کوئی قول منقول نہیں ہے۔ لیکن اس کا ذکر نہ ہونے سے اس کو بدعت نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اس کا اصل موجود ہے۔ عادۃ سلف کی ختم قرآن کے بارے میں مختلف منقول ہے۔ قد اختلف عادة السلف فی مدة الختم فمنهم من کان فی کل شهرین ختمته و اخرون فی

کل شهر (الی قوله) و کثیرون فی یوم و لیلة و جماعة ثلاث ختماتے فی یوم و لیلة. اس لیے مدار مروج شبینہ کا اس امر پر نہ رکھا جائے بلکہ ان عوارض ومفاسد پر رکھا جائے جو اوپر ذکر ہوئے۔ مذکورہ بالا مفاسد کے ہوتے ہوئے ثواب اور جزائے آخرت کی امید نہیں کی جاسکتی۔

(۲) اس کا حکم اوپر ذکر کیا گیا۔

(۳) شبینہ ایصال ثواب کے لیے ختم قرآن اور تراویح میں ختم قرآن پر اجرت مقرر کر لینا خواہ صراحۃً ہو جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں۔ یا بطور عرف و عادت کے ہو جیسا کہ عموماً آجکل رائج ہے۔ دونوں صورتوں میں لینا دینا جائز نہیں۔

ان القراء ة لشئ من الدنیا لا تجوز...... وانما افتی المتاخرون بجواز الاستیجار علی تعلیم القرآن لا علی التلاوة وعللوه بالضرورة وهی خوف ضیاع القرآن ولا ضرورة فی جواز الاستیجار علی التلاوة (ردا لمحتار. ج ۱/ص ۵۴۲)

قال صاحب الطریقه فی آخر الفصل الثالث فی بعض امور مبتدعة باطلة اکب الناس علیها علی ظن انها قرب مقصودة وهذه کثیرة فلنذکر اعظم منها وقف الاوقاف سیما النقود ولتلاوة القرآن او لان یصلی نوافل او لان یسبح او لان یهلل او یصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم ویعطی ثوابه لروح الواقف او لروح من اراده. وعن الحافظ العینی فی شرح الهدایه ویمنع القاری للدنیا والآخذ والمعطی آثمان فقط واللہ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۷ رجب ۱۴۰۰ھ

تنخواہ دار حافظ جس کی خدمت رمضان میں کی جائے اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک حافظ صاحب جو کہ بارہ مہینے ایک مسجد میں قرآن مجید پڑھاتا ہے اور ماہ رمضان المبارک میں نماز تراویح میں قرآن مجید اسی مسجد میں بغیر کسی لالچ کے سناتا ہے۔ اور ہمیشہ تنخواہ لیتا ہے۔ لیکن ختم کی رات لوگ اسے کچھ نہ کچھ رقم یا کپڑے وغیرہ دیتے ہیں۔ کیا اس کے پیچھے نماز تراویح پڑھنا درست ہے یا نہیں کیا اس کے لیے یہ رقم لینا حلال ہے یا حرام مہربانی فرما کر اس مسئلہ کی وضاحت فرمادیں۔

﴿ج﴾

فقہاء نے یہ قاعدہ لکھا ہے۔ المعروف کالمشروط۔ کذا فی الشامی وغیرہ۔ اور یہ بات تمام حافظوں کو معلوم ہے کہ ان کو قرآن شریف سنانے پر کچھ روپیہ ملے گا۔ اور لینا معروف ہے۔ لہٰذا اس حافظ صاحب کو بھی ختم قرآن پر کچھ لینا دینا درست نہیں۔ ورنہ تالی و سامع دونوں ثواب سے محروم ہیں۔ البتہ اگر ہدیہ دینے والے حضرات ان رقوم اور پارچہ جات وغیرہ کو انجمن مسجد میں داخل کر دیں اور اہل مسجد ان کی تنخواہ میں اضافہ فرمادیں تو یہ حالت بالکل جائز ہے۔ بلاشبہ۔ حدیث میں آیا ہے۔ فیه یزداد رزق المؤمن۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۵ شوال ۱۳۹۲ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۶ شوال ۱۳۹۲ھ

قرآن سنانے پر رقم لینے والے حفاظ کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

اگر مندرجہ بالا حفاظ کے پیچھے نماز جائز نہ ہو تو پھر چھوٹی سورتوں سے پڑھیں یا کیا؟

اگر حافظ کی خدمت ناجائز ہے تو امام ومدرس کی تنخواہ کیونکر جائز ہوگی؟

ختم قرآن کے موقع پر مٹھائی تقسیم کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ (۱) آجکل ماہ رمضان شریف کی تراویح میں قرآن سنانے پر نمازی لوگ اپنی رضامندی وخوشی سے چندہ کر کے حفاظ صاحبان کی خدمت کرتے ہیں۔ طرفین اس کو معاوضہ نہیں کہتے اور نہ ہی حفاظ صاحبان کی طرف سے طے ہوتا ہے۔ البتہ حفاظ صاحبان کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہوتی ہے کہ لوگ حسب توفیق ہماری ضرور خدمت کریں گے۔ اور اگر لوگ خدمت نہ کریں تو بظاہر ناراض نہیں ہوتے۔ ان کے دل پر بوجھ ضرور ہوتا ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایک دفعہ ایک مسجد میں کچھ خدمت نہ ہو تو آئندہ سال قرآن مجید وہاں نہیں سناتے۔ اور بعض حفاظ تھوڑی رقم ملنے والی جگہوں کو چھوڑ کر وہ مساجد تلاش کرتے ہیں جہاں زیادہ رقم ملے اکثر حفاظ صاحبان غریب بھی ہوتے ہیں۔ کیا یہ خدمت جائز ہے یا ناجائز کیا ایسے حفاظ کے پیچھے نماز جائز ہے۔ یا مکروہ؟

(۲) اگر ایسے حفاظ کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے تو کیا چھوٹی سورتوں میں تراویح پڑھنا بہتر ہے یا ان کے پیچھے مکمل قرآن پاک سننا ہی بہتر ہے۔ (۳) اگر یہ خدمت ناجائز ہے تو امامت اور تدریس قرآن مجید کی تنخواہ لینا

جائز ہے یا ناجائز۔ تینوں امور ایک جیسے ہیں۔ یا شرعی حکم میں ان کی نوعیت الگ الگ ہے۔ (۴) اسی طرح تراویح میں ختم قرآن مجید پر مسجدوں میں نمازی چندہ کر کے تبرک وثواب کی نیت سے شیرینی تقسیم کرتے ہیں۔ اور کسی سال ناغہ نہیں ہوتا۔ زبانی یہ کہا جاتا ہے کہ ہم اس کو ضروری نہیں سمجھتے لیکن اگر کسی سال ناغہ کیا جائے تو لوگ برا مناتے ہیں اور ناراض بھی ہوتے ہیں۔ تو کیا ختم قرآن مجید کے موقع پر ہر سال چندہ جمع کر کے ثواب وتبرک کی نیت سے شیرینی تقسیم کرنا اور نہ کرنے کو برا سمجھنا شرعاً جائز ہے یا بدعت ہے۔ جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہ حنفی کی مستند کتابوں کے حوالہ جات سے مدلل مطلوب ہے۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ فقہاء نے یہ قاعدہ لکھا ہے۔ المعروف کالمشروط کذافی الشامی وغیرہ پس اگر حافظ صاحب کو معلوم ہے کہ ان کو قرآن شریف سنانے پر کچھ روپیہ ملے گا۔ اور لینا دینا معروف ہے تو اس حافظ صاحب کو کچھ لینا قرآن شریف ختم کر کے درست نہیں ہے۔ اور اس میں تالی اور سامع دونوں ثواب سے محروم ہیں۔ **وان القراءة لشئ من الدنيا لا تجوز وان الأخذ والمعطى اثمان لان ذلك يشبه الاستيجار على القراءة ونفس الاستيجار عليها لا يجوز فكذا ما اشبهه الخ. ولا ضرورة في جواز الاستيجار على التلاوة (رد المحتار باب قضاء الفوائت ص ۵۴۲ ج ۱ مطلب بطلان الوصية)**

۲۔ چھوٹی سورتوں سے تراویح پڑھنا بہتر ہے اجرت کا قرآن نہ سننا چاہیے۔

۳۔ امامت اور تدریس قرآن کی تنخواہ لینا جائز ہے۔ امامت تدریس اور تراویح میں اجرت سے قرآن سنانا تینوں ایک جیسے نہیں ہیں۔ پہلے دو جائز اور آخری ناجائز ہے۔ **فی الرد المحتار باب الاجارة الفاسدة ويفتى اليوم بصحة لتعليم القرآن والامامته والاذان** ۔ ان کے آپس میں فرق تفصیل کے ساتھ مدلل طور پر امداد الفتاویٰ ص ۲۹۰ تا ۳۳۰ میں موجود ہے۔ اگر ضرورت ہو ملاحظہ فرماویں۔

۴۔ اس صورت اور التزام کے ساتھ درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳ رجب ۱۳۹۰ھ

روزہ نہ رکھنے والے حفاظ کا تراویح پڑھانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ایک حافظ تراویح پڑھاتا تھا وہ بیمار ہو گیا۔ اس نے پڑھنا ختم کر دیا۔ بخار اتر گیا۔ اور اس نے تراویح پڑھائی۔ لیکن روزہ نہیں رکھتا۔ کیا وہ اس حالت میں تراویح پڑھا سکتا ہے۔ یا نہیں۔ اس وقت وہ تندرست ہے لیکن روزہ نہیں رکھتا۔ تو کیا ایسے شخص کے پیچھے تراویح درست ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

بغیر عذر کے رمضان شریف کا روزہ نہ رکھنا گناہ کبیرہ ہے۔ جس کا بدل تمام روزوں سے بھی نہیں ہوسکتا۔ **کمافی حدیث من فطر یوما من رمضان من غیر رخصة ولا مرض لم یقض منه صوم الدهر کله وان صامه رواه احمد والترمذی وغیرهما** ۔ پس ایسا حافظ جو بغیر عذر کے روزہ نہیں رکھتا۔ اس کو تراویح میں امام بنانا جائز نہیں۔ البتہ اگر عذر مرض یا سفر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا۔ تو اس کو امام بنانا درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

روزہ کی حالت میں خشک دوا سونگھنے کا حکم

وضوخانہ اگر مسجد کے فرش سے متصل ہو وہاں اعتکاف کرنے والے کا بغیر ضرورت کے جانا

اعتکاف درمیان میں ٹوٹ جائے تو کیا کیا جائے؟' مالک زمین کا مزارع سے قرض رقم لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں۔

نمبر ۱۔ ایک دوائی جس کو نخلخہ کہا جاتا ہے۔ خشک ہوتی ہے۔ اس کو محض سونگھنے سے سر کا درد چلا جاتا ہے۔ کیا اس کے سونگھنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں۔

نمبر ۲) ہماری مسجد میں وضو کی جگہ ایک برآمدہ کی شکل میں ہے۔ جو کہ مسجد کے فرش کے ساتھ متصل ہے۔ یعنی وضو کر کے جوتا نہیں پہننا پڑتا بلکہ اسی طرح فرش میں داخل ہو جاتے ہیں۔ تو معتکف اس وضو کی جگہ بیٹھ کر وضو کر سکتا ہے۔ اور مسنون غسل کر سکتا ہے۔ یا نہیں الحاصل وہ وضو کی جگہ صحن وفرش مسجد میں داخل ہے یا خارج ہے۔ معتکف بلاضرورت بھی وہاں جا سکتا ہے یا نہیں۔

نمبر۳۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف اگر فاسد ہو جائے تو کیا کرے۔ مثلاً سات دن اعتکاف پورے ہو گئے تھے۔ اس کے بعد مسنون غسل کرلیا اعتکاف فاسد ہو گیا۔ تو کیا اعتکاف قائم رکھے۔ اور ایک دن کی قضا کرے یا تین بقیہ دنوں کی یا پورے عشرہ کی اور اعتکاف ختم کر کے گھر چلا جاوے۔

نمبر۴۔ ہمارے علاقہ میں دستور ہے۔ کہ کسی کو زمین مزارعت پر تب دیتے ہیں۔ جب اس سے ہزار دو ہزار روپیہ قرض لے لیں جو مطلوبہ رقم ادا نہ کر سکے اس کو زمین بٹائی پر نہیں ملتی اور جو زمین بٹائی پر لیتے ہیں۔ جب زمین واپس کریں گے تو اپنا قرض بھی وصول کریں گے۔ ہمارے علاقہ میں اس کو چھمک کہتے ہیں۔ تو کیا یہ درست ہے؟

﴿ج﴾

۱۔ اس دوا کے سونگھنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور بعد میں قضا کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ کما فی الدر المختار باب ما یفسد الصوم ومفادہ انه لو ادخل حلقه الدخان افطر ای دخان کان ولو عودا او عنبرا لو ذاکرا لا مکان التحرز عنه وتحقیقه فی الشامیة. ج ۲/ص ۱۰۶

۲۔۳۔ وضو کی جگہ مسجد میں داخل نہیں اور معتکف کے لیے یہاں بیٹھ کر مسنون غسل کرنا جائز نہیں۔ مسنون غسل وضو کی جگہ میں کرنے کی صورت میں اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ اور اعتکاف کی قضا لازم نہیں۔

۴۔ صورت مسئولہ میں اس شرط پر قرض لینا کہ وہ زمین مزارعت پر دے گا درست نہیں البتہ اگر مزارعت پر زمین دینے کی شرط نہ لگائے اور ویسے دیدے بعد میں اگر اسی شخص کو زمین مزارعت پر دے دے تو یہ درست ہو گا فقط واللہ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۹ شوال ۱۳۹۶ھ
الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۳۰ شوال ۱۳۹۶ھ

رمضان میں مغرب کی اذان کے بعد کتنا وقفہ ہونا چاہیے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ رمضان المبارک میں مغرب کے وقت ایک یا دو عدد کھجور سے روزہ افطار کر کے فوراً نماز ادا کرنی چاہیے۔ یا کچھ حسب خواہش مناسب کھانے پینے سے فراغت کر کے نماز پڑھنی چاہیے؟

﴿ج﴾

زیادہ تاخیر سے احتراز کیا جاوے۔ البتہ اتنی تاخیر کرنے میں حرج نہیں۔ کہ چند منٹ میں لوگ افطار کر لیں اور جماعت میں شریک ہو سکیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ ۱۱ شعبان ۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

اعتکاف کے مسائل

اعتکاف میں بیٹھتے وقت نماز جنازہ پڑھانے کی نیت کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھنے لگا تو یہ نیت کر کے بیٹھا کہ اگر فلاں شخص کی موت واقع ہو گئی تو نماز جنازہ میں خود پڑھاؤں گا۔ چنانچہ وہ شخص فوت ہو گیا۔ اور زید نے نماز جنازہ پڑھائی اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس صورت میں زید کے اعتکاف میں تو کوئی فرق نہیں آتا۔

﴿ج﴾

شخص مذکور نے اگر اعتکاف بیٹھتے وقت یہ شرط کر لی تھی کہ میں جنازہ کی نماز پڑھنے یا پڑھانے کے لیے باہر جاؤں گا تو پھر نماز جنازہ کے لیے باہر جانے سے اعتکاف پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ کما فی الشامیة. ج ۲/ص ۱۴۶ لو شرط وقت النذر ان یخرج لعیادة مریض وصلوة جنازة الی ان قال. جاز ذلک فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۸ شوال ۱۳۹۶ھ

بیمار شخص کا بغیر روزہ کے اعتکاف میں بیٹھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک شخص چار پانچ روزے رکھ کر بیمار ہو جاتا ہے۔ اگر وہ شخص اعتکاف میں بیٹھنا چاہے۔ اور درمیان میں مجبوری کے تحت روزہ نہ رکھ سکے۔ کیا اس کا اعتکاف صحیح ہے یا نہیں۔ تحریر فرماویں۔

﴿ج﴾

اعتکاف مسنون کے لیے روزہ شرط ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر سائل نے بیماری کے سبب بغیر روزہ کے اعتکاف کیا۔ تو اعتکاف مسنون کا ثواب نہ ملے گا۔ بلکہ اس کا یہ اعتکاف نفل ہو جائے گا۔ قلت و مقتضی ذلک ان الصوم شرط ایضا فی الاعتکاف المسنون لانه مقدر بالعشر الاخیر حتی لو

اعتکفه بلا صوم لمرض او سفر ینبغی ان لا یصح عنه بل یکون نفلا الخ

(شامی۔ ج ۲/ص ۱۴۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ محمد طاہر رحیمی عفی عنہ استاذ القرآن والحدیث مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۴ار مضان ۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۴رمضان ۱۳۹۵ھ

فجر اور عصر میں نفل کی نیت سے جماعت میں شریک ہونا

اعتکاف کرنے والے کا نماز جمعہ کے لیے باہر جانا

فنانس کمپنی میں ملازمت کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی فجر اور عصر کی نماز با جماعت ادا کرتا ہے بعد میں وہ ایک اور مسجد میں جاتا ہے وہاں پر جماعت تیار ہوتی ہے۔ آیا وہ آدمی نفل نماز کی نیت کے ساتھ نماز ادا کرسکتا ہے یا نہیں

۲۔ایک آدمی اپنے محلے کی چھوٹی مسجد میں اعتکاف کرتا ہے۔ جہاں پر جمعہ کی نماز نہیں ہوتی۔ اب وہ آدمی جمعہ پڑھنے کے لیے جامع مسجد میں جاتا ہے۔ راستے میں کوئی آدمی سلام کرتا ہے۔ آیا جواب دے یا نہ دے۔ پھر وہ جس مسجد میں جاتا ہے وہاں پر اعتکاف میں بیٹھا ہوا آدمی یا کوئی اور آدمی اس سے بات چیت کرسکتا ہے یا نہیں؟

۳۔ آجکل ملک میں فنانس کمپنیاں بہت کھل رہی ہیں۔ آیا ان کی ملازمت جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

ا۔ فجر اور عصر کے فرض پڑھنے کے بعد نوافل درست نہیں اس لیے دوسری جماعت کے ساتھ نفل نہ پڑھے۔

۲۔ معتکف کے لیے راستہ میں جاتے ہوئے سلام کا جواب دینا اور دوسری مسجد میں معتکف یا غیر معتکف سے بات چیت کرنا جائز ہے۔

۳۔ جس کمپنی کے کاروبار کے بارہ میں آپ سوال کررہے ہیں اس کے کاروبار کا مکمل طریقہ کار اصول و ضوابط، شرائط وغیرہ ہمیں ارسال کردیں- انشاء اللہ جواب دے دیا جائے گا- چونکہ کمپنی کے شرائط وقواعد وغیرہ معلوم نہیں اس لیے جواب سے معذور سمجھیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲ ذوالقعدہ ۱۳۹۹ھ

جس اعتکاف کی نظر مانی گئی ہو اسے کب ادا کیا جائے؟

مدرسہ قاسم العلوم کی لائبریری میں کتابیں کتنی زبانوں میں ہیں؟

﴿س﴾

سلام مسنون براہ کرم مندرجہ ذیل دو سوالات کے جوابات تحریر فرمادیں' (۱) کیا قاسم العلوم کی لائبریری اور دار الافتاء بھی ہے۔ لائبریری میں یعنی کتب خانے میں کس کس زبان میں کتابیں کتنی تعداد میں ہوں گی۔ (۲) میں نے اعتکاف منت مانا تھا تو اعتکاف مجھ پر واجب ہوگیا ہے۔ لیکن رمضان المبارک میں نہیں بیٹھ سکا اب چاہتا ہوں کہ کسی اچھے موسم میں بیٹھ جاؤں یہاں کے بعض علماء نے اجازت دی ہے۔ بعض کہتے ہیں' کہ رمضان میں ہی بیٹھنا چاہیے۔ مجھے سہولت جو لگتی ہے وہ یہ کہ کسی اچھے خوشگوار موسم میں اعتکاف بیٹھوں' براہ کرم آپ اپنی قیمتی رائے سے آگاہ کریں۔ جواب کا انتظار کروں گا۔

﴿ج﴾

باسمہ سبحانہ ہو المصوب

محترم میر صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپکے دونوں سوالوں کے جوابات درج ذیل ہیں۔ (۱) آپ چونکہ اعتکاف کی منت مان چکے ہیں اور رمضان شریف میں اعتکاف کے لیے نہیں بیٹھے تو اب آپ جس مہینے موسم میں چاہیں اعتکاف کے لیے مسجد میں روزہ کے ساتھ بیٹھ سکتے ہیں۔ روزہ رکھنا ساتھ ضروری ہوگا اور اس اعتکاف منذور کی قضا بھی ضروری ہے۔ باقی موسم میں اختیار ہے۔ کما قال فی الدر المختار و شرط الصوم صحة الاول اتفاقا فقط علی المذهب وایضا قال فیه وان لم یعتکف رمضان المعین قضی شهراً غیره بصوم مقصود الخ والله تعالی اعلم وعلمه اتم واحکم ج ۲ /ص ۱۴۱، ۱۴۲ ۔ (۲) مدرسہ قاسم العلوم کے اندر لائبریری بھی ہے اور دار الافتاء بھی جس کے اندر مختلف علوم وفنون کی بیش بہا اور ہزاروں کی تعداد میں کتابیں موجود ہیں۔ ان میں زیادہ تر عربی زبان میں ہیں اور کچھ کچھ فارسی اور اردو زبان میں بھی ہیں۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ دار الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۵ شوال ۱۳۸۳ھ

ریڈیو کی خبر کی بنیاد پر لوگوں کو روزہ توڑنے پر آمادہ کرنا جائز نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید خطیب نے اول حکم یہ دیا کہ تمیں رمضان کا روزہ رکھا جائے۔ کیونکہ مطلع بالکل صاف ہے۔ ریڈیو کا کچھ اعتبار نہیں۔ مگر بوقت سماعت خبر ثانی حکم یہ دیا کہ روزہ توڑا جائے اور عید منائی جائے۔ دونوں حکموں پر عمل درآمد ہوا۔ اب جبکہ صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان غم علیکم الهلال فاکملوا عدة شعبان ثلثین یوماً نص شرعی موجودہ کو توڑا جائے تو کیا ردالنصوص کفر کے تحت عملاً یہ مشکل درجہ نہیں ہے۔ تو مسئلہ عزل کا متحقق ہوا۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح رہے کہ اگر جماعت علماء مجاز کے سامنے تحت احکام شرع ہلال صوم یا فطر ثابت ہو جائے۔ اور اس کا اعلان ریڈیو میں حاکم مجاز کی طرف سے ہو۔ تو اس کی حدود ولایت میں سب کو اس پر عمل کرنا لازم ہوگا۔ لیکن چونکہ حکومت نے آج تک رؤیت ہلال کمیٹی میں علماء کو نہیں رکھا ہے۔ لہٰذا آج کل ریڈیو کے اعلان کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ خطیب صاحب موصوف کا روزہ توڑنے کا حکم دینا ریڈیو کے اعلان کی بنا پر سراسر غلط ہے۔ غالباً خطیب صاحب موصوف نے موجودہ رؤیت ہلال کمیٹی کے متعلق صحیح معلومات نہ رکھنے کی بنا پر اس کے فیصلہ پر اعتماد کرتے ہوئے روزہ توڑنے کا حکم دیا ہوگا۔ لہٰذا اس غلط فہمی کی وجہ سے اس کا یہ حکم دینا ردالنصوص کے تحت نہیں آئیگا۔ ظنوا المؤمنین خیراً۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۶ شوال ۱۳۸۶ھ۔
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

کیا یہ ضابطہ ٹھیک ہے کہ دو مہینے پے درپے ۲۹ کے نہیں ہوتے؟ (مفصّل بحث)

﴿س﴾

استفتاء بخدمت مکرم برادران اسلام واہل ایمان وصاحب علم واتقان سلکم الرحمٰن۔ بعد سلام عرض یہ ہے کہ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات امہات المؤمنین سے ایک ماہ کے لیے عذلت فرمائی۔ صحابہ نے عرض کی کہ مہینہ ابھی ختم نہیں ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے اور تمیں دن کا بھی۔ اساتذہ حدیث شریف کو علم ہے کہ کوئی دو قمری ماہ پے درپے تمیں تمیں اور متصل انتیس انتیس یوم کے نہیں

ہوتے۔ اس لیے عام قمری سنہ ۳۵۴ دن کا ہوتا ہے اب حدیث معراج اور آیت کریمہ فرضیت صیام ماہ رمضان کی طرف توجہ مبذول فرما کر لازم وفرض ہے کہ ماہ رمضان لازماً وحتماً تمیں دن کا ہو۔ پس ہر قمری ماہ کی تعداد ایام تفصیل ذیل ہے۔ محرم الحرام ۳۰ یوم۔ صفر المظفر ۲۹ یوم۔ ربیع الاول ۳۰ یوم۔ ربیع الآخر ۲۹ یوم۔ جمادی الاولی ۳۰ یوم۔ جمادی الاخری ۲۹ یوم۔ رجب ۳۰ یوم۔ شعبان المعظم ۲۹ یوم۔ رمضان المبارک ۳۰ یوم۔ شوال ۲۹ یوم۔ ذیقعدہ ۳۰ یوم۔ ذوالحجہ ۲۹ یوم۔ عام قمری سنہ ۳۵۴ یوم اور ہمیشہ اسی طرح رہا اور رہے گا تا قیام قیامت۔ اہل باطل نے مہینوں سالوں کے دن مقرر معین کیے ہوئے ہیں اور صحیح اور مکمل دین حق کے پیروکار اس میں ٹانک ٹولے رہے ہیں۔ یکم اکتوبر ۱۹۵۴ء کا نوائے وقت میرے نظر سے گذرا درج ہے کہ یوم جمعہ ۲ صفر المظفر ۱۳۷۴ھ ۱۵ سورج ۲۰۱۱ میرے قیاس اور حساب میں جمعہ کو ۴ صفر تھی کیونکہ گذشتہ عیدالفطر بروز بدھ تھی اس لیے منگل کو یکم صفر اور منگل کو ۲۴ صفر تھی بدھ کو یکم ربیع الاول نہ کہ آخری چہارشنبہ ماہ صفر یا یوم چوری ۲۳ ماہ صفر کو آخری چہارشنبہ یوم چوری تھا ماہ صفر ۲۹ دن کا ہوتا ہے ۲۷ صفر ماہ اکتوبر یوم صفر با یوم چوری نہیں ہے۔ ۲۰ اکتوبر کو یوم چوری تھا تمام مسلمانوں نے یکم ربیع الاول کو یوم چوری منایا یعنی سات دن بعد یوم چوری منایا گیا۔ بہ بین تفاوت راہ از کجا تا بہ کجاست فاعتبروا یا اولی الابصار۔

﴿ج﴾

دین اسلام ایک عمومی دین ہے۔ ہر شہری' دیہاتی' خواندہ' ناخواندہ سب سے اس کے احکام کی اتباع مطلوب ہے۔ اس لیے اس کے احکام بھی عمومی عام فہم ہونے چاہئیں۔ شمسی سال میں تبدیل شہور پر کوئی ظاہری علامت قائم نہیں۔ جیسا کہ قمری شہور کے اول میں ہلال بہ بانگ دہل اعلان کر دیتا ہے کہ مہینہ بدل گیا اس حکمت سے نیز بہت سی حکمتوں سے...... جن کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ اسلام نے قمری شہور کو اپنایا اور رؤیت ہلال کو تبدل شہور کا مدار ٹھہرایا اور مشاہدہ ومحسوس ہے کہ قوی شہور میں تعین ایام نہیں ہوتا بلکہ کسی سال ایک مہینہ ۳۰ کا ہے تو وہی مہینہ دوسرے سال انتیس کا ہوتا ہے۔ علم ہیت کے قواعد بھی تعین کے خلاف ہیں۔ کما لا یخفی علی اهل هذا العلم نیز یقین شہور کہ خاص فلاں مہینہ ضرور تا قیامت ۳۰ کا ہوگا۔ اور فلاں ۲۹ کا ہوگا کما زعم ہذا القائل احادیث کے بالکل خلاف ہے۔ مثلاً۔ صوموا لرویتہ وافطروا لرؤیتہ فان غمی علیکم الشهر فعدوا ثلثین (رواہ مسلم) صوم کو جس رؤیت پر موقوف کر دیا ہے۔ وہ شعبان کی غایت ہوگی۔ اگر شعبان بقول ہذا القائل ہمیشہ ۲۹ کا ہوتا۔ تو ۲۹ یوم کے بعد اگر رؤیت نہ بھی ہو تب بھی صوم فرض ہوگا۔ اور یہ

حدیث کے جزو اول (صوموا الرؤیته) کے برخلاف ہے۔ نیز جزو آخر کے بھی خلاف ہے (فعدوا ثلثین) اور فطر میں اگر رؤیت ۲۹ رمضان کے بعد ہوگئی اور رؤیت محقق ہوگئی۔ حتیٰ کہ خود اس قائل نے بھی دیکھ لیا۔ تب بھی علی قول القائل فطر کا ثبوت نہ ہوگا اور یہ افطروا الرؤیته کے مخالف ہے۔ نیز فعدوا ثلثین میں فان غمی علیکم کی شرط لغو ہوگی والعیاذ باللہ۔ نمبر۲۔ شهرا عيد لا ينقصان رمضان و ذوالحجه (رواہ مسلم) تفسیر حدیث میں اگرچہ بہت سے اقوال ہیں ایک یہ ہے۔ لا ينقصان معافى سنة واحدة على طريق الا كثر والا غلب قال الحافظ ابن حجرؒ و هذا اعدل مما تقدم لانه ربما وجد وقوعهما وقوع كل منهما لتسعة وعشرين معلوم ہوا ہے کہ رمضان وذوالحجہ میں سے اکثر لاعلی التعیین ایک ۳۰ کا ہوتا ہے اور اگر متعین ہوتا کہ رمضان ہمیشہ ۳۰ کا ہوتا ہے اور ذوالحجہ ۲۹ کا کما زعم القائل تو قطعی طور پر فرماتے ذوالحجہ لاتنقص صیغۂ تثنیہ کی کیا ضرورت تھی۔ (۳) انا امة امية لا نكتب نحسب الشهر هكذا وهكذا وهكذا وعقد الابهام فى الثالثة وهكذا وهكذا وهكذا يعنى تمام الثلثين (رواہ مسلم) اگر مدت العمر کے لیے ۲۹، ۳۰ کے لیے خاص خاص شہور متعین ہوئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہور کو دو کھلی اقسام میں منقسم کر کے قصداً امت پر خلط کر دیا (العیاذ باللہ) آخر کیوں آپ نے چھ شہور کو ۳۰ کے لیے اور چھ شہور کو ۲۹ کے لیے۔ نامزد نہ کر دیا کیا لانکتب ولانحسب کے معنی یہ ہیں۔ کہ صحابہؓ اور امت کے ذہن اور قوت ضبط اس کی متحمل نہیں ہے۔ ۲۹ کے چھ شہور کو ۳۰ کے شہور سے تمیز کر سکیں نعوذ باللہ۔ ان کے علاوہ بہت سی احادیث سے یہ قول متصادم ہو رہا ہے۔ وبما ذکرنا کفایۃ۔ نیز یہ قول کرنا اجماع امت کے بھی خلاف ہے۔ امت کے ارباب حل وعقد علماء و مذاہب اربعہ سب کے متفق علیہ عقیدہ کے بھی یہ خلاف ہے فقہ مذاہب اربعہ کی کتب مدوّنہ سے شہادت ہلال کا باب ہی حذف کر دینا چاہیے۔ اخبار وشہادت کا فرق محو وغیم کا فرق صوم وفطر کا فرق یہ سب ابحاث لغو ہو جائیں گی لہٰذا یہ قول باطل ہے اس قابل نہیں کہ اس کی تردید کی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ

روزہ کن چیزوں سے ٹوٹتا ہے اور کن چیزوں سے نہیں ٹوٹتا؟
کیا عام ٹیکہ اور رگ والے ٹیکہ میں کچھ فرق ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ رمضان المبارک میں روزہ داروں کا ٹیکہ لگانے سے روزہ ٹوٹ

جاتا ہے۔ کہ نہیں اور اگر رگ کے ٹیکہ اور گوشت کے ٹیکہ میں کوئی فرق ہو تو بھی ما بہ الفرق کو واضح فرمایا جاوے۔ تا کہ پوچھے جانے والوں اور شک کرنے والوں کو ہدایت ہو جاوے۔

﴿ج﴾

ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے میں نیز تجربے سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے۔ اور خون کے ساتھ شرائین میں اس کا سریان ہوتا ہے۔ جوف دماغ یا جوف بطن میں منفذ سے دوا نہیں پہنچتی۔ اور فساد صوم کے لیے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بطن میں منفذ سے پہنچنا ضروری ہے۔ مطلقاً کسی عضو کے جوف میں یا عروق کے جوف میں پہنچنا مفسد صوم نہیں۔ لہٰذا ٹیکے کے ذریعہ جو دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے۔ مفسد صوم نہیں۔ رگ کے ٹیکے اور گوشت کے ٹیکے میں کوئی فرق نہیں۔ والتفصیل فی امداد الفتاویٰ من شاء التفصیل فلیراجع ثمہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۰/۲/۱۳۹۱ھ

رمضان میں تہجد جماعت کے ساتھ پڑھنا؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ رمضان شریف میں تہجد کی نماز جماعت سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ اور رمضان شریف میں قیام اللیل میں تہجد کی نماز داخل ہے یا نہیں ہمارے یہاں کے علماء اس بارے میں دو فریق ہو گئے ہیں۔ ایک فریق کہتا ہے کہ رمضان شریف کے قیام اللیل میں تراویح کے سوا دوسری کوئی نماز داخل نہیں ہے۔ لہٰذا تہجد کی نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ اور بدعت ہے۔ اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ رمضان شریف کے قیام اللیل میں تراویح اور تہجد دونوں نمازیں داخل ہیں۔ لہٰذا رمضان شریف میں تہجد کی نماز جماعت سے پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بلکہ ثواب کی امید ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس بارے میں آپ کا ارشاد گرامی کیا ہے۔ بالتفصیل تحریر فرمائیے۔

﴿ج﴾

تہجد کی نماز صلاۃ تراویح سے علیحدہ ایک نماز ہے۔ تہجد کی نماز کو علی سبیل التداعی جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے۔ اور تراویح کو جماعت سے ادا کرنا مستحب ہے اس مسئلہ کو علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک

رسالہ الرأی النجیح فی عدد رکعات التراویح جو فتاوی رشیدیہ کامل کے ص ۳۰۴ تا ۳۲۳ پر مذکور ہے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جس کے کچھ مقتبسات علیٰ سبیل الاختصار ذکر کیے دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ (۱) کہ نماز تہجد و نماز تراویح ہر دو صلوٰۃ جدا گانہ ہیں کہ ہر دو کی تشریح اور احکام جدا ہیں کہ تہجد ابتداء اسلام میں تمام امت پر فرض ہوئی اور بعد ایک سال کے تہجد کی فرضیت منسوخ ہو کر تہجد تطوعاً رمضان و غیر رمضان میں جاری رہی۔ الی ان قال اور تراویح کا اس وقت میں کہیں وجود نہیں تھا۔ پھر بعد ہجرت کے جب صوم رمضان فرض ہوا تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور اس میں فرمایا جعل صیامہ فریضۃ وقیامہ تطوعاً الخ (۲) تہجد قرآن شریف سے ثابت ہے اور تراویح حدیث رسول سے (۳) تہجد کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز آخر شب میں ادا کرتے تھے اور تراویح کبھی ابتداء شب سے نصف شب تک اور کبھی ابتداء تا آخر شب ادا فرمایا۔

(۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کو ہمیشہ منفرداً پڑھتے تھے۔ کبھی بہ تداعی جماعت نہیں فرمائی اگر کوئی شخص آ کھڑا ہوتو مضائقہ نہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما خود ایک دفعہ آپ کے پیچھے جا کر کھڑے ہوئے تھے بخلاف تراویح کے کہ اس کو چند بار تداعی کے ساتھ جماعت کر کے ادا کیا نیز فتاوی دارالعلوم (عزیز الفتاوی)۔ ج ۴/ص ۳۶ میں ہے۔ اور جماعت سے ادا کرنا تہجد کا مکروہ ہے۔ اگر بتداعی ہو۔ درمختار میں ہے۔ ای یکرہ ذالک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحدۃ الخ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کی طرف نسبت کرنا جماعت تہجد کے جواز کی صحیح نہیں ہے۔ حضرت مولانا اس سے منع ہی فرماتے تھے وقال فی الدرالمختار (ولا یصلی الوترو) لا (التطوع بجماعۃ خارج رمضان) ای یکرہ ذالک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد کما فی الدر (ج ۱/ص ۵۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۷ رجب ۱۳۸۴ھ

جو شخص عشاء کو جماعت سے نہ پڑھے اس کا وتر جماعت سے پڑھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں۔

(۱) زید کہتا ہے کہ نماز جنازہ بعد از نماز عصر مکروہ ہے اور عمر کہتا ہے کہ مکروہ نہیں ہے۔ ان دونوں میں کون غلط ہے اور کون ٹھیک ہے اور زید جو مکروہ قرار دیتا ہے کیا اس کی کوئی دلیل مل سکتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(۲) اکرم نامی ایک شخص نے یہ کہہ دیا کہ اگر ایک شخص تراویح کی چار یا چھ یا دس یا زائد رکعات سے رہ جائے اور باقی امام کے ساتھ پڑھ لے بعد تراویح کے امام نے وتر کی نماز شروع کر دی اب اکرم کہتا ہے کہ وہ شخص وتر کی جماعت میں شریک نہ ہو اور تراویح پوری کرے اور اسلم نامی شخص کہتا ہے کہ وہ وتر کی جماعت میں شریک ہو ان دونوں میں کون ٹھیک کہتا ہے اور کون غلط کہتا ہے کس دلیل سے کہتا ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نماز عصر کے بعد احمرار شمس سے قبل نماز جنازہ بلا کراہت درست ہے۔ اگر چہ جنازہ قبل از نماز عصر حاضر ہوا ہو۔ اور احمرار شمس سے لیکر غروب آفتاب تک کے وقت میں نماز جنازہ ادا کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ جنازہ اس وقتِ مکروہ سے پہلے حاضر کیا گیا ہو۔ اور اگر اسی وقت میں حاضر ہوا ہو تو اسی وقتِ مکروہ کے اندر بھی نماز جنازہ ادا کرنا مکروہ نہیں۔ قال فی العالمگیریہ۔ ج ۱/ص ۵۳ ثلاث ساعات لا تجوز فیہا المکتوبۃ ولا صلوۃ الجنازۃ ولا سجدۃ التلاوۃ اذا طلعت الشمس حتی ترتفع وعند الانتصاف الی ان تزول وعند احمرارھا الی ان تغیب الا عصر یومہ ذلک فانہ یجوز اداہ عند الغروب . ھکذا فی فتاوی قاضیخان . وفیہا بعدا سطر ھذا اذا وجبت صلوۃ الجنازۃ وسجدۃ التلاوۃ فی وقت مباح واخرتا الی ھذا الوقت فانہ لایجوز قطعاً اما لو وجبتا فی ھذا الوقت وادیتا فیہ جاز لانہا ادیت ناقصۃ کما وجبت کذا فی السراج الوھاج وفیہا بعد اسطر . تسعۃ اوقات یکرہ فیہا النوافل وما فی معناھا لا الفرائض ھکذا فی النہایۃ والکفایۃ الی ان قال ومنہا ما بعد صلوۃ العصر قبل التغیر ھکذا فی النہایۃ والکفایۃ.

(۲) اگر تراویح ادا کر کے وتر کی جماعت میں شریک ہو سکتا ہے تب تو پہلے تراویح پڑھ لے ورنہ تراویح چھوڑ دے اور وتر کو جماعت کے ساتھ ادا کرے اور اس کے بعد تراویح پڑھے۔ قال فی العالمگیریہ. ج ۱/ص ۱۲۴ واذا فاتتہ ترویحۃ او ترویحتان فلو اشتغل بہا یفوتہ الوتر بالجماعۃ یشتغل بالوتر ثم یصلی ما فاتہ من التراویح وبہ کان یفتی الشیخ الامام الاستاذ ظہر الدین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۴ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ

شبینہ کے متعلق ایک مفصل فتویٰ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے گردونواح کے شہروں میں شبینہ ہوا کرتا ہے یعنی حفاظ کرام کو جمع کر کے ایک رات میں قرآن مجید کا ختم سنتے ہیں اور اس کو ثواب اور آخرت میں نجات کا ذریعہ جانتے ہیں۔(بے شک قرآن مجید کا سننا ہر مسلمان کے نزدیک نعمت ہے رحمت اور فضل خداوندی کا ذریعہ ہے اس کا کون انکار کرسکتا ہے) مگر اس میں چند چیزیں پیدا ہوچکی ہیں۔(۱) اب تو ایک نے دعوت کی۔دوسرے نے اس سے بڑھ چڑھ کر دعوت کو ملمع کیا۔رونق افزوں کی ظاہراً تفاخر اور شہرت کا مبنی معلوم ہوتا ہے۔ممکن ہے کہ اخلاص بھی ہو۔(۲) ہر حافظ یہ چاہتا ہے کہ میرا نام بالا ہو۔میں آگے نکلوں۔جس کی علامت یہ ہے کہ اگر کسی کو کوئی لفظ قرأت کے دوران اٹک گیا اس پر ہزار ملامت استہزا طعن ہر طرف سے آنے لگا وہ شرمسار ہی ہوتا گیا۔(۳) کہ حافظ لوگ تمام رکعتوں میں امام کے پیچھے نہیں رہتے۔بلکہ فارغ از نماز بیٹھے رہتے ہیں۔بات چیت آہستہ یا ذرا بلندی سے کرتے رہتے ہیں۔جب حافظ کو قرأت اٹک گئی فوری اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ کر اس آیت کو دوبارہ پڑھوایا اور بتلایا۔پھر نماز توڑ کر بیٹھ گئے۔نماز کی نیت باندھنا اللہ اکبر کہنا بتلانا پھر توڑنا نفل کا بغیر عذر یہ سب کچھ کرتے ہیں پھر اس باطل کردہ نفل کو ممکن ہے کہ کبھی قضا کرتے ہونگے۔نمبر۴۔اور کبھی امام لاؤڈ سپیکر رکھتے ہیں دور دور تک آواز جاتی ہے شہر والے اور دیہاتی اپنے اپنے کام میں ہوتے ہیں۔بات چیت میں لڑنے جھگڑنے میں کوئی کان دھرتا بھی ہوگا سننے کے لیے اور اس پہنچنے کی حالت میں تمام رات میں کوئی فحش بات بھی کرتا ہوگا اور کوئی اپنی بیوی کے ساتھ مجامعت بھی کرتا ہوگا۔وغیر ذلک (۵) ان حفاظ کو کبھی کوئی عطیہ وانعام بھی دیا جاتا ہے اور کسی جگہ نہ دینے والا مطعون بخیل کہلایا جاتا ہے وغیر ذلک۔

اب عرض یہ ہے کہ کیا یہ شبینہ اگر مذکورہ اغلاط سے خالی ہو اور محض اخلاص پر مدار ہو تو جائز ہے یا نہ اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ سے یا قول ضعیف کتب فقہ حنفی سے منقول ہے۔یا نہ یہ عمل بدعت تو نہیں ہے۔(۲) اور ان اغلاط مکتوبہ کے ہونے کے باوجود بھی ثواب اور جزاء آخرت کی امید رکھنی چاہیے یا نہ (۳) لاؤڈ سپیکر پر پڑھنے کی صورت میں مسجد یا صحن والوں کو سننا کلام مجید کا واجب ہے۔یا سب حاضرین مجلس اور غائب اور دور قریب والوں پر سننا واجب ہوگا۔اگر سب پر واجب ہے تو کیا یہ سارے کے سارے گناہ گار ہوں گے قرآن پڑھنے کی آوازیں آتی رہنے کے باوجود باتیں اور جماع وغیرہ کر سکتے ہیں یا نہ۔نمبر۴۔کیا اس طور پر نفل کی نیت باندھنا اور توڑنا جائز ہے۔یا نہ۔کتاب وسنت سے مسئلہ کا حل فرمادیں۔

﴿ج﴾

شبینہ مروجہ اگر مفاسد سے خالی ہو۔تو جائز ہے۔نفس شبینہ کی ممانعت نہیں۔مشکوۃ المصابیح کی اس روایت سے ممانعت ثابت کرنا شُراح حدیث کی تشریح کے پیش نظر مشکل ہے۔وہ حدیث یہ ہے عن عبداللہ بن عمرو ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لم يفقه من قرأ القرآن فى اقل من ثلاث . رواه الترمذى و ابوداؤد و الدارمى اس حدیث کے ذیل میں شراح کی طرف سے جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ ظاهره المنع من ختم القران فى اقل من هذه المدة ولكنهم قالوا قد اختلف عادات السلف فى مدة الختم فمنهم من كان فى كل شهرين ختم و اخرون فى كل شهر وفى كل عشر و اسبوع الى اربع. وكثيرون فى ثلاث وكثيرون فى يوم و ليلة وجماعة ثلاث ختمات فى يوم وليلة وختم بعض ثمانى ختمات فى يوم وليلة والمختار انه يكره التاخير الختمة اكثر من اربعين يوماً وكذا التعجيل من ثلاثة ايام. والاولى ان يختم فى الاسبوع والحق ان يختلف باختلاف الاشخاص . حاصل یہ ہے کہ عادت سلف کی ختم قرآن میں مختلف ہوئی ہے۔حتیٰ کہ بعض بزرگوں نے شب و روز میں تین ختم کیے اور بعض نے آٹھ ختم کیے۔پس مطلقاً تین روز سے کم میں ختم کو مکروہ کہنا نامناسب ہے۔غرضیکہ علت ممانعت عدم تدبر فی القرآن ہے۔اور جب ایسا صاف پڑھا جائے کہ تفقہ وتدبر ممکن ہو تو ممنوع نہیں جب کہ بعض سلف کی عادت تحریر ہوچکی۔اور یہ جرأت نہیں ہوسکتی کہ سلف کے فعل کو مکروہ کہا جائے البتہ شبینہ مروجہ میں بہت سے مفاسد ہیں کچھ مفاسد تو استفتاء میں درج ہیں۔ان کے علاوہ بھی مفاسد مشاہدہ میں آتے ہیں۔مثلاً تراویح پڑھنے کے بعد نفل کی جماعت مجمع کثیر کے ساتھ ہوتی ہے۔اور اس میں شبینہ پڑھا جاتا ہے۔اور فقہاء کی تصریح ہے کہ نفل کی جماعت مجمع کثیر کے ساتھ مکروہ ہے اور اگر تراویح میں پڑھا جاتا ہے۔تو ایک دوسری کراہت لازم آتی ہے۔یعنی تخفیف صلوٰۃ کا حکم ہے اس کی مخالفت یقینی ہوگی۔علاوہ ازیں جلدی کی وجہ سے امام کا تجوید کے اصول وضوابط کا لحاظ نہ رکھنا حالانکہ فقہاء نے اس قسم کی جلدی کرنے کو مکروہ کہا ہے اور ان لوگوں کی عادت قرار دیا ہے جن کے دل خوف وخشیتِ الٰہی سے خالی ہیں۔طحطاوی حواشی مراقی الفلاح میں ہے۔ ويحذر من الندامة وترك الترتيل وترك تعديل الاركان وغيرها . كما يفعله من لا خشية له ص۲۴۹ درمختار اور کبیری شرح منیہ میں بعینہ یہی الفاظ ہیں۔پھر اس قسم کے شبینوں سے اکثر فخر ونمود کا قصد ہوتا ہے اور کہیں عوض مالی کی امید اور سامعین کا

اکثر استماع قرآن کے آداب کو ضائع کرنا اور جماعت کا کسل مند ہونا اور ضرورت سے زیادہ روشنی وغیرہ تکلف کرنا۔ ومثل ذلک۔

اور بنظر انصاف مشاہدہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مفاسد غالب ہیں۔ جو کہ مثل لازم کے ہوگئے ہیں۔ لہٰذا منع کرنا ہی احوط ہے۔ اور اس پر فتویٰ دینا چاہیے۔ وفی الدر المختار ص ۵۷۷/ج ا فی بحث سجدة الشکر لان الجھلة یعتقدونھا سنة او واجبة فکل مباح یؤدی الیه فمکروہ فی ردالمحتار تحت قول صاحب الدر صلوة الرغائب فلوترک امثال ھذہ الصلوات تارک لیعلم الناس انه لیس من الشعائر فحسن الخ ۔ جہاں تک کہ احقر کی ناقص معلومات کا تعلق ہے۔ مشہور فتاویٰ میں شبینہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ (۱) اور نہ ائمہ کبار سے اس کے متعلق کوئی قول منقول ہے۔ لیکن اس ذکر نہ ہونے سے اس کو بدعت نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اس کی اصل موجود ہے۔ اور جس امر کی اصل موجود ہو بدعت نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے مدار ممانعت شبینہ کا اس امر پر نہ رکھا جائے بلکہ ان عوارض ومفاسد پر رکھا جائے جو سابق میں ذکر ہوئے۔ فی الدر المختار مکروھات الصلوة و ترکھا ای قلب الحصی اولی. فی رد المحتار لانه اذا تردد الحکم بین سنة وبدعة کان ترک السنة راجحا علے فعل البدعة ج ا /۳۷۵ (۲) مذکورہ بالا مفاسد کے ہوتے ہوئے ثواب اور جزاء آخرت کی امید نہیں کی جا سکتی۔ (۳) جو لوگ مسجد یا صحن مسجد میں جمع ہیں۔ اور وہ قرآن سننے کے لیے جمع ہیں۔ ان پر ضروری ہے کہ قرآن کے سننے کے آداب کو ملحوظ رکھیں اور جو لوگ قرآن سننے کے لیے جمع نہیں ہوتے ہیں بلکہ اپنے گھروں پر ہیں اور قرآن سننے کا ارادہ نہیں ہے۔ اور ان کو زبردستی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے سنایا جائے اور وہ آداب قرآن کو ملحوظ نہ رکھیں تو اس کا گناہ سننے والوں پر نہیں ہوگا بلکہ سنانے والوں پر ہوگا۔ قال فی الخلاصة رجل یکتب القصة وبجنبه یقرأ القران فلا یمکنه استماع القران فلا اثم علی القاری وعلی ھذا لو قرأ علی السطح فی اللیل جھرا والناس ینام اثم نفسه . روح المعانی تحت قول اللہ عزوجل واذا قرئ القران فاستمعوا له وانصتوا . روح المعانی ج۹/ص۱۵۳ (۴) نفل کی نیت باندھنے سے اس کا اتمام ضروری ہوتا ہے۔ اور اس کو توڑ لیا جائے تو اس کی قضا ضروری ہے۔ کمافی عامة کتب الفقه فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

احقر ولی حسن عفی عنہ مفتی مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶/۴/۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم خیر المدارس ملتان ۱۶/۴/۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶/۴/۱۳۸۵ھ

سورہ اخلاص کو مکرر پڑھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں (۱) بعض حفاظ کرام نماز تراویح میں قرآن مجید پڑھتے ہوئے آخر دنوں میں بار بار سورہ اخلاص پڑھ کر والناس تک دو رکعتیں آخری کر دیتے ہیں۔

(۲) اور بعض دو آخری رکعتوں میں اول بغیر تکرار سورہ اخلاص والناس تک پڑھتے ہیں۔ پھر دوسری رکعت ھم المفلحون تک ختم کر دیتے ہیں۔ (۳) اور بعض بغیر تکرار سورہ اخلاص والناس تک پڑھتے ہیں۔ دو رکعتوں میں والناس تک ختم کر دیتے ہیں۔ ان میں سے کونسی صورت شریعت کے مطابق ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

ختم کرنے کے ساتھ دوبارہ قرآن مجید شروع کیا جاوے اس لیے صورت مسئولہ میں درمیان والی صورت ان دوسری دو صورتوں سے بہتر ہے۔ اور آج کل چونکہ تکرار سورہ اخلاص کا التزام حفاظ حضرات کراتے ہیں۔ تو بدعت بن جانے کے خطرہ سے ایک دفعہ سورہ اخلاص پڑھنی چاہیے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ عربیہ قاسم العلوم ملتان شہر ۲۲/۹/۱۳۸۵ھ

ایک ہی رات میں لاؤڈ اسپیکر پر شبینہ میں قرآن مجید پورا پڑھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ آجکل جو حفاظ کرام نے شبینہ شروع کر رکھا ہے۔ کرسی پر بیٹھ کر ایک ہی رات میں لاؤڈ اسپیکر میں قرآن مجید ختم کرتے ہیں۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہ۔ اگر جائز نہیں۔ تو جو حافظ اس کو ضروری سمجھے اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے۔ اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے ویسے شبینہ صحیح کس طرح پڑھا جائے۔ لاؤڈ اسپیکر میں پڑھنا ٹھیک ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

زمانہ سلف صالحین میں اس طرح شبینہ کا کوئی ثبوت نہیں اس لیے اس طرح شبینہ کو ترک کر دینا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳ ذوالقعدہ ۱۳۹۹ھ

سحری کے وقت زبان سے روزہ کی نیت کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ماہ رمضان میں سحری کھانے کے بعد زبان سے نیت کرنے میں روزہ کی صحت وعدم صحت کا دارومدار ہے یا نہ۔ یا صرف سحری کھانا کافی ہے؟

﴿ج﴾

رمضان شریف میں سحری کھانے سے نیت روزہ ہوگئی۔ زبان سے الگ نیت کرنے کی حاجت نہیں۔ البتہ اگر سحری کھانے کے بعد بھی اس کی نیت یہ ہو کہ کل روزہ نہیں رکھوں گا۔ تو ایسی صورت میں دن کو روزہ توڑنے سے کفارہ لازم نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳ محرم ۱۳۹۹ھ

امام کا شبینہ کے لیے تراویح کی کچھ رکعات چھوڑنے کا حکم؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ شریعت میں شبینہ کی کیا اصل ہے جبکہ حافظ صاحب قرآن پاک پڑھ رہے ہیں اور کچھ لوگ حافظ کے پیچھے نیت باندھ کر کھڑے ہوگئے اور کچھ مسجد ہی میں سوتے رہتے ہیں۔ کچھ باتیں کر رہے ہوتے ہیں کچھ بیٹھے ہیں اور مسجد سے باہر والے لوگ بھی حقہ وغیرہ پینے میں مشغول ہیں اور حافظ صاحب اسپیکر پر قرآن پڑھ رہے ہیں تو اس صورت میں فرمائیے کہ شبینہ کرنا اور کرانا جائز ہے کہ نہیں۔ نمبر ۲۔ حافظ صاحب نے نفل کی جماعت مکروہ ہونے کی وجہ سے دو یا چار تراویح چھوڑ دی کہ ان بقایا تراویح میں شبینہ کے سیپارے پڑھے تو اب امام صاحب تراویح ہی کی نیت کرے اور مقتدی نوافل کی نیت کریں تو نماز ہوتی ہے یا نہیں۔ برائے مہربانی جواب جلدی سے روانہ فرمائیں۔ محمد عنایت اللہ حیدر آبادی۔

﴿ج﴾

قرآن پاک کو ایسی جلدی پڑھنا کہ حروف سمجھ میں نہ آویں اور مخارج سے ادا نہ ہوں ناجائز ہے پس اگر شبینہ میں ایسی جلدی ہو اور لوگ مسجد میں باتوں میں مشغول ہوں سننے کی طرف توجہ نہ دیں اور اس میں رسومات کا ارتکاب ہو درست نہیں اگر مقتدی تراویح پڑھ چکے ہیں اور اب امام کے پیچھے نفل پڑھ رہے ہیں۔ تو اب بھی

جماعت نفل کی ہے۔ نماز اگرچہ صحیح ہے لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ مقتدی بھی امام کے پیچھے تراویح پڑھیں اور تراویح میں ختم قرآن کریں لیکن ایسی جلدی سے قرآن نہ پڑھیں کہ سمجھ میں نہ آئے اور مخارج سے ادا نہ ہو۔ بہر حال شبینہ سے احتراز ہی بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۹ شوال ۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۱۹ شوال ۱۳۹۵ھ

مُروّجہ شبینہ سے احتراز لازم ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک امام مسجد میں وہ شبینے قرآن پاک کے پڑھتا ہے لوگ اس کے اوپر اعتراض کرتے ہیں کہ بدعت کرتا ہے اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی وہ امام دیوبندی جماعت کا آدمی ہے اور عقیدۃً ٹھیک مسلمان ہے اور کہتا ہے کہ قرآن پاک خوب یاد رہے اس لیے پڑھتا ہوں۔ باقی لوگ شبینہ پڑھانے والے منت مانتے ہیں کہ لڑکا ہوگیا تو شبینہ پڑھاؤں گا میرا فلانا کام ہوگیا میں شبینہ پڑھاؤں گا۔ آپ فتویٰ دیویں کہ ہم اس امام کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں۔

﴿ج﴾

قرآن مجید کو ایسی جلدی کے ساتھ پڑھنا کہ حروف سمجھ میں نہ آویں اور مخارج سے ادا نہ ہو جائز نہیں اگر شبینہ میں بھی اسی طرح جلدی پڑھتے ہیں تو یہ درست نہیں شبینہ کی صورت میں نفلی جماعت کا اہتمام کرنا درست نہیں قرآن پاک یاد کرنے کے لیے شبینہ ضروری نہیں ہے۔ امام مسجد خود گھر میں نوافل کے اندر پڑھ سکتا ہے۔ آجکل شبینہ کو ایک رسم لوگوں نے بنالیا ہے۔ اور حافظوں کو کچھ پیسے مل جاتے ہیں لوگوں کو دکھاوے کے لیے اگر یہ طریقہ اختیار کیا جاوے تو اس میں کچھ ثواب نہیں۔ لہٰذا اس سے احتراز ہی بہتر ہے اس لیے کہ قرآن مجید پڑھنے کا حق ادا نہیں کیا جاتا وہاں موجود لوگ باتوں میں مصروف ہوتے ہیں مسجد میں بچوں کا شور ہوتا ہے۔ حالانکہ قرآن پاک کا سننا لازم ہے۔ اور مخارج سے ادا کرنا ضروری ہے۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۱ شوال ۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۱ شوال ۱۳۹۵ھ

یا مُجیرُ کے بعد'' صلوات برمحمدؐ '' کے الفاظ کہنا

﴿س﴾

تین شخصوں کے درمیان تسبیح تراویح میں یا مجیر یا مجیر کے بعد صلوٰۃ برمحمد پڑھنے پر بہت بھاری اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔

نمبر ا۔ ایک شخص کہتا ہے کہ یا مجیر یا مجیر کے بعد بلند آواز سے صلوٰۃ برمحمد پڑھنا بالکل ٹھیک ہے یہ بھی درود شریف ہے۔ نمبر ۲۔ دوسرا کہتا ہے کہ یا مجیر یا مجیر کے بعد صلوٰۃ برمحمد پڑھنا درود شریف نہیں ہے۔ بلکہ صلوٰۃ برمحمد پڑھنے کا ہی کوئی فائدہ نہیں۔ درود شریف پڑھنا بہتر اور افضل ہے۔ نمبر ۳۔ تیسرا کہتا ہے کہ یا مجیر یا مجیر کے بعد صلوٰۃ برمحمد درود شریف پڑھنا لازمی ہے۔ جب تک حضور کا نام نہ آئے اس وقت درود پڑھنا درست نہیں یا تو ویسے پڑھا جائے۔ لیکن تسبیح تراویح میں نام کے بعد درود پڑھنا ٹھیک ہے۔ شرعی لحاظ سے ان تینوں شخصوں میں سے کون حق پر ہے۔

﴿ج﴾

فقہاء نے لکھا ہے کہ ہر ترویحہ یعنی چار رکعت کے بعد اختیار ہے کہ تسبیح پڑھے یا قرآن شریف پڑھے۔ یا نفل رکعتیں پڑھے یا کچھ نہ کرے۔ اور شامی نے قہستانی سے نقل کیا ہے کہ بعد ہر ترویحہ کے سبحان ذی الملک والملکوت تین بار پڑھے (رد المحتار ج۱/ص۶۶۱) ویجلس ندبا بین کل اربعة بقدرها كذا بين الخامسة والوتر يخيرون بين تسبيح و قرأة وسكوت وصلوة فرادى الخ۔ اور کلمہ سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر کا تکرار کرنا زیادہ اچھا ہے۔ الحاصل کوئی چیز لازمی نہیں اختیار ہے لیکن پڑھنا افضل ہے۔ صلوٰۃ برمحمد درود شریف نہیں بلکہ اس قدر پر اکتفاء کرنا درست نہیں۔ مکمل درود شریف پڑھنا چاہیے۔ واتفف اصا على انه لا يجزى ان يقتصر على الخبر كان يقول الصلوة على محمد اذليس فيه اسناد الصلوة الى الله تعالى (اوجز المسالك. ج ۲/ص ۱۶۴) باب ماجاء فى الصلوة على النبى صلى الله عليه وسلم. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۵ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ

شبینہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ ہمارے علاقہ میں یہ رواج انتہائی سرعت کے ساتھ پھیل چکا ہے کہ لوگ قرآن شریف کا شبینہ کرواتے ہیں اور پوری رات یہ شبینہ لاؤڈ اسپیکر پر پڑھا جاتا ہے۔ جبکہ منتظمین شبینہ آرام سے بستر بچھا کر سو جاتے ہیں۔ اور حافظ صاحب پڑھتا رہتا ہے۔ کیا قرآن مجید کا لاؤڈ اسپیکر پر پوری رات اس طرح پڑھانا جائز ہے؟ کیونکہ پوری رات قرآن خوانی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن لوگ گھروں میں سوئے ہوئے ہوتے ہیں کوئی اپنی بیوی سے ہم بستر ہوتا ہے۔ کوئی کسی حالت میں ہوتا ہے۔ کسی کی شادی عروسی کی پہلی شب ہوتی ہے۔ کوئی بیمار پڑا ہوتا ہے۔ جبکہ قرآن پاک ان کے کانوں تک پہنچتا رہتا ہے۔ اور یہ بھی علماء سے سنا گیا ہے۔ کہ قرآن پاک نہایت ادب سے سننا چاہیے۔ براہ کرم ہمیں یہ مسئلہ سمجھایا جائے کہ اس طرح رواجاً شبینہ قرآن پاک لاؤڈ اسپیکر پر پڑھنا اور پڑھانا جائز ہے یا کہ نہیں۔

﴿ج﴾

بشرط صحت سوال طریقہ مذکورہ سے شبینہ بدعت اور مکروہ ہے۔ سلف صالحین سے اس طرح کا عمل ثابت نہیں ہے اس میں تمام گناہ بے ادبی کا منتظمین اور قراء پر ہوگا۔ سامعین میں یہ تفصیل ہوگی کہ جو وہاں (یعنی مقام شبینہ میں) سوئے ہوئے بے پرواہی اور غفلت سے کام لے وہ گنہگار ہوں گے۔ اوز جو لوگ دور ہوں یا معذور ہوں وہ استغفار کریں۔ اور معافی کے امیدوار رہیں۔ (۲) تفسیر اتقان جلد اول ص ۱۰۴ طبع مصری شرکۃ مکتبہ ومطبع المصطفیٰ البابی الحلبی میں ہے وكره جماعات الختم فى اقل من ذلك (اى ثلث) لماروى ابو داؤد والترمذى من حديث عبدالله بن عمر مرفوعاً لا يفقه من قرأ القران فى اقل من ثلث وكذلك روى عن ابن مسعود موقوفاً لا تقرأوا القران فى اقل من ثلث وكذالك عن معاذ بن جبل موقوفاً (۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واذا قرئ القران فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون. جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور اس کی طرف کان لگاؤ تاکہ تمہارے اوپر رحم کیا جائے۔ لاؤڈ اسپیکر سے جب آواز تمام اہل محلہ سنیں گے اور تمام شب اس کی طرف توجہ مشکل ہو جائے گی اور اس کی طرف استماع اور اس کے لیے انصات نہیں کر سکیں گے تو اس کا گناہ منتظمین اور قراء پر ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۰ شوال ۱۳۹۴ھ

تلاوت قرآن مجید کے لیے ایک خاص ہیئت کے ساتھ جمع ہونا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی گاؤں کے مکین باتمکین ورہائش پذیروں نے یہ عادت بنارکھی ہے کہ وہ ہرسال اپنے قرب وجوار کے حفاظ کرام کو اپنے گاؤں میں بلاکر قرآن مجید فرقان حمید کا تین دن تک ورد کراتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد قرآن پاک کے سوختم کا ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ بمع اہل دیہہ اور حفاظ کرام سربسجود ہوکر درگاہ رب العزت سے یہ درخواست کرتے ہیں۔ کہ خدایا ہمیں بخش ہمارے گناہ معاف کر اور ہمارے گاؤں کو قحط اور جمیع جانی مالی آفات سے بچا اور خوب بارش برسا اور ہر طرح کی مصیبت سے بچا۔ اس طریق کار کو آٹھ سال سے متواتر کرتے آرہے ہیں۔ نیز حفاظ کرام وجمیع مہمان جو اس کار خیر میں شمولیت کرتے ہیں ان کی رہائش وانتظام خوراک غرضیکہ جو کچھ بھی اخراجات ہوتے ہیں۔ وہ بلاجبر گاؤں کا ہر آدمی اپنی استطاعت کے مطابق ایک جگہ اکٹھا کرکے منتظم کمیٹی کے سپرد کردیتے ہیں اور وہ کمیٹی خرچ کرتی ہے جو بچ جاتا ہے وہ مسجد پر خرچ کیا جاتا ہے۔ لیکن مخالف فریق اس کام کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ اس لیے التماس ہے کہ آپ جواب باصواب سے آگاہ کریں۔

سائل شیخ احمد ضلع میانوالی جنڈ والہ

﴿ج﴾

اگرچہ تلاوت قرآن کریم موجب ہزار برکات وذریعہ دافع بلیات ہے۔ لیکن بدیں ہیئت کذائیہ وبدین صورت اجتماعیہ وبدین اہتمام وانتظام خیر القرون میں معمول نہیں رہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرامؓ وتابعین وسلف الصالحین سے اس مخصوص شکل میں ہرگز ثابت نہیں اس لیے یہ قیود ولواحق خارجیہ غیر ثابتہ بدعت سیئہ ہیں۔ ان کا ترک لازم ہے۔ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد (الحدیث) اور نفس قرآن کی تلاوت بغیر ان عوارض لاحقہ کے مسنون ہے۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

کتاب الحج

حج کی فرضیت وادائیگی کے احکام

قرعہ اندازی میں نام نہ نکلنے کے بعد اگر کوئی فوت ہو جائے تو حج کی وصیت واجب ہوگی یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں دریں مسئلہ کہ ایک شخص کو سفر بیت اللہ کا آمد و رفت کے لیے خرچ میسر ہوا اور اس نے فی الفور حکومت کے قانون کے تحت داخلہ کر دیا لیکن قرعہ اندازی کے وقت اس کا قرعہ نہ نکلا تو اس نے حکومت سے رقم مذکور واپس لے لی۔ اب اگر دوسرا سال آنے سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے تو کیا اس ترک حج سے جو بلا اختیار اس کے ہوا وہ مجرم بنے گا یا نہیں اور کیا اس کو یہ وصیت کر جانا کہ میرے ترکے سے میری طرف سے حج کرائیں ضروری ہے یا نہ اور اگر وہ وصیت نہ کر جائے تو وارثوں کو اس کے ترکے سے حج کرانا ضروری ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

قرعہ اندازی میں نام نہ نکلنے کی وجہ سے اگر تاخیر ہو جائے اور اسی سال اس کا انتقال ہو جائے تو انشاء اللہ وہ اس سال کے ترک کی وجہ سے عند اللہ ماخوذ نہ ہوگا لیکن اس کے ذمہ وصیت کرنا ضروری ہے۔ نیز اگر وصیت کیے بغیر اس کا انتقال ہوا تو وارثوں کے ذمہ اس کی طرف سے حج کرنا ضروری نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفر لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۰ جمادی الاولی ۱۳۸۹ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

اپنے آپ کو دوسرے ملک کا باشندہ ظاہر کر کے حج پر جانے سے حج ادا ہوگا یا نہیں؟

﴿س﴾

چہ می فرمایند علماء کرام ومفتیان عظام دریں مسئلہ۔ کہ بعضے از مردمان ایران مثلاً یا از کشور دیگر بدزدی حکومت میروند برائے حج وزیارت بیت اللہ کے دریں راہ چندیں گناہ ہائے کبیرہ را مرتکب می شوند۔ مثلاً دروغگوئی۔ ودزدی حکومت ورشوت ملازمان وکارندگان دولت کہ غیر از ارتکاب آں معلوم است کہ چارہ ندارند وممکن نیست" یکی یا دو را اختیار نکنند۔ پس دریں صورت حج وزیارت ایشان درست وصحیح است یا نہ؟ باوجود ایں آیات من استطاع الیہ سبیلا وایشاں می گویند کہ چون حکومت ایرانی بہ نسبت پاکستان مال زیادہ می گیرد۔ ازیں جہت از دیگر کشور رفتن بہر طور کہ باشد جائز است۔

﴿ج﴾

برایں طریق برائے حج وزیارت رفتن جائز است ۔ وفریضہ حج از ذمہ ایشان ساقط شود۔ اما از دروغ گوئی ورشوت دادن کارندگان را جائز نہ باشد۔ ازیں ہر دو حتی المقدور احتراز کردن لازم است ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

بصورت مجبوری اگر بغیر رشوت کار تمام نہ گیرد معذور باشد استغفار کند و بہ حج برود

الجواب صحیح محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۴ صفر ۱۳۹۶ھ

کیا عورت کا حج سگے بھائی کے ساتھ ادا ہو جائے گا؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تعلیم بی بی اپنے سگے بھائی کے ساتھ حج پر جانا چاہتی ہے لہٰذا وہ آپ سے اجازت مانگنا چاہتی ہے ۔ مہربانی فرما کر اسے اجازت دی جائے ۔

﴿ج﴾

حج فرض کی ادائیگی کے لیے محرم رشتہ دار مثلاً بھائی کے ساتھ جانے کی صورت میں خاوند کے لیے منع کرنے کی اجازت شرعاً حاصل نہیں لہٰذا وہ حج کر سکتی ہے ۔ واذا وجدت محرما لم یکن للزوج منعها هدایه (ج ۱/ص ۲۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۵ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ

عمر رسیدہ خواتین کے گروپ کا بغیر محرم حج کے لیے جانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ضعیف العمر تقریباً پچاس سال کی عمر کی چند خواتین حج بیت اللہ کو جانا چاہتی ہیں ۔ محرم کوئی ہمراہ نہیں ۔ ان خواتین کا حج بیت اللہ قبول ہوگا یا نہیں ۔

﴿ج﴾

بروئے احادیث نبویہ وفقہ حنفیہ عورت کے لیے محرم کا یا خاوند کا ساتھ ہونا شرط ہے ۔ بغیر اس شرط کے اس پر حج لازم ہی نہیں ہوتا ۔ ایک طریقہ عمدہ شرع شریف میں یہ بھی بن سکتا ہے کہ بیوہ عورت ایک ہو یا متعدد کسی نیک دل عمر رسیدہ حاجی کے ساتھ نکاح کر لیں ۔ اور اس کے ساتھ حج کر لیں ۔ بعد از فراغ من الحج اگر چاہیں تو خلع کر لیں اور چاہیں تو اس کے ساتھ عمر بھر تک مربوط و متعلق رہیں ۔ بہر حال حج مطابق شرع شریف صحیح ہو جائے گا ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۶ جمادی الاخری ۱۳۹۰ھ

لڑکی کا حج باپ کے ساتھ ادا ہو جاتا ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اشیاں مائی جو کہ اس وقت کنواری ہے اور وہ باپ کے ساتھ حج کو جانا چاہتی ہے ۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ جا سکتی ہے ۔ کیا یہ لڑکی اپنے باپ کے ساتھ جا سکتی ہے ۔ یا نہیں ۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

لڑکی اپنے باپ کے ساتھ حج کو جا سکتی ہے ۔ عورت کے لیے محرم کا ہونا ضروری ہے ۔ چاہے باپ ہو زوج ہو یا اور کوئی ۔ کما فی الهدایة ویعتبر فی المرأة ان یکون لها محرم تحج به او زوج ولا یجوز لها ان تحج بغیرهما. (هدایة. ج ۱/ص ۲۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۶ جمادی الاخری ۱۳۹۰ھ

عورت کا غیر محرم مرد کے ساتھ حج کرنے سے فرض ادا ہوگا یا نہیں؟

﴿س﴾

ایک بوڑھی عورت کسی اجنبی مرد کے ساتھ حج کو چلی گئی ہے ۔ کیا ازروئے شریعت اس عورت کا فریضہ حج ادا ہوتا ہے یا نہ ۔ اور اس اجنبی مرد کے حج میں کوئی نقصان واقع ہوا ہے یا نہ ۔ فریضہ ادا ہوا یا نہ ۔

﴿ج﴾

حج اس کا ادا ہو گیا ۔ اور فرض ساقط ہو گیا ۔ اور غیر محرم کے ساتھ حج کرنے کا گناہ اس پر ہوا ۔ توبہ واستغفار کرے ۔ درمختار مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ کتاب الحج ص ۱۵۸ ج ۲ میں ہے ۔ ولو حجت بلا محرم جاز مع الکراهة الخ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۹ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

کنواری لڑکی محرم مرد کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہے

﴿س﴾

ایک نوجوان کنواری لڑکی جبکہ اس پر حج فرض بھی نہیں ہے ۔ کیا وہ کسی رشتہ دار مرد یا عورت کے ساتھ حج پر جا سکتی ہے یا نہ ۔ (۲) اگر اس پر حج فرض بھی ہو تو کیا رشتہ دار مرد یا عورت کے ساتھ چلی جائے ۔

﴿ج﴾

(۱۔۲) رشتہ دار مرد کے ہمراہ (جبکہ وہ مرد لڑکی مذکورہ کا محرم ہو) یہ لڑکی حج پر جاسکتی ہے۔ حج اس پر فرض ہو یا نہ۔ کسی اور عورت کے ساتھ حج پر جانا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ اذ والقعدہ ۱۳۹۴ھ

حج فرض ہونے کی قسم کھانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ بیٹے نے کہا۔ والد صاحب کو کہ اگر میں جناب کو ۲۶ بیگھہ زمین انتقال نہ کرادوں۔ تو اللہ و رسول و قرآن کی قسم کہ وہ مجھ پر ناراض ہوں۔ وضامن ہوں۔ والد صاحب نے فرمایا۔ کہ اگر میں تیری والدہ صاحبہ کو اور میں حج بیت اللہ کو نہ جاؤں۔ تو اللہ تعالیٰ اور رسول پاک وقرآن پاک کی قسم کہ مجھ پر ناراض ہوں اور ضامن ہوں۔ تو اس دوران میں بیٹے نے زمین انتقال کردی ہے۔ تو اب والد صاحب کیا کریں۔ کل زمین بیع کر کے خود جائیں۔ اور بیوی کو لے جائیں۔ یا ثلث زمین بیع کر کے خود جائیں اور بیوی کو لے جائیں۔ کیونکہ اولاد نرینہ موجود ہے۔ یا قسم کا کفارہ پورا کریں۔ یا بالکل قسم ہی نہیں ہے۔ بینوا وتوجروا

حافظ محمد بخش سکنہ پہاڑ پور تحصیل لیہ ضلع مظفر گڑھ

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اس شخص پر خود اور زوجۂ خود کو حج کرانا عمر میں لازم ہوگیا ہے۔ آخر عمر تک حج میں تاخیر کی گنجائش ہے۔ اگر عمر بھر میں حج نہ کیا اور زوجہ کو نہ کرایا۔ تو حانث ہوگا۔ اور کفارہ یمین کا ادا کرے گا۔ دس مساکین کو کھانا دو وقت یا ان کا لباس دینا ہوگا۔ اگر طاقت نہ ہو۔ تو تین دن کے متواتر روزے رکھنے ہوں گے۔ یہ اس وقت ہے۔ جب اس کے اوپر خود اپنی استطاعت سے حج فرض نہ ہو۔ اگر اپنی استطاعت سے اس پر حج فرض ہے۔ تو فوری طور پر اسے حج کرنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

کیا ماں باپ کے نافرمان کا حج ادا ہوجاتا ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نہ باپ یا ماں کی خدمت کی اور نہ ہی اپنے بڑے بھائی کی امداد کرتا ہے۔ والدین بغیر خدمت کے وفات پاچکے ہیں اور وہ حج کرنے گیا ہوا ہے۔ بینوا بالدلائل تو جروا

محمد اسحاق شمالی محلہ شہر جہلم

﴿ج﴾

یہ شخص والدین کی خدمت نہ کرنے کے سبب گنہگار ہے۔ اور اس کے گناہ گار ہوتے ہوئے اس پر بھی حج فرض ہوگا۔ اگر غنی ہے۔ اگر مسکین ہے۔ تو بھی اس کو جانا چاہیے تھا۔ اگر دوسرے عوارض نہ ہوں۔ حج کا ثواب اس کو ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالرحمن نائب مفتی مدرسہ ہذا

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۴ محرم ۱۳۷۹ھ

شوہر اگر بیوی کو حج سے منع کرے تو کیا کیا جائے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ میرا خاوند نہ مجھے خرچ دیتا ہے۔ میں اپنے رشتہ دار کے پاس رہ رہی ہوں اور اس مرتبہ اپنے ماموں کے ہمراہ حج پر جارہی ہوں البتہ میرا خاوند مجھے حج پر جانے کی اجازت نہیں دے رہا۔ کیا اس کی اجازت کے بغیر حج پر جاسکتی ہوں۔

﴿ج﴾

محرم کے ساتھ بغیر رضاء شوہر حج فرض کرسکتی ہیں اور خاوند کے لیے حج فرض سے روکنا جائز نہیں۔ بہر حال صورت مسئولہ میں آپ کا حج فرض پر جانا جائز ہے۔ **ولا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق. الحديث وليس لزوجها منعها عن حجة الاسلام (الدر المختار علی هامش رد المحتار كتاب الحج الخ. ج ۲/ص ۱۵۸)** فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۴ ذوالقعدہ ۱۳۹۶ھ

والد کی اجازت کے بغیر حج کو جانا

﴿س﴾

بخدمت جناب مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عرض خدمت یہ ہے کہ امام بخش ولد کریم بخش پختہ ارادہ حج ادا کرنے کا رکھتا ہے۔ کیونکہ امام بخش پر حج فرض ہے اور والد اس کے کریم بخش نے حج ادا نہیں کیا ہے۔ جو کہ ملازمت ریلوے میں کرتے ہیں۔ اور امام بخش عرصہ ۱۵ سال سے علیحدہ ہے۔ (یعنی کمائی امام بخش اور اس کے والد کی عرصہ پندرہ سال سے علیحدہ علیحدہ ہے) اور کریم بخش کے لڑکے تین اور بھی ہیں۔ جو کہ ایک تقریباً

۲۵ سال عمر کا ہے اور دوسرا عمر ۱۶ سال کا ہے۔ اور تیسرا عمر ۱۲ سال کا ہے۔ تو برائے کرم مسئلہ کتب حنفی سے صحیح لکھ کر روانہ کریں۔ عین نوازش ہوگی۔ امام بخش والد کریم بخش پٹوار۔

نوٹ۔ کریم بخش اپنے لڑکے امام بخش کو حج پر جانے کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔ تو کیا بغیر اجازت حج پر جا سکتا ہے۔

﴿ج﴾

جب امام بخش والد سے علیحدہ ہے۔ اور کمائی اس کی اپنی خاص ملکیت ہے اور اس پر حج فرض بھی ہے اور اس کا باپ کمزور، بیمار محتاج بھی نہیں کہ اس کی تیمارداری کرے اور یہ امام بخش پر لازم ہو بلکہ اس کے دوسرے لڑکے بھی ہیں۔ تو امام بخش کو بغیر اجازت والد کے حج کی ادائیگی کے لیے ضروری چلا جانا چاہیے۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳ شوال ۱۳۷۴ھ

دوران عدت عورت پر حج کی ادائیگی فرض نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں۔ کہ میری والدہ حج پر جا رہی تھیں کہ اچانک قضاء الٰہی سے میرے والد صاحب فوت ہوگئے ہیں۔ اب والدہ حج پر جا سکتی ہیں یا کہ نہیں۔

﴿ج﴾

ایام عدت میں فریضہ حج کے لیے سفر نہیں کر سکتی۔ قال فی الدر المختار مع (زوج او محرم) الخ. (مع) وجوب النفقة لمحرمها (عليها) لانه محبوس عليها (لامرأة) حرة ولو عجوزا فی سفر الخ...... (و) مع (عدم عدة عليها مطلقاً) اية عدة كانت وفی الشامية ای فلا يجب عليها الحج اذا وجدت (اية عدة كانت) ای سواء كانت عدة وفاة او طلاق بائن او رجعی (ردالمحتار كتاب الحج ص ۱۵۹ ج ۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) ولا تخرج معتدة رجعی او بائن الخ. عن بيتها اصلاً الدر المختار علی هامش ردالمحتار فصل فی الحدود) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ ذوالقعدہ ۱۳۹۴ھ

۱۲ سال عمر والا لڑکا اگر حج کرے تو فرض ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ اگر میں اپنے ۱۲ بارہ سال کے لڑکے کو فرض حج ادا کرنے کے لیے اپنے ہمراہ مکہ معظمہ لے جا کر جملہ ارکان ادا کراؤں۔ تو لڑکے کا فرض حج ادا ہوگا یا نہیں۔ (۲) شرعی لحاظ سے لڑکا کتنے سالوں کے بعد بالغ ہو جاتا ہے۔ شرعی دلائل سے جواب مرحمت فرمائیں۔

﴿ج﴾

بارہ سال کا لڑکا اگر بظاہر تندرستی کے لحاظ سے جسیم ہو اور وہ اقرار کرے میرا احتلام سے انزال منی ہوگیا۔ تو اس کا اقرار صحیح سمجھ کر اس کو بالغ مانا جائے گا۔ اور اس کا حج فرض بھی ادا ہوگا۔ اور اگر وہ احتلام وانزال کا اقرار نہ کرے۔ یا جسمانی لحاظ سے اسکا یہ قول صحیح تسلیم نہ ہو۔ یعنی بظاہر اس کا یہ اقرار جھوٹا معلوم ہو۔ تو جب تک وہ پندرہ سال کا پورا نہ ہوگا بالغ نہ ہوگا۔ اور اس کا حج فرض بھی صحیح نہ ہوگا۔ **بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والجارية بالاحتلام والحيض والحبل فان لم يوجد فيهما شئ فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى لقصر اعمار اهل زماننا (الی ان قال)فان راهقاای بلغا هذا السن (ای اثنا عشر فی الغلام وتسعة فی الجارية فقالا بلغنا صدقا. ان لم يكذبهما الظاهر كذا قيده فی العمادية وغيرها فبعد ثنتی عشرة سنة يشترط شرط اخر لصحة اقراره بالبلوغ وهوان يكون بحال يحتلم مثله والا لايقبل قوله الخ (درمختار مطبوعه ايج ايم سعيد)كتاب الحج ج٦ ص ١٦٥ .**

محمود عفا اللہ عنہ

والدین کی زندگی میں اولاد کا حج فرض ہی ہوگا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے ہاں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ والدین کی زندگی میں اولاد حج کرے تو وہ نفلی ہوگا۔ خواہ والدین نے حج کیا ہو یا نہ۔ تو کیا یہ صحیح ہے؟

﴿ج﴾

یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک من گھڑت افسانہ ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۴ ذوالحج ۱۳۹۹ھ

عورت کا اپنی بھاوج اور اس کے والد کے ساتھ حج پر جانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین بیچ اس مسئلہ کے۔ میری والدہ بیوہ ہے انشاء اللہ میرا ارادہ ہے کہ اپنی والدہ کو حج مبارک کے لیے بھیجوں۔ اتنی مالی طاقت نہیں ہے کہ خود بھی ساتھ جاؤں صرف والدہ کے اخراجات کا متحمل ہوسکتا ہوں میری حقیقی بیوہ بھاوج بھی بمعہ اپنے والد کے حج مبارک کے لیے جانے کا ارادہ رکھتی ہے میری بیوہ بھاوج اور اس کی حقیقی اور سوتیلی والدہ ساتھ ہوں گی۔ بہر حال اپنی والدہ کے لیے میں اپنے طور پر خود جانے یا کسی اپنے بھائی بھتیجے کو بھیجنے سے عاجز ہوں۔ حکومت کے اعلان کے مطابق کوئی عورت اکیلی حج مبارک کے لیے نہیں جاسکتی از راہ کرم نوازی فدوی کو مطلع فرمایا جائے کیا مجھے اپنی والدہ کو اپنی حقیقی بیوہ بھاوج اور اس کے والد کے ساتھ بھیجنے کی مذہباً کوئی ممانعت تو نہیں ہے۔ مہربانی فرما کر جلد از جلد فدوی کو فتویٰ سے مطلع کیا جائے۔

راؤ اختر علی پروپرائٹر پاک میڈیکل سٹور قائم پور ڈاکخانہ خاص تحصیل حاصل پور منڈی ضلع بہاولپور

﴿ج﴾

اگر آپ کی والدہ اپنی ذاتی رقم سے حج کرنا چاہتی ہے اور رقم اتنی مقدار کی نہ ہو کہ دوسرے آدمی کے حج کے لیے بھی کافی ہو سکے تب تو آپ کی والدہ پر حج فرض نہیں ہے۔ اور اگر رقم آپ کی ہو حوائج اصلیہ سے زائد ہو تو اس صورت میں آپ والدہ کو یا دوسرے آدمی کو نہیں بھیج سکتے ہیں۔ پہلی صورت میں اگر محرم مل بھی جائے تب بھی اس پر حج فرض نہ ہوگا۔ جب تک کہ اس کے پاس اتنی مقدار کا روپیہ نہ ہو جس سے اس کے اور اس کے محرم دونوں کا حج ادا ہو سکے۔ بہر حال اجنبی غیر محرم آدمی کے ساتھ عورت کے لیے حج پر جانا صحیح نہیں ہے۔ درمختار مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ص ۱۵۸ ج ۲ میں ہے مع زوج او محرم بالغ عاقل الخ الی قولہ وجوب النفقة لمحرمها (علیها) اس پر شامی نے لکھا ہے قولہ مع وجوب (مع) الخ ای فیشترط ان تکون قادرة علی نفقتها و نفقته۔ واللہ اعلم

عبد الرحمٰن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

’’حج بدل کے مسائل‘‘

کیا حج بدل کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس نے پہلے سے حج کیا ہو؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے گذشتہ سال حج کی درخواست دی تھی وہ منظور نہیں ہوئی بعد میں وہ شخص فوت ہو گیا کیا اس کی جگہ شخص آخر حج کر سکتا ہے یا نہیں۔ نیز جس شخص نے پہلے اپنا حج کیا ہوا ہو وہ جا سکتا ہے یا کہ دوسرا بھی جا سکتا ہے۔ بحوالہ ارشاد فرمائیں۔ نوٹ۔ میت نے وصیت بھی کی تھی حج کرنے کی۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اگر متوفی کی طرف سے ایسا شخص حج کرے جس نے پہلے حج کیا ہوا ہو۔ تو بہتر و اولیٰ ہے۔ ایسے شخص کا حج کرنا جس نے اپنا حج نہیں کیا اگر فقیر ہے تو مکروہ تنزیہی ہے اگر وہ شخص غنی ہے یعنی اس پر اپنا فرض ہے تو اس کا حج کرنا میت کی طرف سے مکروہ تحریمی ہے۔ وصیت کرنے کی صورت میں اس کے کل ترکے کے تیسرے حصے سے اس کی طرف سے حج کرانا واجب ہے۔ کذا فی الشامی۔ ج ۲ / ص ۲۶۲

اگر حج بدل کے لیے ایسا شخص بھیجا جائے جس نے اگلے سال اپنا حج کرنا ہو تو کیا حکم ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص اپنے والد مرحوم کی طرف سے ایک غریب آدمی کو حج پر بھیجنا چاہتا ہے۔ کیا از روئے شرع غریب آدمی حج بدل کر سکتا ہے۔ یا کہ نہ۔ جبکہ وہی غریب آدمی حج فرض ہو جانے کی صورت میں اگلے سال حج پر جائے گا۔ یا وہاں رہ کر اپنا فرض حج ادا کر کے واپس آئے گا۔ بینوا تو جروا

﴿ج﴾

حج بدل ایسے شخص سے کرانا جس نے حج نہ کیا ہو صحیح اور جائز ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص سے حج کرایا جائے۔ جس نے اپنا حج فرض ادا کر لیا ہو۔ کیونکہ جس پر حج فرض نہیں ہے۔ اور اس کو استطاعت نہیں ہے۔ اس پر چونکہ بعض علماء محققین کے نزدیک مکہ معظمہ میں پہنچ کر حج فرض ہو جاتا ہے۔ تو ایسے شخص سے حج بدل کرانا کراہت سے خالی نہیں۔ بہر حال میت نے اگر وصیت کر لی ہے۔ تو ایسے شخص سے حج بدل کرانے کی صورت میں کہ جس نے اپنا حج نہ کیا ہو۔ میت کا حج ادا ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
الجواب صحیح محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۵ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ

حج فرض ہونے کے بعد اگر کوئی شخص فوت ہو جائے تو
آیا وصیت کرنے یا نہ کرنے کی دونوں صورتوں میں کچھ فرق ہوگا؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مثلاً زید فوت ہو گیا ہے۔ اس کے بعد ایک شخص نے کہا کہ میں اس کی طرف سے حج کروں گا۔ زید من استطاع الیه سبیلا میں سے تھا۔ اور حج کے بعد زید کے وارث اس کو خرچہ حج دے سکتے ہیں یا نہیں۔ اور وہ مطالبہ کر سکتا ہے۔ کہ باقی حج کی فرضیت زید کے ذمہ ہے۔ یا ادا ہوگئی ہے۔ اور زید کی وصیت بھی ہو تو اس کے بارہ میں کیا حکم ہے اور وصیت نہ ہو تو اس بارے میں کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

بدون وصیت کے ورثاء کے ذمہ ضروری نہیں ہے کہ وہ متوفی کی طرف سے حج بدل کرائیں۔ لیکن اگر جملہ ورثاء اس پر راضی ہوں۔ اور وہ سب بالغ ہوں۔ تو اگر وہ سب متوفی کی طرف سے حج بدل کرائیں تو اچھا ہے۔ اور امید ہے کہ انشاء اللہ میت کی طرف سے حج فرض ادا ہو جائے گا۔ درمختار مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ص ۲۵۹ ج ۲ میں ہے۔ (ویشترط الامر به) ای بالحج عنه (فلا یجوز حج الغیر عنه بغیر اذنه الا اذا حج او احج (الوارث عن مورثه.) وفی الشامی (وان لم یوص به) ای بالاحجاج (فتبرع عنه الوارث) الخ (او احج عنه غیره جاز) والمعنی جاز عن حجة الاسلام انشاء الله تعالی (ردالمحتار باب الحج عن الغیر) اگر بعض ورثاء بالغ ہیں۔ اور بعض نابالغ تو پہلے ترکہ تقسیم کرلیا جائے۔ اس کے بعد بالغین اپنے حصہ میں سے متوفی کی طرف سے حج کرا سکتے ہیں۔ الغرض بدون وصیت کے وارثوں کے ذمہ ضروری نہیں ہوتا۔ کہ وہ ضرور حج کرائیں۔ البتہ اگر چاہیں تو کرا سکتے ہیں۔ اور اس سے حج فرض میت کا انشاء اللہ تعالیٰ ادا ہو جائے گا۔ اگر متوفی نے وصیت کی ہے۔ تو وصیت کے مطابق حج کرانا ورثاء پر لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ

حج بدل کرنے والے کی طرف سے ادا ہوگا یا کرانے والے کی طرف سے؟
حج بدل پر جانے والے پر وہاں پہنچ کر اپنا حج فرض ہوگا یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ۔ (۱) ایک شخص پر حج ضروری ہے۔ اب وہ فوت ہو گیا۔ یا شیخ فانی ہو گیا۔ تو اس کی طرف سے ایک شخص فقیر جس نے پہلے حج نہیں کیا۔ حج عن الغیر کر سکتا ہے یا نہیں۔ پھر وہ اگر حج عن الغیر کرے۔ تو اس کی طرف سے ہوگا۔ یا اسی فقیر کی طرف سے ہوگا۔ اگر حج بدل آمر کی طرف سے ہے۔ (۲) تو کیا فقیر پر وہاں پہنچنے کے بعد اپنا حج فرض ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اور اس کو سال کے لیے حج کا ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ مفصل تحریر فرمائیں۔

﴿ج﴾

جس نے اپنا حج ادا نہ کیا ہو۔ اگر اس پر اپنا حج فرض ہو چکا ہے۔ تو اب قبل ادائیگی فریضہ دوسرے کے لیے حج کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر اپنا اس پر فرض نہیں ہوا تو مکروہ تنزیہی ہے۔ علامہ شامیؒ نے ردالمحتار ص ۲۶۲ ج ۲ میں تحریر فرمایا ہے۔ والذی یقتضیه النظر ان حج الصرورة (ای الذی لم یحج عن نفسه) عن غیره ان کان بعد تحقق الوجوب علیه بملک الزاد والراحلة والصحة فهو مکروه کراهة تحریم الخ. لیکن یہ کراہۃ تحریمہ حج کرنے والے کے لیے ہے۔ حج کرانے والے کے لیے ہر صورت میں کراہۃ تنزیہہ ہے۔ کما نقله الشامی عن البحر ان الکراهة فی حقه تنزیهیة وان کانت فی حق المامور تحریمیة شامی ص ۲۶۲ ج ۲. لیکن اس کے ساتھ ساتھ احناف کے نزدیک بہر حال حج آمر کا ادا ہو جاتا ہے۔ خلافاً للشافعیؒ۔ البتہ یہ مسئلہ کہ اگر فقیر نائب بن کر مکہ معظمہ پہنچ جاتا ہے۔ تو کیا اس پر وہاں پہنچنے سے اپنا حج فرض ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے مثلاً مفتی ابو السعود والسید احمد بادشاہ وغیرہ نے اس پر واجب قرار دیا ہے اور اس پر رسالہ لکھا گیا ہے اور بعض نے مثلاً شیخ عبدالغنی النابلی نے واجب نہیں کیا۔ اور شیخ عبدالغنی نے بھی اس میں رسالہ تصنیف کیا۔ شیخ عبدالغنی نابلی۔ اس قدرت کو جو بقدرۃ الغیر اسے حاصل ہے۔ قدرت نہیں قرار دیتے۔ اور اگلے سال تک قیام کرنا موجب خرچ ہے۔ اس لیے عدم وجوب کے قائل ہوئے۔ علامہ شامیؒ نے اس تفصیل کو ردالمحتار باب الحج عن الغیر میں ذکر کیا ہے۔ مکتوبات شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ قدس سرہ جلد دوم صفحہ ۲۵۷۔۲۵۸ میں حضرت نے وجوب حج کا قول کیا

ہے۔لیکن اس کے نیچے مرتب نے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مرحوم اور مفتی دار العلوم دیوبند مولانا مفتی مہدی حسن صاحب مدظلہ کے دو فتویٰ نقل کیے ہیں۔دونوں عدم وجوب کے قائل ہیں۔میری رائے میں بھی عدم وجوب ہی مرجح معلوم ہوتا ہے۔واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۸ شعبان ۱۳۷۸ھ

حج بدل پر جانے والے کا حج تمتع ادا کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ حج عن الغیر یعنی حج بدل تمتع کی صورت میں ادا ہوسکتا ہے یا نہیں۔بصورت دیگر کیا ضمانت بھی اس پر لازم ہوسکتی ہے یا نہیں۔نیز حج بدل کے ضروری مسائل اور خرچ اخراجات کے متعلق تفصیلاً تحریر فرمائیں۔کہ کتنے تک اخراجات کرسکتا ہے۔بینوا توجروا

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک حج بدل ادا ہوگیا ہے۔حج اور حج بدل کے تفصیلی مسائل معلوم کرنے کے لیے معلم الحجاج قرۃ العینین وغیرہ کتب خرید فرمائیں۔(جواہر الفقہ ج ۱ / ص ۵۱۶) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۵ صفر ۱۳۷۸ھ

کیا حج بدل کرنے والا تمتع کرسکتا ہے؟
کیا حج بدل کرنے والا ادائیگی حج سے پہلے مدینہ منورہ جاسکتا ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ آیا حج بدل والا تمتع کرسکتا ہے یا نہ اور اگر کسی اور امام صاحب کے قول پر عمل کردیا جائے۔کیا حج بدل میں نقص تو نہیں آئیگا۔(۲) اور حج بدل کرنے والا حج سے قبل مدینہ شریف جا سکتا ہے یا نہ۔

﴿ج﴾

(۱) حج بدل کرنے والا تمتع نہ کرے۔اور نہ قران بلکہ افراد کرے۔(۲) مدینہ منورہ تک آنے جانے کا خرچہ

اپنا کرے البتہ جس کی طرف سے حج بدل کرنا چاہتا ہے اگر وہ زندہ ہے اور اس نے اس سفر میں خرچ کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔تو جائز ہوگا۔فقط واللہ اعلم۔(جواہر الفقہ)

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان یکم ربیع الاول ۱۳۹۹ھ

جس نے خود حج نہ کیا ہو اور والدین کے حج بدل کے لیے کسی کو بھیجے تو کیا حکم ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص اپنے مرحوم والدین کے حج بدل کرانے کا خواہشمند ہے۔مگر اس نے خود حج کیا ہوا نہیں ہے۔کیا ایسی صورت میں وہ حج بدل کرا سکتا ہے۔بینوا توجروا

﴿ج﴾

اگر اس شخص پر اپنا حج فرض ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنا حج ادا کرے اور اس میں تاخیر نہ کرے۔لیکن اپنا حج ادا کیے بغیر اگر والدین کی طرف سے حج بدل کرانا چاہتا ہے۔تو یہ بھی جائز ہے۔البتہ بدون وصیت کے ورثاء کے ذمہ ضروری نہیں ہے۔کہ وہ متوفی کی طرف سے حج بدل کرائیں۔لیکن اگر جملہ ورثاء اس پر راضی ہوں اور وہ سب بالغ ہوں تو اگر وہ سب متوفی کی طرف سے حج کرادیں تو اچھا ہے۔اور امید ہے کہ انشاء اللہ میت کی طرف سے حج فرض ادا ہوجائے گا۔درمختار ص ۱۲۵۹ ج ۲ میں ہے۔(**وبشرط الامر به) اى بالحج عنه (فلا يجوز حج الغير بغير اذنه الا اذا حج (او احج (الوارث عن مورثه) وايضاً فى الشامى. (وان لم يوص به) اى بالاحجاج (فتبرع عنه الوارث) الخ...... جاز) والمعنى جاز عن حجة الاسلام ان شاء الله شامى ص ۱۲۵۹ ج ۲.**

پس اگر جملہ ورثاء بالغ ہیں اور وہ سب مورث متوفی کی طرف سے حج کرانے پر راضی ہیں۔تو قبل از تقسیم ترکہ بھی حج کرا سکتے ہیں۔اور اگر بعض ورثاء بالغ ہیں اور بعض نابالغ تو پہلے ترکہ تقسیم کرلیا جائے۔اس کے بعد بالغین اپنے حصہ میں سے والدین کی طرف سے حج کرا سکتے ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶ شوال ۱۳۹۷ھ

اگر حج بدل کرانے والا خرچ شدہ پوری رقم نہ دے تو کیا کیا جائے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں مثلاً بکر گھر سے تیاری مکمل کر کے حج کو جارہا ہے اور زید کسی اور حاجی صاحبان کو کراچی تک پہنچانے جارہا تھا تو اچانک پروگرام بنا اور ۸۰۰۶ قرض لے کر ساتھ ہی

روانہ ہوگیا جبکہ زید عالم بھی ہے اور قبل ازیں حج بھی کر چکا ہے۔ جب راستہ میں جہاز ہی میں تقریباً دو تین روز کے بعد بکر نے ایک عالم سے پوچھا کہ میں حج بدل والد مرحوم کی طرف سے کروانا چاہتا ہوں آپ کر سکتے ہیں جبکہ زید نے اس بات سے قبل کسی کے حج بدل کا فی الحال ارادہ نہیں کیا تھا۔ کرنا تھا۔ زید نے کہا کہ کر سکتا ہوں غریب آدمی ہوں قرض لیکر آیا ہوں قرض بھی اتر جائے گا تو بکر نے پوچھا کہ کیا لو گے تو زید نے کہا آپ جو مناسب ہو دیدیں جبکہ اس سال کا خرچہ ۸۰۰۶ تھا تو واپسی پر زید نے خرچہ کا مطالبہ کیا تو بکر (حاجی صاحب) نے فقط ۱۴۰۰ روپیہ دیا زید نے زیادتی کا از حد اصرار کیا اور کہا کہ یہ خرچہ بالکل ناکافی ہے میں مقروض آدمی ہوں جبکہ آٹھ ہزار تو خرچہ ہے آپ چودہ صد دے رہے ہیں یہ مناسب نہیں تو اب فرمائیں کہ اس شکل میں بکر کے والد کی طرف سے حج جو کیا گیا ہے وہ صحیح ہے یا کہ نہیں زید یہ بھی کہتا ہے کہ اگر چہ آٹھ ہزار سہی مگر میں ۳۱۵۰ روپے کا مقروض ہوں وہ مجھے دے دیں۔ میں راضی ہوں تو وضاحت فرمائیں کہ یہ تصفیہ کیسے ہوگا۔

﴿ج﴾

اگر زید نے بکر کے والد کی طرف سے احرام باندھ کر افعال حج ادا کیے ہیں تو یہ حج بکر کے والد کی طرف سے شمار ہوگا باقی بکر کے ذمہ رقم کس مقدار میں واجب ہے اس کے بارے میں دونوں نے جہاں معاہدہ کیا تھا اس کے متعلق دونوں کا بیان لینے کے بعد پھر کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۹ ذوالحج ۱۳۹۶ھ

اگر کوئی شخص مرتے وقت حج، قرض، نماز کے متعلق وصیت کرے تو ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کوئی آدمی اپنی ماں یا اپنے باپ کے بدلے میں حج اور نماز فرض اور روزہ رمضان شریف کا رکھ سکتا ہے۔ فرض نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں اور جب والد بقید حیات ہے۔ لیکن اس کو کوئی عذر لاحق ہے جیسا کہ ضعف۔ تو اس ضعیف العمر انسان کا بیٹا اس کے بدلے میں نماز ادا کرے۔ تو ہو سکتی ہے یا نہیں۔ جب کہ وہ وصیت کرے اگر نہ کرے تو کیا جواب ہے اور جب کسی کے ماں باپ مرنے کے وقت وصیت کرے کہ بیٹا میرے اوپر اتنا قرض ہے۔ وہ دیدینا۔ اتنی نمازیں فرض رہ گئی ہیں۔ وہ ادا کرنا یا حج بدل کرنا جو میرے اوپر فرض تھا۔ اس میں دو صورتیں ہیں۔ ایک تو حیات میں وصیت۔ دوسری بغیر وصیت کے۔ قرض، اور فرض نماز اور فرض روزہ اور فرض حج ادا کرنا کیسا ہے۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ایک شخص کے ذمہ جو قرضہ ہو وہ تو اس کی جائیداد سے ادا کیا جائے گا۔ وہ وصیت کرے یا نہ کرے۔ اور اگر اس کی جائیداد کوئی نہ ہو۔ تب اگر اس کے وارث اس کا قرضہ ادا کریں۔ تب بھی ادا ہو جائے گا۔ لیکن اس صورت میں ان کے ذمہ ادائیگی ضروری نہیں ہے۔ **قال تعالی من بعد وصية يوصى بها او دين** فرض نماز اور فرض روزہ کوئی شخص بھی کسی دوسرے شخص کی طرف سے ادا نہیں کر سکتا ہے۔ خواہ وہ زندہ ہو یا مر گیا ہو۔ وصیت کر چکا ہو یا وصیت نہ کی ہو۔ ہاں نماز اور روزہ کا ثواب اس کو بخش سکتا ہے۔ وہ زندہ ہو یا مر گیا ہو۔ وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ وہ عاجز ہوں یا نہ ہوں۔ اور حج فرض تب جائز ہے۔ کہ وہ ادا کرنے سے خود عاجز ہو یعنی دائمی مرض کا مریض ہو یا وہ مر گیا ہو۔ لیکن اگر ان کا حکم ہو یا وصیت کر چکے ہوں تب تو حج فرض ادا ہو جاتا ہے۔ **لوجود الامر دلالة. كما قال في التنوير (العبادة المالية) تقبل النيابة مطلقا والبدنية لا مطلقا والمركبة منهما تقبل النيابة عند العجز فقط بشرط دوام العجز الى الموت الخ در مختار ص ۲۵۸/ ج ۲** فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۴ شوال ۱۳۸۷ھ

وکیل کا خریدی ہوئی چیز کی قیمت میں اپنا نفع شامل کرنا

حج بدل کے لیے جانے والے کا خرچ اعتدال کے ساتھ ہونا چاہیے

﴿س﴾

(۱) کسی شخص کو وکیل بنایا اور اس کو پیسے دے کر کہا کہ فلاں کتاب خرید لاؤ۔ تو اس نے کتاب بازار سے ۲ روپے میں خریدی۔ اور ایک روپیہ اپنا منافع لگا کر مؤکل کو دیدی۔ اس حال میں کہ مؤکل منافع سے بے خبر ہے اور مؤکل نے منافع کی اجازت بھی نہیں دی تھی۔ تو جائز ہے نفع لینا یا ناجائز ہے؟

(۲) اگر کسی شخص نے حج بدل کے لیے کسی کو رقم دی تو وہ احرام کے لیے عام چادر کے بجائے کوئی مہنگی چادر خرید لے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اگر حج بدل کرنے کے لیے مہنگی چادر خریدی۔ اس لیے کہ سردی تھی۔ یا اور کسی وجہ سے اس حال میں کہ حج بدل کرانے والا راضی ہو تو جائز ہے یا نہیں۔ اور اس کی رضا کے ساتھ وہ راستے میں یا وہاں اچھے کھانے کھائے یا درمیانے کھانے کھائے وہ مریض بھی ہو تو جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

(۱) صورت مسئولہ میں منافع لینا درست نہیں۔

(۲-۳) حج بدل کرانے والے کی اجازت سے مہنگی چادر خریدنا اور عام معمول سے اچھے کھانا جائز ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر متعارف اور ضروری اخراجات سے زیادہ خرچ کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۶ ذوالقعدہ ۱۳۹۲ھ

دوران حج سرزد ہونے والی غلطیوں کا بیان

حج تمتع کرنے والا اگر ایام نحر میں قربانی نہ دے تو اس پر تین دم لازم ہوں گے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک متمتع جو ایام نحر میں دم تمتع نہیں دے سکا۔ اور روزے بھی اس وقت نہ رکھ سکا۔ اب اس شخص کے لیے ایام نحر گزر جانے کے بعد کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

اگر یہ شخص حجامت کرا کے حلال ہو چکا ہے تو تین دم دے۔ ایک تمتع کا دوسرا ذبح سے پہلے حلال ہونے کا اور تیسرا دم ایام نحر سے ذبح مؤخر کرنے کا بھی لازم ہوگا۔ تینوں دم ذبح کرے حرم کے اندر۔ فقط کذا فی معلم الحجاج۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۸ ذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ

اگر حج تمتع کرنے والا پہلے ہی احرام میں حج بھی کر لے تو کیا اس کے ذمے دم لازم ہوگا؟ کیا دوسرے اور تیسرے دن کسی سے رمی کروانے سے دم لازم ہوگا؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ۔ (۱) میں مسمی محمد ابراہیم نے یلملم پہاڑی سے صرف عمرہ کا احرام باندھا لیکن مکہ شریف میں اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گیا نہ تو مجھے میرا معلم ملا اور نہ مجھے کوئی ساتھی ملا۔ اور میں انتہائی طور پر پریشان رہا۔ تقریباً چار یوم ساتھیوں سے بچھڑا رہا۔ میرے پاس صرف احرام کے دو کپڑے اور کچھ رقم تھی۔ جب عمرہ کے احکام پورے ہو گئے۔ تو میں نے حلق اور قصر کے ساتھ عمرہ کو ختم نہ کیا بلکہ انھی دو کپڑوں میں حج کا احرام باندھ لیا۔ میرے پاس اور کپڑے بھی نہ تھے اور پریشانی بھی زیادہ تھی۔ لیکن کچھ رقم میرے پاس تھی۔ اب اس صورت میں میرا احرام صحیح ہے یا نہیں۔ اور "یا حلق وغیرہ" نہ کرانے سے دم واجب ہے یا نہ۔ پھر بعد میں منیٰ کے اندر ساتھی قدرتی طور پر مل گئے۔ میرے پاؤں میں کنکری لگ گئی۔ جو انتہائی شدید تھی۔ جس کا معمولی زخم اب بھی موجود ہے۔ مجھے چلنے پھرنے میں بہت تکلیف ہوتی تھی۔ صرف ایک یوم بہت مشکل سے کنکریاں ماریں دوسرے

اور تیسرے دن درد اور تکلیف کی وجہ سے اور اس ڈر سے کہ پھر کہیں ساتھیوں سے بچھڑ جاؤں کسی اور ساتھی سے کنکریاں مروائیں۔ تو کیا دوسرے اور تیسرے دن ساتھی سے کنکریاں مروانے کی وجہ سے کوئی دم تو واجب نہیں ہوتا۔

﴿ج﴾

(۱)(قوله ان شاء) راجع للامرين اى ان شاء حلق وان شاء قصر وان شاء بقى محرما. شامی ص ۲۱۲ ج ۲ وایضا قال الشامی وفيه دلالة على ان المتمتع بها الذى لم يسق الهدى لا يلزمه التحلل كما ذكره الاسبيجابى وغيره. شامی ص۲۱۲ ج ۲ روایت بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں حلق وغیرہ نہ کرنے سے اس پر دم لازم نہ ہوگا۔

(۲) رمی کے بارے میں وہ شخص مریض اور معذور سمجھا جائے گا۔ جو کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اور جمرات تک یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف کا اندیشہ ہو۔ اور اگر سوار ہو کر جمرات تک آ سکتا ہے۔ اور مرض کی زیادتی اور تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے تو اس کو خود رمی کرنی ضروری ہے۔ دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں۔ ہاں اگر سواری یا کوئی خاص شخص اٹھانے والا نہ ہو۔ تو معذور ہے۔ دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے۔ پس اگر آپ کا مرض مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق تھا تو دوسرے سے رمی کرانا درست ہوا۔ ورنہ دم دینا ہوگا۔ دم کی قیمت مکہ مکرمہ بھیجیں یہاں پر قربانی کرنا کافی نہیں ہے۔ معلم الحجاج ص ۱۹۱ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

حج میں درج ذیل چیزیں اگر چھوٹ جائیں تو کیا حکم ہے؟

﴿س﴾

مندرجہ ذیل واجبات میں سے کوئی چھوٹ جائے تو جزا لازم ہے؟ (۱) مزدلفہ میں مقررہ وقت میں ٹھہرنا۔ (۲) صفا اور مروہ کے درمیان سعی۔ (۳) رمی جمار، شیطانوں کو کنکریاں مارنا۔ (۴) قارن اور متمتع کو قربانی کرنا۔ (۵) سر کے بال منڈوانا۔ (۶) آفاقی کو طواف وداع کرنا۔

﴿ج﴾

(۱۔۲۔۳) وفی الدر ص ۲۲۴ ج ۲ او ترک السعی او اكثر اور كب فيه بلا عذر او الوقوف بجمع یعنی مزدلفة...... او طواف الفرض روایت بالا سے معلوم ہوا کہ مزدلفہ کا قیام ترک کرنے سے دم دینا واجب ہے۔ اسی طرح صفا و مروہ کے مابین سعی ترک کرنے سے دم لازم ہے۔ اور ترک رمی پر دم لازم ہے۔ نمبر ۵ وفی الدر۔ ج ۲/ ص ۲۲۴ اخر) الحلق عن ايام النحر الخ. اس سے ثابت ہوا کہ

اگر ایام نحر میں حلق نہ کرے تو پھر دم دینا پڑے گا۔ (۴) قارن اور متمتع اگر دم دینے پر قادر نہ ہو۔ تو وہ دس روزے رکھیں گے۔ تین دن یوم النحر سے قبل اور سات روزے ایام حج گذرنے کے بعد۔ اگر کوئی شخص تین روزے سابقہ نہ رکھ سکے۔ تو دم دینا لازم ہوگا۔ وفی الدر ص ۲۰۹ \ ج ۲ (وذبح للقران) وهو دم شكر ...... (وان عجز صام ثلثة ايام، الخ

نمبر ۲ وفی الشامية. ج ۲ /ص ۳۰۲ (قوله وهو واجب) فلو نفر ولم يطف وجب عليه الرجوع ليطوف مالم يجاوز الميقات فيخير بين اراقة الدم والرجوع باحرام جديد الخ. طواف وداع کے ترک پر بھی دم لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمد انور شاہ غفرلہ ۱۲ رجب ۱۳۹۷ھ

دوسرے اور تیسرے دن اگر رمی کو زوال سے پہلے کیا جائے تو کیا حکم ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی نے حج کے موقع پر رمی جمار کرتے ہوئے دوسرے دن میں قبل از زوال رمی کر لی۔ تو اب قابل دریافت بات یہ ہے کہ اس کی رمی ہوئی یا نہیں۔ اگر نہیں ہوئی تو دم لازم ہوگا یا نہیں اگر دم ہے۔ تو اب پاکستان میں کیسے کرے اور ساتھ ساتھ یہ بات قابل دریافت ہے۔ کہ دوسرے دن کی رمی کس وقت شروع ہوتی ہے۔ جبکہ حضرت مولانا اعزاز علیؒ لکھتے ہیں کہ رمی بعد از زوال شروع ہو جاتی ہے اور صاحب بحر الرائق بحر میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ رمی بعد از طلوع شمس کے شروع ہو کر زوال تک ہے۔

﴿ج﴾

دوسرے دن کی رمی کا وقت زوال سے شروع ہے۔ اور ہر وقت مسنون ہے۔ لہٰذا اس کے خلاف کرنے سے (یعنی زوال سے قبل رمی کرنے سے) دم لازم ہوگا۔ كما فى الدر. ج ۲ /ص ۲۰۱ قال فى اللباب وقت رمى الجمار الثلاث فى اليوم الثانى والثالث من ايام النحر بعد الزوال فلا يجوز قبله فى المشهور وقيل يجوز والوقت المسنون فيهما يمتد من الزوال الى غروب الشمس وفى العالمگيرية. ج ۱ /ص ۲۳۳ واما وقت الرمى فى اليوم الثانى والثالث فهوما بعد الزوال الى طلوع الشمس حتى لا يجوز الرمى فيهما قبل الزوال الخ. نیز کفارات میں دم اگر لازم آ جائے تو یہ فقط حرم پاک میں قربانی دینے سے ادا ہوگا۔ اس لیے ایک قربانی کی رقم حرم پاک میں کسی کے پاس روانہ کی جائے اور وہ شخص اس رقم سے قربانی خرید ے اور حرم میں ذبح کرے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۴ صفر ۱۳۹۸ھ

"حج کے متفرق مسائل"

اپنی لڑکی کو غیر محرم کے ساتھ شوہر کے گھر بھیجنے والے کو حج کا ثواب مل جائے گا؟

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید کا سُسر ہے۔ اور دونوں کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ اس دوران زید اپنے لڑکے کو بکر کے گھر سے لڑکی کو بلانے کے لیے بھیجتا ہے۔ بکر بیوی کو اس وعدہ سے زید کے گھر روانہ کر دیتا ہے کہ واپس تم خود چھوڑ جانا وہ وعدہ کرتا ہے۔ کہ ہم خود چھوڑ کر جائیں گے۔ چلتی دفعہ بکر نے اپنی بیوی کو آنے جانے کا کرایہ وغیرہ بھی دے دیا۔ پندرہ، بیس دن کے بعد عید کے نزدیک غیر محرم آدمی کے ساتھ صرف ٹکٹ لیکر روانہ کر دیا۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ غیر محرم آدمی کے ساتھ حج بیت اللہ بھی قبول نہیں۔ کیا اس حالت میں زید پھر لڑکی کو بلانے کا مطالبہ کرے تو لڑکی کو بھیجا جا سکتا ہے۔ یا نہیں۔ اس دوران زید حج پر جاتا ہے۔ لوگوں نے کہا جبکہ تمہارا اختلاف ہے آپس میں سلوک راضی نامہ کر کے جاؤ۔ کہتا ہے۔ میں سیر و تفریح کرنے جا رہا ہوں۔ آیا زید کو حج کا ثواب ملے گا۔ یا نہیں۔ باقی زید اس کرایہ کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔ جو اس نے ٹکٹ خرید کر دیا تھا۔ ان حالات میں اگر بکر اپنی بیوی کو زید کے گھر جانے کی اجازت نہ دے تو شریعت کے قانون سے مجرم تو نہیں ہے۔ بینوا توجروا

(ج)

عورت کے لیے تین منزل ۴۸ میل کا سفر جب تک کہ ساتھ مردوں میں کوئی اپنا محرم یا شوہر نہ ہو درست نہیں۔ اور ایک منزل یا دو منزل جانا ہو۔ تب بھی غیر محرم کے ساتھ جانا بہتر نہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یخلون رجل بامرأۃ ولا تسافرن امرأۃ الا ومعہا محرم متفق علیہ وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسافر امرأۃ مسیرۃ یوم ولیلۃ الا ومعہا ذورحم محرم (متفق علیہ) وفی روایۃ للبخاری عن ابن عمر رضی اللہ عنہما لا تسافر امرأۃ مسیرۃ ثلثۃ ایام.

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص تحدید نہیں ہے۔ بلکہ عورت کے لیے مطلق سفر بغیر محرم منع ہے۔ کما قال قاضیخان لا تسافر المرأۃ بغیر محرم ثلثۃ ایام وما فوقہا واختلفت الروایات

فیما دون ذالک قال ابو یوسفؒ اکرہ لہا ان تسافر یوماً وھکذا روی عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی. اس لیے زید لڑکی کو غیر محرم کے ساتھ خاوند کے گھر بھیجنے پر گنہگار ہوگا۔ آئندہ کے لیے اس کو اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

نیز خاوند کے لیے مناسب و مستحب ہے۔ کہ بغیر ضرورت شدیدہ کے بھی گاہ گاہ اس کے والدین کے یہاں ذی محرم کے ساتھ جانے کی اجازت دیا کرے۔ کتب فقہ کی مندرجہ ذیل عبارات اس کے ثبوت کے لیے کافی ہیں

قال فی الدر المختار (ولا یمنعہا من الخروج الی الوالدین) فی کل جمعۃ ان لم یقدر اعلی اتیانہا علی ما اختارہ فی الاختیار ولو ابوہا زمنا مثلا فاحتاجہا فعلیہا تعاھدہ ولو کافرا وان ابی الزوج فتح قال الشامی وقد اختار بعض المشائخ منعہا من الخروج الیہما واشار الی نقلہ فی شرح المختار والحق الاخذ بقول ابی یوسف اذا کان الابوان بالصفۃ التی ذکرت والا ینبغی ان یأذن لہا فی زیارتہما فی الحین بعد الحین علی قدر متعارف اما فی کل جمعۃ فھو بعید فان فی کثرۃ الخروج فتح باب الفتنۃ الخ. (شامی باب النفقۃ ص ۲۲۲ . ۷۲۱\ج ۲ مطبوعہ کوئٹہ) باقی حج کے ثواب کا دارومدار نیت پر ہے۔ اگر فریضہ حج ادا کرنے کی نیت سے گیا ہے۔ تو ثواب ملے گا۔ ٹکٹ لیکر اس نے اپنی لڑکی کے ساتھ احسان کیا ہے۔ اس کا مطالبہ داماد سے نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۶ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ

جس نے حج نہ کیا ہو اس کا عمرہ ادا ہو جاتا ہے

عمرہ کرنے والا جب صاحب استطاعت ہوگا تو حج بھی فرض ہوگا

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص مثلاً زید، عمرو، عمرہ کرتا ہے۔ اور یہ پہلا عمرہ ہے۔ اس سے پہلے حج یا عمرہ ادا نہیں کیا۔ کیا اس عمرہ سے عمرہ ادا ہوگا یا نہیں۔ (۲) عمرہ کا مقرر ثواب ملے گا یا نہیں ملے گا۔ (۳) اس عمرہ کے بعد زندگی بھر میں ایک بار حج کرنا فرض ہو جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا

(ج)

(۱۔۲) عمرہ اس کا صحیح اور موجب ثواب ہے۔

(۳) عمرہ ادا کرنے سے حج ساقط نہیں ہوتا جب اس کو استطاعت ہو تو فریضہ حج ادا کر دے۔ فقط واللہ تعالٰی اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ یکم ربیع الاول ۱۳۹۴ھ

جو شخص حج کر چکا اس سے والدین کے لیے حج کا ثواب خریدنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان عظام فی ھذہ المسئلۃ کہ ایک آدمی حج بیت اللہ کو جاتا ہے تو حج کر لینے کے بعد وہیں مکۃ المکرمہ میں کوئی غیر آدمی کہے کہ میں اپنے حج کے ثواب کو بیچنا چاہتا ہوں تو اس سے کوئی غیر آدمی پیسے دے کر اپنے کسی رشتہ دار مثلاً والدین یا اولاد کے لیے اس کا ثواب خرید سکتا ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ یہاں سے کوئی آدمی حاجی کو پیسے دیتا ہے کہ میرے لیے وہاں سے حج کا ثواب خرید لینا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

حج کر لینے کے بعد تو یہ درست نہیں کہ کوئی شخص اپنا حج کسی کو روپیہ لیکر دیدے لیکن یہ درست ہے کہ وہاں کسی معتمد علیہ آدمی سے حج نفل والدین زوجہ وغیرہ کی طرف سے کرالیا جائے۔ یعنی پہلے ہی سے وہ شخص احرام دوسرے کی طرف سے جس کی طرف سے حج کرانا مقصود ہے باندھے یہ درست ہے۔

لیکن صرف ثواب حج کے لیے اگر ہو تو جائز نہیں ہے نیز اسکے اخراجات سفر کے ادا کرے اجرت جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۹ صفر ۱۳۸۹ھ

حج کی فلم دیکھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین۔ مندرجہ ذیل مسائل میں کہ آجکل فلم خانہ خدا چل رہی ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ اس فلم کے دیکھنے سے حج اور زیارۃ کی ترغیب ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا دیکھنا جائز ہے۔ کیا واقعی اس فائدہ کو ملحوظ رکھکر اس کا دیکھنا جائز ہے۔ صحیح شرعی پوزیشن سے مسلمانوں کو آگاہ فرمائیں۔

﴿ج﴾

کپڑے کے پردہ پر تصویر بھی دیکھنا جائز نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گھر میں ایک کپڑے کا پردہ دیوار پر لٹکایا تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہٹانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ کان قرام

لعائشۃ سترت بها جانب بيتها فقال النبي صلى الله عليه وسلم اميطي عنا قرامک هذا. رواہ البخاری فی صحیحہ. ج ۱/ص ۱۵۴. اس لیے سینما بینی اور فلموں میں پردہ پر تصویروں کا دیکھنا حرام ہے۔ بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ فلم خانہ خدا کے دیکھنے سے حج اور زیارۃ کی ترغیب ہوتی ہے۔ اس لیے اس فلم کا دیکھنا جائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ محرمات شرعیہ کا ارتکاب کر کے حج کی ترغیب دینی جائز نہیں ہوسکتی۔ حرام کو شرعاً خیر کا ذریعہ نہیں بنایا جاسکتا۔ بالخصوص پاکستان میں تو حج کے خواہشمند لوگوں کو جن پر حج فرض ہوتا ہے۔ حج پر جانے کی اجازت علی العموم نہیں ملتی۔ ایسے حالات میں ترغیب کے لیے فلموں سے کام لینا عقل کے تقاضوں کے بھی خلاف ہے۔ ہماری معلومات کی حد تک فلم خانہ خدا میں پہلے نصف وقت میں حسب معمول فواحش کی تربیت ہوتی ہے۔ اور آخر میں یہ فلم دکھائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فرنگی تہذیب کے برے اثرات سے محفوظ رکھے۔ بہر حال فلم خانۂ خدا کا دیکھنا حرام ہے۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۹ صفر ۱۳۸۸ھ

جھوٹ اور رشوت سے دوسرے ملک کا پاسپورٹ بنوا کر حج کو جانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ حج کے موقع پر ہمارے ایرانی حضرات اگر پاکستانی کارڈ اور پاسپورٹ بنوا کر بحیثیت پاکستانی کراچی بندرگاہ سے فریضہ حج ادا کرنے جاتے ہیں۔ اس میں مندرجہ ذیل خرابی پائی جاتی ہے۔ (۱) شناختی کارڈ بنوانے والوں کے سامنے جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ کہ میں پاکستانی ہوں۔ (۲) شناختی کارڈ بنانے کے لیے بہت رشوت دینا پڑتی ہے تو کیا اس حاجی صاحب کو جھوٹ بول کر اور رشوت دیکر حج کرنا صحیح ہے۔ اور اس حج سے فریضہ ادا ہو جائے گا۔ اور اس کے ساتھ ان حضرات کو ایک عذر درپیش ہے۔ وہ یہ کہ ایران میں ہر ایک فرد کو دو سال حکومت کے لیے خدمت کرنا ہوتا ہے۔ جس کو خدمت سربازی کہا جاتا ہے۔ تو جو بھی ایرانی فرد خدمت سربازی کا سرٹیفکیٹ نہیں رکھتا۔ اس کو ایرانی پاسپورٹ نہیں مل سکتا۔ تو جن حضرات کے پاس خدمت سربازی کا سرٹیفکیٹ نہیں ہوتا وہ پاکستان آ کر حج کرنے چلے جاتے ہیں۔ تو کیا اس عذر کے ہوتے ہوئے یہ معذور ہو سکتے ہیں۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

جھوٹ بولنا، رشوت لینا دینا اور دھوکہ کرنا گناہ ہے اور ناجائز ہے۔ البتہ وہاں پہنچ کر جب حج کے افعال ادا کرے گا تو فریضہ حج اس کا ساقط ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۶ ذوالحج ۱۳۹۸ھ

حج کے لیے جانے والے کا پاکستانی مال لیجا کر سعودی عرب میں فروخت کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید حج بیت اللہ شریف کے لیے جارہا ہے کیونکہ زید پر حج فرض ہے اور زید یہ پوچھتا ہے کہ حج بیت اللہ جاتے وقت پاکستان سے اگر چادریں، ریشمی لنگیاں، تسبیح وغیرہ وغیرہ یہ چیزیں پاکستان سے لے کر مکہ یا مدینہ منورہ بغرض منافع حاصل کرنے کے لیے اگر لے جائے تو حج کی ادائیگی میں تو فرق نہیں آتا۔ اور اس طرح مال لانا یا لے جانا جائز ہے یا نہیں۔ بغرض منافع حاصل کرنے کے۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

حج بیت اللہ شریف پر جاتے آتے وقت ان اشیاء کو حج میں ہرگز بیچا نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ ذوالقعدہ ۱۳۹۵ھ

کیا نابالغ بچے کو حج پر لے جانے سے اس پر حج فرض ہو جائے گا؟

عشاء کا وقت شروع ہونے کے بعد اگر کوئی سفر شروع کرے اور نماز نہ پڑھے تو قضا چار کی ہوگی یا دو کی؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں۔ (۱) ایک شخص اشہر حج میں اپنے نابالغ بچہ کو سفر حج میں اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ آیا اس نابالغ بچہ پر حج فرض ہو جاتا ہے یا نہیں۔ (۲) ایک شخص نصف وقت عشاء گزرنے پر سفر شروع کرتا ہے۔ اور سفر کی حالت میں وقت ختم ہو جاتا ہے۔ کہ اس نے نماز عشاء ادا نہیں کی آیا اس پر قضا دو رکعت ہیں یا چہار رکعت۔ اول نصف وقت میں مقیم اور آخر نصف میں مسافر۔

﴿ج﴾

(۱) سفر حجاز میں ساتھ لے جانے سے نابالغ پر حج فرض نہیں ہوتا۔ ہاں اس کو احرام بندھوا کر نفل حج کرایا جا سکتا ہے۔ البتہ بلوغ کے بعد اگر اس کو حج کی استطاعت ہو تو اس پر حج فرض ہو جائے گا۔ الحج واجب علی الاحرار البالغین ہدایۃ کتاب الحج. (۲) اس پر صرف دو رکعت کی قضا واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۴ شوال ۱۳۹۳ھ

کسی ادارے کا مدرس / ٹیچر اگر حج کو جائے تو چھٹیوں کی تنخواہ کا حقدار ہوگا یا نہیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص دینی مدرسہ کا معلم ہے۔ وہ حج بیت اللہ شریف کو جارہا ہے۔ وہ ان ایام کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں۔ اور حج نفلی و فرضی میں کوئی فرق ہوگا۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس کے متعلق درج ذیل تفصیل ہے۔ (۱) اگر مدرس کو رکھتے وقت اس کے ساتھ دربارہ حج بیت اللہ کسی قسم کا معاہدہ کیا گیا تھا۔ تو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ خواہ یہ معاہدہ کل تنخواہ دینے کا ہوا ہو یا نصف کا یا محض رخصت بلا تنخواہ کا ہر قسم کا معاہدہ شرعاً ہو سکتا ہے۔ (۲) اور اگر اس قسم کا کوئی معاہدہ نہیں کیا گیا تھا۔ تب اگر مدرسہ کا اس کے متعلق کوئی طے شدہ دستور ہے۔ جس سے مدرس بھی واقف ہے۔ تو اسی کے مطابق عمل ہوگا۔ (۳) اور اگر کوئی پہلے سے طے شدہ دستور نہیں ہے تب ایسی صورت میں عام مدارس کے اصول کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ ہمارے مدرسہ قاسم العلوم میں تو معمول یہ ہے کہ حج فرض کی صورت میں نصف تنخواہ ایام رخصت کی دیتے ہیں۔ اور حج نفل کے متعلق ان کا کوئی واضح معمول سامنے نہیں آیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ ذوالقعدہ ۱۳۸۶ھ

کیا حج کرنے سے قضا شدہ نمازیں معاف ہو جائیں گی؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حج کی سعادت نصیب فرمائی ہے۔ حج سے قبل بندہ نمازی نہیں تھا۔ آیا وہ قضا شدہ نمازیں پڑھنی چاہئیں۔ یا حج کرنے سے معاف ہو چکی ہیں۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جو نمازیں رہ گئی ہیں۔ ان کی قضا فرض ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک روز کی نماز کو بالترتیب قضا کرتے رہیں۔ اور نیت اس طرح کریں۔ وہ پہلی نماز فجر کی ادا کرتا ہوں جس کا وقت میں نے پایا۔ اور اس کو ادا نہ کیا۔ اسی طرح ظہر کی عصر کی مغرب کی عشاء کی اور وتر کی اور حساب کر کے بلوغ سے توبہ

کے وقت تک جتنے سال بے نماز ہونے کی حالت میں گزر چکے ہیں ۔ان کی نمازوں کو قضا کریں ۔اس کی دلیل یہ ہے۔قال الله تعالیٰ فی کتابه مرة بعد اخری. اقیموا الصلوة واتوا الزکوة الآیه . اقیموا امر کا صیغہ ہے اور امر مقتضی وجوب ہے۔لہٰذا نماز فرض ہوگی ۔اور جو چیز امر سے فرض ہو جاتی ہے۔اس سے سبکدوش ہونے کے دو ہی طریقے ہیں ۔تسلیم عین واجب یا اپنی طرف سے مثل واجب کے تسلیم سے اپنے ذمہ سے اصل واجب کو ساقط کرنے سے ۔ کما قالوا فی حکم الواجب بالامر انه نوعان اداء وهو تسلیم عین الواجب الی مستحقه وقضاء وهو اسقاط الواجب بمثله من عنده (حسامی) توبہ سے یاج سے معاصی معاف ہوتے ہیں ۔فرائض معاف نہیں ہوتے جیسے اگر کسی شخص نے حج نہ کیا۔ یا توبہ کرلی ۔تو قرضداروں کا قرضہ ویسا ہی اس کے ذمہ واجب ہے جیسے کہ پہلے تھا اسی طرح حقوق اللہ سے بھی جو قرض ہے۔ وہ بھی ادا کرنے سے ہی ہوگا ۔بلکہ یہاں تک علماء نے لکھا ہے ۔کہ توبہ سے نمازوں کی تاخیر کی معصیت معاف ہو گی ۔اور فوراً ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔حتیٰ کہ اگر پھر قضا کرنے میں تاخیر کی تو از سر نو گنہگار ہوگا۔قال فی الشامية قال الترمذی هو مخصوص بالمعاصی المتعلقه بحق الله تعالی لا العباد ولا یسقط الحق نفسه بل من علیه صلوة یسقط عن اثم تاخیرها لا لنفسها فلو اخرها بعده تجدد اثم آخر الخ ثم قال بعد اسطر نقلا عن البحر فلیس معنی التکفیر کما یتوهم کثیر من الناس ان الدین یسقط عنه وکذا قضاء الصلوة والصوم والزکوة اذ لم یقل احد بذلک . الحاصل بدون قضا کے کوئی صورت سبکدوشی کی نہیں ۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۱ صفر ۱۳۹۴ھ

والدہ یا بیوی ناراض ہونے سے حج فرض موقوف نہ کرے

﴿س﴾

ایک شخص نے حج کی درخواست گذاری خوش قسمتی سے اس کا نام قرعہ اندازی میں نکل آیا۔اور اب وہ حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے تاریخ اور جہاز کے نمبر کا منتظر ہے۔اس کی دو بیویاں ہیں ۔دونوں سے اولاد ہے۔ لیکن چھوٹی بیوی عرصہ تقریباً سات ماہ ہوئے اپنے تین بچوں کو شوہر کے پاس چھوڑ کر میکے چلی گئی۔ چھوٹی بچی شیر خوار ہے۔اور اس کے جانے کی وجوہات ساس کے ساتھ (جس کی وہ حقیقی بھانجی ہے) جھگڑا اور خرچ شوہر سے لینا اور ساس کے ساتھ نہ رہنا اور کم خرچ کا جھگڑا وغیرہ ہیں ۔تینوں بچے خاوند کے پاس اپنی پہلی بیوی کے زیر اثر پرورش پا رہے ہیں اور تندرست ہیں ۔بچوں کی والدہ کے جانے کے وقت چھوٹی بچی قریب المرگ تھی ۔ بیوی کو طلاق دینے کو تل گیا ہے ۔لیکن شوہر کی ماں (جو اپنی بھانجی کے ڈھنگ کی سی ہے) اب مصر ہے کہ بیوی کو واپس

لائے ۔وہ اسے واپس لانا اپنی بے عزتی اور بے غیرتی سمجھتا ہے۔والدہ دریں سبب ناراض ہے۔اب وہ طلاق دیکر حج پر جائے تو جھگڑا طول کھینچتا ہے۔اور ماں کی ناراضگی میں اضافہ ہوتا ہے۔کیا وہ شخص ماں کی صلح کے بغیر جو اس کے حق میں نہ کبھی خوش ہوئی ہے اور نہ ہوگی ۔حج کی سعادت حاصل کرسکتا ہے۔مفتی دین اس معاملہ میں وضاحت سے حکم صادر فرمائیں ۔نوٹ۔شخص مذکور والدین کے حقوق کو بخوبی سمجھتا ہے۔اور احترام کرتا ہے۔کبھی ماں کے سامنے اف تک نہیں کرتا اگر چہ اسے والدہ سے تکالیف کا سامنا بھی ہوتا ہے۔جیسا کہ مذکورہ واقعہ کہ وہ خود ہی بھگانے والی اور پھر خود ہی واپس لانے کا مطالبہ وغیرہ کرنے والی ہے۔

﴿ج﴾

اس شخص پر لازم ہے کہ وہ صلح وصفائی کی ہر ممکن کوشش کرے۔والدہ کی رضامندی اور اس کو مطمئن کرنے کی انتہائی کوشش کرے۔لیکن اگر اس کے باوجود بھی رضامندی نہ ہوسکے۔تو اس کے لیے حج کی ادائیگی موقوف نہ کرے۔بلکہ حج فرض ادا کرے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ رمضان ۱۳۹۱ھ

مکہ مکرمہ سے جانے والے منیٰ میں قصر کریں یا پوری پڑھیں؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ۔ (۱) کہ ہم مکہ مکرمہ سے منیٰ کو جاتے ہیں۔ وہاں پر فرض نماز کی ۲ رکعت پڑھیں یا ۴ رکعت پڑھیں ۔مکہ معظمہ میں تین ماہ ہو گئے ہیں ۔مکہ معظمہ سے منیٰ کئی میل دور ہے۔

﴿ج﴾

جب مکہ میں آپ نے اقامت یعنی پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کی اور آپ نیت اقامت کے ساتھ یہاں مکہ میں تین ماہ ٹھہرے رہے تو منیٰ میں قصر جائز نہیں اتمام واجب ہے۔

مسجد عرفات میں نہ پہنچ سکنے والوں کے لیے جمع صلوٰۃ کا حکم

﴿س﴾

جب عرفات کے میدان میں جاتے ہیں۔ وہاں پر ہماری جگہ سے مسجد عرفات کی دور ہے۔ہم مسجد میں نہیں پہنچ سکتے ۔آیا کہ ہم ظہر اور عصر کی اکٹھی ادا کریں یا کہ وقت وقت پر پڑھیں اور سنتیں نفلیں ادا کرنی ہیں یا نہیں۔

﴿ج﴾

ظہر اور عصر کو ایک وقت میں پڑھنے کے لیے چند شرائط ہیں۔ (۱) عرفات میں یا اس کے قریب ہونا۔ (۲) نویں ذی الحجہ کا ہونا۔ (۳) امام وقت یا اس کے نائب کا ہونا۔ (۴) دونوں نمازوں میں حج کا احرام ہونا۔ (۵) ظہر کا عصر سے مقدم ہونا۔ (۶) جماعت کا ہونا۔ اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط مفقود ہو جائے۔ تو دونوں نمازوں کا جمع کرنا جائز نہ ہوگا۔ بلکہ ہر ایک کو اپنے اپنے وقت میں پڑھنا واجب ہوگا۔

مزدلفہ میں مغرب وعشاء کے فرضوں کے مابین سنتوں کا حکم

﴿س﴾

عرفات سے جب مزدلفہ پہنچتے ہیں تو مغرب وعشاء کی اکٹھی نماز پڑھتے ہیں۔ کیا ہم سنتیں نفلیں ادا کریں یا نہیں۔

﴿ج﴾

دونوں نمازوں کے درمیان میں سنت اور نفل نہ پڑھے بلکہ مغرب اور عشاء کی سنتیں اور وتر عشاء کی نماز کے بعد پڑھے۔

عورتوں کی طرف سے مردوں کے رمی کرنے کا حکم

﴿س﴾

منیٰ میں جب ہم پہنچتے ہیں تو شیطان کو کنکریاں مارنے کے لیے عورتوں کو جو حکم ہے تو کیا اس کے بدلے مرد مار سکتے ہیں۔

﴿ج﴾

عورت کی طرف سے کسی دوسرے کو نائب بنکر ہجوم کی وجہ سے رمی کرنا جائز نہیں۔ عورت خود رمی جمار کرے۔

منیٰ سے مغرب کے بعد روانگی کا حکم

﴿س﴾

جس دن منیٰ سے روانگی ہوتی ہے۔ عصر کی نماز کے بعد روانہ ہوتے ہیں۔ معلم سامان اٹھا کر اس سے قبل جاتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ تم عصر کی نماز پڑھ کر چلے آنا۔ وہاں پر سواری نہیں ملتی۔ سورج غروب ہو گیا ہے۔ سواری نہیں۔ مغرب کی نماز کے بعد سواری ملتی ہے۔ اب کیا حکم ہے۔ کہ وہ چلا آئے یا کیا کرے۔

﴿ج﴾

اگر بارہویں تاریخ کو مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ ہو تو غروب سے پہلے منیٰ سے نکل جائے غروب کے بعد تیرہویں کو بلا رمی کیے جانا مکروہ ہے۔ گو تیرہویں کو رمی واجب نہ ہوگی۔ لیکن اگر تیرہویں کو صبح صادق منیٰ میں ہوگی تو تیرہویں کی رمی واجب ہو جائے گی۔ اگر بلا رمی کیے آئیگا تو دم واجب ہوگا۔ کذا فی معلم الحجاج۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۱ صفر ۱۳۹۴ھ

کیا حج کے مہینوں کے بغیر سرزمین حرم پر قدم رکھنے اور اسی وقت واپس آنے والے پر حج فرض ہو جائیگا؟

کیا آیت سجدہ کو ایک بار سجدہ کرنے کے بعد اسی جگہ دوبارہ پڑھنے سے دوسرا سجدہ واجب ہوگا؟

آیت سجدہ نماز میں پڑھکر اگر سجدہ کر دیا گیا ہو تو نماز کے بعد وہی آیت دوبارہ پڑھنے سے دوسرا سجدہ واجب ہوگا؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ۔ (۱) کیا سرزمین حرم پاک کا داخلہ مطلقا (بلا تقیید ایام حج واشہر حج) فرضیت حج کا باعث ہوتا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص غیر ایام حج واشہر حج کے عمرہ کی نیت سے بیت اللہ کی حاضری دے۔ تو کیا اس شخص پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ جبکہ وہ اشہر حج سے قبل واپس آ جاتا ہے۔

(۲) زید نے ایک مجلس میں آیت سجدہ کو پڑھا اور سجدہ ادا کر لیا۔ بعدہ پھر اسی آیت سجدہ کو اس مجلس میں متعدد بار تلاوت کرتا ہے۔ تو کیا اس کا پہلے ادا کردہ سجدہ بعد میں تلاوت کی گئی آیت سجدہ کے لیے مکتفی ہوگا یا نہیں؟

(۳) زید نے نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی اور نماز میں ہی سجدہ ادا کر لیا اور پھر بعد الصلوٰۃ اسی مجلس میں اسی آیت کو ایک بار یا متعدد بار تلاوت کیا۔ تو کیا نماز میں ادا کردہ سجدہ بعد میں تلاوت کی گئی آیت سجدہ کے لیے مکتفی ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

﴿ج﴾

(۱) اشہر حج کے علاوہ اگر کوئی شخص وہاں پہنچ جاتا ہے۔ تو اس پر حج فرض نہیں ہوتا۔ (۲) کئی سجدوں کے لیے ایک سجدہ ہی کافی ہونے کے واسطے شرط یہ ہے۔ کہ ایک ہی آیت اور ایک ہی مجلس ہو۔ خواہ جتنی دفعہ پڑھنا ہو پڑھ کر اخیر میں سجدہ کر لے۔ یا پہلی دفعہ پڑھ کر سجدہ کر لے پھر اسی آیت کو بار بار پڑھتا رہے تب بھی وہ ایک ہی سجدہ کافی ہے۔ کیونکہ سبب متحد ہونے کی وجہ سے اپنے پیشتر و مابعد کی تلاوت میں تداخل کا موجب ہوگیا۔ یعنی

اول تلاوت ہی وجوب سجدہ کا سبب ہوتی ہے۔ پس اس کی مابعد کی تلاوتیں اس کے تابع ہوئیں۔ پس جہاں بھی سجدہ کرے گا۔ اپنے سبب کے بعد ہی ہوگا۔ کررها فی مجلس کفته سجدة ولا فرق بين ما قرأ مرتين ثم سجد اوقرأ وسجد ثم قرأها فى ذلك المجلس فعلى هذا ان كررها فى ركعة واحدة تكفى سجدة واحدة سواء سجد ثم اعاد او اعادثم سجد (شرح وقايه. ج ۱/ص ۲۳۲)

(۳) اس صورت میں بعض فقہاء کے نزدیک دوسرا سجدہ واجب ہے۔ اور بعض نے پہلے کو کافی سمجھا ہے۔ ان قولوں میں تطبیق یوں کی گئی ہے۔ کہ سجدہ واجب ہونے کا حکم اس وقت ہے۔ جبکہ سلام کے بعد کلام یا منافی نماز کوئی کام کیا ہو۔ اس کے بعد سجدہ کی آیت تلاوت کی ہو۔ اس لیے کہ کلام مجلس کے اتحاد کے حکم کو توڑ دیتا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں کیا تو دوسرا سجدہ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ جب تک حرمت نماز میں ہے۔ مجلس متحد کا حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

عمرہ کے بعد بال کٹوانے کی مقدار کیا ہے؟

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ عمرہ کے بعد بال کٹوانے کی حد کتنی ہے۔ کیا سر کے تمام بالوں کا ایک انگلی کے برابر کتروانا ضروری ہے۔ یا چاروں کونوں سے ضروری ہے۔ یا فقط ایک کونہ سے بالوں کا قصر بھی کافی ہے۔ ایک صاحب بضد ہیں۔ کہ صرف ایک طرف سے قینچی کے ذریعہ تھوڑے سے بال کٹوانے کی صورت میں دم لازم آتا ہے۔ اور چاروں کونوں سے بالوں کا کتروانا ضروری ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے؟ بینوا توجروا

﴿ج﴾

(وفى الدر المختار. ج ۲/۱۹۶) (ثم قصر) بان يأخذ من كل شعرة قدر الانملة وجوباً وتقصير الكل مندوب والربع واجب. وفى الشامية قال فى (البحر) والمراد بالتقصير ان يأخذ الرجل والمرأة من رؤس شعر ربع الرأس مقدار الانملة كذا ذكره الزيلعى.

وفى الشر نبلالية. يظهرلى ان المراد بكل شعرة اى من شعر الربع على وجه اللزوم ومن الكل على سبيل الاولوية فلا مخالفة فى الاجزاء لان الربع كالكل ردالمحتار ص ۱۹۷\ ج ۲. روایت بالا سے معلوم ہوا کہ بمقدار انملہ واحدہ چوتھائی سر کے بالوں کا کاٹنا حلق کے لیے لازم ہے۔ اور کل سر کے بال کاٹنا مستحب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۰ صفر ۱۳۹۷ھ

کسی کو حج بدل کے لیے لے جانے کی صورت میں صرف اس کا خرچ حج کرانے والے پر لازم ہوگا یا اس کے گھر کا بھی؟

﴿س﴾

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی یعنی زید اپنے باپ فوت شدہ کی طرف سے عمرو کو حج بدل پر لے جائے۔ تو کون کون سی چیز ساتھ لے اور کیا عمرو کے گھر کا خرچہ جبکہ عمرو حج پر جائے اس کے تین یا چار ماہ کا خرچہ زید کے ذمہ ہے یا کہ نہیں عمرو کو جو رقم حج کے لیے دی جائے وہ اس سے لے لی جائے یا اس کو زادِ راہ کے تحت آجکل کے حساب سے دی جائے اور وہ سارا اپنی مرضی سے خرچ کرتا جائے۔ اس کے علاوہ جب عمرو کو زید ساتھ لے کر جائے تو اس کا احترام اپنے والد کی طرح کرے یا نہ۔

﴿ج﴾

حج بدل کرنے والے کو اتنا خرچ ملنا چاہیے کہ آمر کے وطن سے مکہ مکرمہ تک جانے اور واپس آنے کو متوسط طریق سے کافی ہو کہ نہ تنگی ہو اور نہ فضول خرچی مصارف میں سواری، روٹی، گوشت، سالن گھی۔ احرام کا لباس، پانی کا سامان، سفر کے کپڑے، کپڑے دھونے اور نہانے کے لیے صابن، حمالی وغیرہ کی مزدوری، حجام کی مزدوری، مکان کا کرایہ اور جس شئ کی ضرورت ہو مامور کی حیثیت کے مطابق سب داخل ہیں۔ اور آمر کے مال سے تنگی فضول خرچی کے بغیر مذکورہ اخراجات میں خرچ کرنا جائز ہے۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد جو کچھ نقد یا جنس کپڑے اور سامان مامور کے پاس بچے وہ آمر یا اس کے ورثاء کو واپس کرنا لازم ہے۔ اگر آمر اس کو ھبہ کردے تو لینا درست ہے اور آمر کے لیے مناسب یہ ہے کہ مامور کو عام اجازت دے کہ جس طرح اور جس جگہ چاہے صرف کرے احترام تو ویسے شرعاً ہر مسلمان کا کرنا چاہیے۔ لیکن آمر کے لیے یہ نہیں کہ وہ مامور پر احسان کرے کہ حج بدل کے لیے رقم دیدی ہے بلکہ حج بدل کے لیے جانے والے کا ممنون ہونا چاہیے کہ اس کی طرف سے اس نے یہ فریضہ ادا کیا مامور کے گھر کا نان ونفقہ آمر پر نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۴ صفر ۱۳۹۵ھ

جمعیۃ پبلیکیشنز